بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض ناشر

عام طور پر ہر علم اور خاص طور پر تاریخ وسیرت کے مسائل کی حیثیت امانت کی ہے، جو لوگ ان علوم سے اشتغال رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ ضمیر کی آواز کے مطابق کام کریں، مدعا کے اثبات کے لیے جو دلائل پیش کریں وہ منطقی اور باوزن ہوں، نصوص وواقعات کے ذکر میں کسی طرح کی تلبیس نہ ہو اور دلائل پر غور کرنے سے پہلے کوئی رائے قائم نہ کریں۔

امت اسلامیہ میں محدثین کا جو گروہ پیدا ہوا اس نے اس سلسلہ میں انتہائی قابل تعریف مثال قائم کی ہے، محدثین کی اس مثال کو اگر ہم سامنے رکھیں تو بیشتر فکری لغزشوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں، محدثین کا معیار علمی مسائل میں انصاف واعتدال کی ضمانت ہے، انھوں نے ہمیشہ واضح اور ٹھوس دلائل کی بنیاد پر اپنی بات کہی اور جرح وتعدیل کے باب میں جانبداری سے ہمیشہ دور رہے حتی کہ مذہب ومسلک کے اختلاف نے بھی انھیں کبھی انصاف کی راہ سے دور نہیں ہٹایا۔

امت کے سامنے محدثین کا یہ کردار علم وتحقیق کے بعد ان میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے باوجود بہت سے لوگوں نے علمی میدان میں اس معیار سے فائدہ نہیں اٹھایا اور بحث وتحقیق کے موقع پر مسلکی عصبیت اور جانبداری کا شکار ہو گئے، اپنے مفروضہ کو ثابت کرنے کے لیے نصوص میں تحریف کی یا انھیں کوئی دوسرا معنی پہنایا، تاریخ وسیرت کے شعبوں میں اس طرح کی باتیں زیادہ واقع ہوئیں اور اس کے نتیجہ میں گروہ بندی کے رجحان کو تقویت پہنچی، جملہ علمی مسائل اور خاص طور پر تاریخی مسائل میں اگر یہ لحاظ رکھا جاتا کہ کسی مخصوص نقطۂ نظر کی تائید کے لیے واقعات ونصوص میں تاویل وتحریف نہ کی جائے تو یقیناً اس کا زبردست فائدہ رونما ہوتا اور امت میں عصبیت کا مرض اتنی شدید شکل نہ اختیار کرتا۔

فقہ سے اشتغال رکھنے والے جن لوگوں نے محدثین کے مذکورہ معیار کو نظر انداز کیا ان سے علم وتحقیق کی دنیا میں کوئی اضافہ تو نہ ہو سکا، البتہ حقائق کی تردید کی ایک نئی مثال قائم ہو گئی، ایسے لوگوں نے عوام کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ ملت کا ایک طبقہ فقہاء اور ان کی علمی کاوشوں کا منکر ہے لیکن وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ طبقہ فقہ کی مخالفت کر رہا ہے یا بے دلیل مسائل کی، اور یہ کہ ان کی اس روش سے خود فقہ کو عروج واعتماد حاصل ہو گا یا زوال وبے اعتمادی۔

مناظرانہ ماحول میں جب کوئی تحریر لکھی جاتی ہے تو عام طور پر لکھنے والا اپنے مفید مطلب واقعات ونصوص کو پیش نظر رکھتا ہے اور اس کے برخلاف دوسری تمام چیزوں کو کالعدم تصور کرتا ہے اور یہیں سے اس کی لغزش کا آغاز ہوتا ہے۔

مصنف انوار الباری نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں محدثین کے موقف کے خلاف جو روش اختیار کی ہے اور جس طرح ان کی شان میں نامناسب باتیں کہی ہیں ان میں سے بہت سی اصولی باتوں کا تجزیہ ''اللمحات'' کی سابقہ تین جلدوں میں کیا جا

چکا ہے، اب زیر نظر چوتھی جلد میں فاضل مؤلف محترم مولانا محمد رئیس ندوی صاحب نے ''مجلس تدوین'' کے بقیہ اراکین پر اظہار خیال کرتے ہوئے یہ سوال کیا ہے کہ جن حضرات کا خود حنفی المذہب ہونا ثابت نہیں ہے انھیں مجلس تدوین کا رکن کس طرح مانا جا سکتا ہے؟ پھر انھوں نے مجلس کے بعض اہم اراکین کے سلسلہ میں علماء کی ان جرحوں کا ذکر کیا ہے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اشخاص ثقہ اور قابل استناد نہ تھے، اور ایسی صورت میں ان کی مدوّن کی ہوئی کوئی فقہ اگر چہ موجود بھی ہو تو اس کو واجب العمل کیسے مانا جا سکتا ہے؟

علمی میدان میں عام طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کسی دلیل کی روشنی میں ایک رائے قائم کرتا ہے، پھر آگے چل کر کسی طرح اس کو دوسری دلیل مل جاتی ہے جو پہلی دلیل سے مختلف ہوتی ہے، ایسی صورت میں جو لوگ منصف اور تعصب سے بالا تر ہوتے ہیں وہ حق کی جانب رجوع ہو جاتے ہیں، فاضل مؤلف نے اس سلسلہ میں امام ابو یوسف کا واقعہ لکھا ہے کہ آخری عمر میں انھوں نے اپنے معروف مذہب سے بے تعلقی کا اظہار کر دیا تھا۔

ان سطور کے اختتام پر ہم ''**اللمحات**'' کے قارئین سے بجا طور پر یہ گزارش کریں گے کہ وہ ان معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور دلائل کی روشنی میں یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ حق کس کے ساتھ ہے؟ نیز یہ کہ انوار الباری کے مصنف نے اپنی تحریر کے ذریعہ کونسا تحقیقی معیار قائم کیا ہے اور کس علمی مسئلہ کی خدمت کی ہے؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب کے اس حصہ کو بھی قبولِ عام سے نوازے، اس کے ذریعہ لوگوں کو نفع پہنچائے اور اہل حق کو دین و دنیا میں سرخروئی عطا فرمائے۔ آمین، وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین.

مقتدیٰ حسن ازہری
جامعہ سلفیہ بنارس
۶/ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ

خطبہ وتمہید از مصنف

الحمد للّٰہ رب العالمین والعاقبة للمتقین، ونشهد أن لا إله إلا اللّٰہ ونشهد أن محمداً عبده ورسوله، أرسله بالحق لیکون للعالمین بشیرا ونذیرا، وهادیًا إلی اللّٰہ وسراجا منیرا، علیه وعلی آله وأصحابه وأتباعه الصلوة والسلام کثیرا. أما بعد!

یہ ہماری کتاب ’’اللمحات إلی ما في أنوار الباري من الظلمات‘‘ کی چوتھی جلد ہے، اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کتاب کی تین جلدیں زیورطبع سے آراستہ ہوکر شائقین کے ہاتھوں میں آچکی ہیں، اب یہ چوتھی جلد طباعت کے لیے حوالۂ پریس کی جارہی ہے، اس میں شک نہیں کہ مجھ جیسے بے بضاعت اورتہی دست نیز ظاہری وسائل سے خالی وعاری آدمی کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ بہت احسان وانعام اورنوازش ہے کہ اتنی بڑی علمی وتحقیقی خدمت انجام پارہی ہے اور اس کی طباعت واشاعت کا انتظام ہوگیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس علمی کام میں مصنف کی معنوی وظاہری معاونت کرنے والوں کوحقیقی معاوضہ اوراجر جزیل سے نوازے اوردنیا وآخرت میں انھیں خوش وخرم نیز کامیاب وکامراں بنائے۔آمین

اس سے پہلے والی جلد یعنی تیسری جلد میں امام ابوحنیفہ سے متعلق مروی مناقب وفضائل نیز اقوال تجریح وتوثیق کا جائزہ لیا گیا ہے، نیز اس میں اس چہل رکنی مجلس کی حقیقت واضح کی گئی ہے جس کی بابت یہ تشہیر کی جاتی ہے کہ اسی مجلس کے تعاون سے امام ابوحنیفہ نے اپنی سرپرستی میں فقہ حنفی کی تدوین تیس سال کی طویل مدت کی سعی مسلسل سے کی۔اس تیسری جلد میں اس فرضی مجلس کے چہل ارکان میں سے ایک فرضی رکن امام زفر کا تعارف بھی انوارالباری کی تحریروں پرنظر رکھتے ہوئے کرایا گیا ہے۔

اب زیرنظر جو چوتھی جلد پیش کی جارہی ہے اس میں چہل رکنی مجلس کے باقی انتالیس فرضی اراکین سے متعلق انوارالباری کی تحریروں کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے، اس سلسلے میں بہت سارے ایسے مباحث بھی آگئے ہیں جن سے فقہ حنفی کا تعارف حاصل کرنے میں بھاری مددمل سکتی ہے، نیز جن فقہی اماموں کی طرف فقہ حنفی کی تدوین وترتیب کا کارنامہ منسوب کیا جاتا ہے فقہ حنفی سے ان کے تعلق وربط کی نوعیت ، ان کی علمی حیثیت اوراصول جرح وتعدیل کے اعتبار سے ان کی اصل کیفیت وحقیقت، نیز مسخ وقلبِ حقائق کے لیے چلائی جانے والی اس تحریک کی اصلیت ظاہر ہوگئی ہے جسے کامیاب بنانے اورترقی دینے کے لیے موجودہ دور کے وہ لوگ کوشاں اورجوشاں ہیں جوعلامہ زاہدالکوثری جرکشی کے مکتبہ فکر سے وابستہ ہیں۔

انھیں لوگوں میں سے اس انوارالباری کے مصنف اور ان کے معاونین بھی ہیں جس کا تحقیقی جائزہ لینے کے لیے ہماری کتاب ’’**اللمحات**،، لکھی جارہی ہے، تحریک کوثری سے وابستہ افراد نہ جانے کیوں اس زعم وخیال میں مبتلا ہوگئے ہیں کہ جب سے تحریک کوثری نئے دم خم کے ساتھ جاری ہوئی ہے تب سے سلفی مسلک کے حامیوں کا زورختم ہوگیا ہے اور حامیان مسلک سلف کے حوصلے ٹوٹ گئے ہیں، ہم یقین کی حدتک ظن غالب رکھتے ہیں کہ ہماری اس کتاب ’’**اللمحات**‘‘ سے تحریک کوثری

کے ارکان خصوصًا مصنف انوار الباری کی تحریروں کا اصل چہرہ بے نقاب ہو جائے گا، یہ بات دوسری ہے کہ اصل حقیقت کا اعتراف واقرار اس حلقے کے لوگ اپنے مصالح واہداف وحالات کے پیش نظر نہ کر سکیں اور اپنے طریقِ عمل میں خوشگوار تبدیلی لائے بغیر اپنی حقیقت پسندی وحق پرستی کا راگ آلاپتے رہیں، نیز انوار الباری جیسی کتاب اور کوثری کی تحریروں کی تائید وتصویب پر جمے رہیں مگر ہم کو یقین ہے کہ کچھ ایسے بھی بندگانِ خدا ہوں گے جو حقیقت منکشف ہو جانے کے بعد اعترافِ حقیقت انشراح صدر اور فراخیٔ دل کے ساتھ کریں گے اور پروپیگنڈہ کے زور پر پیدا شدہ ماحول وفضا سے واقفیت کے بعد تحقیقی فضا اور ماحول میں سانس لینا پسند کرنے لگیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ اس کتاب کو مکمل کرادے اور زیور طبع سے آراستہ کر دے، نیز اس کی تصنیف وترتیب کے لیے مصنف نے جو مسلسل مشقتِ شاقہ اٹھائی ہے اس کو اجر جزیل سے نوازے اور اس خدمت کو دنیا وآخرت میں مقبول ومفید بنائے۔ آمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

محمد رئیس ندوی
جامعہ سلفیہ بنارس
دسمبر ۱۹۸۵ء

۲۔امام مالک بن مغول بجلی کوفی

(متوفی ۱۵۸ھ،۱۵۹ھ)

مصنف انوار نے امام مالک بن مغول بجلی کوفی کوفرضی چہل رکنی مجلس کا رکن اور حنفی المسلک ظاہر کیا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ جس امام ابوحنیفہ کی طرف حنفی مذہب منسوب ہے انھیں ان کے عام معاصر وغیر معاصر صاحب الرای والارجاء یعنی مرجی المذہب والرای اور مذہب رائے وقیاس کا پیرو کہا کرتے تھے، اس کے برعکس اہل علم امام مالک بن مغول بجلی کوفی کو ”صاحب سنة وجماعة“ کہتے تھے۔[1] جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام مالک بن مغول بجلی کوفی کا فقہی مذہب مذہبِ ابی حنیفہ سے مختلف تھا، اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک بن مغول بجلی کوفی کو حنفی المذہب نیز مزعوم وموہوم چہل رکنی مجلس کا رکن قرار دینا غلط ہے۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدی، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ موصوف امام مالک بن مغول کی مدح کیا کرتے تھے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام مالک بن مغول مذہب ابی حنیفہ کے پیرو نہیں تھے کیونکہ یہ حضرات امام ابوحنیفہ اور مذہب ابی حنیفہ سے ناراض تھے۔[2]

مصنف انوار نے امام مالک بن مغول بجلی کی بابت کہا:

> ”امام اعظم رضی اللہ عنہ کے اصحاب وشرکاءِ تدوین فقہ حنفی میں سے اور ان حضرات اکابر میں سے تھے جن کو امام صاحب نے خطاب فرما کر کہا تھا کہ تم لوگ میرے قلب کا سرور اور میرے غم کو مٹانے والے ہو۔ حافظ نے تہذیب میں امام صاحب کے تعلق وتلمذ کا ذکر خیر حذف کر دیا، امام حدیث وحجت تھے، حضرت شعبہ، ابونعیم، قبیصہ وغیرہ ان کے شاگردوں میں سے ہیں، بخاری ومسلم اوراصحاب سنن کے شیخ ہیں اور سب نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔“[3]

ہم کہتے ہیں کہ یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ مجلس تدوین اور اس کے چہل ارکان سے متعلق پوری کہانی فرضی وافسانوی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام مالک بن مغول یا کسی بھی شخص کا رکن مجلس تدوین ہونا بدلیل معتبر تا قیامت نہیں ثابت کیا جا سکتا بلکہ یہ پوری کہانی ان اکاذیب کا ایک حصہ ہے جنھیں بقول مصنف انوار ایک گروہ سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے کار خیر وثواب سمجھ کر پھیلاتا رہا ہے۔

مصنف انوار نے اپنی مندرجہ بالا عبارت میں جو یہ کہہ رکھا ہے کہ ”امام مالک بن مغول ان حضرات اکابر میں سے تھے جن کو امام صاحب نے اپنے لیے باعث سرور ومداوائے غم کہا ہے۔[4] تو:

---

[1] تاريخ دمشق لأبي زرعة (١/ ٥٧٨) وسير أعلام النبلاء للذهبي ترجمه امام مالك بن مغول بجلی کوفی.

[2] تاريخ خطيب و حلية الأولياء.　　[3] الجواهر المضية (٢/ ١٥٠) ومقدمه انوار (١/ ١٦٧)

[4] نیز ملاحظہ ہو: مقدمه انوار (١/ ١٧٠ و ٢٠٦)

أوّلاً: یہ بات عام کتب مناقب میں حسن بن زیاد لؤلؤی کذاب سے مروی ہے۔[1] اور اس کذاب سے یہ روایت اس کے بھتیجے ولید بن حماد لؤلؤی نے نقل کی ہے جو بقول ابواسحاق ثعلبی مجہول ہے، بقول حافظ ابن حجر ابن حبان نے الثقات میں اس کا ذکر کیا ہے مگر بالصراحت توثیق نہیں کی۔[2] ولید کا ذکر جواہر المضیۃ (۲/ ۲۰۹) میں بلا تعدیل وتوثیق کیا گیا ہے۔

ثانیاً: یہ روایت اپنے مکذوب ہونے پر بذات خود دلالت کرتی ہے کیونکہ اس کے مطابق جن لوگوں کی بابت امام صاحب نے مذکورہ بات کہی ان میں امام داود طائی وامام وکیع بن الجراح بھی شامل ہیں اور تذکرۂ طائی میں عنقریب آ رہا ہے کہ ۱۴۰ھ سے انھوں نے امام صاحب کا ساتھ چھوڑ کر خانہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کی بابت امام صاحب نے یہ بات ۱۴۰ھ سے پہلے کہی جبکہ ۱۲۸ھ، ۱۲۹ھ میں پیدا ہونے والے امام وکیع بن الجراح کی عمر گیارہ، بارہ سال سے بھی کم تھی مگر اس مکذوبہ روایت میں حضرات مذکورین کی بابت کہا گیا ہے کہ سب کے سب قاضی بننے کے لائق ہیں، ظاہر ہے کہ گیارہ بارہ سال سے بھی کم عمر والے بچے کی بابت امام صاحب یہ بات نہیں کہہ سکتے تھے۔

ثالثاً: روایت مذکورہ زیادہ سے زیادہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرات مذکورین امام صاحب کے وہ سعادت مند تلامذہ تھے جو موصوف کے لیے باعث سرور اور غم دور کرنے والے تھے، اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ یہ حضرات امام صاحب کے فقہی مذہب کے پیرو وپابند تھے کیونکہ اسلاف میں اور آج بھی اختلافِ مذہب کے باوجود اساتذہ وتلامذہ میں ایسے خوشگوار تعلقات رہتے ہیں کہ اپنے سعادت مند تلامذہ کو اساتذہ اپنے لیے باعث سرور سمجھتے ہیں، اور جب یہ روایت امام مالک بن مغول بجلی کوفی اور دیگر حضرات مذکورین کے حنفی المذہب ہونے پر بھی دلالت نہیں کرتی تو بلا دوسری دلیل معتبر کے امام مالک بن مغول موصوف کو حنفی المذہب قرار دے کر رکن مجلس تدوین بتلانا کونسی خالص علمی وتحقیقی خدمت ہے؟ پھر روایت مذکورہ کو دلیل وحجت بنانا کونسی دیانت داری ہے جبکہ وہ اپنے مکذوبہ ہونے پر بذات خود دلالت کرتی ہے؟ اس مفہوم کی ایک روایت اللمحات (ج:۲) میں گزر چکی ہے۔

رابعاً: روایت مذکورہ میں امام صاحب کی طرف یہ بھی منسوب کیا گیا ہے کہ انھوں نے اپنے پاس جمع شدہ اپنے تلامذہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

”وقد تركت الناس يطأون أعقابكم، ويلتمسون ألفاظكم.“[3]

”میں نے لوگوں کو اس حال میں چھوڑ رکھا ہے کہ وہ تم لوگوں کی تقلید و پیروی کرتے اور تمھارے بیان کردہ الفاظ کی تلاش کرتے ہیں۔“

اس روایت کا مفاد ہے کہ امام صاحب کے تلامذۂ مذکورین کی اس زمانہ میں تقلید ومتابعت ہونے لگی تھی جس زمانے میں امام صاحب نے اپنے ان تلامذہ کی بابت یہ بات کہی تھی، نیز ان حضرات کی بیان کردہ باتوں کی لوگوں کو تلاش وجستجو بھی رہا کرتی تھی، حالانکہ یہ ممکن نہیں کہ دس گیارہ سال سے بھی کم عمر والے بچے کی تقلید وپیروی ہوا کرے اور اس کی بیان کردہ علمی باتوں کی

---

[1] ملاحظہ ہو: مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ١٧) وموفق (٢/ ٩٩، ١٠٠) وعام كتب مناقب أبي حنيفة.

[2] لسان الميزان (١/ ٢٢١)

[3] مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ١٧) وموفق (٢/ ١٠٠)

لوگوں کو تلاش وجستجو رہا کرے، نیز روایت مذکورہ کا مفاد ہے کہ امام صاحب کی زندگی میں ۱۴۰ھ سے پہلے امام صاحب نے اپنی فقہ کی یہ فضیلت بیان کی تھی کہ میں نے فقہ کو لگام دے کر زین چڑھا دی ہے۔ اگر امام صاحب کی طرف روایت مذکورہ کا انتساب صحیح مان لیا جائے تو یہ ثابت ہے کہ امام صاحب نے ۱۴۰ھ کے بعد اپنی بیان کردہ علمی اور فقہی باتوں کو روزمرہ بدلتے رہنے والی ناقابل نوشت اور مشکوک قرار دیتے ہوئے مجموعۂ اغلاط بتلایا تھا، نیز روایت مذکورہ کا یہ مفاد بھی ہے کہ ۱۴۰ھ سے پہلے امام صاحب کے تلامذۂ مذکورین کی تقلید ہوتی تھی مگر وہ اس تقلید پرستی کے خلاف کوئی لب کشائی نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی تحسین فرماتے تھے، حالانکہ تقلید پرستی از روئے نصوص کتاب وسنت ممنوع ہونے کے ساتھ بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی چوتھی صدی کے بعد یعنی وفات امام صاحب کے زمانہ بعد مروج ہوئی ہے، نیز امام صاحب بذات خود باعتراف کوثری تقلید پرستی سے منع کرتے تھے۔ اتنی خلافِ واقع باتوں پر مشتمل روایت مذکورہ کیونکر معتبر ہوسکتی ہے؟

خامساً: بتصریح اہل علم امام مالک بن مغول امام صاحب کے اساتذہ امام شعبہ ومسعر وسفیان ثوری کے استاذ ہیں۔[1] اور یہ مستبعد ہے کہ امام مالک بن مغول اپنے شاگردوں کے شاگرد امام صاحب کی رائے وقیاس پر مشتمل اس فقہی مذہب کے متبع ہوں جس کو امام صاحب نے خود مجموعۂ اغلاط قرار دے رکھا ہے۔

سادساً: مصنف انوار کے استاذ کوثری نے یہ دعوی اور اعتراف رکھا ہے کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی امام صاحب اور اصحاب امام صاحب اور مذہب امام صاحب سے منحرف تھے۔[2] اور باعتراف کوثری امام صاحب اور ان کے اصحاب سے منحرف رہنے والے امام ابن مہدی سے مصنف انوار نے مدحِ امام مالک بن مغول میں بحوالہ تہذیب التہذیب نقل کیا ہے کہ جب تم کسی کوفی کو دیکھو کہ ایسے کوفی کا ذکر کرتا ہے جس کو امام مالک بن مغول بھلائی سے یاد کرتے ہوں تو تم اطمینان کرلو۔[3]

امام صاحب اور اصحاب امام صاحب سے باعتراف کوثری منحرف رہنے والے ابن مہدی ظاہر ہے کہ امام مالک بن مغول کی مدح نہیں کرتے اگر امام مالک بن مغول امام صاحب کے ہم مذہب اصحاب میں سے ہوتے، ابن مہدی کا امام مالک بن مغول کی مدح کرنا پھر ان سے روایت بھی کرنا کوثری کے بیان کے مطابق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ امام مالک بن مغول امام صاحب کے شاگرد ہونے کے باوجود ان کے مذہب الرائے والقیاس کے پیرو نہیں تھے، حنفی مذہب اور پیروانِ حنفی مذہب سے ابن مہدی کے دور رہنے پر دلالت کرنے والی روایات کا ذکر تذکرۂ زہیر بن معاویہ میں آرہا ہے بلکہ بتصریح امام ابوالعباس احمد بن علی بن مسلم الابار وخطیب امام مالک بن مغول امام صاحب کے مذہب الرائے والقیاس پر تنقید کرنے والوں میں تھے۔[4]

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ مصنف انوار نے امام سفیان بن عیینہ سے مدحِ امام مالک بن مغول نقل کی ہے، نیز انھیں امام مالک بن مغول کا شاگرد بھی قرار دیا ہے، اور امام سنید بن داود سے بسند صحیح مروی ہے:

”عن سفيان بن عيينة أنه جآء ه رجل من أصحاب أبي حنيفة فأعرض عنه، ثم دار من ناحية أخرىٰ فأعرض عنه فقال سفيان: ے

---

[1] تهذيب التهذيب. [2] لمحات النظر (ص: ٢٤ وقد مرّ)
[3] مقدمه انوار (١/ ١٦٧) [4] خطيب (١٣/ ٣٦٩، ٣٧٠)

وما يلبث الأقــوام أن يتفــرقــوا　　إذا لم يؤلف روح شكل إلى شكل

ابن لي وكن مثلي أو ابتغ صاحبا　　لمثلك أني أبتغي صــاحبـا مثـلي" ❶

''امام ابن عیینہ کے پاس اصحابِ ابی حنیفہ میں سے ایک شخص آیا تو امام ابن عیینہ نے اس کی طرف سے اپنا رخ پھیر لیا، یہ شخص دوسری طرف سے ان کے سامنے آیا تو بھی انھوں نے رخ پھیر کر بعض اشعار پڑھے۔ جن کا مطلب یہ ہے کہ جب دل سے دل نہیں ملتا تو الفت کے بجائے فرقت ونفرت ہوتی ہے، اگر مجھ سے تعلق رکھنا چاہتے ہو تو واضح طور پر حنفی مذہب سے پھر کر میری طرح اہل حدیث مذہب کے پابند ہو جاؤ، ورنہ میرے بجائے اپنے کسی ہم مذہب یعنی حنفی المسلک آدمی کے پاس جاؤ جیسا کہ میں صرف اہل حدیث مذہب والوں سے تعلق رکھتا ہوں۔''

روایت مذکورہ تذکرۂ زفر میں گزر چکی ہے اور دلالت کرتی ہے کہ امام سفیان بن عیینہ کسی حنفی سے روایت کرنے اور اس کی مدح کرنے کے روادار نہ تھے۔

۳۔ امام داود بن نصیر طائی (متوفی ۱۶۰ھ):

مصنف انوار نے کہا:

'' امام داود طائی حنفی (متوفی ۱۶۰ھ) امام ربانی ،امام حدیث، محدث، ثقہ، زاہد، اعلم، افضل واورع زمانہ تھے، ضروری علم حاصل کرنے کے بعد امام اعمش وابن ابی لیلیٰ سے حدیث پڑھی، پھر امام صاحب کی خدمت میں باریاب ہوئے، بیس سال تک ان سے استفادہ کرتے رہے، کے کبار اصحاب وشرکائے تدوین میں سے ایک یہ بھی ہیں۔'' ❷

ہم کہتے ہیں کہ امام داود طائی کا ذکر تذکرۂ زفر میں آچکا ہے، موصوف کا امام ربانی ،امام حدیث ،محدث، ثقہ وزاہد ہونا تسلیم شدہ بات ہے، بتصریح امام نسائی امام داود طائی اصحابِ امام اعمش میں سے تھے۔ ❸

امام فضل بن دکین نے کہا:

"سمعت زفر يقول: ذهبت أنا وداود الطائي إلى الأعمش." ❹

''امام زفر نے کہا کہ میں اور داود طائی امام اعمش کے پاس گئے، امام اعمش کے پوچھنے پر داود نے کہا کہ ہم عرصہ کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔''

روایت مذکورہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام داود طائی اورزفر دونوں امام اعمش کے شاگرد تھے اور ان سے ربط وتعلق رکھتے تھے، نیز داود طائی کے اصحابِ امام اعمش سے شمار کیے جانے سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ داود طائی امام اعمش کے ہم مذہب یعنی

---

❶ حلية الأولياء (٧/ ٢٧٦، ٢٧٧)　❷ مقدمہ انوار (١/ ١٦٧)

❸ جزء ابن النمار للنسائي مع كتاب الضعفاء للنسائي (ص: ٣٩)　❹ طبقات ابن سعد (٦/ ٣٧٦)

اہل حدیث تھے اور امام صاحب کے شاگرد ہونے کے باوجود ان کے مذہبِ رائے کے پیرو نہیں تھے، اگر بالفرض کسی زمانے میں داود مذہبِ اہل الرای کے پیرو تھے تو بعد میں اس سے منحرف ہو کر اہل حدیث ہو گئے تھے، یہی حال امام زفر کا بھی تھا خصوصًا اس لیے بھی کہ امام زفر باعتراف احناف طریقِ داود کے پیرو تھے۔

مصنف انوار نے کہا کہ ''سفیان بن عیینہ داود طائی کے حدیث میں شاگرد تھے۔'' [1] اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہ حنفی المذہب سے روایت حدیث نہیں کرتے تھے، لہٰذا یہ چیز موصوف کے غیر حنفی ہونے کی دلیل ہوئی، صرف یہی نہیں بلکہ امام سفیان بن عیینہ نے امام داود طائی کی مدح وتوصیف بھی کی ہے۔ چنانچہ موصوف سے مروی ہے:

''كان داود ممن علم وفقه ثم أقبل على العبادة.'' [2]

''موصوف صاحب علم وفقہ تھے پھر عبادت میں مصروف ہو گئے۔''

ظاہر ہے کہ اگر امام داود موصوف حنفی المذہب ہوتے تو امام سفیان بن عیینہ ان کی مدح وتوصیف نہ کرتے نہ ان سے روایت حدیث ہی کرتے۔ محمد بن شجاع کذاب نے چند افراد کے ساتھ امام داود طائی کو بھی اصحاب امام صاحب میں شمار کیا ہے۔ [3] مگر ظاہر ہے کہ کذاب کی بات معتبر نہیں اور بالفرض صحیح ہو تو یہ بات مذہب اہل الرائے سے موصوف کے منحرف ہونے سے پہلے کی ہو سکتی ہے۔

امام حفص بن غیاث سے مروی ہے:

''كان داود الطائي يجالسنا عند أبي حنيفة حتى برع في الرأي ثم رفض ذلك ورفض الحديث.'' [4]

''امام داود طائی ہمارے ساتھ امام صاحب کے پاس بیٹھا کرتے تھے یہاں تک کہ موصوف علم الرائے کے ماہر بن گئے، اس کے بعد انھوں نے رائے اور حدیث دونوں کو ترک کر دیا۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات تو مسلم ہے کہ امام داود طائی نے ترکِ رائے کر دیا تھا مگر ترک حدیث سے مراد صرف ترک روایت حدیث ہو سکتا ہے، ورنہ صحیح یہ ہے کہ موصوف مذہب اہل حدیث کے پیرو تھے، اور روایت مذکورہ کی سند میں ابو العباس احمد بن محمد ہمدانی ضعیف ہے۔ [5] اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جس حفص سے یہ روایت مروی ہے انھوں نے خود مذہب اہل الرائے کو چھوڑ کر مذہبِ اہل حدیث اختیار کر لیا تھا۔

امام صاحب سے امام داود طائی کا ترک تعلق:

حقیقت یہ ہے کہ کچھ دن امام داود طائی امام صاحب کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے مگر بعد میں انھوں نے امام صاحب کو

---

[1] مقدمه انوار (١/ ١٦٧)　[2] تهذيب التهذيب (٣/ ٢٠٣)

[3] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٠٩) وكردرى (ص: ١٨٩)

[4] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١١٦)　[5] لسان الميزان (١/ ٢٥٣)

ترک کر دیا۔ چنانچہ امام سفیان بن عیینہ کا ارشاد ہے:

"كان داود ممن فقه ثم علم ثم عمل، وكان يجالس أبا حنيفة فخذف يوما إنسانا، فقال له أبوحنيفة: يا أبا سليمان طالت يدك طال لسانك، قال: ثم كان يختلف ولا يتكلم، قال: فلما علم أنه بصر عمد إلى كتبه ففرقها في الفرات، وأقبل على العبادة وتخلى."

''امام داود طائی موصوف صاحب علم وفقہ وصاحب عمل تھے، پہلے امام صاحب کے پاس بیٹھا کرتے تھے، ایک دن موصوف نے ایک آدمی پر کنکری پھینک ماری تو امام صاحب نے ان سے کہا کہ زبان درازی کے ساتھ تم دست درازی بھی کرنے لگے، اس کے بعد موصوف کچھ دنوں تک امام صاحب کے پاس آ کر خاموش رہا کرتے تھے، پھر جب انھیں بصیرت ہو گئی تو موصوف نے کتابیں دریا برد کر دیں اور مشغولِ عبادت ہو گئے۔'' [1]

روایت مذکورہ بالا میں امام صاحب سے امام داود طائی کے ترک تعلق کا سبب امام داود طائی کا حصولِ بصیرت بتلایا گیا ہے، یہی بات امام سفیان ثوری سے بھی منقول ہے۔ [2] نیز ابن السماک سے مروی ایک روایت سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ [3] یہ حصول بصیرت کیا چیز ہے جس کے بعد امام داود طائی نے امام صاحب کی مجلس وصحبت ترک کر دی؟ امام ابن المبارک نے بھی ترکِ مجلسِ امام ابی حنیفہ پر امام داود طائی کی تحسین کرتے ہوئے کہا: "هل الأمر إلا ما كان عليه داود الطائي" [4] ''امام داود طائی کا یہ طریق عمل اچھا تھا۔''

حاصل یہ ہے کہ امام سفیان بن عیینہ اور امام سفیان ثوری امام صاحب سے امام داود طائی کے ترک تعلق کو حصول بصیرت سے تعبیر کرتے ہیں، اور اس کا مفاد بہت واضح ہے کہ حصول بصیرت سے پہلے امام داود طائی امام صاحب سے مجالست ومصاحبت رکھتے تھے مگر حصول بصیرت کے بعد موصوف نے امام صاحب سے ترک تعلق کر لیا، خود امام ابن المبارک اور دوسرے کئی اراکین مجلس تدوین نے یہی کیا تھا۔ روایت مذکورہ میں یہ بھی ہے کہ امام صاحب کو اپنی مجلس میں امام داود طائی کی زبان درازی ودست درازی سے شکایت ہوئی جس پر انھوں نے امام داود طائی کو ٹوکا بھی اور اس کے کچھ دنوں بعد امام داود طائی امام صاحب سے الگ ہو گئے، آخر مجلسِ امام صاحب میں امام داود طائی کی زبان درازی کا کیا مطلب ہے؟ ہمارے نزدیک مطلب یہ ہے کہ موصوف امام صاحب کے مسائل قیاس ورائے سے غیر مطمئن ہو کر بکثرت اعتراض کرتے تھے، آخر جب انھیں اعتراضات کے تشفی بخش جوابات نہیں مل سکے تو مجلس امام صاحب سے الگ ہو گئے۔

یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام سفیان ثوری بھی متعدد اہل علم کی طرح لوگوں کو امام صاحب سے دور رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے اور ابن المبارک نے بھی آخر میں یہی وطیرہ اختیار کر لیا تھا، نیز متعدد اراکین مجلس تدوین نے بھی ایسا ہی کیا۔

---

[1] حلية الأولياء (٧/ ٣٣٦) وخطيب (٨/ ٣٤٧، ٣٤٨) نیز ملاحظہ ہو: أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٠٩)

[2] تهذيب التهذيب (٣/ ٢٠٣) وحلية الأولياء (٧/ ٣٣٥، ٣٣٦) وكردرى (٢/ ١٩١)

[3] حلية الأولياء (٧/ ٣٣٦، ٣٣٧) [4] حلية الأولياء (٧/ ٣٣٦) وكردرى (٢/ ١٩١)

امام عمیر بن صدقہ نے کہا:

''میں اور امام داود طائی دوست تھے، ہم سب حلقۂ ابی حنیفہ میں بیٹھا کرتے تھے، جب امام داود طائی مجلس ابی حنیفہ سے الگ ہو گئے تو میں نے کہا کہ آپ نے ہمارے ساتھ جفا کی، اس پر امام داود طائی نے کہا:

''ليس مجلسكم ذاك من أمر الآخرة في شيء.''[1]

''تمھاری اس مجلس کا آخرت کے امور سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔''[2]

ناظرین کرام اس روایت کا مفاد خود سمجھ سکتے ہیں، ایک طرف یہ معاملہ کہ امام داود طائی مجلس ابی حنیفہ سے بیزار ہو کر گوشہ گیر ہوئے دوسری طرف منقول ہے کہ امام صاحب نے فرمایا:

''لو دام داود على الذي كان لانتفع به الناس.''[3]

''امام صاحب نے فرمایا کہ اگر داود طائی اسی طریق پر رہتے (یعنی مذہب امام صاحب کے پیرو اور درسگاہِ امام صاحب میں حاضری دینے والے) تو لوگ ان سے استفادہ اور انتفاعِ عظیم کرتے۔''

امام ابوحنیفہ پر امام داود طائی کی سخت تنقید:

مصنف انوار کی معتبر کتاب مناقب ابی حنیفہ للکردری (۱۹۴/۲) میں ہے:

''قاسم بن معن نے امام داود طائی سے کہا کہ آپ نے اپنے اس استاذ کی صحبت و مجلس کیوں چھوڑ دی جس نے آپ کو علم سکھایا؟ امام داود طائی نے جواب دیا میں نے اس شخص اور اس کے اصحاب کے دلوں کو غافل پایا اور ان کے یہاں سنن نبویہ کو مردہ پایا، ان کے اغراض و مقاصد میں خدا طلبی کے بجائے مختلف دنیاوی مطامع کو مخفی پایا، ان میں دنیا طلبی کا ترجیحی ذوق پایا وغیرہ، لہٰذا میں نے ان کی مجلس و مصاحبت چھوڑ کر گوشہ گیری و خانہ نشینی ہی میں عافیت محسوس کی اور خانہ نشین ہو کر عبادت میں لگ گیا۔''[4]

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ امام داود طائی نے جن لوگوں کی صحبت و مجلس چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کی تھی وہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب تھے، اور انھیں کے بارے میں امام داود طائی کا یہ بیان وارد ہوا کہ ان کے قلوب غافل ہیں۔ مصنف انوار نے محسوس کیا کہ اس روایت سے حنفی مذہب کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچ سکتا ہے، اس لیے اسے نظر انداز کر دیا، ورنہ وہ کردری کے جمع کردہ انبار اکاذیب کو وحی الٰہی کی طرح بطور حجت پیش کرنے کے عادی ہیں۔ اس جگہ ہم نے یہ روایت مصنف انوار کی متضاد پالیسی ظاہر کرنے کے لیے نقل کی ہے۔

امام داود طائی کا زمانہ خانہ نشینی:

یہ بات طے شدہ ہے کہ داود امام صاحب سے ترک تعلق کر کے خانہ نشین ہو گئے تھے، اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ موصوف

[1] حلية الأولياء للإمام الحافظ أبي نعيم (٧/ ٣٤٣ و ٣٤٤) نیز ملاحظہ ہو: أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١١٣)

[2] نیز ملاحظہ ہو: کردری (٢/ ١٩٣ و ٢/ ١٩٤)　[3] موفق (٢/ ٢١٥)

[4] نیز ملاحظہ ہو: أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١١٣)

کب خانہ نشین ہوئے؟

امام ابن سعد امام فضل بن دکین (امام داود کے شاگرد) سے ناقل ہیں:

"جلس في بيته عشرين سنة أو أقل." [1] "موصوف بیس سال یا اس سے کچھ کم خانہ نشین رہے۔"

خطیب (۸/ ۳۵۲) حلیۃ الاولیاء (۷/ ۳۴۷) اور الثقات لابن حبان سے مستفاد ہوتا ہے کہ اپنی عمر کے آخری بیس سال موصوف خانہ نشین رہے۔ مناقب کردری (۲/ ۱۹۴) کی ایک روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مدت خانہ نشینی پچیس سال تھی، اور مصنف انوار نے موصوف کا سال وفات ۱۶۰ھ بتلایا ہے اور یہی بات امام طائی کے معاصر امام ابونعیم فضل بن دکین نے بھی کہی ہے۔[2] موصوف کے دوسرے معاصر ابوداود طیالسی نے کہا کہ اسرائیل بن یونس وطائی ایک سال فوت ہوئے۔[3] اور اسرائیل کی وفات بقول راجح ۱۶۰ھ میں ہوئی ہے، بعض نے امام طائی کا سال وفات بعد میں بتلایا ہے مگر راجح ۱۶۰ھ ہے اور مصنف انوار نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، لہٰذا موصوف کی خانہ نشینی بیس سال ماننے کے اعتبار سے لازم آتا ہے کہ ۱۴۰ھ میں انھوں نے امام صاحب کا ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوڑا جس پر اکابر محدثین نے خوشی کا اظہار کیا اور موصوف کی مدح کی۔ مصنف انوار کا دعوی ہے کہ امام صاحب کے ساتھ جملہ اراکین مجلس تدوین نے تیس سال تدوینِ فقہ کی، اس اعتبار سے مصنف انوار کو یہ ماننا لازم ہے کہ مجلس تدوین کی تیس سالہ مدت کارکردگی ۱۴۰ھ سے پہلے ختم ہوگئی تھی، اس کی تائید مصنف انوار کے اس دعوی سے بھی ہوتی ہے کہ امام زفر ویوسف سمتی امام عثمان بتی کی موت ۱۴۳ھ سے پہلے امام صاحب کا ساتھ چھوڑ کر بصرہ چلے گئے تھے، دریں صورت لازم آتا ہے کہ مجلس تدوین ۱۱۰ھ میں یا اس سے پہلے قائم ہوئی اور یہ بات مصنف انوار کے ان دعاوی کے خلاف ہے جن سے لازم آتا ہے کہ مجلس تدوین ۱۳۶ھ کے بعد یا ۱۲۰ھ میں قائم ہوئی یا پھر مصنف انوار ہی کوئی صورتِ توفیق وتطبیق بتلائیں؟

مصنف انوار کی پر پیچ تضاد بیانیاں:

ایک طرف مصنف انوار کے دعاوی کا حاصل یہ ہے کہ امام داود مجتہد وفقہ کی حیثیت سے امام صاحب کے ساتھ تیس سال از ۱۲۰ھ تا ۱۵۰ھ تدوین فقہ کرتے رہے، دوسری طرف یہ ثابت ہے کہ امام داود امام صاحب کا ساتھ چھوڑ کر ۱۴۰ھ ہی سے خانہ نشین ہوگئے تھے، پھر مصنف انوار یہ کیوں نہیں بتلاتے کہ داود طائی نے امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کب سے کب تک کیا اور تدوین کا کام شروع کرنے سے پہلے انھوں نے درسگاہِ امام صاحب میں کتنی مدت تک کب سے کب تک پڑھا جس کے بعد وہ بدعوئ مصنف انوار ۱۲۰ھ میں رکن مجلس تدوین منتخب ہوئے؟ واضح رہے کہ مصنف انوار نے یہ بھی کہا ہے:

"داود بیس برس تک امام صاحب سے استفادہ کرتے رہے۔" [4]

جب مصنف انوار کا کہنا یہ ہے کہ داود بیس سال امام صاحب سے استفادہ کرتے رہے اور تیس سال مجلس تدوین کے رکن کی

---

[1] طبقات ابن سعد (٦/ ٢٦٧)		[2] تهذيب التهذيب (٣/ ٢٠٣)

[3] تاريخ صغير للبخاري (ص: ١٧٩) نیز ملاحظہ ہو: ثقات ابن حبان (٦/ ٢٨٢)

[4] مقدمه انوار (١/ ١٦٧)

حیثیت سے تدوین فقہ کا کام کرتے رہے تو اس کا لازمی مطلب ہے کہ امام صاحب کے ساتھ طائی پچاس سال رہے، پھر مصنف انوار بتلائیں کہ امام داود کب سے کب تک امام صاحب کے ساتھ پچاس سال رہے؟ اگر یہ کہیے کہ ۹۰ھ سے لے کر ۱۴۰ھ تک رہے تو ۹۰ھ میں امام صاحب دس سالہ بچے تھے اور ۱۲۰ھ تک درسگاہِ حماد میں خود پڑھتے تھے، اس لیے یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین ۱۱۰ھ میں قائم کی، اس وقت سے لے کر ۱۴۰ھ تک داود امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کرتے رہے اور اس کے بیس سال پہلے از ۹۰ھ تا ۱۱۰ھ موصوف امام صاحب سے پڑھتے رہے، آخر مصنف انوار اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟

تنبیہ:

محمد بن سوید طائی سے مروی ہے:

''جب داود نے امام صاحب کا ساتھ چھوڑ دیا تو امام صاحب خود طائی کی خدمت میں حاضری دینے لگے۔''[1]

امام ابوحنیفہ نے ابو یوسف کے فتوی کی طرف رجوع کیا:

مصنف انوار نے کہا:

''داود بعض اوقات صاحبین کے اختلاف کو اپنی رائے صائب سے حل کر دیتے تھے۔''[2]

مصنف انوار کی یہ بات درج ذیل روایت سے ماخوذ ہے:

''ابو یوسف نے کہا کہ میں اور زفر ایک بار داود طائی کی خدمت میں ایک اختلافی مسئلہ حل کرنے کے لیے گئے، داود طائی کو ہماری آمد گراں گزری کیونکہ اس سے ان کی عبادت میں خلل ہوا، ہم نے ان کے سامنے اپنا اختلافی مسئلہ پیش کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ امام ابوحنیفہ اس مسئلہ میں پہلے زفر کے قول کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے مگر "فكلمناه فيه فرجع إلى قول أبي يوسف" جب ہم نے ان سے اس موضوع پر مباحثہ ومناظرہ کیا تو انھوں نے اس سے رجوع کر کے ابو یوسف کا مذہب اختیار کر لیا، اس کے بعد میں (یعنی ابو یوسف) نے ایک پیچیدہ مسئلہ بسلسلہ رہن پوچھا، طائی نے اس کا جواب نہیں دیا لیکن جب ہم جانے لگے تو انھوں نے بلا کر رہن کے مسئلہ کا جواب تیر جیسی تیزی کے ساتھ دیا اور فرمایا کہ اگر اس کا خدشہ نہ ہوتا کہ تم لوگ میری بابت اس خیال میں مبتلا ہو جاؤ گے کہ میں نے فقہی مسائل پر غور کرنا چھوڑ دیا ہے تو تمھارے سوال کا جواب نہیں دیتا۔''[3]

یہ روایت مصنف انوار کی اس کتاب میں ہے جس کے مندرجات کو موصوف وحی الٰہی کی طرح حجت مانتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب علمی مباحث میں اپنی غلطیوں پر مطلع ہو کر اپنے تلامذہ کی باتوں کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے، اس سے اس پروپیگنڈہ کی تکذیب ہوتی ہے کہ امام صاحب نے مجلس تدوین کے چہل ارکان کے اتفاقِ رائے سے تمام مسائل فقہ حنفی مدون کر دیے تھے، ورنہ ان ارکین کو مسائل کے حل کے لیے داود طائی کی طرف رجوع نہ کرنا پڑتا۔

---

[1] مناقب أبي حنيفة للصيمري (ص: ١١٦) [2] مقدمه انوار (١/ ١٦٧)

[3] کردری (٢/ ١٨٩)

عہدۂ قضا قبول کرنے کے سبب ابو یوسف پر طائی کی ناراضگی:

مصنف انوار نے کہا:

’’ابو یوسف سے داود طائی بوجہ قبول قضا منقبض رہتے تھے کہ ہمارے استاذ ابوحنیفہ نے تازیانے کھا کر اپنے کو ہلاک کر لیا مگر عہدۂ قضا قبول نہیں فرمایا، ہم کو بھی ان کا اتباع کرنا چاہیے۔‘‘ ❶

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار معترف ہیں کہ داود طائی کا انتقال ۱۶۰ھ میں ہوا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۶۰ھ کے کئی سال کے بعد ۱۶۶ھ، ۱۶۷ھ میں ابو یوسف قاضی بنائے گئے۔ (كما سيأتي) پھر طائی اپنی موت کے کئی سال بعد ابو یوسف کے قاضی ہونے پر اظہارِ انقباض کرنے کے لیے دنیا میں کیسے آ گئے؟ امام صاحب کے عہدۂ قضا قبول نہ کرنے پر بحث آگے آ رہی ہے۔

مصنف انوار کی پیش کردہ روایت سے امام صاحب کے علمی تضاد کا ثبوت:

امام صاحب سے امام طائی کا ترکِ تعلق چونکہ احناف کے لیے تکلیف دہ تھا، اس لیے کسی جیالے حنفی نے یہ روایت ایجاد کی:

’’قبرستان میں ایک عورت کو روتے ہوئے دیکھ کر طائی بے قرار ہوئے اور امام صاحب کے پاس آ کر اپنی بے قراری کا اظہار کیا، امام صاحب نے فرمایا آپ لوگوں سے ترک تعلق کر لیں، امام صاحب کے حکم کے مطابق طائی گوشہ گیر ہو گئے مگر ان کے پاس امام صاحب نے آ کر کہا کہ آپ کی یہ روش اچھی نہیں ہے، آپ کے لیے یہ مناسب ہے کہ ائمہ کے درمیان بیٹھیں، چنانچہ طائی نے اپنے استاذ اعظم کے حکم پر سال بھر عمل کیا اور فرمایا کہ اس ایک سال نے تیس برس کا کام کیا۔‘‘ ❷

اس روایت میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ طائی امام ابوحنیفہ ہی کے حکم سے عزلت نشین ہوئے تھے مگر دوسری طرف اسی روایت میں یہ دعوی بھی ہے کہ امام صاحب نے خود اپنے اس حکم کو منسوخ کر کے یہ آرڈر نافذ کیا کہ عزلت نشینی اچھی چیز نہیں جلوت اختیار کرو۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ امام صاحب کے دونوں حکموں میں سے کس حکم سے مصنف انوار کے دل کو اطمینان ہوتا ہے پہلے سے یا دوسرے سے یا دونوں سے؟ اگر دونوں سے تو متضاد چیزیں یکجا جمع ہو جاتی ہیں، اگر کسی ایک سے تو ان کے اس دعوی کی تکذیب ہوتی ہے کہ امام صاحب کے تمام احکام سے دل کو اطمینان ہوتا ہے۔ یہ روایت جواہر المضیہ (۱/ ۲۴۰) میں بلاسند مذکور ہے۔ اس روایت کا مفاد یہ بھی ہے کہ عزلت نشینی کے بعد مجلسِ ابی حنیفہ میں حکمِ ابی حنیفہ کے مطابق امام داود طائی صرف سال بھر مزید آتے رہے اس کے بعد انھوں نے پھر عزلت اختیار کر لی۔

اپنی مستدل روایت میں مصنف انوار کی تحریف:

مصنف انوار نے جواہر المضیہ وحدائق الحنفیہ کے حوالے سے لکھا ہے:

’’امام محمد کہتے ہیں کہ جب میں کسی مسئلہ میں داود کی طرف رجوع کرتا ہوں تو اگر ان کے دل میں انشراح ہوتا ہے تو

---

❶ مقدمه انوار (۱/ ۱۶۷)　　❷ مقدمه انوار (۱/ ۱۶۸)

جواب دیتے ہیں، ورنہ تبسم فرما کر ٹال دیتے ہیں کہ ہمیں کام ہے۔"[1]

ہم کہتے ہیں جواہر المضیہ میں یہ روایت بایں طور منقول ہے:

"قال الطحاوي: حدثنا ابن أبي عمران أنبأ محمد بن مروان الخفاف قال: سمعت إسماعيل بن حماد بن أبي حنيفة يقول: قال محمد بن الحسن: كنت آتي داود الطائي في بيته، سأله عن المسئلة، فإن وقع في قلبه أنها مما احتاج إليه من أمر ديني أجابني فيها، و إن وقع في قلبه أنها من مسائلنا هذه تبسم في وجهي، وقال: إن لنا لشغلا إن لنا لشغلا."[2]

"امام محمد نے کہا کہ میں داود کے گھر مسئلہ پوچھنے آتا تھا، اگر ان کے دل میں یہ بات آتی کہ کسی دینی ضرورت کے تحت مجھے اس مسئلہ کا کام ہے تو وہ اس کا جواب دیتے اور اگر ان کی سمجھ میں یہ بات آتی کہ یہ ہمارے" ان مسائل سے" ہے تو مسکرا کر ٹال دیتے کہ ہم کو کام ہے۔"

روایت مذکورہ کے مطابق جن مسائل سے امام محمد کا اشتغال رہا کرتا تھا داود طائی کے نقطۂ نظر سے وہ دو قسم کے ہوا کرتے تھے۔ ایک قسم کا تعلق امور دین سے ہوتا تھا۔ دوسری کا تعلق امور دین سے نہیں بلکہ امام محمد اور ان کے ہم مذہب اصحاب کے اپنے خصوصی مسائل سے۔ لیکن مصنف انوار نے یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی کہ ان کی متدل روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام داود طائی کے نقطۂ نظر سے امام محمد اور ان کے ہم مذہب اصحاب کا اشتغال غیر دینی امور و مسائل سے بھی رہا کرتا تھا۔ روایت مذکورہ کی سند میں اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ ساقط الاعتبار ہیں، لہٰذا یہ روایت غیر معتبر ہے۔ روایت مذکورہ کا یہ مفاد بھی ہے کہ امام محمد تحقیقِ مسائل کے لیے داود کے گھر داود کی خانہ نشینی کے بعد جایا کرتے تھے، اور مصنف انوار کی متعدد باتوں کا حاصل یہ ہے کہ داود کی خانہ نشینی سے پہلے پہلے امام صاحب اپنی قائم کردہ مجلس تدوین کے چہل ارکان کے ساتھ مل کر اپنی فقہ کی تدوین کر چکے تھے اور اس مہم تدوین میں خود امام محمد بھی شریک تھے، اس کے باوجود بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ کس قسم کے مسائل کی تحقیق کے لیے امام محمد خانۂ داود کی طرف رخ کیا کرتے تھے؟

جواہر المضیہ میں منقول ہے:

"امام داود طائی سے پوچھا گیا کہ لنگی کے بغیر صرف قمیص پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج ہے؟ امام داود نے کہا اگر داڑھی لمبی ہے تو کوئی حرج نہیں۔"[3]

فتوئ مذکورہ کی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ قمیص پہننے والے کی داڑھی لمبی ہو تو تہبند کے بغیر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ورنہ ہے۔

خوارزمی، جعابی، عینی نے کہا کہ امام صاحب نے داود طائی سے روایت حدیث کی ہے۔[4] اسلاف میں رواج تھا کہ اساتذہ بھی بعض روایات اپنے تلامذہ سے لے لیتے مگر روایت مذکورہ صحیح نہیں ہے، محمد بن بشر عبدی (متوفی ۲۰۳ھ) نے کہا کہ

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٦٨) بحوالہ جواهر المضية وحدائق الحنفية.　[2] جواهر المضية (١/ ٢٤٠)

[3] جواهر المضية (١/ ٢٤٠)　[4] عقود الجمان (ص: ٧١) وجامع مسانيد أبي حنيفة، كتاب الإيمان (١/ ١٩٩)

داود طائی سواد سے کوفہ آئے تھے۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ داود طائی باہر سے کوفہ آئے تھے مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ موصوف کب پیدا ہوئے اور کب کوفہ آئے اور کتنے دن امام صاحب کی صحبت میں رہے؟

اب فرضی مجلس تدوین کے چوتھے فرضی رکن مندل بن علی عنزی سے متعلق مصنف انوار کی باتوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

۴۔ امام مندل بن علی عنزی کوفی (مولود ۱۰۳ھ ومتوفی ۱۶۷ھ، ۱۶۸ھ)

بتصریح اہل علم مندل ۱۰۳ھ میں پیدا ہوئے تھے، کتب مناقب کی روایات عامہ اور مصنف انوار کے اقوال کے مطابق اسی سال (یعنی مندل کے پیدا ہونے کے سال) امام صاحب علم فقہ کی تحصیل کے لیے درسگاہِ حماد میں داخل ہوئے اور تا وفاتِ حماد ۱۲۰ھ تک درسگاہِ حماد میں فقہ پڑھنے کے بعد امام صاحب تکمیل علوم کے لیے کوفہ اور کوفہ سے باہر بصرہ ومکہ مکرمہ ومدینہ منورہ کی درسگاہوں میں زمانہ تک زیر تعلیم رہے اور نہ جانے کب فارغ التحصیل ہوئے۔ دریں صورت سوچنے کی بات ہے کہ ۱۰۳ھ میں پیدا ہونے والے مندل کس سال تحصیل علم کے لیے اساتذہ کی درسگاہوں میں داخل ہوئے ہوں گے؟ پھر کتنے زمانے تک پڑھنے کے بعد فارغ التحصیل ہو کر مجتہد وفقیہ ومحدث بنے ہوں گے؟ پھر کب امام صاحب کی مجلس تدوین کے رکن منتخب ہوئے ہوں گے؟

امام معاذ بن معاذ عنبری نے کہا:

"دخلت الكوفة فلم أر أورع من مندل."[2]

''میں نے کوفہ میں مندل سے زیادہ اورع (متقی) کسی کو نہیں پایا۔''[3]

اور سہیل بن عمار عتکی حنفی (۲۶۷ھ) نے کہا:

"كنا عند معاذ بن معاذ، وقد شفع لنا إليه رجل، فقال: إن هؤلآء أهل سنة فحدثهم، فلما جئنا إليه قال لنا: أنتم أصحاب سنة؟ ثم بكى معاذ، وقال: والله لو أعلم أنكم أصحاب سنة لأتيتكم في بيوتكم حتى أحدثكم."[4]

''ہم لوگوں کے لیے معاذ کے پاس ایک آدمی نے سفارش کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ اہل سنت ہیں، آپ ان سے حدیث بیان کیجئے مگر معاذ نے کہا کہ اگر تم لوگ اہل سنت ہوتے تو میں خود تمھارے پاس آ کر تمھیں حدیث سناتا پھر حضرت معاذ رونے لگے۔''

جن سہل بن عمار اور ان کے ساتھیوں کی بابت معاذ نے مذکورہ بالا بات کہی تھی وہ حنفی المذہب یعنی اہل الرای تھے۔[5] اس سے معلوم ہوا کہ معاذ اہل الرای کو اہل سنت سے خارج سمجھتے اور انھیں درس حدیث دینے تک کے روادار نہ تھے حتی کہ اگر اہل الرای کو معاذ کے سامنے اہل سنت کہا جاتا تو وہ اتنی اذیت محسوس کرتے کہ رونے لگتے۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ معاذ کے خاندانی بزرگ قاضی سوار مذہبِ ابی حنیفہ کو اس حد تک مبغوض وبدعتی مذہب سمجھتے تھے کہ اس کے پیرو سے ملنے کے روادار نہ تھے، دریں

---

[1] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۱۱۱)

[2] خطيب (۱۳/ ۲٤۹) وتهذيب التهذيب (۱۰/ ۲۹۷)

[3] نیز ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۱/ ۱٦۸)

[4] خطيب (۱۳/ ۱۳٤)

[5] جواهر المضية (۱/ ۲۵۳) ولسان الميزان (۳/ ۱۲۱)

صورت یہ مستبعد ہے کہ مندل کے حنفی المذہب ہونے کے باوجود بھی انھیں معاذ اورع قرار دیں۔

نیز عبداللہ بن عمرو الوراق نے کہا:

''ابو ہشام محمد بن یزید رفاعی نے کہا کہ ایک مرتبہ مندل کے پاس اصحاب الحدیث بیٹھے ہوئے درسِ حدیث سن رہے تھے کہ ایک لونڈی کھجوروں سے بھری ہوئی ٹوکری لیے ہوئے آ کر درس سننے لگی، مندل نے سمجھا کہ یہ ہدیہ ہے، اس لیے پوری ٹوکری کھجور کی اصحاب الحدیث کو کھلا دی، لونڈی نے یہ بات اپنے آقا کو سنائی تو آقا نے اسے آزاد کر دیا۔''[1]

روایت مذکورہ کا مفاد ہے کہ مندل اصحاب الحدیث کے استاذ تھے، جس سے بظاہر مستفاد ہوتا ہے کہ مندل بذات خود بھی اصحاب الحدیث میں سے تھے، یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ بعض روایات کے مطابق امام صاحب نے فرمایا کہ اصحاب الحدیث ہم سے بغض رکھتے ہیں۔[2] جس کا مفاد یہ ہے کہ اصحاب الحدیث امام صاحب اور اصحابِ امام صاحب سے مختلف تھے، دریں صورت کس معتبر دلیل کی بنا پر مندل کو امام صاحب کے ہم مذہب اصحاب میں سے شمار کر لیا گیا ہے؟ صرف یہی نہیں بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر کس دلیل کی بنا پر انہیں امام صاحب کی چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن بھی قرار دے لیا گیا ہے جبکہ امام صاحب نے اپنی بیان کردہ علمی باتوں کی نقل وروایت سے منع بھی کیا ہے؟ آخر اس کا کیا ثبوت ہے کہ مندل امام صاحب کی سرپرستی میں تیس سال مسلسل امام صاحب کی اس فقہ کی تدوین میں چالیس حضرات کے ساتھ شریک رہے جسے امام صاحب نے ممنوع الروایۃ قرار دیا ہے؟ تراجمِ احناف کی عام کتابوں تاج التراجم لابن قطلوبغا، طبقات کفوی، فوائد البہیہ وغیرہ میں مندل کا کوئی ذکر نہیں، اگر جواہر المضیہ میں موصوف کا ذکر ہے تو اس میں نعیم بن حماد، حماد بن ابی سلیمان، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ وغیرہ کا بھی ذکر ہے مگر ان کو مصنف انوار نے حنفی المذہب بتلا کر ارکان مجلس تدوین نہیں قرار دیا، پھر بیچارے مندل کو موصوف مصنف انوار نے مجلس تدوین کا رکن کیوں قرار دیا؟ مناقب کردری میں ہے:

"عقد حلقة الإمام اثنا عشر زفر، وأبو يوسف، وأسد، و حماد ابنه، و داود، والقاسم، والوليد، والأبيض ابنا الأغر، وحماد بن أبي سليمان، وابن الصباح، وعافية."[3]

یعنی ان مذکورہ حضرات سے امام صاحب کی درسگاہ قائم ہوئی تھی۔ مذکورہ بالا حضرات میں سے چار افراد حماد بن ابی سلیمان، ابیض، ولید، ابن الصباح کو مصنف انوار نے ارکانِ مجلس نہیں قرار دیا، پھر مندل کو کس دلیلِ معتبر کی بنیاد پر رکن مجلس مذکور قرار دے لیا گیا؟

مصنف انوار مندل کی بابت کیا فرماتے ہیں؟

مصنف انوار نے کہا:

''امام مندل محدث، صدوق، فقیہ، فاضل، کبار تبع تابعین میں سے ہیں، امام اعظم کے اصحاب وشرکاءِ تدوین فقہ میں سے ایک ہیں۔ محدث معاذ عنبری کا قول ہے کہ میں کوفہ پہنچا تو کسی کو آپ سے اورع نہیں پایا۔ محدث عثمان دارمی نے امام ابن معین سے ان کے بارے میں "لا بأس به" نقل کیا ہے، یہ لفظ ثقہ کے قائم مقام ہے۔ امام

[1] خطیب (١٣/ ٢٤٧، ٢٤٨)　[2] اللمحات.　[3] کردری (٢/ ٢١٤)

اعمش ، ہشام بن عروہ، لیث ، عاصم احول اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ آپ کے اساتذہ ہیں، اور آپ سے یحییٰ بن آدم، ابوالولید طیالسی، فضل بن دکین، یحییٰ حمانی اور ابوداود وابن ماجہ نے حدیث روایت کی۔ سمعانی نے ذکر کیا کہ مندل اور ان کے بھائی حبان دونوں سب لوگوں سے زیادہ امام اعظم کی مجلس میں رہا کرتے تھے۔ [1] اور علامہ کردری نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ مندل نے امام اعظم کی خدمت میں رہ کر فقہ کی تکمیل کی اور امام صاحب دونوں کے ساتھ نہایت تلطف وتقرب کا معاملہ فرماتے تھے، علامہ صیمری نے بھی دونوں بھائیوں کو امام صاحب کے تلامذہ واصحاب میں لکھا ہے۔ [2]

امام مندل صدوق ہونے کے باوجود غیر ثقہ تھے:

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات اگرچہ صحیح ہے کہ امام مندل محدث، صدوق، فقیہ، فاضل، طبقہ کبار تبع تابعین میں سے تھے مگر سيء الحفظ، غیر ضابط اور غیر متقن ہونے کے سبب روایتِ حدیث میں غیر معتبر وغیر ثقہ تھے۔ چنانچہ مشہور محدث امام یعقوب بن شیبہ نے کہا:

"وأصحابنا يحيٰى بن معين وعلي بن المديني وغيرهما من نظائرهم يضعفونه في الحديث، وكان خيرا فاضلا صدوقا وهو ضعيف الحديث." [3]

''مندل اگرچہ فاضل وصدوق تھے مگر بتصریح اہل علم ضعیف الحدیث تھے۔'' [4]

ترجمان احناف امام طحاوی حنفی نے کہا:

"ليس من أهل الثبت في الرواية بشيء ولا يحتج به." [5]

''یہ حدیث میں ذرہ برابر قابل اعتبار ولائق احتجاج نہیں تھے۔''

عبدالباقی بن قانع حنفی نے بھی مندل کو ضعیف کہا، امام ابن مہدی نے متروک کہا، ساجی وحاکم وابن حبان وسمعانی نے بھی ساقط الاعتبار قرار دیا۔ [6]

مصنف انوار نے کہا:

''سمعانی نے ذکر کیا ہے کہ مندل وحبان دونوں بھائی سب سے زیادہ امام اعظم کی مجلس میں رہا کرتے تھے۔'' [7]

ہم کہتے ہیں کہ کردری نے یہ بات ضرور لکھی ہے مگر امام سمعانی کی کتاب الانساب میں ہے:

'' حبان کوفی تھے، بہت سے لوگوں سے روایت حدیث کرتے اور ان سے بھی اہل کوفہ و اہل بغداد روایت کرتے ہیں، یہ اپنی مرویات میں فاحش الخطا ہیں، ان کی روایت قبول کرنے میں توقف واجب ہے، ان کے اور ان کے بھائی مندل کی بابت امام ابن معین نے کہا کہ "ليس حديثهما بشيء" ان کی حدیثوں کا کوئی وزن نہیں ہے، ان کے بھائی مندل بن علی عبادت گزار آدمی تھے، مرسل روایت کو متصل اور موقوف کو مرفوع بنا کر روایت کردیتے تھے اور سوء حفظ کے سبب ثقات کی مخالفت کرتے تھے، جب متقن محدثین کے خلاف انھوں نے غیر ضابط راویوں کا

---

[1] کردری (٢/ ٢١٥) [2] مقدمہ انوار (١/ ١٦٨) [3] تهذيب التهذيب (١/ ٢٨٩) وخطيب (١٣/ ٢٥٠)
[4] نیز ملاحظہ ہو: كتاب المجروحين لابن حبان (٣/ ٢٠١) [5] تهذيب التهذيب (١٠/ ٢٩٩)
[6] الأنساب للسمعاني وميزان الاعتدال. [7] مقدمہ انوار (١/ ١٦٨) بحوالہ کردری (١/ ٢١٥)

راستہ اختیار کیا تو قابل ترک ہو گئے۔ معاذ نے کہا کہ کوفہ میں ان سے اورع میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔“[1]

امام سمعانی کے اس بیان میں وہ بات نہیں جو کردری نے کہی ہے اس سے کردری اور مصنف انوار دونوں کی حقیقت بیانی ظاہر ہوتی ہے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام سمعانی نے مندل وحبان کی بابت کیا کہہ رکھا ہے؟ اس میں موصوف نے امام ابن معین سے نقل کیا کہ انھوں نے دونوں کی حدیث کو ”لیس بشيء“ کہا اور بروایت احمد بن ابی مریم امام ابن معین نے مندل کی بابت کہا کہ ”لیس به بأس یکتب حدیثه“ اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جس کی بابت ”یکتب حدیثه لیس به بأس“ کہا جائے اس کی روایت بغیر متابع وشاہد کے ساقط الاعتبار ہے، گویا ابن معین کے نزدیک بھی مندل ضعیف ہی ہیں، البتہ اس درجہ کے ضعیف ہیں کہ ان کی روایت متابع وشاہد بن سکتی ہے، پھر مصنف انوار نے جو یہ کہا کہ ابن معین نے موصوف کو لا بأس به کہا جو ثقہ کے قائم مقام ہے، اس کا کیا معنی ومطلب ہے؟ خصوصًا اس صورت میں کہ مندل کی بابت مصنف انوار کے ہم مذہب امام طحاوی نے ”لیس من أهل التبثت في الروایة بشيء ولا یحتج به “ کہا اور ابن قانع حنفی نے بھی موصوف کو ضعیف کہا اور ابن حبان نے متروک کہا اور ابن معین نے یہ بھی کہا: ”إنما ترکا لمکان الودیعة“ یعنی مندل وحبان کو استعادہ کے سبب متروک قرار دیا گیا۔ بعض نے پوچھا کہ کیسا استعادہ تھا جس کے سبب دونوں متروک قرار پائے؟ فرمایا ”کانوا یقولون إن مندلا استودع ودیعة“ لوگ کہتے ہیں کہ مندل سے ایک چیز کا استعادہ کیا گیا تھا، یہاں پوری بات منقول نہیں ہے مگر صاف ظاہر ہے کہ دونوں بھائیوں کو بقول ابن معین کچھ اہل علم نے متروک قرار دیا ہے، ابن معین کی یہ بات خود ان کی کتاب التاریخ (۲/ ۵۸۶) میں منقول ہے، ابن معین سے اس بات کے راوی نے کہا: ”ینبغي أن یکون حبان أوثقهما“ دونوں میں حبان کو زیادہ ثقہ ہونا چاہیے، ابن معین نے کہا: ”ما أقربهما“ دونوں تقریباً برابر ہیں۔

غور فرمایئے کہ یہ امام ابن معین کی طرف سے توثیق ہے یا تجریح ہے؟ جس استعادہ کی طرف مذکورہ بالا قول میں ابن معین نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اسی کے سبب موصوف مندل وحبان متروک قرار پائے، اسے حسن بن ابی القاسم سے امام بخاری نے اس طرح نقل کیا ہے:

”ذکرنا لشریك حدیث مندل عن الأعمش عن أبي وائل عن عبد اللّٰه مرفوعًا: إذا أتیٰ أهله فلا یتجرد. فقال: کذب.“[2]

”ہم نے شریک سے حدیث مذکور کا ذکر کیا جسے مندل نے بیان کیا تو شریک نے کہا کہ مندل نے جھوٹ بیان کیا۔“

تاریخ خطیب میں مسلم بن جندل سے مروی ہے:

”فاستعادینه أو فأعجبه، فأتیت مندلا فأخبرته، فقال: کذب بمرة، لعل الأعمش حدث بحدیث فتوهمته ورجع عنه.“[3]

”شریک نے مجھ سے اس بات کا اعادہ کروایا بلکہ انھیں اس پر تعجب ہوا تو میں مندل کے پاس آیا اور شریک کی

---

[1] الأنساب للسمعاني مطبوعه حیدرآباد (۹/ ۳۹۲)　[2] تاریخ صغیر (ص: ۱۹۰)　[3] خطیب (۱۳/ ۲۴۸)

پوری بات انھیں بتلائی تو مندل نے کہا کہ ضرور میری بیان کردہ یہ حدیث خالص جھوٹ ہے، شاید مجھے اس میں وہم ہوگیا ہے، چنانچہ مندل نے اس حدیث کو بیان کرنے سے رجوع کیا۔‘‘

الحاصل موصوف مندل کو کچھ اہل علم نے متروک اور عام اہل علم نے ضعیف کہا ہے۔

مصنف انوار کے اصول سے کوثری چوپایہ جانور سے بھی بدتر:

مصنف انوار نے کہا:

’’مسند خوارزمی میں ہے کہ امام وکیع نے کہا کہ جو شخص امام صاحب کے بارے میں یہ کہتا ہو کہ انھوں نے کسی مسئلہ میں خطا کی تو وہ چوپایہ جانور سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور جو کہے کہ حق بات امام صاحب کے خلاف ہے اس نے تنہا ایک مذہب اور نکالا۔‘‘[1]

ناظرین کرام مصنف انوار کے استاذ کوثری کے درج ذیل بیان کو ملاحظہ فرمائیں:

”بل نعترف بأن المجتهد قد يخطئ في التفريع، ولأبي حنيفة بعض أبواب في الفقه من هذا القبيل.“[2]

’’ہم کو اعتراف ہے کہ مجتہد سے خطا بھی سرزد ہوتی ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ سے فقہ کے بعض ابواب میں اس طرح کی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں، وقف اور مزارعہ کے اصول میں بھی امام صاحب سے غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جن کے سبب ان کے تلامذہ نے ان مسائل کو مردود قرار دیا ہے۔‘‘

”خالف زفر وأبو يوسف ومحمد أباحنيفة في مسائل أصلية وفرعية كما هو ظاهر في كتب المذهب.“[3]

’’بہت سے اصولی اور فروعی مسائل میں امام زفر، ابو یوسف اور محمد نے امام صاحب سے مخالفت کی ہے (مطلب یہ کہ ان مسائل میں کہا ہے کہ امام صاحب سے خطا سرزد ہوگئی ہے)۔‘‘

مشائخ بلخ (۱/ ۱۶۰) میں مذکور ہے کہ احمد بن حام حنفی امام نے امام صاحب سے ایک ہزار مسائل میں اختلاف کیا اور ان مسائل میں احناف کے یہاں احمد ہی کے فتوی پر عمل ہے۔

ناظرین کرام پوچھیں کہ مصنف انوار کا مذکورہ بالا فتوی ان کے استاذ کوثری اور امام صاحب کے تلامذہ امام زفر، ابو یوسف، محمد اور احمد بن حام پر چسپاں ہو رہا ہے یا نہیں؟ جنھوں نے کہا کہ بہت سارے مسائل میں امام صاحب سے خطا سرزد ہوئی ہے۔اس سلسلے میں اس سے پہلے بھی بعض تفاصیل وارد ہو چکی ہیں ناظرین کرام وہیں مطالعہ فرمائیں۔

بدعوئ کوثری تلامذۂ امام صاحب امام صاحب کو بلید و بے عقل کہا کرتے تھے:

مذکورہ بالا تفصیل سے شاید بعض ناظرین کو حیرت واستعجاب ہو کہ یہ کیا ماجرا ہے مگر مصنف انوار کے شیخ استاذ کوثری فرماتے ہیں:

---

[1] مقدمه انوار (١/ ١٦٨)　[2] تانيب (ص: ١٣٩)　[3] حسن التقاضي (ص: ٥٩)

"فصاحوا به من نواحي الحلقة يا أبا حنيفة بلدتك الغربة وذهب عقلك."❶

''تمام تلامذۂ امام صاحب نے متفق اللسان ہوکر کہا کہ امام صاحب بلید اور ذاہب العقل ہو گئے ہیں۔''

مصنف انوار امام صاحب کے اکابر تلامذہ کو جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ اور مبتدعانہ مذہب کا موجد قرار دے ڈالیں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن محدثین کرام اگر مفروضہ مجلس تدوین اور اس کے فرضی اراکین کے متعلق مصنف انوار اور ان کے اکابر اسلاف کی خانہ ساز و من گھڑت تفاصیل کو وحیِ ربانی کی طرح برحق ہونے کا اقرار و اعتراف نہ کریں تو وہ سب کے سب حاسد، متعصب، تنگ نظر، رافضی، جھوٹے، وضاع وغیرہ قرار پائیں؟!

ہم نے ان قرائن کا ذکر کر دیا ہے جن سے مندل کا غیر حنفی ہونا لازم آتا ہے اگر مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کا اصرار ہے کہ مندل امام صاحب کے مجموعۂ اغلاط اور ممنوع الروایۃ قرار دیے ہوئے مذہب رائے وقیاس کے پیرو اور اس کی تدوین کرنے والی چہل رکنی مجلس کے رکن تھے تو کوئی ٹھوس ثبوت پیش کریں، ہمارا خیال ہے کہ مصنف انوار اور ان کے معاونین تا قیامت ایسا نہ کر سکیں گے۔

۵۔امام نصر بن عبدالکریم بلخی (متوفی ۱۶۹ھ)

مصنف انوار نے کہا:

''نصر محدث فقیہ تھے، امام اعظم سے فقہ پڑھی اور ان کی مجلس تدوین میں شریک تھے، امام صاحب سے احادیث واحکام بکثرت روایت کیے، امام صاحب کے بعد امام ابو یوسف کی خدمت میں رہے اور ان ہی کے پاس وفات پائی۔ ان سے سفیان ثوری وموسی بن عبیدہ وغیرہ نے روایت کی۔''❷

ہم کہتے ہیں کہ اس جگہ مصنف انوار نے نصر کا سال وفات ۱۶۹ھ لکھا ہے اور تلامذۂ امام صاحب کی فہرست (۱/ ۸۷) میں موصوف کا سال وفات ۱۹۹ھ لکھا ہے، ممکن ہے کہ ۱۹۹ھ کا لفظ غلط چھپ گیا ہو مگر اس طرح کی تصحیفات کو مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں نے بکثرت دلیل بنایا ہے، جس جواہر المضیہ کے حوالے سے مصنف انوار نے نصر کا تعارف کرایا ہے اس میں موصوف کا سال وفات ۱۶۹ھ ہی لکھا ہے مگر جامع مسانید ابی حنیفہ (۲/ ۵۶۴) میں ۱۹۹ھ لکھا ہے۔ معلوم نہیں کہ ان میں کس بات کو مصنف انوار صحیح مانتے ہیں؟ جامع مسانید میں تصریح ہے:

"مات ببغداد عند أبي يوسف."❸ ''نصر بن عبدالکریم بغداد میں ابو یوسف کے پاس فوت ہوئے۔''

اگر نصر کا انتقال ۱۹۹ھ میں ہوا تو اس وقت ابو یوسف کو مرے ہوئے سترہ سال گزر چکے تھے کیونکہ مصنف انوار کی تصریح ہے کہ ابو یوسف کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوا تھا۔❹ جب ابو یوسف کا انتقال نصر کے انتقال سے سولہ سترہ سال پہلے ہو گیا تھا تو مصنف انوار اور ان کے اسلاف کا یہ فرمان کہ نصر کا انتقال ۱۹۹ھ میں ہوا اس وقت صحیح مانا جا سکتا ہے جبکہ یہ مان لیا جائے کہ ابو یوسف

---

❶ حسن التقاضي (ص: ١٦ وغيره) ❷ مقدمه انوار (١/ ١٦٩ بحواله جواهر المضية)

❸ جامع المسانيد (٢/ ١٦٤) وجواهر المضية (٢/ ١٩٥) ومقدمه انوار. ❹ مقدمه انوار (١/ ١٧٣ و ١/ ١٨٧)

اپنی وفات کے سولہ سترہ سال بعد زندہ ہو کر نصر کی موت کا مشاہدہ کرنے آ گئے تھے۔ امام خطیب نے ایک روایت امام احمد بن قاج بلخی❶ (مولود ۲۸۴ھ ومتوفی ۳۵۳ھ) کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے:

''علی بن فضل بن طاہر بلخی❷ (متوفی ۳۲۳ھ) نے کہا: ''كان فقيها، راوية للأحاديث، قياسا، صاحب مجلس، صحب أبا حنيفة فأكثر، مات ببغداد عند أبي يوسف ١٦٩هـ.''❸

''نصر بن عبدالکریم ایک فقیہ وقیاس اور راویٔ حدیث نیز ایک مجلس والے آدمی تھے، مراد ایک درسگاہ کے معلم واستاذ تھے اور امام صاحب کی انھیں زیادہ مصاحبت رہ چکی تھی، بغداد میں ان کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا تھا۔''

علی بن فضل کے بیان میں خوارزمی وقرشی ومصنف انوار کی تحریفات:

مصنف جامع المسانید خوارزمی نے علی بن فضل کے بیان میں ایک تصحیف وتحریف یہ کی کہ عبدالکریم نصر کا سال وفات ۱۶۹ھ کے بجائے ۱۹۹ھ بنایا، دوسری تحریف یہ کی کہ بیان ابن فضل میں یہ تصریح ہے کہ نصر ''صاحب مجلس'' تھے، یعنی ان کی کوئی علمی مجلس تھی جس کے وہ استاذ تھے مگر خوارزمی نے تحریف کر کے اسے ''صاحب مجلس ابی حنیفہ'' بنایا، یعنی مجلس ابی حنیفہ میں بیٹھنے والے تھے۔❹ پھر مصنف انوار نے اس کا یہ مطلب بنا لیا کہ موصوف نصر امام صاحب کی اس چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن تھے جو محض ایک فرضی چیز ہے جس کا حقیقی وجود نہیں تھا، اور صاحب جواہر المضیہ نے ''صحب أبا حنيفة فأكثر'' کے بعد ''عنه'' کا لفظ بڑھا دیا، حالانکہ اس لفظ کے بغیر اس عبارت کا مطلب صرف یہ تھا کہ موصوف عبدالکریم امام صاحب کے پاس بکثرت رہے مگر اس لفظ کا مطلب یہ ہو گیا کہ موصوف نے امام صاحب سے بکثرت علم فقہ وحدیث حاصل کیا، اور دونوں کا جو فرق ہے وہ واضح ہے۔

اس سے بڑی بات یہ کہ تاریخ خطیب میں صراحت ہے کہ نصر امام سفیان ثوری وموسیٰ بن عبید کے شاگرد تھے مگر جواہر المضیہ کے مصنف نے معاملہ الٹ دیا اور شاگرد کو استاذ اور استاذ کو شاگرد بنا دیا، اسی قسم کی تصحیفات وتحریفات مصنف انوار اور ان کے ہم مزاجوں کی تحریک کی بنیاد ہیں۔

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ نصر بن عبدالکریم کو امام صاحب کے مصاحب ہونے کا ذکر کرنے والے امام علی بن فضل کا انتقال ۳۲۳ھ میں ہوا اور موصوف کا سال ولادت نامعلوم ہے مگر نصر کا انتقال ۱۶۹ھ میں ہوا ہے، یعنی دونوں کی وفات کے مابین ڈیڑھ سو سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ علی بن فضل نے زمانۂ نصر نہیں پایا، بلفظ دیگر موصوف نے یہ بات کسی دوسرے سے سنی ہے جو معلوم نہیں، لہٰذا یہ روایت ہی معتبر نہیں، اس لیے امام صاحب سے نصر کی مصاحبت کی داستان ہی ساقط الاعتبار ہے، اسی طرح ابو یوسف کے پاس نصر کی وفات والی بات بھی علی بن فضل کی بیان کردہ ہے، لہٰذا یہ بھی معتبر نہیں ہے۔

تاج التراجم لابن قطلوبغا، طبقات کفوی اور فوائد البہیہ جیسی کتبِ رجالِ حنفیہ میں نصر کا ذکر نہیں، کردری نے بھی تلامذۂ امام

---

❶ ابن قاج کے ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو: خطیب (٤/ ٣٥٥)

❷ علی بن فضل کے ترجمہ کے لیے ملاحظہ ہو: خطیب (١٢/ ٤٧، ٤٨)

❸ خطیب (١٣/ ٢٧٨)　　❹ جامع المسانيد (١/ ١٩٩)

صاحب کی فہرست میں موصوف کا ذکر نہیں کیا، دریں صورت موصوف نصر کا حنفی المذہب ہونا ہی محل نظر ہے۔ جواہر المضیہ میں خطیب کے حوالے سے موصوف کا ذکر ہے جس سے موصوف کا صرف شاگرد امام صاحب ہونا ثابت ہوتا ہے اور شاگرد کا مذہبِ استاذ کا پیرو ہونا ضروری نہیں، امام صاحب جابر جعفی، کلبی، عمرو بن عبید، اعمش، شعبہ، سفیان ثوری وغیرہ کے شاگرد ہونے کے باوجود ان کے مذہب کے پیرو نہیں تھے، اور جواہر المضیہ میں سینکڑوں افراد مذکور ہیں جن کو مصنف انوار نے اراکین مجلس تدوین نہیں کہا، مثلاً امام نعیم بن حماد، امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، حماد بن زید، حماد بن ابی سلیمان، اسماعیل بن حماد بن ابی سلیمان وغیرہ، پھر نصر ہی کو اراکین مجلس تدوین میں کیوں شمار کیا جائے؟ مصنف مشائخ بلخ نے اگرچہ دعوی کیا ہے کہ عام اہل بلخ حنفی المذہب تھے۔[1] مگر یہ دعوی بطور کلیہ صحیح نہیں، قتیبہ بن سعید بلخ ہی کے تھے جنھوں نے ابراہیم بن یوسف بلخی کو مرجی ہونے کے سبب درسگاہِ مالک سے نکلوا دیا تھا۔ (کمامر)[2]

تاج التراجم، طبقات کفوی اور فوائد البہیہ میں اگرچہ نصر کا ذکر نہیں کیا گیا مگر مصنف انوار کو اس کا کوئی شکوہ نہیں لیکن مصنف انوار جس شخص کو فرضی مجلس تدوین کا رکن اور حنفی المذہب قرار دیں لیکن محدثین کرام اس کے حنفی ہونے کا اعتقاد نہ رکھیں اور اسے مجلس تدوین کا رکن نہ قرار دیں تو مصنف انوار بہت شکوہ کرتے اور محدثین کو متعصب و تنگ نظر قرار دیتے ہیں۔ یہ عجیب ماجرا ہے! معلوم نہیں مصنف انوار نے عمر بن ہارون بلخی کو مجلس تدوین کا رکن کیوں نہیں قرار دیا؟ علی بن فضل نے کہا:

"مات ١٩٤، وهو ابن ٦٦ سنة، ورأيت في كتاب أنه توفي، وهو ابن ثمانين سنة."[3]

''عمر بلخی ۱۹۴ھ میں بعمر ۶۶ سال فوت ہوئے، یعنی ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے اور ایک کتاب میں میں نے لکھا دیکھا کہ موصوف بعمر اسی سال فوت ہوئے، یعنی ۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے۔''

ایک نصر بن ابی عبدالمالک عتکی سمرقندی کو کردری نے تلامذۂ امام صاحب میں ذکر کیا ہے۔[4] ان کی بابت انساب سمعانی میں مذکور ہے:

''یہ صیقل کے لقب سے ملقب ہیں، کنیت ابوسہل ہے، ان کے باپ ابوعبدالمالک کا نام عبدالکریم مزنی ہے، یہ بلخی تھے، سمرقند میں متوطن تھے اور وہیں درس حدیث دیتے تھے، موصوف کے اساتذہ میں امام صاحب بھی شامل ہیں۔''[5]

غالباً یہی صاحب ہمارے زیر بحث صیقل ہیں مگر انساب کے مخطوطہ میں ان کے باپ کا نام عبدالکبیر لکھا ہے، اور عقود الجمان میں نصر بن عبدالکریم اور نصر بن ابی عبدالمالک عبدالکبیر کو دو افراد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔[6] ان کی تعدیل و توثیق سے متعلق کوئی بات منقول نہیں اور معلوم نہیں کہ ۱۳۰ھ کے بعد پیدا ہوئے تھے یا کب؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ موصوف فرضی مجلس تدوین کے رکن کیسے بنے ہوں گے جبکہ امام صاحب نے اپنی فقہ کو ممنوع الروایۃ والکتابۃ قرار دے دیا تھا؟

اب ناظرین کرام چھٹے رکن مجلس تدوین کے حالات ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] مشائخ بلخ (١/ ١٣٣)

[2] ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد (١١/ ١٨٩) وتهذيب التهذيب (٧/ ٥٠٣ ترجمه عمر بن هارون بلخی متوفی ١٩٨ھ)

[3] تهذيب التهذيب (٧/ ٥٠٤، ٥٠٥) [4] کردری (٢/ ٢٤١) نیز عقود الجمان (ص: ١٥٠)

[5] ملخص از انساب سمعاني لفظ صيقل (٨/ ٣٦٣) [6] عقود الجمان (ص: ١٥٠)

۶۔ امام عمر بن میمون رماح بلخی (متوفی ۱۷۱ھ)

مصنف انوار نے کہا:

"امام عمر بن میمون بلخی حنفی رماح، محدث، فقیہ، صاحب علم ورع تھے، بغداد آ کر امام اعظم کی خدمت میں رہے، فقہ وحدیث ان سے حاصل کی، ابن معین نے توثیق کی، بیس سال تک بلخ کے قاضی رہے، آپ سے آپ کے صاحب زادے عبداللہ بن عمر قاضی نیساپور نے روایت حدیث کی، امام ترمذی کے شیوخ میں ہیں، شریک مجلس تدوین تھے۔" ❶

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے عمر بن میمون رماح کے رکن مجلس تدوین ہونے کے ثبوت کے لیے جواہر المضیہ وحدائق الحنفیہ کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ ان دونوں کتابوں میں سے کسی میں بھی اس کا تذکرہ نہیں ہے کہ عمر مذکور مجلس تدوین کے رکن تھے۔ ❷

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار نے اپنی ایجاد کردہ بات جواہر المضیہ وحدائق کی طرف منسوب کی ہے، اپنے مندرجہ بالا بیان میں مصنف انوار نے کہا ہے کہ عمر بن میمون بغداد آ کر امام صاحب کی خدمت میں رہے، اور یہ معلوم ہے کہ تعمیر بغداد ۱۴۵ھ سے شروع ہو کر ۱۴۹ھ کے لگ بھگ مکمل ہوئی اور امام صاحب اپنی عمر کے آخری پندرہ روز بغداد میں رہے۔ اگر اس سے پہلے کسی دن عمر اور امام صاحب کے مابین بغداد میں چند لمحات کے لیے ملاقات ہوئی بھی ہو تو ۱۴۵ھ کے بعد ہی ہوئی ہو گی جبکہ عمر رماح شیخ الحدیث کی حیثیت سے وہاں وارد ہوئے تھے اور اس کے پہلے کوفہ میں یا کہیں امام صاحب سے موصوف کی ملاقات کا کوئی بھی معتبر ثبوت نہیں، اور اگر بالفرض ثبوتِ ملاقات ہو تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ موصوف کوفہ میں قائم شدہ فرضی وافسانوی مجلس تدوین کے رکن بن کر اس فقہ حنفی کی تیس سال تدوین کرتے رہے جسے امام صاحب نے ممنوع الکتابۃ والروایۃ قرار دیا ہے؟ مصنف انوار دعوئ تحقیق کے باوجود یہ ثبوت کیوں نہیں پیش کرتے کہ عمر رماح ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک کوفہ میں امام صاحب کے ساتھ مقیم رہ کر تدوین فقہ کرتے رہے۔ فوائد البھیہ وتاج التراجم وغیرہ کتب رجال احناف میں موصوف کا ذکر نہیں مگر اس کا کوئی شکوہ مصنف انوار کی زبان پر نہیں۔

تاریخ خطیب میں بلاسند صرف صیغۂ تمریض وتضعیف کے ساتھ مذکور ہے کہ "ویقال" کہا جاتا ہے کہ وہ بیس سال سے زیادہ بلخ کے قاضی رہے۔ ❸ محولہ کتاب میں جو بات بلا سند اور بصیغۂ تمریض ہے اسے جزم وقطعیت کے ساتھ معتبر بات کے طور پر پیش کرنا کون سی خالص علمی ودینی خدمت ہے؟ انساب سمعانی کے نسخۂ مطبوعہ حیدر آباد کے حاشیہ پر موصوف کی مدتِ قضا بعض نسخوں کے حوالے سے صرف دس سال ظاہر کی گئی ہے۔ ❹

مصنف انوار نے کہا کہ "عمر مذکور امام ترمذی کے شیوخ میں سے ہیں۔" مگر عمر مذکور کا انتقال ۱۷۱ھ میں ہوا ہے اور امام ترمذی کی ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی ہے لہٰذا دونوں کے درمیان براہ راست سلسلۂ تلمذ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ ترمذی نے ان کی

---

❶ مقدمه انوار (۱/ ۱٦٩، بحواله جواهر المضية وحدائق الحنفية)

❷ ملاحظہ ہو: جواهر المضية (۱/ ۳۹۹) وحدائق (ص: ۱۱۳)

❸ خطيب (۱۱/ ۱۸۲) وأنساب للسمعاني (ورق: ۲۵۸) صفحه أول حرف رماح. ❹ أنساب (٦/ ۱٦۱)

ایک روایت دو واسطوں سے نقل کی ہے، یعنی یحییٰ بن موسی عن شبابة بن سوار[1] مگر یہ ایک روایت بھی سنداً صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں عثمان بن یعلی نامی ایک راوی مجہول ہیں۔[2] الغرض مصنف انوار کی کتاب اغلاط واخطأ اور تحریفات واکاذیب کا طومار ہونے کے باوجود موصوف کے دعوی کے مطابق خالص علمی وتحقیقی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے جس میں صرف معتبر وصحیح باتیں درج ہیں۔ اب ساتویں رکن مجلس حبان عنزی سے متعلق مصنف انوار کی باتوں کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

۷۔ امام حبان بن علی عنزی (مولود ۱۱۱، ۱۱۲ھ ومتوفی ۱۷۱، ۱۷۲ھ)

امام حبان کا تذکرہ ان کے بھائی مندل کے تذکرہ میں اجمالاً آچکا ہے، یہ اپنے بھائی مندل سے کئی سال چھوٹے تھے، ان کی ولادت ۱۱۱، ۱۱۲ھ میں ہوئی۔[3]

دریں صورت موصوف ۱۲۰ھ میں قائم ہونے والی مجلس تدوین کے قائم ہونے سے پہلے امام صاحب کی خدمت میں مجتہد کی حیثیت سے رکن مجلس بننے کے لائق ہو کر کیسے موجود تھے؟ تاج التراجم وفوائد البہیہ وغیرہ جیسی کتب رجال احناف میں موصوف کا ذکر نہیں مگر مصنف انوار کو اس کا کوئی شکوہ نہیں۔

تہذیب الکمال وتبییض الصحیفہ وغیرہ میں امام صاحب سے موصوف کے تلمذ کا ذکر ہے مگر یہ بہت واضح بات ہے کہ اس سے موصوف کا حنفی المذہب اور رکن مجلس تدوین ہونا لازم نہیں آتا، آخر مصنف انوار کوئی معتبر ثبوت اپنے اس دعوی پر کیوں نہیں پیش کرتے کہ حبان اس افسانوی وفرضی چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن کی حیثیت سے تیس سال تک از ۱۲۰ھ تا ۱۵۰ھ اس فقہ حنفی کی تدوین کرتے رہے جسے امام صاحب نے ممنوع الکتابہ والروایہ قرار دیا ہے؟ ہم تو یہ ثبوت پیش کر چکے کہ فرضی مجلس تدوین کی فرضی تاسیس کے وقت یعنی ۱۲۰ھ میں امام حبان آٹھ سال کے نابالغ طفل مکتب تھے، اس لیے موصوف کا تاسیسِ مجلس کے وقت اوراس کے پہلے مجتہد کی حیثیت سے خدمتِ امام صاحب میں موجود رہنا محال ہے، اس کے خلاف اگر مصنف انوار اوران کے معاونین میں کچھ ثابت کرنے کی ہمت ہے تو کریں، ہمارا دعوی ہے کہ وہ قیامت تک ایسا نہیں کر سکتے۔ امام حبان کے بہت سے شیوخ حدیث ہیں مگر مصنف انوار نے صرف امام اعمش اورامام صاحب کا ذکر کیا ہے۔[4] کیا یہ موصوف حبان کے ساتھ تعصب وتنگ نظری اورعداوت کی بات نہیں ہے؟ اگر نہیں تو اسی قسم کی بات پر مصنف انوار دوسروں کو کیوں مطعون کرتے ہیں؟

مصنف انوار نے بحوالۂ جواہر المضیہ جو یہ کہا ہے کہ ''حبان کا قول ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی دین یا دنیا کے معاملے میں امام صاحب کی طرف رجوع کیا گیا ہو اوران سے بہتر بات نہ ملی ہو''[5] تو جواہر المضیہ میں یہ بات بلاسند مذکور ہے، اسے صحیح ومعتبر قرار دے کر بطور حجت پیش کرنا کون سی علمی وتحقیقی خدمت ہے؟

---

[1] جامع ترمذي مع تحفة الأحوذي (١/ ٣١٧، ١٦٠) وتهذيب التهذيب (٤/ ٤٩٩)

[2] تهذيب التهذيب (٧/ ١٥٩) وعارضة الأحوذي شرح ترمذي.

[3] تقريب التهذيب وتهذيب التهذيب (٢/ ١٧٣، ١٧٤) وخطيب (٨/ ٢٥٦)

[4] مقدمه انوار (١/ ١٦٩)

[5] مقدمه انوار (١/ ١٦٩)

مصنف انوارمزید فرماتے ہیں:

''حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے حبان کے ذکر میں مدح وتضعیف کے اقوال نقل کرنے کے بعد آخر میں فیصلہ کیا کہ وہ متروک الحدیث نہیں تھے، ابن ماجہ میں ان سے روایت کی گئی ہے، خطیب نے صالح متدین کہا۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ کسی راوی کے متروک الحدیث ہونے کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ضعیف وغیر معتبر اور غیر ثقہ نہیں ہے کیونکہ ''متروک الحدیث'' کا لفظ نہایت سخت قسم کے الفاظ جرح میں سے ہے۔[2] اور صالح ومتدین ہونا ضعیف وغیر ثقہ ہونے کے منافی نہیں، امام ذہبی نے دیوان الضعفاء والمتروکین (ص: ۴۹ و ۸۱۷) میں کہا کہ ''ضعفوہ'' حبان کو اہل علم نے ضعیف کہا ہے۔[3]

معلوم نہیں مصنف انوار اس کارستانی کے ذریعہ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں ارجح الاقوال کے طور پر حبان کو ''ضعیف له فقه وفضل'' کہا ہے، ذہبی اور ابن حجر کے قول میں کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں ہے کما لا یخفی۔ حافظ ابن حجر کی حسب تصریح حبان کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ میں اور ایک کتاب التفسیر میں موجود ہے۔[4]

اب ناظرین کرام مفروضہ مجلس تدوین کے آٹھویں فرضی رکن ابوعصمہ نوح ابن ابی مریم جامع (متوفی ۱۷۳ھ) کے حالات ملاحظہ فرمائیں۔

۸۔ امام ابوعصمہ نوح بن ابی مریم جامع (متوفی ۱۷۳ھ)

مصنف انوار نے کہا:

''مشہور محدث وفقیہ تھے، امام اعظم، ابن ابی لیلیٰ، حجاج بن ارطاۃ، زہری، محمد بن اسحاق وغیرہ کے شاگرد تھے، جامع العلوم تھے، اس لیے جامع کے لقب سے مشہور تھے۔ امام اعظم کی مجلس تدوین فقہ کے خاص رکن تھے، اور بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے آپ نے امام صاحب کی فقہ کو جمع کرنا شروع کیا تھا، اسی لیے جامع کہلائے۔''[5]

حنفی مذہب سے نوح کا اظہار بیزاری:

ہم کہتے ہیں کہ نوح بن ابی مریم امام صاحب کی تدوین کردہ فقہ اور امام صاحب کے فقہی مذہب سے بے حد بیزار اور متنفر تھے، اس کا بہت بڑا ثبوت یہ ہے کہ خود نوح مذکور نے اس کی صراحت کردی ہے:

''رأيت الناس اشتغلوا بفقه أبي حنيفة، وأعرضوا عن القرآن فوضعت الحديث.''[6]

''جب میں نے دیکھا کہ لوگ امام ابوحنیفہ کی فقہ سے اشتغال وانہماک کے سبب قرآن مجید سے بے رخی وبے

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۶۹)
[2] ملاحظہ ہو: مقدمہ ابن الصلاح (ص: ۱۱۳) ودیگر کتب مصطلح الحدیث.
[3] ملاحظہ ہو: الكاشف للذهبي.
[4] تهذيب التهذيب (۲/ ۱۵۱)
[5] مقدمہ انوار (۱/ ۱۶۹)
[6] المدخل لعلوم الحديث للحاكم (ص: ۲۰) والكفاية في علم الرواية للخطيب (ص: ۱۲٦) والفوائد البهية في تراجم الحنفية (ص: ۱۷٦، ۱۷۷)

توجہی برتنے لگے ہیں تو میں نے لوگوں کا رخ فقہ حنفی سے پھیر کر قرآن مجید کی طرف موڑنے کے لیے فضائلِ قرآن سے متعلق حدیث گڑھنے کا مشغلہ اختیار کر لیا۔''

نوح کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے وضع کردہ فقہی مذہب کے پیرو و پابند نہیں تھے، ورنہ ان کو اس بات سے تکلیف نہیں ہوتی کہ لوگ فقہ حنفی سے اشتغال رکھیں اور قرآن سے بے توجہی برتیں۔ نوح کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ فقہ حنفی کی تدوین کنندہ مفروضہ چہل رکنی مجلس کے رکن خاص نہیں تھے بلکہ فقہ حنفی سے لوگوں کا رخ موڑنے کے لیے وضع حدیث کے کاروبار میں مشغول و منہمک تھے، یہ بات بعید از قیاس ہے کہ جو شخص لوگوں کو فقہ حنفی میں مشغول دیکھ کر اس کے خلاف حدیث وضع کرنے لگے وہ فقہ حنفی کی تدوین کنندہ چہل رکنی مجلس کا رکن بھی بن جائے۔

بقول نوح فقہ حنفی سے اشتغال قرآن مجید سے بے اعتنائی پیدا کرتا ہے:

نوح کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہ حنفی کے اندر ایسی خاصیت و تاثیر ہے کہ اس سے اشتغال رکھنے والے لوگ قرآن مجید سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک) چونکہ مصنف انوار نوح کو اپنا امام و پیشوا سمجھتے ہیں اور انھیں فقیہ ماننے کے ساتھ فقہ حنفی کی تدوین کرنے والی مجلس کا رکن خاص قرار دیتے ہیں اس لیے انھیں چہل رکنی مجلس تدوین کے اس رکن خاص کی اس حقیقت افروز تصریح کا اعتراف کرنا چاہیے تھا مگر اس کے باوجود مصنف انوار فقہ حنفی کا سکہ قارئین انوار الباری کے دماغ پر بیٹھانے اور لوگوں کو فقہ حنفی کا مقلد و معتقد بنانے کے لیے بکثرت اکاذیب و تحریفات کا استعمال کر رہے ہیں۔

نوح پر اہل علم کے الفاظِ جرح:

واضح رہے کہ نوح کی بابت ائمہ جرح و تعدیل نے نہایت سخت الفاظ جرح استعمال کیے ہیں، امام ابن المبارک نے فرمایا: ''أبوعصمة كان يضع كما يضع المعلى بن هلال'' ابن حبان و حاکم نے کہا: '' جمع كل شيء إلا الصدق، كان أبوه مجوسيا من أهل هرمز'' ابوسعید نقاش نے کہا: ''روى الموضوعات'' خلیلی نے کہا: ''أجمعوا على ضعفه، وكذبه سفيان بن عيينة.''[1]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ نوح وضاع و کذاب تھا اس کے باوجود مصنف انوار نے اپنی پوری کتاب میں یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی کہ ائمہ اسلاف نے اسے کذاب و وضاع کہا ہے، حالانکہ یہ شخص بزبان خویش بھی اپنے آپ کو کذاب اور وضاع کہہ چکا ہے۔

نوح کے فارسی الاصل ہونے کا تذکرہ:

امام حاکم و ابن حبان کی اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نوح بن ابی مریم نسلاً فارسی تھا: ''وكان أبوه مجوسيا من أهل هرمز'' نوح کا باپ مجوسی المذہب اور ہرمزی (فارسی) الاصل تھا، لہٰذا مصنف انوار کو انھیں پر حدیث نبوی ''لو كان الدين معلقا بالثريا لناله رجال من أبناء فارس'' کو منطبق کرنا چاہیے تھا مگر مصنف انوار نے ایسا نہ کر کے امام صاحب پر اسے منطبق کیا، حالانکہ امام صاحب کا فارسی ہونا متحقق نہیں۔

---

[1] تهذيب التهذيب (١٠/ ٤٨٧، ٤٨٨) وكتاب المجروحين لابن حبان (٣/ ٢٠، ٢١)

مصنف انوار نے خود ہی اس امر کی تصریح کی ہے کہ نوح بن ابی مریم امام ابوحنیفہ کے علاوہ ابن ابی لیلیٰ، حجاج بن ارطاۃ، زہری کے شاگرد تھے اور ابن حجر نے کہا کہ نوح ان حضرات کے علاوہ ثابت بنانی، اعمش، ابن جریج، یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ کے بھی شاگرد تھے اور یہ طے شدہ بات ہے کہ نوح کے یہ اساتذہ امام ابوحنیفہ کے بھی اساتذہ تھے مگر یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار کی تحقیق میں نوح نے اپنے جملہ اساتذہ کے فقہی مسلک کی پیروی اور تدوین کرنے کے بجائے صرف امام ابوحنیفہ کے وضع کردہ اس فقہی مسلک ہی کی پیروی اور تدوین کی جس سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے نوح کو وضع حدیث کرنا پڑا، حالانکہ اپنی فقہ حنفی کے متعلق خود امام صاحب نے فرمادیا تھا کہ اس کی تدوین وترویج مت کرو کیونکہ یہ مجموعۂ اغلاط ہے۔

نوح فرقہ جہمیہ کے خلاف تھے:

بیچارے نوح نے تو اپنے وضاع ہونے کا اعلان کر دیا تھا لیکن مصنف انوار خالص علمی وتحقیقی نقطۂ نظر سے انوار الباری کو تصنیف کرنے کے باوجود بکثرت اکاذیب کا استعمال کرتے ہیں، اسی طرح نوح کو وضع حدیث کے عیب کے ساتھ ایک طرف اگر یہ اعتراف تھا کہ میں وضاع ہوں تو دوسری طرف اس میں ایک خوبی یہ تھی کہ وہ فرقۂ جہمیہ کا شدید مخالف اور اس کی تردید میں کتابیں لکھنے والا تھا، مگر مصنف انوار کا یہ حال ہے کہ وہ مدعی صداقت ہونے کے باوجود بکثرت اکاذیب کے استعمال کے ساتھ جہمیوں کو اپنا پیشوا اور امام بنائے ہوئے ہیں، یعنی ابومطیع جیسے جہمی کو مجلس تدوین کا رکن رکین مان کر انہیں امام وپیشوا مانا اور بشر مریسی جیسے جہمی کی مدح سرائی کی اور کوثری کی پیروی کرتے ہوئے انوار الباری نامی کتاب لکھ کر بقول ترجمان دیوبند محدثین کرام خصوصًا امام بخاری کی عظمت کے تاروپود بکھیرنے کی کوشش کی۔

کیا نوح فقہ حنفی کے سب سے پہلے جامع تھے؟

اگر مصنف انوار کا یہ دعوی صحیح ہے کہ ''بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے نوح نے امام صاحب کی فقہ کو جمع کرنا شروع کیا تھا اسی لیے ''جامع'' کہلائے۔'' تو ناظرین کرام امام ابن حبان اور حاکم کے اس فرمان کو ملحوظ رکھیں:

''جمع كل شيء إلا الصدق.'' یعنی یہ شخص سچ بولنے کے سوا تمام چیزوں کا ''جامع'' تھا۔

امام ابن حبان اور حاکم کی اس تصریح کی روشنی میں ناظرین نتیجہ نکالیں کہ فقہ حنفی کے جامع اول نے فقہ حنفی کے نام سے کون سی چیزیں جمع کیں؟ جس فقہ کا جامع اول کذاب اور وضاع ہو اس فقہ کی مدح وثنا خوانی کرنے والوں کو اپنے طرز عمل کے نتائج وعواقب پر بھی نظر رکھنی چاہیے، اگر یہ بات صحیح ہے کہ یہی کذاب اور وضاع فقہ حنفی کا جامع اول ہے تو اللہ تعالیٰ ایسی فقہ سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین!

کیا نوح اقوالِ امام صاحب کا درس دیتے تھے؟

مصنف انوار نے بڑے فخر کے ساتھ دعوی کیا ہے:

''نوح درس کے زمانے میں چار مجلسیں منعقد کرتے تھے، ایک میں احادیث وآثار بیان کرتے، دوسری میں اقوالِ

امام صاحب، تیسری میں نحوی مسائل، چوتھی میں شعر و ادب، جب مرو کے قاضی ہوئے تو امام صاحب نے ان کو نصائح وشروط لکھی۔"

حالانکہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ موصوف وضع حدیث کا کاروبار کرتے تھے تو یہ حقیقت اہل نظر سے مخفی نہیں رہ سکتی کہ درس حدیث میں وہ اپنی وضع کردہ احادیث وآثار بیان کرتے ہوں گے اور ممکن ہے کہ ایسے شخص کا درس حدیث مصنف انوار کے لیے باعث فخر ومسرت ہو مگر اہل علم کے نزدیک باعث فخر ومسرت کے بجائے لائق نفرت ومذمت ہے۔

اسی طرح اگر یہ بات صحیح ہو کہ نوح اقوالِ امام صاحب کو بیان کرنے کے لیے مجلس منعقد کرتے رہتے تھے تو اس کی حقیقت بھی غیر مخفی ہے کیونکہ جو شخص اقوالِ امام صاحب سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے رسول اللہ ﷺ پر افتراء کر سکتا ہے وہ کسی خاص مصلحت ومقصد کے حصول کے لیے امام صاحب کی طرف ایسے اقوال ومسائل کا انتساب بھی کر سکتا ہے جو ان کے بیان کردہ نہ ہوں، اور جو اقوال ومسائل امام صاحب کے بیان کردہ نہ ہوں انھیں فقہ حنفی کے نام سے مروج کرنا کوئی قابل فخر چیز ہر گز نہیں ہو سکتی خصوصاً ایسی صورت میں کہ امام صاحب نے حکم دے رکھا تھا کہ میرے اقوال کی ترویج واشاعت اور تدوین نہ کی جائے کیونکہ ہمارے نزدیک وہ مجموعۂ اغلاط ہیں۔ یہ روایت خانہ ساز اور مکذوب ہے کہ نوح فقہ حنفی کا درس دیتے تھے۔

جس روایت میں ہے کہ نوح جب قاضی بنے تو انھیں امام صاحب نے شروط ونصائح لکھے اس روایت کو مشہور کذاب استاذ ابو محمد حارثی نے وضع کیا ہے۔ [1] اور حارثی کذاب کی وضع کردہ سند میں نوح سے اس روایت کا ناقل بشر بن قاسم نیساپوری کو ظاہر کیا گیا ہے جس کو اہل علم نے مجہول کہا ہے۔ [2] اس مجہول شخص کا ذکر جواہر المضیہ (۱/۱۶۶) میں کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اس کا ذکر امام حاکم نے تاریخ نیشاپور میں کیا ہے، یہ شخص ۲۱۵ھ میں فوت ہوا مگر لسان المیز ان میں حاکم ہی کا یہ قول مذکور ہے کہ "لا أعرفه" یعنی میں اسے نہیں جانتا، مطلب یہ کہ شخص مذکور مجہول ہے، اس مجہول سے اس روایت کا ناقل اس کے لڑکے حسین (متوفی ۲۴۲ھ) کو ظاہر کیا گیا ہے اور وہ بھی مجہول ہے۔

نوح قاضیٔ مرو تھے:

اگر یہ بات صحیح ہے کہ نوح بن ابی مریم جس وقت قاضی مرو بنے اس وقت امام صاحب نے انھیں نصائح اور شروطِ قضا لکھوائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نوح امام صاحب کی زندگی ہی میں کوفہ چھوڑ کر مرو چلے گئے، اور یہ معلوم نہیں کہ نوح قاضی مرو کس سن وسال میں بنے؟ ہو سکتا ہے کہ ۱۲۵ھ میں قاضی بن گئے ہوں اگر وہ ۱۲۵ھ میں بنے ہوں تو مصنف انوار کا یہ دعوی کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ وہ مجلس تدوین کے ان چہل ارکان میں شامل تھے جنھوں نے تیس سال امام صاحب کی خدمت میں رہ کر تدوین فقہ کا کام کیا، کیونکہ مجلس تدوین اگر ۱۲۰ھ میں قائم ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ صرف پانچ سال مجلس تدوین کی رکنیت کا فریضہ انجام دیتے رہے، جب نوح کے قاضی بننے کا سن وسال نامعلوم ہے تو ان کے بارے میں مصنف انوار نے کس بنیاد پر دعوی کر رکھا ہے کہ وہ اس مجلس تدوین کے رکن تھے جس کے چہل ارکان امام صاحب کی وفات تک سرگرم عمل تھے؟ جب نوح

---

[1] موفق (۲/ ۱۱۰) وعام كتب مناقب.　　[2] لسان الميزان (۲/ ۳۱)

کذاب آدمی تھے اور وضع حدیث سے ممانعت نبویہ کے باوجود وضع حدیث کا کام کرتے تھے تو اگر فرض کر لیا جائے کہ امام صاحب نے انھیں نصائح اور شروطِ قضا لکھ کر دی تھیں تو کیا گارنٹی ہے کہ انھوں نے امام صاحب کے نصائح وشروطِ قضا پر عمل بھی کیا جبکہ وہ امام صاحب کی فقہ سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے بھی وضع حدیث کرتے تھے؟ اگر بالفرض یہ ثابت ہو کہ امام صاحب نے نوح کو مرو کا قاضی بنتے وقت شروط ونصائح لکھ کر دیے تو اس سے موصوف کا رکن مجلس تدوین ہونا نہیں لازم آتا۔

مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ ''ابن ماجہ نے باب التفسیر میں نوح سے روایت کی'' تو یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ ابن ماجہ نے موصوف کی روایت اپنی کتاب التفسیر میں نقل کی ہے جو سنن ابن ماجہ کے علاوہ اس کی دوسری کتاب ہے۔

نوح کے استاذِ امام بخاری ہونے کا تذکرہ:

مصنف انوار نے بڑے فخر کے ساتھ کہا: ''امام بخاری کے استاذ نعیم بن حماد نے بھی نوح سے روایت حدیث کی۔''

ہم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے رافضیوں کے امام جابر جعفی سے تحصیل علم کیا اور معتزلیوں کے امام عمرو بن عبید سے بھی۔ کسی کذاب سے اگر امام بخاری کے استاذ نے کوئی روایت کر ڈالی تو یہ بات اس کذاب کی ثقاہت کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ ارشاد نبوی ہے:

''حدثوا عن بني إسرائيل ولا حرج.'' ''یہود ونصاریٰ سے روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اجازت روایت سے یہود ونصاریٰ کا ثقہ ہونا لازم آتا ہے اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ جو شخص یہود ونصاریٰ سے روایت کرے وہ ان کے مذہبِ یہودیت ونصرانیت کا بھی پیرو ہو، پھر شاگرد ابی حنیفہ ہونے سے کسی کا حنفی ہونا کیونکر لازم آسکتا ہے؟

نوح کے متعلق امام احمد کا قول نقل کرنے میں مصنف انوار کی خیانت:

مصنف انوار نے یہ بات بڑے فخر کے ساتھ نقل کی ہے کہ ''امام حمد نے فرمایا کہ نوح فرقۂ جہمیہ کے سخت مخالف تھے۔''

مگر انھوں نے امام احمد کے پورے جملے کو نقل نہیں کیا، یعنی اس جملے کے ایک اہم حصہ کو حذف کر دیا اور وہ حصہ یہ ہے:

''وكان أبو عصمة يروي أحاديث مناكير، ولم يكن في الحديث بذاك.''

''نوح منکر احادیث کی روایت کرتے تھے اور حدیث میں معتبر نہیں تھے۔''

ظاہر ہے کہ مصنف انوار نے حذف واسقاط کی یہ کارروائی اس لیے کی تاکہ قارئین انوار الباری کو یہ پتہ چلنے نہ پائے کہ امام احمد بن حنبل نے نوح کو سخت مجروح قرار دیا ہے۔

کیا سفیان ثوری فتویٔ ابی حنیفہ پر عمل پیرا تھے؟

مصنف انوار نے بڑے فخر کے ساتھ یہ بھی نقل کیا ہے:

''بقول نوح امام ابوحنیفہ نے ماءِ مستعمل سے عدم جوازِ وضو کا فتوی دیا، سفیان ثوری جواز کا فتوی دیتے تھے لیکن جب

ان کو معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ عدم جواز کا فتوی دیتے ہیں تو انھوں نے امام صاحب کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ اس مفہوم کی ایک روایت الانتقاء (ص: ۱۴۶) میں علی بن مسہر سے بھی مروی ہے جو ابن الدخیل مجہول سے مروی ہے اور نوح والی روایت بھی مکذوبہ ہے، اس کے راوی نوح بن ابی مریم کی بابت ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کذاب ہے، اس روایت کے ذریعہ یہ تاثر دیا گیا ہے کہ امام ثوری امام ابوحنیفہ کے علم وفضل پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ اپنے فتوی کو چھوڑ کر ان کے فتوی کی طرف رجوع کر لیتے تھے، حالانکہ مصنف انوار ہی کا دوسری دعوی یہ ہے کہ امام صاحب پر تنقیدیں کرنے کے سبب امام ثوری واوزاعی کے مذاہب مٹ گئے۔ (کمامر) نیز امام صاحب پر امام ثوری کے متعدد اقوالِ جرح ونقد ناظرین ملاحظہ کرتے آرہے ہیں۔

استعمال شدہ پانی کی بابت امام صاحب کے تین متضاد فتاوی:

استعمال شدہ پانی سے متعلق مفصل بحث آئندہ صفحات میں آئے گی، البتہ یہاں اجمالاً یہ عرض ہے کہ اس سلسلے میں امام صاحب کے تین متضاد فتاوی میں ایک یہ ہے کہ یہ پانی نجس غلیظ ہے، دوسرا یہ کہ نجس خفیف ہے، تیسرا یہ کہ طاہر غیر مطہر ہے۔[2] اور اس کا لازمی مطلب ہے کہ امام صاحب نے اپنے ایک قول سے دوسرے کی طرف اور دوسرے سے تیسرے کی طرف رجوع کیا، اس سلسلے میں مصنف انوار نے (۱/ ۱۴۸) جو کچھ کہا ہے اس کا بھی جائزہ آئندہ صفحات میں لیا گیا ہے۔

۹۔ امام زہیر بن معاویہ (مولود ۱۰۰ھ ومتوفی ۱۷۳ھ)

مجلس تدوین کے نویں رکن امام زہیر بن معاویہ کی بابت مصنف انوار نے کہا:

"زہیر امام اعظم کے اصحاب میں سے مشہور محدث، ثقہ، فقیہ، فاضل اور تدوین فقہ کے شریک ہیں۔ امام اعظم وغیرہ سے حدیث حاصل کی اور یحییٰ القطان وغیرہ کے شیخ ہیں۔ حضرت سفیان ثوری کا قول ہے کہ آپ کے زمانہ میں آپ جیسا کوئی کوفہ میں نہیں تھا۔ محدث علی بن جعد کا بیان ہے کہ ایک شخص زہیر کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے آتا جاتا تھا، چند روز نہ آیا تو انھوں نے پوچھا کہاں رہے؟ کہا امام ابوحنیفہ کی خدمت میں، فرمایا: تم نے اچھا کیا میرے پاس ایک ماہ رہ کر جو تم حاصل کرتے اس سے یہ بہتر ہے کہ امام صاحب کی صرف ایک مجلس کی شرکت ہی تم کر لو۔"[3]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے امام زہیر کو مجلس تدوین کا رکن قرار دینے کے ثبوت میں جواہر المضیہ وحدائق الحنفیہ کا حوالہ دیا ہے اور ان میں سے کسی ایک میں اشارۃً بھی یہ نہیں کہا گیا ہے کہ امام زہیر مجلس تدوین کے رکن تھے، یہ بات مصنف انوار نے اپنی طرف سے اختراع کر کے جواہر المضیہ وحدائق الحنفیہ کی طرف منسوب کی ہے۔

امام زہیر بن معاویہ کے ساتھ مصنف انوار کا تعصب وعناد:

دوسری اہم بات اس سلسلے میں یہ ہے کہ امام زہیر کے اساتذہ کی فہرست خاصی لمبی ہے، ان کے اساتذہ میں اعمش کے علاوہ امام ابواسحاق سبیعی، سلیمان تیمی، عاصم احول، اسود بن قیس، بیان بن بشر، خصیف، زید بن جبیر، سماک بن حرب، عبدالعزیز

---

[1] ماحصل از مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۰)　[2] سعایہ شرح شرح الوقایہ (۱/ ۴۳ تا ۳۹۷)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۰ بحوالہ جواہر المضیہ وحدائق الحنفیۃ)

بن رفیع، عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم، زبید یامی، عمرو بن میمون بن مہران، ابوالزبیر، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ شامل ہیں۔❶ اوران میں سے اکثر حضرات امام ابوحنیفہ کے بھی قابل فخر اساتذہ ہیں❷ مگر مصنف انوار نے اوّلاً ان میں سے کسی کی بابت یہ نہیں کہا کہ زہیر اپنے فلاں استاذ کی قائم کی ہوئی مجلس تدوین کے رکن اوران کے مذہب کے پیرو اوران کی فقہ کے مُدوِّن تھے، حالانکہ انھیں امام نسائی نے اعمش کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔❸ پھر موصوف کو مذہب اعمش یعنی مذہب اہل حدیث کے بجائے مذہب حنفی کا پیروقرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

ثانیاً: مصنف انوار نے امام صاحب کے اساتذہ وتلامذہ کی لمبی فہرست سے اکثر کا نام حذف کر دیا ہے اور اس طرح کا کام کرنے والے محدثین خصوصاً حافظ ابن حجر کو مصنف انوار حنفی مذہب اور حنفی اماموں سے تعصب وعناد رکھنے والا کہتے ہیں، اس اعتبار سے مصنف انوار بھی امام زہیر سے تعصب وعناد رکھنے والے ثابت ہوئے کیونکہ انھوں نے بھی موصوف کے کئی اساتذہ وتلامذہ کا ذکر نہیں کیا۔

امام زہیر بن معاویہ کا فقہی مذہب:

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ کسی حنفی المذہب شخص کی مدح وتوصیف اور ملاقات کے روادار نہیں تھے، یہی حال امام عبدالرحمٰن بن مہدی کا بھی تھا۔❹ لیکن امام سفیان بن عیینہ کا فرمان ہے:

" عليك بزهير بن معاوية فما بالكوفة مثله."❺

''تم زہیر بن معاویہ کی صحبت اوران کا تلمذ لازم پکڑو، کیونکہ کوفہ میں ان جیسا کوئی صاحب علم نہیں ہے۔''

امام ابن مہدی بذات خود درسگاہِ زہیر میں حاضر ہوکر پڑھتے تھے، علاوہ ازیں عام کتب رجال میں زہیر کو صاحب سنت واصحاب الحدیث میں شمار کیا گیا ہے۔❻ اور محدثین کرام اہل الرای کے لیے عام طور سے یہ الفاظ استعمال نہیں کرتے۔ نیز موصوف زہیر کو امام نسائی نے اصحاب اعمش میں شمار کیا ہے، دریں صورت موصوف زہیر کے حنفی المذہب ہونے پر کون سی دلیل ہے؟ خصوصاً جبکہ امام ابن حبان نے کہا:

"وكان أهل العراق يقولون في أيام الثوري إذا مات الثوري ففي زهير خلف، و كانوا يقدمونه في الإتقان على غيره من أقرانه."❼

''عراق کے اہل علم امام سفیان ثوری کی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ وفاتِ ثوری کے بعد جانشینِ ثوری امام زہیر ہوں گے، نیز عراقی علماء زہیر کو دوسروں پر مقدم مانتے تھے۔''

مذکورہ بالا عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ عراقی علماء کی نظر میں امام زہیر علم وفضل میں امام ثوری کے جانشین قرار دیے جانے کے

---

❶ تهذيب التهذيب (٣/ ٣١٥)　❷ مناقب موفق میں اس کی تفصیل موجود ہے۔
❸ كتاب الضعفاء للنسائي (ص: ٣١٤)　❹ حلية الأولياء (٩/ ١٣)
❺ تهذيب التهذيب (٣/ ٣٥١) وتذكرة الحفاظ (١/ ٢٢١)
❻ تذكرة الحفاظ (١/ ٢٣٣) وتهذيب التهذيب (٣/ ٣٥٢)
❼ ثقات ابن حبان (٦/ ٣٣٧) وتهذيب التهذيب (٣/ ٣٥٢)

لائق تھے، نیز موصوف امام ثوری کے ہم مذہب بھی تھے اور یہ معلوم ہے کہ امام سفیان ثوری مذہب اہل حدیث کے پیرو اور مذہب امام صاحب سے سخت بیزار تھے۔ مصنف انوار کی منقولہ عبارت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام ثوری نے امام زہیر کی مدح میں فرمایا:

''آپ کے زمانے میں آپ جیسا کوئی اور کوفہ میں نہیں تھا۔''[1]

امام ثوری جیسے امام صاحب کے مخالف کا زہیر کی مدح کرنا آخر کیا معنی رکھتا ہے؟ مدحِ زہیر میں مذکورہ بالا بات سفیان بن عیینہ سے منقول ہے سفیان ثوری سے نہیں مگر مصنف انوار کے ممدوح مصنف حدائق الحنفیہ نے کمال فہم وفراست کے زور پر یہ بات امام ثوری کی طرف منسوب کر دی ہے اور اسی کی تقلید مصنف انوار نے بھی کر رکھی ہے۔

عمرو بن خالد سے منقول ہے:

''زہیر نے کہا کہ میں نے امام صاحب سے امانِ غلام کی بابت ایک مسئلہ پوچھا تو ان کے دیے ہوئے جواب کے خلاف میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل کیا اس پر امام صاحب خاموش ہو گئے، اس کے بعد میں کوفہ سے دس سال غائب رہا، پھر دس سال بعد جب کوفہ واپس آیا تو دیکھا کہ امام صاحب نے اپنے پرانے فتوی سے رجوع کر لیا جس سے میں نے سمجھا کہ امام صاحب سنی ہوئی احادیث کو مانتے ہیں۔''[2]

اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب کے زمانۂ درس وتدریس میں امام زہیر دس سال تک امام صاحب کے شہر کوفہ سے دور دوسری جگہ غائب رہے، دریں صورت مصنف انوار بتلائیں کہ امام زہیر کس زمانے سے لے کر کس زمانے تک امام صاحب کی سرپرستی میں چالیس افراد کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے؟ نیز روایت مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ امام زہیر امام صاحب کے بتلائے ہوئے فتاوی کو احادیث وآثار کی روشنی میں جانچتے تھے حتی کہ موصوف نے امام صاحب کے بتلائے ہوئے فتوی کو خلاف حدیث پا کر امام صاحب پر اعتراض کر دیا اور ان کے خلاف حدیث پیش کر دی جس پر امام صاحب خاموش رہے، یعنی یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام زہیر مقلد ابی حنیفہ نہیں تھے۔ آخر اس روایت کی بابت مصنف انوار کیا فرماتے ہیں؟

مصنف انوار نے مدح ابی حنیفہ میں علی بن جعد والی جو روایت نقل کر رکھی ہے کہ انھوں نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ میرے پاس جو علم ایک ماہ میں حاصل کر سکتے ہو وہ مناقب موفق (۲/ ۶۵) ومناقب ابی حنیفہ للصیمری (ص: ۸۷) میں خلاد سکونی سے منقول ہے جس کا حال معلوم نہیں، نیز یہی روایت الانتقاء (ص: ۱۳۴) میں دوسری سند سے منقول ہے جس میں ابو یعقوب (ابن الدخیل) مجہول ہے اور دونوں روایتوں کا مضمون باہم مضطرب ہے، موفق والی روایت کا مضمون یہ ہے کہ علی بن جعد سے اس واقعہ کی حکایت خلاد سکونی نے کی مگر ابن الدخیل والی روایت کا مضمون یہ ہے کہ علی بن جعد اس واقعہ کے وقت بذات خود مجلسِ زہیر میں موجود تھے، اس اضطراب کے ساتھ دونوں کی سندوں میں مجہول رواۃ کی موجودگی مزید ہے، پھر اس سے امام صاحب کی صرف مدح ثابت ہوتی ہے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ زہیر امام صاحب کی مجلس تدوین کے رکن کی حیثیت سے امام صاحب کے ساتھ تیس سال تک تدوین فقہ کرتے رہے نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زہیر امام صاحب کے ہم مذہب تھے۔

اب ناظرین کرام فرضی مجلسِ تدوین کے دسویں رکن کے متعلق مصنف انوار کی باتوں کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں۔

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۰)　　[2] الانتقاء (ص: ۱۴۰)

۱۰۔امام قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود (متوفی ۱۷۵ھ)

مصنف انوار نے قاسم بن معن کے تذکرہ میں کہا:

''امام قاسم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں، محدث، ثقہ، فقیہ، فاضل، عربیت ولغت کے امام، سخا ومروت میں بے نظیر تھے۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کا مذکورہ بالا بیان بالکل صحیح ہے، موصوف قاسم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی کے پر پوتے ہیں جن کو مصنف انوار حنفی مذہب کا مورث اعلیٰ کہتے ہیں، ہم مصنف انوار کے اس دعوی کی حقیقت واضح کر چکے ہیں اور بتلا چکے ہیں کہ ابن مسعود حنفی مذہب کے خلاف ایمان میں کمی بیشی اور اعمال کے جزو ایمان ہونے کے معتقد اور مذہب رائے وقیاس کے مخالف تھے، نیز حکم نبوی کی تعمیل میں بکثرت روایت حدیث کرتے تھے، اس کے برعکس ایمان میں کمی بیشی اور اعمال کے جزو ایمان ہونے کے عقیدہ کو حنفی مذہب بنیادی طور پر غلط قرار دیتا حتی کہ بعض احناف اس عقیدے کو کفر وشرک اور نفاق تک کہتے ہیں، اور حنفی مذہب بتصریح شاہ ولی اللہ محدث مذہب رائے وقیاس کا دوسرا نام ہے اور بدعویٰ مصنف انوار کبار صحابہ کثرت روایت کو معیوب مانتے ہیں، نیز مصنف انوار بکثرت روایت کرنے والے صحابہ کی بابت فرماتے ہیں کہ وہ خلاف اصول شرع احادیث بیان کیا کرتے تھے، صرف اتنی بات سے ہی مصنف انوار کے اس دعوی کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حنفی مذہب کے مورث اعلیٰ ہیں۔

اگر حماد جانشینِ نخعی ہونے کے باوجود مذہب نخعی سے منحرف ہو کر مرجی المذہب بن سکتے ہیں تو یہ مستبعد نہیں کہ قاسم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پوتے ہونے کے باوصف مذہب ابن مسعود سے منحرف ہو کر مذہب ارجاء اور مسلک رائے وقیاس کے پیرو ہو جائیں، البتہ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ امام صاحب آخری عمر میں اپنی بیان کردہ علمی وفقہی باتوں کو مجموعۂ اغلاط کہنے لگے تھے۔ جس زمانے میں امام قاسم درسگاہِ امام صاحب میں پڑھنے جایا کرتے تھے اس زمانے میں مصنف انوار کے رکن مجلس تدوین قرار دیے ہوئے قاضی شریک نے قاسم سے کہا:

"مثلك يجلس إلى أبي حنيفة يتعلم منه؟"[2]

''تم اولاد ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں سے ہو کر بھی امام ابوحنیفہ کے پاس جا کر بیٹھتے اور ان سے پڑھتے ہو؟''

مذکورہ بالا روایت صحیحہ سے معلوم ہوا کہ مصنف انوار کے رکن مجلس تدوین قرار دیے ہوئے قاضی شریک کی نظر میں حضرت ابن مسعود اور امام صاحب کے مابین مجموعی اعتبار سے تمام امور خصوصاً علمی وفقہی طریق و مذہب میں اتنا زیادہ تضاد وتباین تھا کہ خاندان ابن مسعود کے کسی فرد سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں آ کر پڑھنے کا روادار بھی ہو سکتا ہے، چہ جائیکہ امام صاحب کے علمی اور فقہی طریق ومذہب کا پیرو بن جائے؟ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ قاضی شریک نہ صرف یہ کہ مذہب امام صاحب کے پیرو رہے ہوں بلکہ امام صاحب کے فقہی مذہب کی تدوین کرنے والی چہل رکنی مجلس کے رکن بھی بن گئے ہوں؟ معلوم ہوا کہ قاضی شریک اس بات کو باعث حیرت سمجھتے تھے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اولاد کا کوئی فرد درسگاہِ ابی حنیفہ

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۱۷۰)
[2] تاريخ ابن معين (۲/ ۴۸۳)

میں پڑھے، چہ جائیکہ وہ مذہبِ ابی حنیفہ کا پیرو ہو جائے! قاضی شریک کے اعتراض مذکور کے جواب میں قاسم نے کہا تھا:

”هذا ميدان من جاراك فيه سبقته يعني أن لك لسانا.“ ❶

”اس میدان (مراد بحث ونظر) میں جو بھی آپ کا مقابلہ کرے گا اسے آپ مغلوب کر دیں گے، مطلب یہ کہ قاضی شریک اپنی قوت گویائی سے اپنے مخالف کو مغلوب کر دیتے تھے۔“

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام قاسم کو قاضی شریک کے بالمقابل اپنی کمتری کا احساس تھا، قاضی شریک مذہب امام صاحب کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ (كما سيأتي) اور یہ کہا جا چکا ہے کہ آخری عمر میں امام صاحب اپنی بیان کردہ فقہی وعلمی باتوں کو مجموعۂ اغلاط کہنے لگے تھے۔ مذکورہ بالا روایت کا واضح مفاد یہ ہے کہ مصنف انوار کے رکن مجلس تدوین قرار دیے ہوئے قاضی شریک طلبہ کو درسگاہِ ابی حنیفہ میں جانے سے اسی طرح روکتے تھے جس طرح سفیان ثوری اور رقبہ بن مصقلہ وغیرہ۔

حجر بن عبدالجبار سے مروی ہے:

”قيل للقاسم: ترضى أن تكون من غلمان أبي حنيفة؟ قال: ما جلس الناس إلى أحد أنفع من مجالسة أبي حنيفة، قال له القاسم: تعال معي إليه فلما جلس إليه لزمه، وقال: ما رأيت مثل هذا، زاد الفرائضي: قال سليمان: وكان أبوحنيفة ورعًا سخيًّا.“ ❷

”قاسم سے کہا گیا کہ تم اس بات پر راضی ہو گئے ہو کہ امام صاحب کے غلمان میں سے بن جاؤ؟ قاسم نے کہا کہ امام صاحب کی مجلس سے زیادہ نفع بخش کسی مجلس میں لوگ بیٹھے ہی نہیں، پھر قاسم نے شخص مذکور سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ امام صاحب کے پاس آؤ، شخص مذکور آیا تو وہ مجلس امام صاحب میں بیٹھنے کا التزام کرنے لگا اور اس نے کہا کہ میں نے ایسی مجلس دیکھی ہی نہیں، سلیمان نے کہا کہ امام صاحب متورع وسخی تھے۔“

روایت مذکورہ میں یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ غلمان ابی حنیفہ میں شامل ہو جانے کی وجہ سے قاسم پر اعتراض کرنے والا اور بعد میں خود غلمانِ ابی حنیفہ میں شامل ہو کر مجلس امام صاحب کو سب سے زیادہ اچھی مجلس قرار دینے والا شخص کون تھا؟ البتہ اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ مجلسِ امام صاحب میں جانے کے سبب اپنے اوپر قاضی شریک کے اعتراض کے جواب سے عاجز ہونے کے معترف قاسم نے شخص مذکور کے اعتراض کے جواب میں کہا کہ امام صاحب کی مجلس سے زیادہ کوئی مجلس نفع بخش نہیں، بعد میں خود یہ معترض بھی قاسم کی اس بات کا ہم نوا ہو گیا، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی آخری عمر میں خود امام صاحب اپنی بیان کردہ علمی وفقہی باتوں کو مجموعۂ اغلاط کہنے لگے تھے، نیز فرمانے لگے تھے کہ میری باتوں کی نقل وروایت نہ کی جائے، امام صاحب کے اس فرمان کی روشنی میں قاسم کی بات کا معنی ومطلب سمجھنے کی ضرورت ہے، یہ مستبعد نہیں کہ معترض مذکور کو امام قاسم نے مذکورہ بالا جواب اپنے کسی مخصوص نقطۂ نظر سے دیا ہو۔ امام قاسم سے روایت مذکورہ کے راوی حجر بن عبدالجبار بن وائل بن حجر سے مروی ہے:

”ما رأى الناس أكرم مجالسة من أبي حنيفة، ولا إكراما لأصحابه، قال حجر: كان يقال: إن ذوي الشرف أتم عقولا من غيرهم.“ ❸

---

❶ تاريخ ابن معين (٢/ ٤٨٣)　❷ خطيب (١٣/ ٣٣٧) والانتقاء (ص: ١٣٤) وعام كتب مناقب.

❸ خطيب (١٣/ ٣٦٠) والانتقاء (ص: ١٣٤)

''مجالست میں امام صاحب سے زیادہ اکرام کرنے والا، نیز اپنے اصحاب کے ساتھ امام صاحب سے زیادہ کرم گستری کرنے والا کسی اور کو لوگوں نے نہیں دیکھا، حجر نے کہا کہ کہا جاتا ہے کہ شرفاء دوسروں کے بالمقابل زیادہ عقل والے ہوتے ہیں۔''

حجر بن عبدالجبار کا ذکر ابن حبان نے الثقات (۶/ ۲۳۵) میں کیا ہے، عام کتب تراجم میں موصوف کا ذکر ہمیں نظر نہیں آیا، دائرۃ المعارف حیدر آباد کے محشی نے ثقات کے نسخۂ مطبوعہ میں حجر کے ترجمہ پر یہ حاشیہ دیا ہے:

"ذكره في ترجمة أخيه سعيد بن عبدالجبار في التهذيب (٤/٥٣)."

یعنی تہذیب التہذیب میں حجر کے بھائی سعید بن عبدالجبار کے ترجمہ میں حجر کا ذکر کیا گیا ہے۔

مگر تہذیب التہذیب کے موضع مذکور میں حجر کا کوئی ذکر نہیں، البتہ یہ مذکور ہے کہ سعید سے روایت کرنے والوں میں حجر کے ایک لڑکے محمد بن حجر بن عبدالجبار بھی ہیں، جس طرح ابن حبان نے حجر بن عبدالجبار کا ذکر ثقات میں کیا ہے اسی طرح ان کے بھائی سعید کا بھی ذکر کیا ہے۔[1] لیکن تقریب التہذیب میں سعید کو ضعیف کہا گیا ہے، نیز تہذیب میں کہا ہے کہ امام نسائی نے موصوف کو "ليس بالقوي" کہا ہے۔[2] اس لیے ضروری نہیں کہ ثقات ابن حبان میں حجر کے ذکر محض سے موصوف کا فی الواقع ثقہ ہونا لازم آتا ہے جبکہ ابن حبان نے موصوف کی توثیق بالصراحت نہیں کی ہے اور وہ ہر اس شخص کو ثقات میں ذکر کر ڈالتے ہیں جس سے دو ایک ثقہ رواۃ روایت کرتے ہوں، خواہ کسی نے اس کی توثیق نہ بھی کی ہو، ایسے رواۃ دراصل عام محدثین کے نزدیک بمنزلہ مجہول ہوتے ہیں۔

حجر کے بیان بالا سے معلوم ہوا کہ ان کے نقطۂ نظر سے امام صاحب میں جتنی کرم گستری خصوصًا اپنے اصحاب کے ساتھ پائی جاتی تھی اتنی کسی میں بھی نہیں پائی جاتی تھی، بہت ممکن ہے کہ قاسم بن معن نے بھی کرم گستری کے اعتبار سے مجلسِ امام صاحب کو اُنفع قرار دیا ہو۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ مصنف انوار وکوثری کی ایک مستدل روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب اور ان کے بعض ساتھیوں نے حماد بن ابی سلیمان پر چالیس ہزار درہم کی ایسی کرم گستری کی تھی کہ وہ مرجی المذہب بن گئے تھے، امام ابن معین نے کہا ہے کہ ضرورت سے مجبور ہو کر حماد مرجی المذہب بنے تھے۔[3] بہرحال قاسم سے روایت مذکورہ کے راوی حجر بن عبدالجبار کا ثقہ ہونا ثابت نہیں ہے۔

امام قتیبہ بن سعید نے کہا ہے کہ "كان ثقة يذهب إلى شيء من الإرجاء."[4]

''موصوف قاسم ثقہ تھے اور کسی ایک چیز میں مرجی مذہب کے پیرو بھی تھے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام قاسم پر تھوڑا سا اثر مرجی مذہب کا پایا جاتا تھا ورنہ وہ اصل میں مذہب اہل حدیث کے پیرو تھے، دریں صورت انھیں امام صاحب کے اس مذہب کا پیرو کیونکر کہا جا سکتا ہے جس کو خود امام صاحب نے مجموعۂ اغلاط کہا اور حکم

---

[1] ثقات ابن حبان (٦/ ٣٥٠)

[2] نیز ملاحظہ ہو: ميزان الاعتدال ترجمه سعيد بن عبدالجبار (١/ ٣٤٤) وكتاب الضعفاء للنسائي (ص: ١٥)

[3] تاريخ ابن معين (٢/ ١٣٢)　[4] تهذيب التهذيب (٨/ ٣٣٩)

دیا کہ اس کی نقل وروایت اورنشر واشاعت نہ کی جائے؟ یہ بیان ہو چکا ہے کہ مشہور حنفی امام خالد بن صبیح نے اعتراف کیا ہے کہ وہ اہل الرای ہم ہی ہیں جن کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دشمنانِ سنت کہا ہے۔

بتصریح امام نسائی امام قاسم بن معن اصحابِ ابی حنیفہ میں سے تھے۔[1] اور بقول امام قتیبہ بن سعید قاسم کا تھوڑا سا میلان بھی مذہب ارجاء کی طرف تھا مگر چونکہ قاسم سے امام عبدالرحمٰن بن مہدی کا روایت کرنا ثابت ہے اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف امام قاسم کا صرف تھوڑا سا میلان ہی ارجاء کی طرف تھا، یعنی وہ اصل میں اہل حدیث تھے ورنہ اگر موصوف قاسم مذہبِ امام صاحب کے پوری طرح پیرو ہوتے تو امام ابن مہدی ان سے روایت نہ کرتے اوراگر موصوف حنفی المذہب بھی رہے ہوں تو فرضی مجلس تدوین کا رکن ہونا محض فرضی بات ہے۔ مسند ابی حنیفہ للحصفکی مع شرح ملا علی قاری (ص: ۱۲۱) میں قاسم بن معن سے امام صاحب کی روایت حدیث مذکور ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب قاسم کے شاگرد ہیں یا کیا معاملہ ہے؟

مصنف جواہر المضیہ نے حسب عادت یہ بے سند روایت نقل کر دی ہے کہ قاسم نے کہا:

''امام صاحب کا ایک مکتوب پورے عربی ادب پر بھاری ہے۔''[2]

ظاہر ہے کہ یہ بے سند روایت ساقط الاعتبار ہے۔

۱۱۔ امام حماد بن الامام الاعظم (متوفی ۱۷۶ھ)

مصنف انوار نے کہا:

''حماد فقیہ، محدث اوربڑے عابد وزاہد تھے، حدیث وفقہ میں آپ کے بڑے استاذ خود امام اعظم ہیں اورامام صاحب کی زندگی ہی میں بوجہ کمال مہارت فتوی دینا شروع کر دیا تھا۔امام ابو یوسف ،زفر، ابن زیاد کے طبقہ میں تھے اور تدوینِ فقہ میں شریک تھے۔''[3]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے بالصراحت حماد کا سال ولادت نہیں بتلایا جس سے معلوم ہو سکے کہ بوقت تشکیلِ مجلسِ تدوین ان کی عمر کیا تھی؟ البتہ موصوف مصنف انوار حماد کی ولادت امام مالک سے بھی پہلے مانتے ہیں۔[4] اور امام مالک سے ایک قول یہ منقول ہے کہ میری ولادت ۹۰ھ میں ہوئی۔ (کما سیأتي) نیز تضاد بیانی کے عادی مصنف انوار نے ایک جگہ امام مالک کا سال ولادت ۹۳ھ بتلایا[5] اور دوسری جگہ ۹۵ھ۔[6] اس اعتبار سے ضروری ہے کہ ولادتِ حماد ۹۳ھ بلکہ ۹۰ھ سے پہلے ہوئی ہو، اور معلوم ہے کہ ولادت امام صاحب ۸۰ھ میں ہوئی، اس لحاظ سے جس وقت حماد کی ولادت ہوئی اس وقت ان کے والد امام صاحب سات یا دس سال سے بھی کم عمر کے بچے تھے، کچھ لوگوں کو اس پر تعجب ہوسکتا ہے مگر گزشتہ تفاصیل پر واقفیت رکھنے والوں کو اس پر ہرگز کوئی تعجب نہیں ہوگا۔

---

[1] جزء ابن التمار مع کتاب الضعفاء (ص: ۳۱۰) وبغیة الوعاة (ص: ۳۲۱) [2] جواهر المضية (۱/ ۴۱۲)
[3] مقدمه انوار (۱/ ۱۷۰) [4] مقدمه انوار (۱/ ۱۳۰ بحواله تانیب کوثری)
[5] مقدمه انوار (۱/ ۱۲۹) [6] مقدمه انوار (۱/ ۵۳)

ایک طرف مصنف انوار کے بیان سے مستخرج ہوتا ہے کہ ولادتِ حماد ۹۳ھ بلکہ ۹۰ھ سے پہلے ہوئی، دوسری طرف موصوف نے لکھا ہے کہ ''یوسف سمتی جب امام صاحب کی خدمت سے رخصت ہوکر اپنے وطن بصرہ واپس ہوئے تو امام صاحب نے ان کو وصیت کی تھی۔''[1]

ظاہر ہے کہ بوقت رخصتی سمتی کو امام صاحب کی وصیت والی روایت کو مصنف انوار نے صحیح ومعتبر قرار دے کر نقل کیا ہے اور اس روایت میں منقول ہے کہ جس دن یوسف سمتی خدمت امام صاحب میں پہنچے تھے اس دن ان سے امام صاحب کی طویل گفتگو میں یہ بات بھی آئی تھی:

"أكنت من المختلفة إلى البتي؟ قلت: نعم، قال: لو أدركني البتي لترك كثيرا من قوله."[2]

''امام صاحب نے سمتی سے کہا کہ کیا تم عثمان بتی کے یہاں بھی آمدورفت رکھتے تھے؟ میں نے کہا کہ ہاں، امام صاحب نے فرمایا کہ اگر عثمان بتی نے مجھے پایا ہوتا یعنی ان سے میری ملاقات ہوئی ہوتی تو وہ اپنے بہت سارے اقوال کو ترک کر دیتے۔''

نیز اس روایت میں خود سمتی کی صراحت ہے کہ میں درسگاہِ بتی سے فارغ ہوکر اور مناظرہ کرنے کی صلاحیت حاصل کر چکنے کے بعد کوفہ آیا۔ یہ تفصیل تذکرۂ سمتی میں آرہی ہے کہ سمتی ۱۲۲ھ، ۱۲۳ھ میں پیدا ہوئے اگر فرض کیجیے کہ ۱۲۲ھ، ۱۲۳ھ میں پیدا ہونے والے سمتی درسگاہ بتی سے بیس سال کی عمر میں فارغ ہوکر مناظرہ کرنے کے لائق ہو گئے تھے تو لازم آتا ہے کہ موصوف سمتی ۱۴۲ھ، ۱۴۳ھ کے لگ بھگ امام صاحب کی خدمت میں آئے، اور اس روایت میں سمتی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ جس وقت میں امام صاحب کے پاس آیا ان کے لڑکے حماد غلام یعنی نوعمر لڑکے تھے، یعنی موصوف کی عمر پندرہ سال سے بھی کم تھی، اور جو شخص ۱۴۲ھ، ۱۴۳ھ میں پندرہ سال سے بھی کم عمر والا ہو اس کا سال ولادت ۱۲۷ھ، ۱۲۸ھ کے لگ بھگ ہوگا، پھر مصنف انوار کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ حماد ۹۳ھ سے بھی پہلے پیدا ہو گئے تھے؟ اور جب یہ معاملہ ہے تو مصنف انوار کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ انوار الباری خالص علمی ودینی وتحقیقی خدمت کے طور پر لکھی جارہی ہے جس میں صرف معتدل ومعتبر باتیں ہی مندرج ہیں؟

تذکرۂ اسماعیل میں حماد کا بھی ذکر آچکا ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ امام ابوحاتم نے موصوف حماد کو کذاب کہا ہے۔ امام ابن عدی ناقل ہیں:

"قال أبو الدرداء المروزي: سألت قتيبة عن حماد، فقال: تسأل عن حماد؟ فقلت إن ابن المبارك روى عنه... إلى أن قال... فحدثت به جريرا، فقال: كذب، قل له: مالك وللحديث؟ إنما دأبك الخصومات... قال ابن عدي: لا أعلم له رواية مستوية."[3]

''امام قتیبہ بن سعید سے حماد کی بابت پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ حماد کے بارے میں بھی تم پوچھتے ہو؟ جبکہ جریر

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۵)　[2] موفق (۲/ ۱۰۲)

[3] ملخص از لسان المیزان (۲/ ۳۴۶)

کے سامنے موصوف کی روایت کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے یعنی جریر نے کہا کہ حماد کذاب ہیں، ان سے کہو کہ تم کو حدیث سے کیا مطلب تمھارا مشغلہ تو خصومات (مناظرہ بازی) ہے؟ ابن عدی نے کہا کہ حماد کی کوئی بھی روایت میرے علم کی حد تک ٹھیک نہیں ہے۔''

امام قتیبہ سے اس روایت کے ناقل امام ابودرداء عبدالعزیز بن صہیب مروزی ثقہ ہیں۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ امام جریر بن عبدالحمید کوفی (مولود ۱۲۷ھ ومتوفی ۱۸۸ھ) نے حماد کو کذاب کہا اور اس کی موافقت امام قتیبہ بن سعید نے بھی کی، ان دونوں اماموں کے علاوہ امام ابن ابی حاتم نے بھی حماد کو کذاب قرار دیا اور امام ابن عدی نے فرمایا کہ حماد کی کوئی بھی روایت ٹھیک نہیں ہے۔ قاضی شریک نے بھی حماد کو کذاب وأفاک کہا ہے۔[2] ایسی صورت میں مصنف انوار کی مندرجہ بالا بات کی صداقت خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔امام اسحاق بن اسماعیل طالقانی سے مروی ہے:

''كنا عند وكيع فقيل له: إن السنة مجدبة، قال: وكيف لا تجدب وحسن اللؤلؤي قاض، وحماد بن أبي حنيفة.''[3]

''ہم امام وکیع کے پاس تھے کہ اتنے میں ان سے کہا گیا کہ اس سال قحط پڑا ہوا ہے، امام وکیع نے کہا کہ قحط کیوں نہ پڑے جبکہ حسن بن زیاد لولوٴی قاضی ہیں اور حماد کا یہ حال ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ امام وکیع حسن بن زیاد اور حماد کو اس قدر مجروح سمجھتے تھے کہ ان کے قاضی بننے کے سبب قحط سالی بھی پڑا کرتی ہے، واضح رہے کہ دونوں حضرات کی مدتِ قضا برائے نام ہے، درحقیقت یہ لوگ معنوی طور پر قاضی ہوئے ہی نہیں۔حماد پر امام وکیع کی اس تجریح کے ساتھ ان پر امام قتیبہ وجریر وابن ابی حاتم وابن عدی کی تجریح ملانے سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ نیز ان پر امام شریک کی تجریح کا بھی ذکر آرہا ہے جس سے موصوف کی حیثیت سمجھ میں آجائے گی۔

حماد کی امانتداری:

مصنف انوار نے کہا:

''حماد نے امام صاحب کی وفات پر ان کی ساری امانتیں قاضی شہر کو سپرد کر دیں، قاضی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ آپ بڑے امین ہیں، اپنے پاس رہنے دیں مگر آپ نے اس بار کو پسند نہیں کیا۔''[4]

ہم کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ حدائق الحنفیہ (ص: ۱۱۶) میں بلا ذکر سند مرقوم ہے اور اس روایت کو نقل کرنے کے ساتھ اس میں یہ بھی مرقوم ہے کہ امام ابن عدی نے حافظہ کی رو سے حماد کو ضعیف قرار دیا ہے، مصنف انوار نے ایک تو حدائق الحنفیہ کی پوری بات نہیں نقل کی، دوسرے اس کی ذکر کردہ محذوف السند بات کو صحیح ومعتبر کہہ کر نقل کر دیا، کیا مصنف انوار کا یہی خالص علمی ودینی وتحقیقی نقطۂ نظر ہے کہ بے سند روایت کو صحیح ومعتبر کہہ کر نقل کریں؟ روایت مذکورہ کے ہم معنی ایک دوسری روایت مصنف انوار

[1] تهذيب التهذيب وخلاصه.
[2] المجروحين (۳/ ۷۲)
[3] خطيب (۷/ ۳۱۵)
[4] مقدمه انوار (۱/ ۱۷۰، ۱۷۱ بحواله حدائق الحنفية)

نے آگے چل کر نقل کی ہے جس کو کردری نے عبید بن اسحاق سے نقل کیا ہے اس میں حماد کا ایک جملہ یہ بھی منقول ہے:

"كان لأبي خلف يعتمد عليه و ما لي خلف أعتمد عليه." ❶

"میرے باپ کے قابل اعتماد لڑکے تھے مگر میرا کوئی بھی قابل اعتماد لڑکا نہیں ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حماد کے لڑکے عمر اور اسماعیل حماد کی نظر میں بھی معتبر نہیں تھے۔ اس روایت کے راوی عبید بن اسحاق متروک وغیر ثقہ ہیں۔❷ ایسی روایت کو معتبر کہہ کر نقل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس مفہوم کی روایت لسان المیزان (۲/ ۳۴۷) میں بحوالۂ ابن خلکان مروی ہے اور وہ بھی بلا ذکر سند ہے۔❸

یہ روایت دراصل عبید بن اسحاق غیر ثقہ سے مروی ہے جس کو مصنف انوار نے اپنے خالص علمی ودینی نقطۂ نظر سے معتبر کہہ کر نقل کر دیا ہے، بہرحال اس روایت سے بھی امام صاحب کے پوتے اسماعیل کے ناقابل اعتبار ہونے کے موقف کی تائید ہوتی ہے، اس سلسلے میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔

حماد کے قاضیٔ کوفہ ہونے پر بحث:

مذکورہ بالا مکذوبہ روایت کو دلیل بنانے کے بعد مصنف انوار نے کہا:

"حضرت قاسم بن معن کے بعد آپ کوفہ کے قاضی ہوئے،❹ پھر سارے بغداد کے پھر بصرہ کے قاضی ہوئے، مرض فالج سے مجبور ہو کر استعفاء دے دیا۔"

اگر حماد قاضی بن گئے تھے تو انھوں نے اپنے باپ امام صاحب کے طریق کار کی مخالفت کی کیونکہ بدعوئ مصنف انوار امام صاحب نے جان دینی گوارا کر لی مگر قاضی نہیں بنے۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کے استاذ کوثری نے کہا ہے: "لا يعلم أن حماداً ولي القضاء"❺ "حماد قاضی نہیں بنے تھے۔" معلوم نہیں کس مصلحت سے مصنف انوار نے اپنے استاذ کوثری کے اس فرمان کو قبول نہیں کیا؟ اگر فرض کر لیا جائے کہ حماد امام قاسم بن معن کے بعد قاضی بنے تھے تو مصنف انوار ہی کی تصریح ہے کہ ابن معن کا انتقال ۱۷۵ھ میں ہوا اور حماد کا ۱۷۶ھ میں، یعنی دونوں حضرات کی وفات کے درمیان سال بھر کا فاصلہ ہے اور اسی ایک سال میں قاضی بن کر موصوف مرض فالج کے شکار ہو کر مستعفی بھی ہوئے، اور مستعفی ہونے سے پہلے تین تین جگہ یکے بعد دیگرے یعنی کوفہ بغداد وبصرہ کے قاضی بنتے رہے، آخر کتنے دنوں تک ہر جگہ موصوف قاضی رہے اور کتنے دنوں فالج میں مبتلا رہ کر مستعفی رہے اور پھر کتنے دن بیمار رہ کر فوت ہوئے؟

اس جگہ مصنف انوار نے یہ بھی کہا ہے:

"علامہ صیمری نے ذکر کیا کہ امام حماد پر دین، فقہ اور ورع غالب تھا اور اکثریتی مشغلہ کتابتِ حدیث تھا۔"❻

ہم کہتے ہیں کہ اوپر امام جریر اور قتیبہ کا یہ بیان نقل ہو چکا ہے کہ حماد کذاب ہیں اور حدیث کے بجائے ان کا مشغلہ مناظرہ بازی تھا۔

---

❶ کردری (۲/ ۲۱۲)　❷ لسان الميزان (٤/ ١١٧، ١١٨)

❸ وفيات الأعيان (۲/ ۲۰۵)　❹ حدائق.

❺ تانیب (ص: ۱۸۷) تذکرہ ابن زیاد لولؤی.　❻ مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۱)

کیا حماد اہل بدعت کے بالمقابل متشدد تھے؟

مصنف انوار نے بحوالہ کردری (۱۱۳/۲) کہا:

''شریک بن ولید کا بیان ہے کہ حماد اہل ہوی و بدعت کے مقابلے میں بہت متشدد تھے، ان کے دلائل کو رد کرتے اور حق کی حمایت میں ایسے پختہ دلائل قائم کرتے جو بڑے بڑے حاذق اہل کلام کو بھی نہ سوجھتے تھے۔''

ہم کہتے ہیں کہ کردری میں یہ روایت شریک بن ولید سے نہیں بلکہ بشر بن الولید سے منقول ہے اور بشر بن الولید کو بہت سے اہل علم نے متروک قرار دیا ہے امام جزرہ نے کہا: "هو صدوق لكنه لا يعقل قد كان خرف." ابوداود نے انھیں غیر ثقہ کہا۔ بعض نے ان کی مدح وتوثیق بھی کی ہے مگر ان تک اس روایت کی سند نامعلوم ہے، کردری نے بے سند ہی اس روایت کو نقل کر دیا ہے اور ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار بے سند روایات کو حجت نہیں مانتے، بایں ہمہ انھوں نے یہ روایت حجت مان لی، اس روایت کا مفاد تو یہ ہے کہ حماد اہل ہوی کے بالمقابل متشدد تھے اور ان کے دلائل توڑتے تھے مگر حقیقت امر اس کے خلاف ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے۔

مجلس تدوین کے رکن شریک نے حماد کو مردود الشہادۃ قرار دیا:

چہل رکنی مجلس تدوین کے خاص الخاص رکن امام شریک بن عبداللہ نے حماد کو اہل ہوی اور اہل بدعت میں شمار کر کے ان کی شہادت رد کر دی تھی۔ چنانچہ مروی ہے:

''ایک بار حماد امام شریک کی عدالت میں گواہ بن کر آئے، امام شریک نے ان سے کہا آپ نماز کو ایمان میں داخل مانتے ہیں یا نہیں؟ حماد نے کہا ہم یہاں پر شہادت دینے آئے ہیں، یہ بتلانے نہیں آئے کہ ایمان میں نماز داخل ہے یا نہیں؟ امام شریک نے کہا مگر جب تک آپ نماز کے ایمان میں داخل ہونے کا اقرار نہ کریں گے ہم آپ کو شہادت دینے کی اجازت نہیں دیں گے، حماد نے کہا اچھا میں مان لیتا ہوں کہ نماز ایمان میں داخل ہے، تب شریک نے انھیں شہادت دینے کی اجازت دی، حماد کے ساتھیوں نے ان سے کہا کہ آپ نے اپنا دین و مذہب چھوڑ کر شریک کا مذہب کیوں اختیار کیا؟ حماد نے کہا اس کے باوجود بھی شریک میری شہادت قبول نہ کریں گے بلکہ بطریق حسن رد کر دیں گے، حماد کا بیان ہے کہ میں شریک کی مجلس میں شریک ہوا کرتا تھا اور ان سے بہت بچ کر رہا کرتا تھا، ایک دن شریک نے مجھ سے کہا کہ تم ہمارے پاس جس طور وطریق کا اظہار کرتے ہو تو وہ دراصل تمہارے دل کے اندر نہیں رہا کرتا۔'' [1]

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی شریک حماد کو مردود الشہادۃ مانتے تھے جس کا ایک سبب قاضی شریک نے یہ ظاہر کیا کہ حماد مرجی المذہب تھے مگر اس کا ذکر آ چکا ہے کہ امام جریر وقتیبہ بن سعید وابن ابی حاتم نے حماد کو کذاب کہا ہے صاف ظاہر ہے کہ کذاب شخص مقبول الشہادۃ نہیں ہو سکتا، چنانچہ عدالتِ شریک میں حماد نے تھوڑی سی پس وپیش کے بعد جب نماز کو جزو ایمان مان لیا

[1] خطيب (۹/ ۲۸۷، ۲۸۸) ترجمه قاضي شريك و (۱۳/ ۴۳۲، ۴۳۳) ترجمه نضر بن اسماعيل بجلي.

توشریک نے اگرچہ حماد کوشہادت دینے کی اجازت دے دی مگر حماد کی یہ صراحت موجود ہے کہ اس کے باوجود بھی شریک نے حماد کی یہ شہادت قبول نہیں کی، اس کا سبب یہ تھا کہ شریک نے اپنے اس قول "أظنك تجالسنا بأحسن ما عندك" کے ذریعہ واضح کر دیا تھا کہ حماد کا ظاہر و باطن مختلف ہے، یعنی موصوف کی شہادت قابل قبول نہیں ہے، اور کیوں نہ ہو جب حماد شہادت دینے کی اجازت ملنے کی خاطر اپنا آبائی فقہی مذہب عدالت میں ترک کرنے کا اعلان کر سکتے تھے تو وہ مصلحتاً خلاف واقع شہادت بھی دے سکتے تھے، دریں صورت ان کی شہادت کیونکر مقبول قرار دی جا سکتی تھی؟ ہم اس جگہ حماد کے اسی قدر ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

امام وکیع (رکن مجلس تدوین) نے فرمایا کہ قاضی شریک امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم مذہب اصحاب کی شہادت قبول نہیں کرتے تھے بلکہ رد کر دیتے تھے۔[1] کیا اس کے باوجود بھی یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ قاضی شریک امام صاحب کے ہم مذہب تھے اور ان کی مجلس تدوین کے رکن بھی تھے؟ قاضی شریک نے بالصراحت حماد کو افاک یعنی کذاب کہا ہے۔[2]

۱۲۔ امام ہیّاج بن بسطام تیمی برجمی (متوفی ۱۷۷ھ)

مصنف انوار نے ہیاج بن بسطام کو بھی چہل رکنی مجلس کا رکن بتلایا ہے۔[3] اس فرضی وافسانوی مجلس کا فرضی رکن قرار دینے کا مطلب یہ ہوا کہ موصوف ہیاج کی بابت بھی مصنف انوار کا دعوی ہے کہ انھوں نے امام صاحب کے ساتھ محدث وفقیہ کی حیثیت سے ۱۲۰ھ تا ۱۵۰ھ تیس سال رہ کر تدوین فقہ کا کام کیا ہے مگر تضاد بیانی کے عادی مصنف انوار (۱/۱۱۳) لکھ آئے ہیں:

> ''ہیاج امام صاحب کے ساتھ بارہ سال رہے، انھوں نے خواب میں قیامت کا منظر دیکھا، اس میں انھوں نے دیکھا کہ امام صاحب جھنڈا لیے ہوئے اپنے ساتھیوں کا انتظار کر رہے ہیں۔''

مصنف انوار کا ایک طرف یہ دعوی کہ خدمت امام صاحب میں ہیاج بارہ سال رہے، دوسری طرف اس کے خلاف یہ دعوی کہ موصوف تیس سال خدمتِ امام صاحب میں رہے، کیا معنی رکھتا ہے؟ بارہ سال خدمتِ امام صاحب میں ہیاج کے رہنے والی روایت کتب مناقب ابی حنیفہ میں حارثی کذاب سے مروی ہے، جیسا کہ موفق (۲/۲۰۳) میں ہے: "وبه قال حدثني إسرائيل بن يحيى أردبيلي" اور "به قال حدثني" میں "قال" کی ضمیر کا مرجع حارثی کذاب ہے، کذاب کی روایت کو دلیل وحجت بنا لینا کون سی تحقیقی خدمت ہے؟ پھر مصنف انوار کی اس تضاد بیانی کا کیا معنی ومطلب کہ ان کے ایک بیان کے مطابق ہیّاج خدمت امام صاحب میں بارہ سال اور دوسرے کے مطابق تیس سال رہے؟

تجریح ہیّاج:

مصنف انوار نے کہا:

> ''ہیّاج امام صاحب سے روایت کرتے ہیں،[4] ابوحاتم نے کہا کہ ان کی حدیث لکھی جاتی ہے، سعید بن ہناد کا قول ہے کہ میں نے ہیاج سے افصح نہیں دیکھا، بغداد میں آئے درس حدیث دینا شروع کیا تو ایک لاکھ آدمی جمع ہو گئے جو آپ سے حدیث لکھتے اور آپ کی فصاحت سے متعجب ہوتے، مالک بن سلیمان سے مروی ہے کہ ہیاج بن

---

[1] الکامل لابن عدی مخطوطه (۳/ ۷۹)　[2] المجروحین (۳/ ۷۲)
[3] مقدمه انوار (۱/ ۱۷۱)　[4] جامع المسانید (۲/ ۵۶۹)

بسطام اعلم الناس، احلم الناس، افقہ الناس اشجع الناس، اسخی الناس اور ارحم الناس تھے۔[1]

ہم کہتے ہیں کہ ہیاج کا شاگرد امام صاحب ہونا ثابت ہے اور موصوف امام صاحب کے ہم مذہب بھی تھے، ابن حبان نے صراحت کی کہ ہیاج مرجی تھے۔[2] نیز ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے مذکورہ بالا بات میزان الاعتدال کے حوالے سے لکھی ہے مگر اپنی معروف عادت کے مطابق از راہ دیانت داری موصوف نے میزان الاعتدال میں مندرج کئی باتیں چھوڑ دی ہیں، ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:

"قال ابن معين: ضعيف، وقال: مرة ليس بشيء، وقال أحمد بن حنبل: متروك الحديث، وقال أبو داود: تركوا حديثه."[3]

''موصوف کو ابن معین نے ایک قول میں ضعیف اور دوسرے میں لیس بشيء کہا اور امام احمد اور ابوداود نے متروک کہا۔''[4]

ناظرین کرام پوچھیں کہ مصنف انوار نے میزان الاعتدال کی مذکورہ بالا باتیں کیوں ترک کر دیں اور صرف اپنے مطلب کی باتیں کیوں نقل کیں؟ ظاہر ہے کہ میزان کی اس عبارت کے مطابق ہیاج کو امام احمد وابوداود نے متروک قرار دیا ہے جو سخت ترین کلماتِ جرح سے ہے، یعنی جس کی بابت یہ کلمہ کہا جائے وہ سخت مجروح ہے۔ مصنف انوار کے ہم مذہب مولانا عبدالحی فرنگی محلی ناقل ہیں:

"إن الحكم في المراتب الأربعة أن لا يحتج بواحد من حديث أهلها، ولا يستشهد به ولا يعتبر به."[5]

''متروک الحدیث ان کلماتِ جرح میں سے ہے کہ جس راوی کے بارے میں یہ استعمال کیے جائیں اس کی روایت کو حجت نہیں بنایا جا سکتا حتی کہ انھیں شاہد ومتابع بھی نہیں بنایا جا سکتا۔''

میزان الاعتدال کے مصنف حافظ ذہبی نے کتاب الضعفاء والمتروکین میں کہا:

"قال أبوداود تركوا حديثه."[6] ''امام ابوداود نے کہا کہ محدثین نے ہیاج کو متروک قرار دیا ہے۔''

مصنف انوار کی یہ دیانتداری بھی قابل ملاحظہ ہے کہ فرماتے ہیں: ''ابوحاتم نے کہا کہ ان کی حدیث لکھی جاتی ہے'' مگر موصوف نے یہ نہیں بتلایا کہ جس راوی کی بابت یہ لفظ کہا جائے یعنی "يكتب حديثه" اس کا پایۂ اعتبار کیا ہے؟ مصنف انوار کے ہم مذہب شیخ فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ یہ کلمہ ان کلمات میں سے ہے کہ جس کے بارے میں یہ کہا جائے "فلايحتج بأحد من أهلها"[7] یعنی اس کی روایت حجت نہیں بنائی جا سکتی اسے صرف بطور متابع لکھا جا سکتا ہے، چنانچہ مصنف انوار نے جس امام ابوحاتم سے یہ بات نقل کی ہے انھوں نے خود ہی صراحت کر دی ہے کہ "يكتب حديثه ولا يحتج به"[8] یعنی موصوف کی حدیث لکھی جا سکتی ہے مگر حجت نہیں بنائی جا سکتی، صرف یہی نہیں بلکہ ابن معین نے ایک قول میں موصوف کو "ليس بثقة" بھی کہا

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۱ بحوالہ میزان الاعتدال)
[2] المجروحين (۳/ ۵۳)
[3] میزان الاعتدال (۲/ ۵۵۵، ۵۵۶)
[4] نیز تاریخ ابن معین (۲/ ۶۲۵)
[5] ظفر الأماني (ص: ۳۵)
[6] كتاب الضعفاء والمتروكين (ص: ۳۲۶)
[7] ظفر الأماني (ص: ۳۳)
[8] تهذيب التهذيب والجرح والتعديل لابن أبي حاتم.

ہے۔[1] نیز یعقوب بن سفیان نے کہا: "كنت أسمع أصحابنا يضعفونه " میرے اصحاب ہیاج کوضعیف قرار دیتے تھے اورصالح بن محمد نے کہا: "منكر الحديث لا يكتب من حديثه إلا حديثين أو ثلاثة للاعتبار، تركوا حديثه" یعنی موصوف منکر الحدیث اورمتروک ہیں، ان کی حدیث لکھی بھی نہیں جانی چاہیے، البتہ دوتین حدیثیں اعتبار کے لیے لکھی جاسکتی ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ منکر الحدیث بھی سخت قسم کے الفاظ تجریح سے ہے، اس کے ساتھ "لا يكتب حديثه" بھی لگا ہوا ہے، ابوحاتم وصالح کے قول میں تطبیق کے لیے کہا جاسکتا ہے کہ دونوں موصوف کی بعض روایات کو لکھنے کی اجازت دینے پر متفق ہیں ورنہ دونوں ہی کے نزدیک موصوف ساقط الاعتبار ہیں۔[2] اس تفصیل سے ناظرینِ کرام مصنف انوار کی دیانتداری کا حال سمجھ گئے ہوں گے۔ امام ابن حبان نے یہ بھی کہا:

"كان مرجيا داعية إلى الارجاء، كان ممن يروي المعضلات عن الثقات، ويخالف الأثبات فيما يروي عن الثقات"[3]

یعنی موصوف داعی قسم کے مرجی تھے اورثقہ رواۃ کے حوالہ سے معضل روایات نقل کرتے تھے۔

ان حقائق کے ذکر سے اعراض کرتے ہوئے موصوف مصنف انوار نے جو یہ کہہ رکھا ہے:

''سعید بن ہناد کا قول ہے کہ میں نے ہیاج سے افصح نہیں دیکھا، بغداد میں حدیث کا درس دیا تو ایک لاکھ آدمی جمع ہوگئے جو آپ سے حدیث لکھتے اورآپ کی فصاحت سے متعجب ہوتے۔''

تو اس کی سند میں حسین بن احمد صغار ہیں۔[4] اور یہ صاحب کذاب ہیں۔[5] نیز صغار سے اس روایت کے ناقل احمد بن محمد بن یٰسین ہروی بھی کذاب ہیں۔[6] اور اس جعلی سند کے ساتھ یہ روایت جس سعید بن ہناد سے مروی ہے وہ بذات خود مجہول ہے۔[7] نیز موصوف سعید سے یہ روایت ان کے لڑکے ابوغانم محمد بن سعید خزاعی نے نقل کی جن کا ذکر خطیب (۵/ ۳۰۸) وانساب سمعانی میں لفظ ابوشیخ کے تحت موجود ہے مگر ان کی توثیق نہیں کی گئی۔ ایسی مکذوبہ روایت کو مصنف انوار نے معتبر وصحیح قرار دے کر کیوں حجت بنایا ہے؟

یہ معلوم ہے کہ بہت زیادہ فصیح ہونا متروک الحدیث ومکروہ المذہب ہونے کے منافی نہیں اورایسے شخص کے پاس بہت سے لوگوں کا حدیث لکھنے اور سننے کے لیے جمع ہونا بھی مستبعد نہیں، زوجۂ جہم کوفہ آئی تو اس کے ساتھ دس ہزار کی بھیڑ رہا کرتی تھی۔ (کما مر) کذابین ومتروکین کی روایات بھی لکھنے کا رواج رہا ہے جیسا کہ کتب مصطلح حدیث میں صراحت کردی گئی ہے، جعفر بن محمد طیالسی نے کہا کہ مسجد رصافہ میں امام احمد وابن معین کی موجودگی میں ایک جعلی محدث نے دونوں کے حوالے سے حدیث بیان کرنی شروع کی، ان دونوں نے دیکھا کہ یہ جھوٹی حدیث ہمارے حوالے سے بیان کرتا ہے، لہٰذا دونوں نے پوچھا کہ آپ سے یہ حدیث کس نے بیان کی؟ اس نے کہا احمد وابن معین نے، ابن معین نے کہا کہ احمد یہ ہیں اور میں ابن معین ہوں ہم نے تو یہ حدیث کبھی نہیں بیان کی، اس کذاب نے کہا کہ تم احمق ہو میں نے سترہ احمد وابن معین سے یہ حدیث سنی ہے۔[8]

---

[1] خطيب (١٤/ ٨٣)

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: خطیب (١٤/ ٨٣) وتهذيب التهذيب (١١/ ٨٨، ٨٩)

[3] المجروحين (٣/ ٥٣)

[4] خطيب (١٤/ ٨٢)

[5] لسان الميزان (١/ ٢٦١)

[6] لسان الميزان (١/ ٢٩١) وميزان الاعتدال (١/ ٦٠) وتذكرة الحفاظ (٣/ ٨٧٧)

[7] لسان الميزان (٣/ ٤٩) وميزان الاعتدال (١/ ٣٥١)

[8] الموضوعات لابن الجوزي (١/ ٤٦)

نیز مصنف انوار نے میزان الاعتدال کے حوالے سے جو یہ کہا ہے کہ ''مالک بن سلیمان سے مروی ہے کہ ہیاج اعلم الناس، احلم الناس وغیرہ تھے'' تو یہ بات جس مالک بن سلیمان ہروی قاضی ہرات سے مروی ہے وہ بذات خود ہیاج کا ہم مذہب یعنی مرجی المذہب اور ساقط الاعتبار ہے۔❶ امام عقیلی وسلیمانی نے اسے ''فیہ نظر'' کہا اور جس کے بارے میں یہ لفظ کہا جائے وہ ساقط الاعتبار ومتروک ہے۔❷ مالک ہروی سے اس روایت کا ناقل اسی کا ہم وطن فضل بن عبیداللہ مسعود یشکری ہروی کو ظاہر کیا گیا ہے اور یہ بھی ساقط الاعتبار ہے۔❸ اور اس ساقط الاعتبار شخص سے روایت مذکورہ کا ناقل احمد بن محمد بن یٰسین ہروی ہے، یہ بھی کذاب ہے (کما تقدم آنفا) اوراس سے اس روایت کا ناقل حسین بن احمد صغار کذاب ہے۔ ایسی مکذوبہ روایت کو حجت بنانے والے مصنف انوار کی دیانتداری قابل دید ہے۔

کیا امام مکی اور محمد بن یحییٰ ذہلی نے ہیّاج کی توثیق کی ہے؟

مصنف انوار نے کہا:

''مکی بن ابراہیم کا قول ہے کہ ہمارے علم میں ہیّاج بن بسطام ثقہ، صادق اور عالم ہیں...امام حاکم نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ ابوحاتم (صحیح لفظ ابوغانم ہے) محمد بن سعید بن ہناد نے کہا کہ میں نے محمد بن یحییٰ ذہلی سے سوال کیا تو فرمایا کہ ہیاج ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔''❹

ہم کہتے ہیں کہ مکی سے مروی روایت کی سند میں بھی احمد بن محمد بن یاسین ہروی کذاب ہے۔❺ اور اس کذاب نے جس سند سے یہ روایت نقل کی ہے اس کے رواۃ غیر معروف ہیں، اور ذہلی کی طرف تاریخ حاکم میں جو روایت منسوب ہے اس کی سند مذکور نہیں اور ابوغانم محمد بن سعید مجہول الصفہ ہے، پھر ان باتوں کو دلیل بنانے میں مصنف انوار کتنے دیانتدار ہیں؟

اور مصنف انوار نے جو یہ کہا:

''یحییٰ بن احمد بن زیاد ہروی نے کہا: جس نے ہیّاج پر کچھ نکیر کی وہ بوجہ ان کے صاحبزادے خالد کے کی ہے ورنہ ہیاج فی ذاتہ ثقہ ہیں، خالد سے روایت میں بے احتیاطی ہوئی ہے۔''

تو ہم کہتے ہیں کہ اولاً یحییٰ بن احمد بن زیاد ہروی کا حال نامعلوم ہے۔ ثانیا: یحییٰ مذکور کے مقابلے میں امام صالح کا بیان یہ ہے کہ میں یہ نہیں جانتا تھا کہ ہیّاج کی ساری ہی روایتیں منکر ہوتی ہیں مگر جب ہرات گیا تو مجھے پتہ چلا کہ ان کی بہت سی روایات مناکیر ہیں۔ امام حاکم نے کہا کہ ان کی جن روایات کے بارے میں ان کے لڑکے خالد کو متہم کیا گیا ہے وہ روایات وہ ہیں جن کو صالح نے ہرات میں بیان کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہرات میں ہیاج کے توسط سے مروی جو روایات صالح کو حاصل ہوئیں ان کے ساقط ومنکر ہونے کا سبب ان کا لڑکا خالد ہے لیکن جو روایات ان کے لڑکے کے علاوہ کسی اور کے توسط سے مروی ہوئی ہیں ان کے ساقط ہونے نہ ہونے کی تصریح نہیں، اور جب یہ معلوم ہے کہ ائمہ کبار کی تصریحات کے مطابق ہیاج فی

❶ لسان الميزان (٥/ ٤) وميزان الاعتدال (٢/ ٣٢٧)
❷ عام كتب مصطلح الحديث.
❸ لسان الميزان (٤/ ٤٤٤) والمجروحين (٢/ ٢٠٥)
❹ مقدمه انوار (١/ ١٧١)
❺ خطيب (١٤/ ٨٢)

نفسہ غیر ثقہ ہیں تو خالد کے علاوہ دوسروں سے مروی روایات کے ساقط ہونے میں بھی شک نہیں اور ان کے ساقط ہونے کا سبب خود ہیاج ہیں ان کا لڑکا نہیں۔

ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہیاج کی روایات قابل قبول نہیں، خواہ ان کی عدم ثقاہت کی وجہ سے یا ان کے صاحبزادے کے سبب، البتہ جلیل القدر ائمہ جرح نے ان کو متروک اور غیر ثقہ قرار دیا ہے، ہیاج کا ذکر کتب رجالِ احناف تاج التراجم، طبقات کفوی، جواہر المضیہ ،فوائد البہیہ وغیرہ میں نہیں ہے مگر مصنف انوار کو اس کا کوئی شکوہ نہیں۔شکوہ ہے تو اس بات کا کہ جس راوی کا ذکر وہ اصحاب ابی حنیفہ میں دیکھنا چاہتے ہیں اسے حافظ ابن حجر نے کیوں حنفی المذہب شاگرد امام صاحب نہیں کہا؟ اسی قسم کی تحقیقات کو مصنف انوار کتاب وسنت اور علوم صحابہ کا عطر قرار دیتے اور اس کی عظمت وعصمت مآبی کے قصائد گاتے ہیں۔

ناظرین کرام اب مفروضہ چہل رکنی مجلس کے تیرہویں رکن خاص امام شریک بن عبداللہ کوفی کے متعلق مصنف انوار کی تحقیقات عالیہ کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں۔

۱۳۔امام شریک بن عبداللہ الکوفی (مولود ۹۵ھ ومتوفی ۱۷۷/ ۱۷۸ھ)

مصنف انوار نے کہا:

”شریک امام اعظم کی خدمت میں بہت رہے، ان سے روایت حدیث بھی کی، آپ کے مخصوص اصحاب وشرکاءِ تدوین فقہ میں تھے، امام صاحب آپ کو کثیر العقل فرمایا کرتے تھے، آپ نے اعمش وابن شیبہ سے بھی حدیث پڑھی ہے اور آپ سے ابن مبارک ویحییٰ بن سعید نے روایت کی، پہلے شہر واسط پھر کوفہ کے قاضی ہوئے، بڑے عابد، عادل، صدوق اور اہل بدعت وہوا پر سخت گیر تھے۔[1] باوجودیکہ امام بخاری ومسلم رحمہما اللہ کے شیوخ کی ایک جماعت کے فن حدیث میں شیخ ہیں امام اعظم سے مسانید میں روایت کرتے ہیں۔“[2]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار (۱/ ۷۴) کہہ آئے ہیں کہ شریک کو امام ابوحنیفہ سے عداوت وپرخاش تھی، مناقب ابی حنیفہ للموفق (۲/ ۱۲،۱۳) میں اس معنی کی کئی روایات منقول ہیں کہ ”كان شريك يعادي أبا حنيفة جهلا وحسدا“ شریک جہالت اور حسد کے سبب امام ابوحنیفہ سے عناد وعداوت رکھتے تھے۔ نیز موفق (۲/ ۷۱) میں کہا گیا ہے کہ ”كان ابن أبي ليلى وابن شبرمة وشريك وسفيان يخالفونه، ويطلبون شينه، ويتكلمون فيه، ويرمونه“ یعنی ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، شریک وسفیان ثوری سب کے سب امام ابوحنیفہ کے مخالف ومعاند تھے، ان کو مجروح قرار دیتے اور ان پر تنقیدیں کرتے اور انھیں رسوا وذلیل کرنے کے درپے رہتے تھے۔

ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ کے معاصر ائمہ حدیث وفقہ امام صاحب کے مخالف تھے اور انھیں مجروح وغیر ثقہ قرار دیتے اور ان پر تنقیدیں کرتے تھے، ان حضرات میں امام شریک بھی شامل تھے مگر مصنف انوار نے امام شریک کو حنفی

[1] حدائق.
[2] جامع المسانيد (۲/ ٤٧٨) مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۱)

قرار دے کر مجلس تدوین کا رکن بنا دیا، اور دوسری طرف یہ دعوی بھی کیا کہ امام ابن معین کے زمانے تک امام صاحب پر کسی قسم کا کلام نہیں ہوتا تھا، کلام بعد کے غیر مقلدین نے شروع کیا لیکن مصنف انوار کی مستند کتابیں بھی ان کی تکذیب وتردید کررہی ہیں مگر تعجب اس پر ہے کہ مصنف انوار ان کتابوں کے مصنفین کو حاسد ومعاند وغیرہ کہہ کر مطعون نہیں کرتے۔ صرف غیر حنفی محدثین خصوصًا امام بخاری، خطیب وابن حجر وغیرہ ہی کو مرکز طعن وتشنیع بناتے ہیں، اور موفق وغیرہ کی مکذوبہ روایات کو اگر اپنے مطلب کی پاتے ہیں تو حجت بنانے میں کوئی تامل نہیں کرتے۔

شریک کہا کرتے تھے کہ ''کوفہ کے ہر محلّہ میں شراب فروشوں کا رہنا مجھے گوارا ہے مگر یہ گوارا نہیں کہ امام ابوحنیفہ کے فقہی مسلک پر چلنے والا کوئی شخص موجود ہو۔''❶ نیز شریک امام صاحب اوران کے ہم مذہب اصحاب کو مردود الشہادۃ قرار دیے ہوئے تھے۔❷ مصنف انوار نے لکھا ہے کہ ''امام وکیع نے کہا کہ میں نے ایک مرتبہ امام صاحب کو افسردہ پایا غالبًا شریک نے کچھ باتیں کہی تھیں۔''❸ مصنف انوار کو اعتراف ہے کہ شریک عادل، صدوق، قاضی اور اہل بدعت و ہوی پر سخت گیر تھے، ہم عرض کر چکے ہیں کہ شریک نے امام صاحب کے صاحبزادے حماد کو اس بنا پر مردود الشہادۃ قرار دے دیا تھا کہ حماد اعمال کو جزو ایمان نہیں مانتے تھے اور یہ معلوم ہے کہ امام صاحب بھی اعمال کو جزو ایمان نہیں مانتے۔

مصنف انوار نے امام شریک کے اساتذہ کی فہرست میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ صرف دو کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے ''آپ نے اعمش اور ابن شیبہ سے بھی حدیث پڑھی'' حالانکہ ان کے اساتذہ کی فہرست خاصی لمبی ہے، یعنی ابواسحاق سبیعی، منصور بن معتمر، عبدالملک بن عمر، سماک بن حرب، سلمہ بن کہیل، حبیب بن ابی ثابت وغیرہ۔❹ ان کے تلامذہ کی فہرست میں بھی مصنف انوار نے اسی طرح کیا ہے خصوصاً امام عبدالرحمٰن بن مہدی کا ذکر حذف کر دیا ہے، مصنف انوار کو اپنی اس روش سے کوئی شکایت نہیں، البتہ انھیں شکوہ اس بات کا ہوتا ہے کہ فلاں شخص کو حافظ ابن حجر نے امام صاحب کا شاگرد اور حنفی المذہب نہیں بتلایا، مصنف انوار بتلائیں کہ ان کا یہ رویہ کیا معنی رکھتا ہے؟

مصنف انوار نے اس بات کا تو ذکر کیا کہ قاضی شریک کو ایک لونڈی کی شکایت پر معزول کر دیا گیا تھا مگر اس کا ذکر نہیں کیا کہ جس روایت میں شریک کی اس معزولی کا ذکر ہے اسی سے قاضی موصوف کی عظمت کا پتہ بھی لگتا ہے کہ انھوں نے لونڈی مذکورہ کے وکیل وایجنٹ کی غلط روی پر معقول سزا دے کر اسلامی عدالت کے وقار کو برقرار رکھا اور ان پر خلیفہ مہدی نے کچھ اعتراضات کیے تو خلیفہ کو انھوں نے دندان شکن جواب دیے، موصوف کے جواب سے خلیفہ لاجواب ہو گیا مگر اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد لونڈی کے پیش آمدہ واقعہ کے بہانے موصوف کو معزول کر دیا گیا، لطف یہ کہ روایت مذکورہ کی سند پر کلام ہے کیونکہ اس میں محمد بن خلف بن مرزبان لین الروایۃ اوران کے استاذ ابوبکر عامری غیر معروف اور مصعب بن عبداللہ زبیری کے والد عبداللہ زبیری متکلم فیہ ہیں، اور اس روایت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ حضرت عباس اوران کے لڑکے عبداللہ بن عباس حضرت علی کو افضل الصحابہ کہتے تھے۔❺

❶ خطیب (١٣/ ٣٩٧) والکامل لابن عدی مخطوطه (٣/ ٧٩)　❷ الکامل (٣/ ٧٩)
❸ مقدمه انوار (١/ ١٢٠)　❹ تهذيب التهذيب.　❺ خطیب (٩/ ٢٩١، ٢٩٢)

قاضی شریک سے امام صاحب کی مدح میں مروی ہے:

''امام صاحب طویل خاموشی والے، دائم الفکر اور قلیل المجادلہ تھے۔''[1]

یہ بات اس امر کے منافی نہیں کہ شریک نے بعض دوسرے اعتبارات سے امام صاحب کی تجریح نہ کی ہو، ویسے شریک سے یہ بھی مروی ہے کہ امام صاحب "معروف بالخصومات" تھے۔ (کمامر) نیز تذکرۂ عافیہ میں اس روایت کا ذکر آرہا ہے کہ امام صاحب اپنے اصحاب کے ساتھ غور وخوض میں مشغول رہتے تھے، اس معنی کی بہت ساری روایات ہیں۔ مصنف انوار قاضی شریک کی حق پرستی کے معترف ہیں اور قاضی موصوف کا قول ہے:

"احمل العلم عن كل من لقيت إلا الرافضة، فإنهم يضعون الحديث، ويتخذونه دينا."[2]

''روافض کے علاوہ ہر کسی سے تحصیل علم کرو کیونکہ روافض وضعی احادیث کو دین بنالیا کرتے ہیں۔''

قاضی شریک کے قول مذکور کا مفاد یہ ہے کہ وضعی روایات کو دین بنا لینا اور انھیں حجت قرار دے لینا روافض کی خاص خصوصیت ہے، اور ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار بکثرت وضعی روایات کو اپنے دعاوی کی بنیاد بنائے ہوئے ہیں خصوصاً ''ابوحنیفہ سراج امتی'' والی وضعی حدیث کو موصوف مصنف انوار نے بڑے فخر کے ساتھ اپنا دین بنالیا ہے۔[3]

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امام صاحب نے اپنے فقہی وعلمی سرمایہ کو مجموعۂ رائے وقیاس اور مجموعۂ اغلاط نیز ممنوع الروایۃ والکتابۃ قرار دیا ہے، امام صاحب کے ایسا فرمانے سے پہلے ہی قاضی شریک اور دوسرے معاصرینِ امام صاحب اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ امام صاحب اعمال کے جزو ایمان ہونے اور ایمان میں کمی بیشی کے معتقد نہیں تھے، اس کے برعکس جن ابن مسعود کو مصنف انوار مذہب حنفی کا مورث اعلیٰ کہتے ہیں وہ اور ان کے اصحاب اعمال کو جزو ایمان مانتے اور ایمان میں کمی بیشی کے قائل تھے، ابن مسعود اور عام صحابہ وتابعین کے اس موقف پر قاضی شریک بھی کاربند تھے حتی کہ اس موقف پر دلالت کرنے والی بعض احادیث کا ذکر کرتے ہوئے قاضی شریک فرمایا کرتے تھے کہ ابوحنیفہ ان آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔[4] مگر امام صاحب کی تقلید کا دم بھرنے والوں نے اس مضمون کی احادیث وضع کیں کہ اعمال کے جزو ایمان ہونے اور ایمان میں کمی بیشی ہونے کا عقیدہ شرک اور کفر ونفاق ہے۔

امام ابن معین نے کہا:

"دخل الخوارج مسجد الكوفة، و أبوحنيفة و أصحابه جلوس، فقال أبو حنيفة: لا تبرحوا، فجاؤا حتى وقفوا عليهم، فقالوا لهم: ما أنتم، فقال أبوحنيفة: نحن مستجيرون، فقال أمير الخوارج: دعوه وأبلغوهم مأمنهم، واقرؤا عليهم القرآن، فقرؤا عليهم القرآن، وأبلغوا مأمنهم."[5]

---

[1] الانتقاء (ص: ١٣١) وعام کتب مناقب. [2] منهاج السنة لابن تيمية (١/ ١٣)

[3] ملاحظہ ہو: مقدمه انوار (١/ ٤٩)　[4] خطيب (١٣/ ٣٧٢)

[5] تاريخ ابن معين (٢/ ٦٠٧)

وفي رواية: "فقال أبوحنيفة: نحن مستجيرون بالله الذي يقول: ﴿وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ﴾"[1]

''امام صاحب اوران کے اصحاب مسجد کوفہ میں بیٹھے تھے کہ خوارج مسجد میں گھس آئے، امام صاحب نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ یہاں سے باہر مت جاؤ، خوارج نے کہا کہ تم کون لوگ ہو؟ امام صاحب نے فرمایا ہم وہ ہیں جن کی بابت قرآنی آیت میں کہا گیا ہے: ﴿وَ اِنْ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ...﴾ اگر مشرکین تم سے پناہ چاہیں تو انھیں کلام اللہ سناؤ پھر انھیں ان کے گھر پہنچا دو، چنانچہ امیر الخوارج نے امام صاحب اوران کے اصحاب کے ساتھ یہی کیا۔''

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب نے آیت مذکورہ کا مصداق اپنے آپ کواور اپنے اصحاب کوقرار دیا تھا، صاف ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ مشرکین اور کفار کی بابت وارد ہوئی ہے، آخر امام صاحب نے اپنے آپ کوآیت مذکورہ کا مصداق کیوں کہا؟

واضح رہے کہ تاج التراجم لابن قطلو بغا اورفوائد البہیہ وغیرہ میں شریک کوحنفی فقیہ کے طور پرنہیں ذکر کیا گیا ہے، اور جواہر المضیہ میں ان کا ذکر ہے مگر کوئی چیز اس میں نہیں جس سے ان کے حنفی ہونے یارکن مجلس تدوین ہونے کا ثبوت مل سکے۔

۱۴۔امام عافیہ بن یزید قاضی (متوفی ۱۸۰ھ)

مصنف انوار نے مفروضہ چہل رکن مجلس تدوین کے اراکین میں امام عافیہ کوشمار کرتے ہوئے کہا ہے:

''امام عافیہ بڑے پایہ کے محدث، صدوق اور فاضل فقیہ تھے، امام اعظم کے اصحاب وشرکاءِ تدوین میں سے خاص امتیازی مقام پر فائز تھے، امام صاحب ان کے علم وفضل پر بڑا اعتماد کرتے اور فرماتے کہ جب تک عافیہ کسی مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر نہ کردیں اس وقت تک فیصلہ شدہ سمجھ کرقلم بند کرنے میں جلدی مت کیا کرو۔''[2]

حالانکہ ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ چہل رکنی مجلس تدوین فرضی وافسانوی چیز ہے، دریں صورت امام عافیہ یا کسی بھی شخص کو اس کا رکن قرار دے لینا بھی افسانوی چیز ہے۔عافیہ موصوف اگر چہ محدث، صدوق وفاضل فقیہ تھے مگر ان کی توثیق میں اختلاف ہے، انھیں امام نسائی نے ثقہ اور ابن معین نے ایک قول میں ثقہ اور دوسرے میں ضعیف کہا ہے۔[3] امام ابوداود نے کہا: "عافية يكتب حديثه؟ وجعل يضحك ويتعجب"[4] امام ابوداود کے اس فرمان کا مطلب بخوبی واضح نہیں، ہمارے خیال سے یہ ایک قسم کی تجریح ہے۔حافظ ابن حجر نے اصح واعدل الاقوال فرمایا:

"صدوق تكلموا فيه بسبب القضاء."[5]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف فی نفسہ صدوق تھے مگر قاضی بننے کے بعد قضا سے اشتغال کے باعث سوء حفظ کا شکار ہونے کے سبب مجروح قرار پائے۔مصنف انوار نے اپنے اس دعوی کا ماخذ بتلا کر اس کا صحیح ومعتبر ہونا ثابت نہیں کیا کہ امام

---

❶ الانتقاء (ص: ۱۶۱، ۱٦٢) وخطيب (۱۳/ ۳٦٦)
❷ مقدمه انوار (۱/ ۱۷۱)
❸ تهذيب التهذيب (٥/ ٦٠، ٦١) ولسان الميزان (٦/ ٥٨٥)
❹ خطيب (۱۲/ ۳۱۰) وميزان الاعتدال (۲/ ٦) وتهذيب التهذيب.
❺ تقريب التهذيب.

صاحب عافیہ پر بڑا اعتماد کرتے اور فرماتے تھے کہ جب تک عافیہ کسی مسئلہ پر اپنی رائے ظاہر نہ کریں اسے قلم بند کرنے میں جلدی مت کرو۔ مگر موصوف کا یہ دعوی درج ذیل مکذوبہ وخانہ ساز روایت پر قائم ہے:

"حدثنا إبراهيم بن مخلد البلخي حدثنا محمد بن سعيد الخوارزمي حدثنا إسحاق بن إبراهيم قال: كان أصحاب أبي حنيفة الذين يذاكرونه أبو يوسف وزفر و داود الطائي وأسد وعافية الأودي و القاسم بن معن وعلي بن مسهر ومندل وحبان كانوا يخوضون في المسئلة، فإن لم يحضر عافية، قال أبوحنيفة: لا ترفعوا المسئلة حتى يحضر عافية، فإن وافقهم قال أبو حنيفة: أثبتوها، وإن لم يوافقهم قال أبوحنيفة: لا تثبتوها." [1]

''امام ابوحنیفہ کے جو تلامذہ ان کے ساتھ علمی مذاکرہ کرتے تھے وہ نو افراد تھے، ابو یوسف، زفر، داود الطائی، اسد، عافیہ، قاسم بن معن، علی بن مسہر، مندل اور حبان۔ یہ لوگ کسی مسئلہ میں غور کرتے اگر عافیہ موجود نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے: اس مسئلہ کو اٹھاؤ مت، اگر عافیہ موجود ہوتے تو جس مسئلہ میں وہ موافقت کرتے اسے امام صاحب لکھنے کی اجازت دیتے اور جس میں موافقت نہیں کرتے اس کو نہ لکھنے کی ہدایت کرتے۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ امام صاحب اپنے اصحاب کے ساتھ خوض میں مشغول رہا کرتے تھے جو دائمی سکوت فکر کے منافی ہے، نیز اس روایت کی سند میں تین راوی مسلسل مجہول ہیں، یعنی ابراہیم بن مخلد البلخی، محمد بن سعید الخوارزمی اور اسحاق بن ابراہیم۔ ظاہر ہے کہ ایسی روایت اہل علم کے نزدیک مکذوب ہے۔

اس مکذوبہ روایت کا مفاد ہے کہ امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ حنفی کے کام میں شریک ہونے والوں کی تعداد صرف نو افراد میں محصور تھی مگر اس مکذوبہ روایت کو دلیل وحجت بنانے کے باوجود مصنف انوار نے اس کے بالکل خلاف یہ دعوی کر رکھا ہے کہ امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد سینکڑوں میں تھی جن میں چالیس افراد مجلس تدوین کے خصوصی ارکان تھے، ظاہر ہے کہ مصنف انوار کا یہ دعوی ان کی دلیل بنائی ہوئی روایت کے معارض ہے، ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ ایک مکذوبہ روایت کو دلیل وحجت بنا کر اس کے خلاف دوسرے دعاوی کرنا عقل ودانش کے منافی ہونے کے ساتھ علمی امانت ودیانت کے بھی منافی ہے۔

لطف یہ کہ روایت مذکورہ میں ذکر کیے گئے نو افراد کو مصنف انوار نے اپنی عصمت مآب مجلس تدوین کے چہل ارکان میں شامل کر کے دعوی کیا ہے کہ جملہ چہل ارکان بشمول مذکورہ بالا نو حضرات ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین کی تاسیس سے پہلے جمیع علوم میں ماہر ومجتہد ہو کر خدمتِ امام صاحب میں موجود تھے، پھر یہ لوگ اراکین مجلس تدوین منتخب ہو کر ۱۲۰ھ سے امام صاحب کے ساتھ تیس سال تک تدوین فقہ کرتے رہے، حالانکہ ان میں سے ابو یوسف کی ولادت ۱۱۳ھ میں، زفر کی ۱۱۶ھ میں، حبان کی ۱۱۱/۱۱۲ھ میں ہوئی اور یہ ممکن نہیں کہ یہ حضرات ۱۲۰ھ سے پہلے مجتہد بن کر ارکان مجلس منتخب کیے جانے کے لائق ہو گئے ہوں، نیز داود طائی ۱۴۰ھ کے لگ بھگ خانہ نشین ہو گئے تھے اور زفر ۱۴۳ھ سے پہلے بدعوئ مصنف انوار امام صاحب کا ساتھ چھوڑ کر بصرہ چلے گئے

[1] خطيب (١٢/ ٣٠٨) ترجمه عافية، ورواه الصيمري (ص: ١٤٩) مختصراً

تھے، دریں صورت موصوف کا یہ دعوی کیا معنی رکھتا ہے کہ سب امام صاحب کے ساتھ تیس سال از ۱۲۰ھ تا ۱۵۰ھ تدوین فقہ کرتے رہے جبکہ مصنف انوار کے دعاوی سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ امام صاحب نے ۱۳۶ھ کے بعد مجلس تدوین قائم کی؟

مصنف انوار کی متدل روایت کا مفاد یہ بھی ہے کہ امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ حنفی کرنے والے نو حضرات کی تدوین کردہ فقہ حنفی کا کوئی مسئلہ مختلف فیہ نہیں ہے کیونکہ روایت میں ہے کہ کسی مسئلہ میں عافیہ کے اتفاق کے بغیر وہ مسئلہ لکھا ہی نہیں جاتا تھا، جس کا لازمی مطلب ہے کہ ہر مسئلہ اتفاق رائے کے بعد ہی لکھا جاتا تھا مگر دنیا جانتی ہے کہ سینکڑوں مسائل میں ان حضرات کے مابین اختلافات موجود ہیں اور یہ چیز بذات خود روایت مکذوبہ کی تکذیب کے لیے کافی ہے۔

مصنف انوار کا اپنے اصول سے اعراض:

جس طرح مصنف انوار نے اپنی متدل روایت کے خلاف فقہ حنفی کی تدوین کرنے والوں کی تعداد نو کے بجائے چالیس بتلائی ہے اسی طرح موصوف کو اپنے اس اصول کے مطابق ان روایات سے استدلال کر کے اراکین مجلس تدوین میں ابوبکر نہشلی، ابوبردہ ضبی، محمد بن جابر جعفی، ابواسحاق شیبانی، مغیرہ بن حمزہ، ولید بن اغر، ابیض بن اغر وغیرہم کو بھی اراکین مجلس میں شمار کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں میں مندرجہ روایات کے مطابق یہ حضرات امام صاحب کے حلقہ درس میں عشرۂ متقدمین سے بھی پہلے اکابر اصحاب امام صاحب کی حیثیت سے پڑھ کر فارغ ہوئے تھے مگر اپنے اصول کے خلاف مصنف انوار صرف یہ دعوی کر کے رہ گئے کہ یہ اراکین صرف چالیس ہیں۔

۱۵۔ امام عبداللہ بن المبارک (مولود ۱۱۹/ ۱۲۰ھ ومتوفی ۱۸۱ھ):

مصنف انوار نے امام ابن المبارک کو بھی مجلس تدوین کا رکن قرار دیا اور ان کے حوالے سے امام صاحب کی مدح میں بہت سی مکذوبہ روایات نقل کیں جن کی حقیقت ہم واضح کر کے بتلا چکے ہیں کہ امام ابن المبارک نے امام صاحب کو متروک قرار دیا ہے، اور یہ بھی ہم نے بتلایا ہے کہ ابن المبارک کا یہ فیصلہ امام صاحب اور امام صاحب کے عام معاصرین کے فیصلے کے مطابق ہے۔[1]

اس جگہ ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مصنف انوار نے امام ابن المبارک کو مفروضہ چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دینے میں کتنی دانشمندی سے کام لیا ہے، امام ابن المبارک نے خود بتلایا کہ میری ولادت ۱۱۶ھ میں ہوئی اور بعض روایات ۱۲۰ھ کی بھی ہیں۔[2] امام عبداللہ بن عثمان نے بتلایا کہ امام ابن المبارک پہلی مرتبہ عراق یعنی کوفہ ۱۴۱ھ میں آئے۔[3] اور ناظرین کو معلوم ہے کہ مجلس تدوین کوفہ میں قائم تھی جس کا ایک رکن ابن المبارک کو بھی فرض کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ امام ابن المبارک کے رکن مجلسِ تدوین بنائے جانے کا تصور ۱۴۱ھ کے بعد ہی ہوسکتا ہے، پھر مصنف انوار نے انھیں کس بنیاد پر ان چالیس اراکین میں شمار کر لیا جو تاسیسِ مجلس کے وقت محدث شہیر اور فقیہ کبیر اور مجتہد بے نظیر کی حیثیت سے رکن منتخب ہوئے تھے جبکہ تاسیس مجلس مصنف انوار کے متعدد دعاوی کے مطابق ۱۲۰ھ میں ہوئی تھی؟ پھر جو شخص ۱۴۱ھ میں کوفہ آیا وہ ظاہر ہے کہ ۱۴۱ھ کے بعد ہی رکن بن سکا ہوگا اور زیادہ سے زیادہ وفات ابی حنیفہ تک امام صاحب کی سرپرستی میں رہ کر تدوین کے فرائض انجام

---

[1] ملاحظہ ہو: اللمحات (۳/ ۵۸ تا ۱۲۶)　[2] خطیب (۱۰/ ۱۵٤)　[3] خطیب (۱۰/ ۱٦۸)

دے سکا ہوگا، یعنی زیادہ سے زیادہ آٹھ نو سال وہ تدوین فقہ کا کام امام صاحب کی سرپرستی میں انجام دے سکتا تھا، تو مصنف انوار کے اس دعوی کی کیا حقیقت رہ جائے گی کہ ابن المبارک ان ارکان مجلس میں سے ایک تھے جو امام صاحب کی سرپرستی میں تیس سال تدوین فقہ کرتے رہے؟

مزید برآں یہ کہ امام صاحب کی زندگی میں امام ابن المبارک کا کوفہ میں قیام اگرچہ ۱۴۱ھ کے بعد سے لے کر امام صاحب کی وفات تک یعنی کل آٹھ نو سال متصور ہو سکتا ہے مگر یہ طے شدہ امر ہے کہ وہ کثیر الاسفار، کثیر الحج اور کثیر الجہاد آدمی تھے اور ساتھ ہی ساتھ ان کا وطن خراسان میں تھا، اس آٹھ نو سالہ مدت میں وہ کئی مرتبہ حج کے لیے نکلے ہوں گے، کئی مرتبہ جہاد کے لیے نکلے ہوں گے اور کئی مرتبہ دوسرے سفر میں نکلے ہوں گے اور کئی بار اپنے گھر اہل وعیال کے ساتھ رہے ہوں گے۔ دریں صورت کوفہ میں ان کی مجموعی مدتِ اقامت زیادہ سے زیادہ دو ایک سال ہو سکتی ہے کیونکہ وہ ایام حج میں حرمین شریفین کے اساتذہ خصوصًا امام مالک کی خدمت میں رہ کر فیضاب ہوا کرتے تھے اور جہادی مہموں میں اچھا خاصا وقت صرف کرتے تھے، اس جگہ ہم امام ابن المبارک سے متعلق صرف اسی گفتگو پر اکتفا کرتے ہیں مفصل تحقیق آگے آرہی ہے۔ ناظرین کرام ہماری اس مختصر سی گفتگو ہی سے ابن المبارک کے متعلق مصنف انوار کی تحقیقاتِ عالیہ کی حقیقت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

۱۶۔ امام ابو یوسف (مولود ۱۱۳/ ۱۱۶ھ ومتوفی ۱۸۲ھ)

مصنف انوار نے امام ابو یوسف کے تعارف میں بہت طول بیانی سے کام لیا ہے اور ان کی یہ ساری طول بیانی کوثری کی کتاب "حسن التقاضي في سيرة الإمام أبي يوسف القاضي" کی مرہون منت ہے۔ امام ابو یوسف کے متعلق مصنف انوار کے بیانات ان کے استاذ علامہ کوثری کی عبارتوں سے ماخوذ ہیں، ہم ان پر تبصرہ شروع کرنے سے پہلے اصول جرح وتعدیل کے مطابق امام ابو یوسف کے متعلق جرح وتعدیل کے نقطۂ نظر سے بحث کر کے یہ بتلا دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ امام ابو یوسف سے مروی کسی بھی روایت کی کیا حیثیت ہے؟

امام ابو یوسف پر امام صاحب کی تجریح:

مصنف انوار نے اپنے عام ہم مزاج لوگوں کی تقلید میں بڑے فخر ومسرت سے کہہ رکھا ہے کہ علماءِ جرح وتعدیل کی طرح امام صاحب کے اقوالِ جرح وتعدیل بھی اہل علم نقل کرتے ہیں۔[1] اور اس میں شک نہیں کہ بعض رواۃ کے سلسلے میں امام صاحب کے اقوالِ جرح وتعدیل کتب رجال میں مذکور ہیں، واقدی، کلبی، ابوالفتح ازدی، ابن خراش وغیرہ جیسے ساقط الاعتبار اشخاص کے بھی اقوالِ جرح وتعدیل کتب رجال میں پائے جاتے ہیں، چنانچہ امام ابو یوسف کی بابت امام صاحب کا یہ فرمان امام بخاری نے نقل کیا ہے:

"حدثني عيسى بن الجنيد قال: سمعت النعمان يقول: ألا تعجبون من يعقوب يقول علي ما لا أقول؟"

"عیسی بن جنید نے کہا کہ میں نے ابونعیم فضل بن دکین سے سنا کہ انھوں نے کہا کہ میں نے امام صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ لوگو! کیا تمھیں تعجب نہیں ہوتا کہ ابو یوسف میری طرف منسوب کر کے ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جو

[1] مقدمه انوار (١/ ١٢٧، ١/ ٦٤)

میری کہی ہوئی نہیں ہوتی ہیں؟"[1]

روایت مذکورہ کا واضح مفاد یہ ہے کہ امام صاحب نے امام ابو یوسف کو صریح طور پر کذاب قرار دیا ہے۔ یہی روایت امام ابن عدی نے ایک دوسری سند کے ساتھ مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کی ہے:

"سمعت أبا حنيفة يقول: أبو يوسف يكذب عليّ."[2]

"امام صاحب نے فرمایا کہ ابو یوسف مجھ پر کذب بیانی کرتے ہیں۔"

امام بخاری نے روایت مذکورہ عیسی بن جنید سے نقل کی ہے اور حافظ تقی الدین ابن تیمیہ نے صراحت کی ہے کہ امام بخاری صرف ثقہ راوی سے روایت کرتے ہیں۔[3] علاوہ ازیں عیسیٰ بن جنید کی معنوی متابعت یوسف بن موسیٰ بن راشد قطان (متوفی ۲۵۳ھ) جیسے ثقہ محدث نے بھی کی ہے۔[4] نیز امام محمد بن عمرو عقیلی نے کہا:

"حدثنا محمد بن زكريا حدثنا أبو سعيد الأشج قال: سمعت أبا نعيم قال: كنت عند أبي حنيفة، ودخل عليه أبو يوسف، فقال: يعقوب يدخل في كتبي ما لم أقل."[5]

"امام صاحب نے ابو یوسف سے کہا کہ تم میری کتابوں میں ایسی باتیں شامل کر ڈالتے ہو جو میری کہی ہوئی نہیں ہوتی ہیں۔"

روایت مذکورہ کی سند بھی معتبر ہے جو عیسیٰ بن جنید والی روایت کی متابع ہے، عیسیٰ والی روایت کو امام ابن عدی نے بھی نقل کیا ہے، نیز یہ روایت امام حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی (متوفی ۴۲۷ھ) نے بھی امام بخاری کی تاریخ صغیر سے تاریخ جرجان (ص: ۵۶۶، ترجمہ نمبر: ۹۸۲) میں نقل کی ہے جو دائرۃ المعارف حیدرآباد سے ۱۳۸۷ھ میں شائع ہوئی ہے، اور تاریخ جرجان کے شائع ہونے سے باسٹھ سال پہلے مطبع انوار احمدی الہ آباد سے تاریخ صغیر شائع ہوئی ہے، اسی تاریخ صغیر (ص: ۲۰۵) کے حوالے سے تاریخ جرجان پر ایک حاشیہ بھی لکھا گیا ہے مگر تاریخ صغیر میں امام صاحب سے مروی مذکورہ بالا جو روایت تاریخ جرجان میں بحوالۂ تاریخ صغیر منقول ہے اس کی بابت دائرۃ المعارف کے محشی نے یہ لکھا ہے:

"لم أر في التاريخ الصغير للبخاري إلا ذكر الوفاة، ولم أر فيه قوله: حدثنا عيسى."

"تاریخ صغیر میں میں نے ابو یوسف کی صرف تاریخِ وفات دیکھی ہے لیکن روایت مذکورہ مجھے اس میں نظر نہیں آئی۔"

حالانکہ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ جس تاریخ صغیر کے حوالے سے محشی موصوف نے اس سے پہلے ایک حاشیہ لکھا ہے اس کی صرف چند سطروں کے بعد تاریخ صغیر (ص: ۲۰۶) میں روایت مذکورہ موجود ہے مگر محشی صاحب کو یہ روایت تاریخ صغیر

[1] تاريخ صغير للبخاري مطبوعه أنوار أحمدى إله آباد ١٣٢٥ھ (ص: ٢٠٦، سطر: ٢ و ٣) والكامل لابن عدى مخطوطه (٣/ ١٦٤) وتاريخ جرجان (ص: ٥٦٦ مطبوعه حيدرآباد ١٣٨٧ھ) وخطيب (١٤/ ٢٥٨)

[2] الكامل لابن عدي مخطوطه (٣/ ١٦٤)

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التنكيل، ترجمه ضرار بن صرد (١/ ٢٧٨ و ١/ ٢٠٨) ترجمه إسماعيل بن عرعره و (١/ ١٢٣، ١٢٤) ترجمه أحمد بن عبد الله أبو عبد الرحمن (١/ ٨٨) ترجمه إبراهيم بن شماس وغيره)

[4] خطيب (١٤/ ٥٨)

[5] الضعفاء للعقيلي مخطوطه (٣/ ٤٦٩)

میں نظر نہیں آئی۔ اسی روایت کو حافظ خطیب (۱۴/ ۲۵۸) نے بھی نقل کیا ہے، دائرۃ المعارف کے حاشیہ نگاروں اور مصححین کی اس کارستانی کو کل مصنف انوار جیسے لوگ دلیل بنا کر کہیں گے کہ تاریخ صغیر میں روایت مذکورہ الحاق ہے۔ امام ابن ابی حاتم وخطیب نے مندرجہ ذیل روایت صحیحہ بھی امام فضل بن دکین سے نقل کی ہے:

”سمعت أبا حنيفة يقول لأبي يوسف: ويحكم كم تكذبون في هذه الكتب ما لم أقل؟“ ❶

”ابو یوسف تم پر افسوس ہے کہ اتنی کثرت سے تم ان کتابوں میں میری طرف جھوٹی باتیں منسوب کر کے لکھتے ہو جو میری کہی ہوئی نہیں ہوتی ہیں۔“

اس روایت صحیحہ سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کو اپنے اوپر جھوٹ گھڑنے والے تلامذہ خصوصاً امام ابو یوسف کے اس طرز عمل پر بہت افسوس وغم بھی تھا، جب امام صاحب کی زندگی میں امام صاحب کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کر کے لکھنے کا رواج ہو گیا تھا تو امام صاحب کی وفات کے بعد کیا کچھ نہ ہوا ہو گا؟ بدعویٰ احناف امام صاحب کے علوم وفنون کی ترویج واشاعت امام ابو یوسف ہی نے کی ہے۔ امام عمار بن مالک نے کہا:

”لولا أبو يوسف ما ذكر أبوحنيفة وابن أبي ليلى، ولكنه نشر علمهما وبث قولهما.“ ❷

”امام ابو یوسف ہی نے امام ابوحنیفہ وابن ابی لیلیٰ کے علوم واقوال کی ترویج واشاعت کی ہے ورنہ ان کا کوئی ذکر ہی نہ ہوتا۔“ ❸

جس مذہب کے ناشر اپنے بانی استاد امام صاحب کی بارگاہ سے مجروح پائے ہوں اس مذہب کا خدا حافظ! مذہب حنفی کے دوسرے ناشر امام محمد شیبانی اور تیسرے حسن بن زیاد بتلائے جاتے ہیں، ان کا حال عنقریب آ رہا ہے۔ یہ معلوم ہے کہ امام بخاری صرف صدوق سے روایت کرتے ہیں، اس لیے عیسیٰ بن جنید کا صدوق ہونا واضح ہے۔

تجریح ابی یوسف میں امام صاحب سے ابن المبارک کی موافقت:

واضح رہے کہ امام ابو یوسف کو مجروح قرار دینے میں امام صاحب منفرد نہیں ہیں، مصنف انوار نے امام عبداللہ بن المبارک کو بھی مجلس تدوین کا رکن قرار دیا ہے۔ امام ابوداود نے عبدہ بن عبداللہ سے روایت کی ہے:

”قال رجل لابن المبارك: أيهما أصدق أبو يوسف أو محمد؟ قال: لا تقل: أيهما أصدق؟ قل: أيهما أكذب؟ قيل لابن المبارك: أيهما؟ قال: أبو يوسف، قال أبو داود: وسمعت المسيب بن واضح: قيل لابن المبارك: مات أبو يوسف، فقال: الشقي يعقوب.“ ❹

”ابن المبارک سے پوچھا گیا کہ امام ابو یوسف اور محمد میں سے زیادہ صدوق کون ہے؟ امام ابن المبارک نے کہا کہ یہ مت پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ دونوں میں زیادہ کذاب کون ہے؟ کہا گیا کہ اچھا یہی بتلا دیجیے کہ دونوں

❶ الجرح والتعديل (٤/ ٢٠١، قسم: ٢) وخطيب (١٤/ ٢٥٨)
❷ أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٩٢) وعام كتب مناقب أبي حنيفة.
❸ نیز ملاحظہ ہو اللمحات (٣/ ٣٤٢)　　❹ خطيب (١٤/ ٢٥٧)

میں زیادہ کذاب کون ہے؟ تو موصوف ابن المبارک نے فرمایا کہ دونوں میں زیادہ کذاب ابویوسف ہیں، اور مسیّب بن واضح نے کہا کہ ابن المبارک کو خبر دی گئی کہ ابویوسف انتقال کر گئے ہیں تو ابن المبارک نے فرمایا کہ یعقوب شقی آدمی تھے۔"[1]

اس روایت کی سند صحیح ہے کیونکہ امام ابوداود سے اس کو امام زکریا ساجی مشہور ثقہ نے نقل کیا ہے اور امام ابوداود نے اسے عبدہ بن عبداللہ سے نقل کیا اور امام ابوداود صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں۔[2]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ روایت مذکورہ میں مسیّب بن واضح کا یہ قول منقول ہے کہ امام ابویوسف کی خبر مرگ سن کر امام ابن المبارک نے فرمایا کہ ابویوسف شقی (بدبخت وبدباطن) آدمی تھے، اور بقول ہیثم بن عدی امام ابویوسف ۱۷۲ھ میں فوت ہوئے تھے۔[3] مگر اس قول کو حافظ خطیب نے غلط کہا ہے۔ شباب عصفری (خلیفہ بن خیاط، متوفی ۲۴۰ھ) سے صیمری ناقل ہیں کہ امام ابویوسف ۱۸۱ھ میں فوت ہوئے۔[4] شباب عصفری امام ابویوسف کے معاصر ہیں اور ثقہ محدث ومورخ بھی، اس لیے ان کی بات قوی ہے لیکن حافظ خطیب رحمہ اللہ شباب (خلیفہ بن خیاط) ہی سے اس بات کے بھی ناقل ہیں کہ ابویوسف کا انتقال ۱۸۲ھ میں ہوا، نیز خلیفہ کے علاوہ امام ابویوسف کے بعض دوسرے ثقہ معاصرین نے بھی یہی کہا کہ موصوف ابویوسف ۵ ربیع الاول ۱۸۲ھ کو فوت ہوئے۔[5] ۱۸۱ھ اور ۱۸۲ھ کا اختلاف کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے، البتہ امام ابن المبارک کا انتقال ۱۳ رمضان ۱۸۱ھ کو ہوا ہے، ۱۸۱ھ میں امام ابویوسف کا سالِ انتقال ماننے کی صورت میں تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے کہ امام ابویوسف کی خبرِ موت سن کر امام ابن المبارک نے مذکورہ بالا تبصرہ کیا ہوگا لیکن ۵ ربیع الاول ۱۸۲ھ میں امام ابویوسف کے انتقال ہونے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ وفات ابی یوسف سے پہلے امام ابن المبارک فوت ہو گئے تھے۔

دریں صورت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ موصوف ابن المبارک نے کس طرح وفات ابی یوسف کی خبر مرگ پر تبصرہ مذکورہ کیا ہوگا؟ ہمارے خیال سے مسیّب بن واضح کے بیان کے پیش نظر شباب عصفری کی یہ بات قابل ترجیح ہے کہ ۱۳ رمضان ۱۸۱ھ میں امام ابن المبارک کی وفات سے چھ ماہ پہلے ابویوسف ۵ ربیع الاول ۱۸۱ھ میں فوت ہوگئے تھے۔ دریں صورت ۱۸۲ھ والا قول وہم قرار پائے گا اور اس طرح کا وہم کوئی بڑی چیز نہیں ہے کہ اس کی بنیاد پر کوئی مسئلہ کھڑا کیا جائے لیکن اگر کہا جائے کہ امام ابویوسف کی وفات وفاتِ ابن المبارک کے چھ ماہ بعد ربیع الاول ۱۸۲ھ ہی میں ہوئی جیسا کہ ان کے بعض دوسرے معاصرین کا بیان ہے تو یہ کوئی بڑے اشکال کی بات نہیں ہے کیونکہ بعض لوگوں کی زندگی ہی میں مشہور ہو جاتا ہے کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ غزوۂ احد کے موقعہ پر یہ خبر مشہور ہو کر مدینہ منورہ تک پھیل گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں، نیز امام شافعی کی بابت یہ مشہور ہو گیا تھا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے، یہ خبر سن کر امام سفیان بن عیینہ نے یہ تبصرہ کیا تھا "مات أفضل زمانه" اپنے زمانے کے سب سے افضل آدمی کا انتقال ہو گیا ہے[6] حالانکہ امام شافعی وفاتِ

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٦٩) والكامل لابن عدى (٣/ ١٦٤)

[2] تهذيب التهذيب ترجمه حسين بن على بن الأسود وترجمه داود بن أميه.

[3] خطيب (١٤/ ٢٦١)

[4] أخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري (ص: ١٠٢)

[5] خطيب (١٤/ ٢٦١)

[6] حلية الأولياء (٩/ ٩٥ وسيأتي)

سفیان کے زمانہ بعد تک زندہ رہے تھے۔ اس تفصیل سے روایت مذکورہ پر کوثری کے اس اعتراض کا وزن ختم ہو جاتا ہے کہ امام ابو یوسف وفاتِ ابن المبارک کے بعد فوت ہوئے تو ابن المبارک نے ابو یوسف کی خبر موت سن کر یہ تبصرہ کیسے کیا؟ نیز تجریح ابی یوسف میں امام ابن المبارک سے متعدد معتبر روایات منقول ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا:

" ذكر العقيلي بسند صحيح عن ابن المبارك أنه وهاه." ❶

''امام عقیلی نے بسند صحیح امام ابن المبارک سے ابو یوسف کا مجروح ہونا نقل کیا ہے۔''

حتی کہ امام ابن المبارک نے کہا:

"لأن أخر من السماء إلى الأرض فتخطفني الطير أو تهوي بي الريح في مكان سحيق أحب إلي من أن أروي عن أبي يوسف." ❷

''ابو یوسف سے روایت کرنے کے بالمقابل مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ آسمان سے زمین پر گر پڑوں اور پرندے مجھے اچک لے جائیں یا آندھی مجھے کسی تباہ کن مقام پر ڈال دے۔''

امام عبدالرزاق بن عمر بن بزیع ربعی سے کئی معتبر سندوں کے ساتھ مروی ہے کہ امام ابن المبارک فرمایا کرتے تھے کہ ابو یوسف کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز صحیح نہیں ہوتی، اس لیے اسے دہرا لینا ضروری ہے۔ ❸ یہاں تک امام ابن المبارک اپنی مجلس میں امام ابو یوسف کا تذکرہ بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ ❹ امام عقیلی نے بسند صحیح نقل کیا ہے:

''مسئلہ صرف (نقد کے ساتھ نقد کی بیع) کے سلسلے میں امام ابو یوسف نے فتوی دیا کہ ایک ہزار درہم اور ایک دینار کے عوض گیارہ سو درہم کی بیع جائز ہے، ان سے کہا گیا کہ اپنے اس فتوی سے آپ کے دل میں کوئی خلش یا کسی قسم کی الجھن محسوس نہیں ہوتی؟ امام ابو یوسف نے جواب دیا کہ مجھے کوہِ تعیران جیسی خلش اس فتوی سے محسوس ہوتی ہے، ابو عبداللہ (عبدالرحمٰن بن حکم بن بشیر بن سلمان) نے کہا کہ ابو یوسف کی یہ بات امام ابن المبارک کے سامنے بیان کی گئی تو ابن المبارک نے کہا: "باطل، لو كان في قلبه شيء لما فعل" ابو یوسف باطل (جھوٹ) بات کہتے ہیں، اگر واقعی ان کے دل میں اس فتوی پر کوئی خلش ہوتی جیسا کہ وہ ظاہر کر رہے ہیں تو موصوف اس طرح کا فتوی نہیں دیتے۔'' ❺

مذکورہ بالا روایت صحیحہ سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ بقول خویش ایک چیز کو ناجائز وحرام سمجھنے کے باوجود بھی امام ابو یوسف اس کے جواز کا فتوی دیتے تھے، ان کے اس طرز عمل کو امام ابن المبارک نے فعل باطل قرار دیا اور بتلایا کہ موصوف اپنے اس طرز عمل میں کذب بیانی اور باطل پرستی سے کام لے رہے ہیں۔ الحاصل روایت مذکورہ کا مفاد بھی یہ ہے کہ امام ابن المبارک امام ابو یوسف کو اسی طرح مجروح قرار دیتے تھے جس طرح کہ موصوف کو امام ابو حنیفہ مجروح قرار دیتے تھے۔ اس تفصیل

❶ لسان الميزان (٦/ ٣٠١) نیز ملاحظہ ہو: الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٦٩، ٤٧٠ مخطوطه) وخطيب (ص: ٢٥٦، ٢٥٧)

❷ خطيب (١٤/ ٢٥٧)

❸ الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٦٩) وخطيب (١٤/ ٢٥٦، ٢٥٧)

❹ الضعفاء (٣/ ٤٦٩) وخطيب (١٤/ ٢٥٦)

❺ الضعفاء للعقيلي، مخطوطه (٣/ ٤٦٩، ٤٧٠)

سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ امام ابن المبارک کیوں امام ابو یوسف کا ذکر بھی ناپسند کرتے تھے اور ان سے روایت کرنی ناجائز سمجھتے تھے۔ نیز ان کے پیچھے نماز بھی ناجائز بتلاتے تھے۔ امام ابو یوسف سے امام ابن المبارک کی اس قدر بیزاری اور وحشت کا ایک سبب مندرجہ ذیل روایت سے ظاہر ہوتا ہے:

”قال العقيلي: حدثنا أحمد بن جميل المروزي حدثنا عبدة بن سليمان المروزي قال: ما سمعت ابن المبارك ذكر أبا يوسف قط إلا مزقه، وذكره يوما فقال: إن بعض هؤلآء هوى جارية كان وطئها أبوه، فاستشار أبا يوسف فقال: لا تصدقها فجعل يقطعه.“ [1]

”عبدہ بن سلیمان مروزی نے کہا کہ جب بھی میں نے امام ابن المبارک کو امام ابو یوسف کا ذکر کرتے سنا تو ابن المبارک امام ابو یوسف کو بری طرح مطعون و مجروح قرار دیتے تھے حتی کہ ایک دن امام ابن المبارک نے کہا کہ امراء میں سے ایک شخص کو ایک ایسی لونڈی سے عشق ہو گیا جس کے ساتھ اس کے باپ نے وطی کر رکھی تھی، اس شخص نے اس لونڈی کے بارے میں امام ابو یوسف سے مشورہ کیا کہ مجھے اس سے عشق ہے اور معاملہ یہ ہے کہ اس صورت میں میں اس سے کیسے بہرہ ور ہو سکتا ہوں؟ امام ابو یوسف نے جواب دیا کہ اس لونڈی کی یہ بات مت مت مانیے کہ وہ آپ کے باپ کی موطوءہ ہے اور آپ اسے اپنے تصرف میں لائیے، امام ابو یوسف سے امیر مذکور خوش ہو گیا اور ابن المبارک ابو یوسف کی سخت مذمت کرنے لگے۔“

روایت مذکورہ کی سند صحیح ہے، امام عقیلی نے جس احمد بن جمیل مروزی سے اسے نقل کیا ہے وہ ثقہ و معتبر ہے۔[2] اور احمد بن جمیل سے روایت مذکورہ کے ناقل امام عبدہ بن سلیمان مروزی ثقہ ہیں۔[3]

مذکورہ بالا روایت صحیحہ کے کئی متابع و شواہد بھی متعدد مروجہ کتب تاریخ میں موجود ہیں مگر بعض خاص اسباب و مصالح کے پیش نظر ہم ان روایات کی نقل اور ان پر تفصیلی بحث سے عمداً وقصداً اعراض کر رہے ہیں، حالانکہ ان روایات پر کوثری اور بعض ارکان تحریک کوثری نے جس انداز پر ردّ وقدح کر رکھی ہے اس کا تقاضا تھا کہ اصل معاملہ کی وضاحت کے لیے تفصیل سے کام لیا جاتا مگر ہم صرف اسی روایت صحیحہ کے ذکر پر اکتفا کر رہے ہیں اور معاملہ فہمی کے لیے صرف یہی ایک روایت بھی بہت کافی ہے۔

اس روایت کا مقتضی یہ ہے کہ ابن المبارک نے امام ابو یوسف پر سخت تجریح کرنے کے ساتھ تجریح کے ایک سبب کا بھی ذکر کر دیا ہے، معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف کی تجریح میں امام ابن المبارک نے امام ابو حنیفہ کی معنوی اور حقیقی موافقت کی ہے، اس سے امام ابو یوسف کی توثیق و تجریح کا معاملہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

ہارون کے لڑکے امین و مامون کی ولی عہدی کے معاملے سے امام ابو یوسف کا تعلق:

امام ابو یوسف پر ایک طرف ہارون کی بیوی کی داد و دہش اور کرم فرمائی کا یہ حال تھا، دوسری طرف خود ہارون کی نظر عنایت بھی موصوف پر بہت زیادہ تھی۔ ایک مرتبہ ہارون کے دونوں ہاتھوں میں نہایت بیش قیمت ایک ایک موتی تھے، ہارون نے

[1] الضعفاء للعقيلي، مخطوطه (٣/ ٤٧٠) [2] خطيب (٤/ ٧٦، ٧٧) ولسان الميزان (جلد: ١ ترجمة أحمد بن جميل)
[3] تهذيب التهذيب ترجمة عبده بن سليمان

ابو یوسف سے پوچھا کہ ان موتیوں سے بھی زیادہ کوئی قیمتی چیز آپ نے کبھی دیکھی ہے؟ امام ابو یوسف نے کہا کہ ہاں! جن ہاتھوں میں یہ موتی ہیں وہ ان موتیوں سے کہیں زیادہ قیمتی ہیں، ہارون نے خوش ہوکر یہ دونوں موتی ابو یوسف کو دے دیے۔ [1]

ہارون رشید کا لڑکا مامون عبداللہ ایک لونڈی مراجل یا دعسبہ کے بطن سے ۱۵ربیع الاول ۱۷۰ھ میں پیدا ہوا تھا۔ [2] ولادت مامون کے ایک ماہ بعد یا چند مہینوں بعد ۱۷۰ھ ہی میں یا ۱۷۱ھ میں اس کا بھائی امین زوجۂ ہارون زبیدہ کے بطن سے پیدا ہوا، ہارون چاہتا تھا کہ بڑے لڑکے مامون کو ولی عہد بنائے، مگر زبیدہ کا اصرار تھا کہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والے امین کو ولی عہد بنایا جائے۔ یہ دونوں شاہ زادے ابھی چند ہی سال کے تھے کہ دونوں میاں بیوی یعنی ہارون وزبیدہ کو اپنے اپنے بیٹوں کو ولی عہد بنانے کی فکر ہوئی، اتنے کم عمر بچوں کو ولی عہد بنانے کی کوئی مثال اس سے پہلے تاریخ اسلام میں قائم نہیں ہوئی تھی، اس اقدام پر ارکانِ حکومت، علماء اور رعیت کو راضی کرنے کے لیے ہارون وزبیدہ نے جملہ تدابیر کے ساتھ بہت زیادہ اموال بھی خرچ کیے، عام کتب تاریخ میں صراحت ہے کہ اس اقدام پر لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے بہت زیادہ مال ومنال خرچ کیے گئے۔ [3] ۱۷۵ھ میں جبکہ امین پانچ سال کا بھی پورا نہیں ہوا تھا زبیدہ کے اصرار پر ولی عہد بنا دیا گیا لیکن ہارون کے دل میں مامون کو ولی عہد بنانے کی جو شدید خواہش تھی اس کو اس نے اس طرح پورا کیا کہ امین کو ولی عہد بنانے کے صرف سال بھر بعد بلکہ سال پورا ہونے سے پہلے ہی اس نے مامون کو بھی ولی عہد اس طرح بنا دیا کہ یہ امین کے بعد خلیفہ ہوگا، دونوں کی ولی عہدی کے لیے لکھے گئے شاہی فرمان کو خانہ کعبہ میں بھی لٹکایا گیا اور تمام اسلامی ممالک کی مسجدوں میں منبروں پر پڑھ کر سنانے کا حکم بھی دیا گیا۔ [4] بعض روایات میں ہے کہ مامون کی ولی عہدی پر اس کے بھی زمانہ بعد بیعت لی گئی تھی مگر زیادہ صحیح یہی ہے کہ امین کی ولی عہدی کے صرف سال بھر کے اندر مامون کی ولی عہدی کا اعلان ہوا۔ (وللتفصيل موضع آخر)

ہمارے خیال سے دونوں شاہزادوں کو اتنی کم عمری میں ولی عہد بنانے کی جلدی اس لیے بھی محسوس ہوئی کہ ۱۷۵ھ/۱۷۶ھ میں شاہی خاندان کے فرد موسیٰ بن عیسی بن موسی ہاشمی عباسی کی طرف سے یہ خطرہ پیدا ہونے لگا تھا کہ وہ خود خلافت پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گا، اس زمانے میں موسیٰ مصر کا گورنر تھا، اسے ۱۷۵ھ میں ایک طرف معزول کیا گیا۔ [5] دوسری طرف سال بھر کے اندر اندر دونوں صاحب زادگان کو یکے بعد دیگرے ولی عہد بنا دیا گیا، عام لوگ خصوصاً علماء حکومت کے اس اقدام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، حافظ ذہبی نے فرمایا ہے کہ تاریخ اسلام اسلامی حکومت کو کھوکھلا کرنے والا یہ پہلا اقدام میں کیا گیا۔ [6]

گزشتہ تفصیل سے اشارہ ملتا ہے نیز آنے والی تفصیل سے واضح ہو جائے گا کہ خلفاء اور امراء کی رضا جوئی امام ابو یوسف کے پیش نظر بہت رہا کرتی تھی حتی کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ناقل ہیں:

---

[1] مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٤٥) [2] خطيب (١٠/ ١٨٣) و عام كتب تاريخ.
[3] النجوم الزاهره (١/ ٨١) وطبري (١٠/ ١٥٣) وعام كتب تاريخ.
[4] النجوم الزاهره (٢/ ٨٤) وسيأتي. [5] النجوم الزاهره (٢/ ٧٨، ٧٩) وعام كتب تاريخ.
[6] تاريخ الخلفاء للسيوطي (ص: ٢٠٠)

”إن أبا يوسف ومحمدا كانا يكبران في العيدين تكبير ابن عباس لأن هارون الرشيد كان يحب تكبير جده.“[1]

”چونکہ ہارون رشید عیدین کی نماز میں مذہب ابن عباس کے مطابق بارہ زائد تکبیروں کو پسند کرتا تھا اس لیے امام ابو یوسف ومحمد بھی ہارون کی پسند کے مطابق بارہ زائد تکبیروں کے ساتھ نماز عیدین پڑھا کرتے تھے۔“

جن کتب مناقب کی روایات کو مصنف انوار نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بناتے چلے جاتے ہیں ان میں منقول ہے:

”إن هارون الرشيد لما جعل ابنه محمد الأمين ولي عهده، و هو صبي ابن خمس سنين قال أبو يوسف الحمد لله الذي جعل ولي عهدنا من لم يسود صحيفته من الأوزار، فبلغ زبيدة كلامه فأنفذت إليه مائة ألف درهم.“[2]

”ہارون نے جب اپنے پانچ سالہ لڑکے محمد امین کو ولی عہد بنایا تو امام ابو یوسف نے کہا کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ایسے معصوم شہزادے کو ہمارا ولی عہد بنایا جس کا نامۂ اعمال گناہوں سے داغدار نہیں ہوا، امام ابو یوسف کے اس قول کی خبر امین کی ماں زبیدہ کو ہوئی تو اس نے امام ابو یوسف کی خدمت میں بطور انعام ایک لاکھ درہم بھیجے۔“

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف حکومت کو خوش رکھنے کے لیے حیرت انگیز قسم کے طریق کار اختیار کرتے تھے، موصوف کے اس طرز عمل سے موصوف کو بہت سے دنیاوی اور مالی منافع بھی حاصل ہوتے تھے، گزشتہ صفحات میں اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ نابالغ چھوٹے سے بچے کے ولی عہد بنائے جانے کی خبر جب خراسان پہنچی تو بعض روایات کے مطابق مجلس تدوین کے رکن ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی نے اس کے خلاف زوردار تقریر فرمائی۔ پوری کہانی اصل سند ومتن کے ساتھ ملاحظہ ہو:

”قال الخطيب: أخبرني محمد بن عبد الملك القرشي أنبأنا أحمد بن محمد بن الحسين الرازي قال: حدثنا علي بن أحمد الفارسي قال: سمعت محمد بن الفضيل، وهو البلخي، قال: سمعت عبد الله بن محمد العابد قال: جاء كتاب من أسفل في كل مدينة، يقرأ على المنابر، ومعه حرسيان، وفيه مكتوب: وآتيناه الحكم صبيًّا، و كان ولي عهده صبيًّا يعني الخليفة، قال: فلما جاء الكتاب إلى بلخ ليقرأ فسمع أبو مطيع، فقام فزعا، ودخل على والي بلح، فقال له: بلغ من خطر الدنيا أنا نكفر بسببها، فكرر مرارا حتى أبكى الأمير، فقال الأمير لأبي مطيع: إني معك، وإني عامل لا أجترئ بالكلام، ولكن خليت الكورة إليك، وكن مني آمنا، وقل ما شئت، قال: وكان أبو مطيع يومئذ قاضيا، قال: فذهب الناس إلى الجمعة، وقال سلم بن سالم: إني معك، وأبو معاذ معك يا أبا مطيع، قال: فجاء سلم إلى الجمعة متقلدا بالسيف، قال: فلما أذن ارتقى أبو مطيع إلى المنبر فحمد الله، وأثنى عليه، وصلى على النبيﷺ وأخذ بلحيته فبكى، وقال: يا معشر المسلمين: بلغ من خطر الدنيا أن يخبر إلى الكفر؟ من قال: وآتيناه

[1] حجة الله البالغة (۱/ ۱۵۹) [2] موفق (۲/ ۲٤۱) وكردری (۲/ ۱٤٤)

الحکم صبیًّا فهو كافر، قال: فرج أهل المسجد بالبكاء، وقام الحرسيان فهربا، أخبرني محمد بن عبد الملك أنبأنا أحمد بن محمد بن الحسين الرازي حدثنا علي بن أحمد الفارسي حدثنا محمد بن فضيل قال: سمعت حاتم السقطي قال: سمعت ابن المبارك يقول: أبو مطيع له المنة على جميع أهل الدنيا، قال محمد بن فضيل: وقال حاتم: قال مالك بن أنس لرجل: من أين أنت؟ قال: من بلخ، قال: قاضيكم أبو مطيع قام مقام الأنبياء.“ [1]

”عبداللہ بن محمد عابد نے کہا کہ ہر شہر میں منبروں پر پڑھے جانے کے لیے ایک شاہی فرمان دو سرکاری پولیس والے لے کر آئے جس میں بچے کو ولی عہد بنائے جانے کی تائید میں یہ قرآنی آیت تحریر تھی کہ ﴿وَاٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا﴾ یعنی ہم نے (مراد اللہ نے) بچے کو حکومت عطا فرمائی ہے، یہ شاہی فرمان لے کر پولیس کے آدمی جب بلخ وارد ہوئے اور ابومطیع کو اس کی خبر ہوئی تو وہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور گورنر بلخ کے پاس جا کر بولے کہ دنیا کا خطرہ اس قدر پھیل رہا ہے کہ اب اس کے سبب ہم کو کفر پر آمادہ کیا جا رہا ہے، ابومطیع نے یہ بات اتنی مرتبہ دہرائی کہ والیٔ بلخ رونے لگا اور بولا کہ میں اس معاملے میں آپ کا ہم خیال ہوں مگر میں گورنر ہوں اس شاہی فرمان شاہی کے خلاف لب کشائی نہیں کرسکتا لیکن ہاں میں آپ کو پورے بلخ میں پوری آزادی سے اظہار خیال کی اجازت دیتا ہوں جو چاہیں آپ اس سلسلے میں کہیں، اس زمانہ میں ابومطیع قاضی تھے، سلم بن سالم نے کہا کہ میں اور ابومعاذ بھی ابومطیع کے ہم خیال ہیں، جمعہ کے لیے لوگ مسجدوں میں آئے، تو سلم بن سالم تلوار کے ساتھ مسجد میں آئے ابومطیع نے منبر پر حمد وثنا اور درود وسلام کے بعد تمام مسلمانوں کے سامنے وہی بات دہرائی جو والی کے سامنے کہی تھی، اس تقریر کے وقت ابومطیع نے اپنی داڑھی پکڑ رکھی تھی اور موصوف رو بھی رہے تھے، ان کی بات سے تمام حاضرین رونے لگے، سرکاری پولیس یہ منظر دیکھ کر بھاگ کھڑی ہوئی، ابن المبارک نے ابومطیع کے اس فعل کی تحسین کی اور کہا کہ تمام دنیا والوں پر ابومطیع نے احسان کیا ہے۔ امام مالک نے کہا کہ ابومطیع کا کارنامہ بالکل انبیائے کرام کے کارنامے کی طرح ہے۔“

مذکورہ بالا کہانی دو روایتوں پر مشتمل ہے، دونوں کا دارومدار محمد بن فضیل پر ہے، مصنف انوار کے اصول سے یہ کہانی صحیح ومعتبر ہے، اس کا واضح مفاد ہے کہ ہارون نے اپنے پانچ سالہ بچے محمد امین کو ولی عہد بنا کر جب شاہی فرمان کے ذریعہ پورے عالم اسلام میں حکم دیا کہ منبروں پر ہمارے اس اقدام کا اعلان کیا جائے اور ہمارے اس اقدام کو قرآنی آیت ﴿واٰتیناه الحکم صبیا﴾ کے مطابق قرار دیا جائے، حالانکہ یہ آیت صرف حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عظمت وفضیلت کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے کسی غیر پر خصوصاً خلیفہ کے اقدام مذکور پر اسے منطبق کرنا نہایت قبیح قسم کی بیجا جسارت تھی، جس کے خلاف ابومطیع بلخی نے آواز اٹھا کر واضح طور پر اعلان کر دیا کہ خلیفہ کے اس اقدام پر آیت مذکورہ کو منطبق کرنا کفر ہے، اس شاہی فرمان کے ذریعہ ہم کو کفر کی دعوت دی جا رہی ہے۔

یہ بالکل واضح بات ہے کہ اگر مذکورہ بالا مضمون صحیح ہے اور مصنف انوار کے اصول سے یقیناً صحیح ہے تو مندرجہ بالا شاہی

---

[1] ملاحظہ ہو: خطیب (۸/ ۲۲٤) وجواهر المضية (۲/ ۲٦٦ ترجمه أبو مطيع)

فرمان بلاشک وشبہ امام ابویوسف کے قاضی القضاۃ ہونے کے زمانے میں صادر ہوا تھا اوراس سے پہلے مذکورگ روایت کے مطابق اس شاہی فرمان کو امام ابویوسف کی پوری حمایت حاصل تھی بلکہ اس شاہی فرمان کا مضمون بھی امام ابویوسف ہی کے مشورہ سے تیار کیا گیا ہوگا کیونکہ اس سے پہلے والی حکایت میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے، اور امام ابویوسف خلفاء وامراء کو اس طرح کے مشورے دینے اور حیلے بتانے کے عادی بھی تھے۔

روایت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کے اقدام مذکور کی مذمت کرنے میں عام اہل بلخ ابومطیع کے ہم نوا تھے حتی کہ امام ابن المبارک اور امام مالک نے بھی ابومطیع کے اس کارنامے کی تحسین کی تھی، اور یہ معلوم ہے کہ ابومطیع کی مذموم قرار دے ہوئی حکومت کے ذمہ دار ارکان میں امام ابویوسف بھی شامل تھے بلکہ موصوف قاضی القضاۃ تھے۔ اس روایت کا ذکر آچکا ہے کہ ابومطیع بلخی اپنے وطن بلخ سے سفر کرکے ابویوسف کے ساتھ مناظرہ کرنے آئے تھے، یہ مستبعد نہیں کہ ابومطیع حکومت کے اقدام مذکور کی حمایت کے سبب امام ابویوسف کو ملامت کرنے اور ان سے احتجاج اور مباحثہ کرنے آئے ہوں کہ حکومت کے اس اقدام کی اس انداز میں آپ کیوں حمایت کرتے ہیں نیز امام ابویوسف سے ابومطیع اس بات پر بھی احتجاج ومناظرہ کرنے آئے ہوں گے کہ موصوف ابویوسف لوگوں کو امام صاحب اور مذہب امام صاحب سے یہ کہہ کر برگشتہ کرتے پھر رہے تھے کہ امام صاحب جہمی المذہب تھے اور اسی مذہب پر امام صاحب فوت بھی ہوئے۔ (كما سيأتي)

یہ بتلایا جاچکا ہے کہ ابومطیع بذات خود جہمی المذہب تھے اور کذاب وغیر ثقہ بھی تھے، ان پر یہ بات مخفی نہیں رہی ہوگی کہ امام ابویوسف بذات خود جہمی المذہب سے اظہار وحشت ونفرت کرتے اور امام صاحب کو جہمی المذہب بتلاکر لوگوں کو ان سے متنفر کرنے کے لیے کوشاں ہیں، اس طرح کی باتوں پر تبادلۂ خیال اور بحث ونظر کے لیے ابومطیع کا ابویوسف کے پاس آنا مستبعد نہیں ہے، ابومطیع نہ صرف یہ کہ اعمال کو ایمان سے خارج ہونے کا عقیدہ رکھتے اور ایمان میں کمی بیشی ہونے کے منکر تھے بلکہ انھوں نے اس مضمون کی احادیث گھڑ کر لوگوں میں رائج کرنے کی مہم چلا رکھی تھی کہ اعمال کے جزو ایمان ہونے اوراس میں کمی بیشی کا عقیدہ رکھنا شرک وکفر اور جرم عظیم ہے (كما سيأتي) اس کے بالکل خلاف ابویوسف یہ اعلان کرتے پھرتے تھے کہ اعمال جزو ایمان ہیں اور ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ (كما سيأتي)

امام ابویوسف کا یہ اعلان مذہبِ ابی حنیفہ سے انحراف واعراض تھا اور یہ عقیدہ جہمی مذہب کے بھی بالکل خلاف ہے، ابومطیع نے بالضرور اس موضوع پر بھی ابویوسف کے خلاف احتجاج ومناظرہ کیا ہوگا۔ عام طور سے لوگوں میں یہ مشہور کیا جاتا تھا کہ اموی اور عباسی حکومت کی طرف سے امام صاحب کو عہدۂ قضا پیش کیا گیا تھا جسے امام صاحب نے رد کردیا حتی کہ اسی وجہ سے عباسی حکومت نے امام صاحب کو ہلاک تک کر ڈالا مگر امام ابویوسف بطور تعریض کہا کرتے تھے کہ جو شخص فقیہ اہل الرائے ہونے کے باوجود قاضی نہ بنے وہ دنیا وآخرت میں خائب وخاسر رہے گا، اموی وعباسی حکومت سے سیاسی اختلاف رکھنے والے بلکہ اس کے خلاف خروج وبغاوت کی ہمت افزائی کرنے والوں کے لیے امام صاحب پر امام ابویوسف کی یہ تعریض ناقابل برداشت تھی، امام ابویوسف کے اس طریق کار کے خلاف بھی ابومطیع احتجاج کرنے آئے ہوں گے۔ امام صاحب جس عباسی حکومت کے خلاف ہمیشہ خروج وبغاوت کی ہمت افزائی کرتے تھے امام ابویوسف اسی حکومت کی بہر قیمت حمایت وتائید کرنے لگے حتی کہ ارکان

حکومت کی رضا جوئی کے لیے موصوف نے نہایت حیرت انگیز اقدامات کیے، ظاہر ہے کہ ابومطیع کے لیے امام ابو یوسف کا یہ طرز عمل نا قابل برداشت تھا جس کے خلاف احتجاج کے لیے انھیں ابو یوسف کے پاس آنا پڑا ہوگا۔ ابومطیع جہمی المذہب تھے، ان کے مذہب کا بانی جہم بن صفوان کتاب وسنت کی دعوت کے نام پر عقائد باطلہ کی ترویج واشاعت اور حکومت وقت کے خلاف خروج وبغاوت میں سرگرم حصہ لینے کے سبب قتل کیا گیا تھا۔ امام صاحب بھی عباسی حکومت کے خلاف بغاوت کی ہمت افزائی کے سبب بذریعہ زہر ہلاک کیے گئے تھے، مزید برآں خلیفہ ہارون اوراس سے پہلے کے عباسی خلفاء اعمال کو جزوایمان مانتے اوراس میں کمی وبیشی کے قائل تھے، امام ابو یوسف بھی بعد میں اپنے آ؛ کو اسی عقیدہ کا معتقد ظاہر کرنے لگے جبکہ ابومطیع اوران کے ہم نوا لوگوں نے اپنی اختراع کردہ احادیث کے ذریعہ خلفاء اورامراء کو اس بات کی ترغیب دی تھی کہ اس طرح کا عقیدہ رکھنے والوں کو قتل کردو، بھلا ابومطیع اوران جیسے لوگ اس طرح کی حکومت کے خلاف ملے ہوئے موقع کو کیونکر نظر انداز کرسکتے تھے جب کہ وہ کوشاں تھے کہ ایسی حکومت قائم ہو جو اعمال کو جزو ایمان ہونے اورایمان میں کمی بیشی رکھنے کے عقیدہ کو قابل مواخذہ جرم قرار دے، اس لیے پانچ سالہ بچے کے ولی عہد بنائے جانے کے خلاف ابومطیع اور ان کے ہم نواؤں کی تحریک کا محرک دینی غیرت وحمیت سے زیادہ سیاسی تھا کیونکہ یہ لوگ اپنے عقیدہ ومزاج سے موافقت نہ رکھنے والی حکومت کے خلاف ملے ہوئے کسی موقع کو ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتے تھے، آخر اسی طرح کے لوگوں کی کوشش سے ہارون کی وفات کے تھوڑے دنوں بعد جہمی المذہب خلیفہ مامون برسر اقتدار آ گیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پانچ سالہ امین کو ولی عہد بنائے جانے کے خلاف ابومطیع نے جب تحریک چلانے کا ارادہ کیا تو سلم بن سالم اورابومعاذ نے ابومطیع کی حمایت کرنے کی یقین دہانی کرائی تھی، اور یہ معلوم ہے کہ سلم بن سالم بلخی بہت غالی وداعی قسم کے مرجی تھے اور بقول ابن المبارک کذاب تھے، موصوف کے غلو کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے کہ مجھے اگر پوری دنیا کے لوگوں کے نیک اعمال اس عقیدہ کے عوض دیے جائیں کہ ایمان قول وعمل سے مرکب ہے تو بھی مجھے یہ عقیدہ رکھنا گوارا نہیں۔[1] موصوف ہارون کے پاس اُس کے خلاف کوئی احتجاج کرنے گئے تھے کہ اس نے موصوف کو جیل خانہ میں بند کردیا جہاں انھیں انواع واقسام کی اذیت دی جاتی تھی۔[2] غالباً موصوف سلم امین کی ولی عہدی کے خلاف ہارون کو ملامت کرنے پہنچ گئے۔ جہمی ومرجی لوگوں نے سلم کی بڑی فضیلت وعظمت بیان کی ہے جس کی تفصیل خطیب وغیرہ میں موجود ہے مگر مجلس تدوین کے رکن امام ابن المبارک نے موصوف کو کذاب کہا ہے اور دوسرے اہل علم نے بھی امام ابن المبارک کی موافقت کی ہے۔ روایت مذکورہ کے مطابق اس کذاب کے بقول ابومعاذ بھی ابومطیع کے ہم نوا تھے مگر معلوم نہیں کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے کیونکہ کذاب کی بات کا ٹھکانہ نہیں رہتا۔

ابومعاذ کنیت کے دو مشہور حنفی اماموں کا پتہ لگتا ہے، ایک خالد بن صبیح خراسانی مروزی جن کو امام ابوحاتم رازی نے صدوق کہا ہے اورامام ابوحاتم بُستی المعروف بابن حبان نے ضعیف کہا ہے۔[3]

ہم عرض کرچکے ہیں کہ صدوق ہونا ضعیف ہونے کے منافی نہیں، حاشیۂ اکمال لابن ماکولا میں ہے کہ حافظ مستغفری

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ خطیب (۹/ ۱۴۰ تا ۱۴۵) ولسان المیزان والمجروحین لابن حبان وغیرهم.

[2] خطیب (۹/ ۱۴۱)

[3] لسان المیزان (۲/ ۳۷۸) ومیزان الاعتدال.

(ابوالعباس جعفر بن محمد بن معتز نسفی مولود ۳۵۰ھ ومتوفی ۴۳۲ھ) نے خالد بن صبیح مروزی خراسانی کو مستقیم الحدیث کہا۔[1] مستغفری متاخر آدمی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے البتہ موصوف خالد بن صبیح کا صدوق ہونا مسلم ہے۔

ابومعاذ کنیت کے دوسرے مشہور حنفی امام خالد بن سلیمان بلخی (مولود ۱۱۵ھ ومتوفی ۱۹۹ھ) امام صاحب کے تلامذہ میں سے تھے۔[2] موصوف کو ابن معین نے مجروح قرار دیا ہے، بعض نے توثیق بھی کی ہے مگر معمولی درجہ کی۔[3] مصنف انوار نے خالد بن سلیمان ابومعاذ کا رکن مجلس تدوین کا رکن قرار دیا ہے ہمارے لیے اس کی تعیین مشکل ہے کہ اس جگہ ابومعاذ سے کون سے خالد مراد ہیں؟ ابن صبیح یا ابن سلیمان مگر ظن غالب ہے کہ یہ ابن صبیح ہیں۔

امام ابن المبارک و مالک کی زبانی ابومطیع کے موقف کی جو تحسین روایت مذکورہ میں منقول ہے، اس کے ناقل حاتم بن میمون سقطی غیر معتبر ہیں اور سقطی سے روایت مذکورہ کے ناقل محمد بن فضیل مجروح ہیں (کمامر) اور یہ مستبعد ہے کہ امام مالک وابن المبارک مذکورہ بالا الفاظ میں ابومطیع جیسے کذاب جہمی کی تحسین کریں، واقعہ مذکورہ پیش آنے کے زمانے یعنی ۱۷۵ھ، ۱۷۶ھ میں ابومطیع قاضی نہیں بنے تھے بلکہ اس کے زمانہ بعد موصوف ۱۸۳ھ میں یعنی وفات ابی یوسف و مالک کے بعد قاضی ہوئے تھے مگر روایت مذکورہ میں امام مالک کی زبانی ابومطیع کو قاضی کہا گیا ہے یہ بات بھی روایت مذکورہ کے مکذوب ہونے کی دلیل ہے۔

عبداللہ بن محمد والی روایت میں کہا گیا ہے کہ امین کی ولی عہدی کے اقدام پر قرآنی آیت سے استدلال کفر ہے، حالانکہ جہمی مذہب میں ایک بار اقرار ایمان کے بعد کوئی بھی عمل حتی کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا بھی موجب کفر نہیں۔ (كما سيأتي) اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابومطیع نے امین کی ولی عہدی کے معاملۂ مذکورہ میں جو موقف اختیار کر رکھا تھا وہ خالص سیاست دانوں کے طور وطریق کے مطابق تھا کہ وہ حسب مواقع مذہب کو بدل لیا کرتے ہیں۔

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ باعتبار سند روایت مذکورہ کلام سے خالی نہیں لیکن مختلف قرائن اس کے مؤید ہیں، اس جگہ روایت مذکورہ کے تذکرہ کا مقصود یہ دکھلانا ہے کہ مجلس تدوین کے دو اہم ارکان سے معاملۂ مذکورہ میں متضاد پالیسی اختیار کرنا منقول ہے۔

روایت مذکورہ میں یہ بھی صراحت ہے کہ حکومت کے خلاف ابومطیع کا خطبہ سن کر سرکاری پولیس کے آدمی بھاگ کھڑے ہوئے، اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو بھاگ جانے والے سپاہیوں نے یقیناً ہارون تک اس واقعہ کی خبر پہنچائی ہوگی، ہم کو معلوم نہیں ہو سکا کہ ابومطیع کے خلاف کوئی سرکاری کارروائی ہوئی مگر ابومطیع کی سرگرم حمایت کرنے والے سلم بن سالم بری طرح عتابِ شاہی کے شکار بنے۔ امین کی ولی عہدی کی سرگرم حمایت سے متعلق کوئی روایت اگر امام ابویوسف کی بابت ثابت نہ بھی ہو تو حکومت کے اس بھاری اقدام پر ابویوسف کا خاموش رہ کر قاضی القضاۃ کے عہدہ پر برقرار رہنا اور حکومت کے اقدامات میں معاون بننا بہرحال ایک ایسا موقف تھا جو امام ابن المبارک اور ان جیسے اہل علم کی نظر میں بے حد معیوب تھا۔

اوپر اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ حکومت کے خلاف سرگرمی کے سبب ہارون نے سلم بن سالم کو مقید کر دیا تھا مگر قاضی القضاۃ امام ابویوسف کو موصوف کی رہائی کے لیے کوئی فکر دامن گیر نہیں ہوئی، البتہ ابومعاویہ محمد بن حازم ضریر نے موصوف کی رہائی کے

[1] حاشیه اکمال لابن ماکولا (٥/ ١٦٦)　[2] الفوائد البهية (ص: ٢٣٦) وجواهر المضية (١/ ٢٢٩)
[3] لسان الميزان (٢/ ٣٧٧)

لیے ہارون سے سفارش کی تو ہارون نے غضب ناک ہوکر کہا:

”ان سلما ليس على رأيك، ولا رأي أصحابك على الإرجاء، وقد جلس في المسجد الحرام يقول: لو شئت أن أضرب أمير المؤمنين بمائة ألف سيوف لفعلت، وليس هذا رأيك ولا رأي أصحابك.“ [1]

”سلم مرجی المذہب ہیں، وہ آپ اور آپ کے ہم مذہب اصحاب کے مسلک پر نہیں ہیں، موصوف مسجد حرام (خانہ کعبہ) میں بیٹھ کر فرمایا کرتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو حکومت کے خلاف ایک لاکھ تلواریں نکل آئیں، سلم کے اس سیاسی موقف سے بھی آپ اور آپ کے اصحاب متفق نہیں ہیں۔“

یہ عجیب بات ہے کہ مذہب ابی حنیفہ کے اتنے سرگرم حامی اور احناف میں نہایت مقبول وممدوح سلم بن سالم عتابِ ہارون کے شکار ہوکر دردناک تکالیف جیل خانہ میں جھیلتے رہے، انھیں رہا کرانے کے لیے ابومعاویہ نے کوشش بھی کی مگر قاضی القضاۃ ابو یوسف کے کان پر جوں تک نہ رینگی، اس کا سبب اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا تھا کہ خلفاء وامراء کی رضا کو ہر چیز پر مقدم رکھنے کے عادی امام ابو یوسف عتابِ شاہی کے شکار سلم کے لیے کسی قسم کی سفارش اور ان کی رہائی کے لیے کسی قسم کی جدوجہد کر کے حکومت کی ادنی ترین رنجش مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ واضح رہے کہ ابومعاویہ ضریر اپنی آخری زندگی میں خود مرجی بن گئے تھے، البتہ سفارش مذکور کے وقت روایت مذکورہ کے مطابق مرجی نہیں تھے۔

مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب کی بیان کردہ علمی وفقہی باتوں کے لکھنے کی خدمت امام ابو یوسف انجام دیا کرتے تھے۔ امام صاحب سے باسناد صحیح منقول اس فرمان: ”يا يعقوب لا ترو عني شيئا “ اور ”لا تكتب كل ما تسمعه مني“ (یعنی ابو یوسف تم میری کسی بات کی زبانی نقل کرو نہ مجھ سے سنی ہوئی ساری باتیں لکھو) سے بھی یہ مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب کے علوم کے اصل راوی وکاتب امام ابو یوسف ہی تھے، اسی لیے امام صاحب کو جب اپنے علوم کے لکھنے اور نقل کرنے سے ممانعت کرنی ہوئی تو آپ نے خصوصی طور پر امام ابو یوسف کا نام لے کر یہ فرمان صادر کیا، اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب کی طرف منسوب کتابیں دراصل امام ابو یوسف کی تحریر کردہ ہیں۔ متعدد اسانید سے یہ ثابت ہے کہ امام ابن المبارک نے فرمایا:

”من نظر في كتاب الحيل لأبي حنيفة أحل ما حرم الله وحرم ما أحل الله، وفي رواية: من كان عنده كتاب حيل أبي حنيفة يستعمله أو يفتي به فقد بطل حجه، وبانت منه امرأته، الذي وضع كتاب الحيل أشر من الشيطان، وفي رواية: الذي وضعه عندي أبلس من إبليس.“ [2]

”امام صاحب کی طرف منسوب کتاب الحیل کا مصنف شیطان ابلیس سے بھی بڑھا ہوا شیطان ابلس ہے، جو شخص اس کتاب کو اپنے پاس رکھے گا اور اس کا مطالعہ بنظر قبول کر کے اس میں تحریر شدہ حیلہ سازیوں پر عمل کرے گا وہ کفر کا مرتکب ہو جائے گا، اس کا حج باطل ہو جائے گا اور اس کی بیوی کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔“

---

[1] خطیب (٩/ ١٤٢)
[2] خطیب (١٣/ ٤٠٣، ٤٠٤)

امام ابن المبارک کی مذکورہ بالا بات دراصل بطور تعریض صراحت کیے بغیر امام ابو یوسف کی بابت کہی گئی ہے، بعض مرتبہ ابن المبارک نے صراحت بھی کردی ہے کہ موصوف ابو یوسف کے پیچھے نماز بھی پڑھنی جائز نہیں، اگر بھول کر پڑھ لی گئی ہو تو دہرا لی جائے۔ اس بات کا ذکر اجمالی طور پر آچکا ہے اور تفصیلی بیان جلد ہی آنے والا ہے کہ مشہور ومعروف حنفی امام سلم بلخی خراسانی نے کتب ابی یوسف کو پڑھنا اور دیکھنا ممنوع وناجائز بتلایا ہے اور فرمایا ہے کہ کتب ابی یوسف کو پڑھنے سے بہتر ہے کہ گانے گائے جائیں۔ اسی طرح حافظ ابوعلی حسین بن علی بن یزید نیساپوری (مولود ۲۷۷ھ ومتوفی ۳۴۹ھ) نے بھی بطور نکیر کہا کہ امام ابویعلی احمد بن علی بن مثنی (مولود ۲۱۰ھ ومتوفی ۳۰۷ھ) اگر بشر بن ولید کے یہاں بغداد میں کتب ابی یوسف کو لکھنے میں مشغول نہ ہو گئے ہوتے تو وہ بصرہ کے محدث سلیمان بن حرب (متوفی ۲۲۳/۲۲۴ھ اور ابو الولید ہشام بن عبدالملک طیالسی (متوفی ۲۲۷ھ) کے تلمذ وسماع سے فیض یاب ہوجاتے مگر موصوف کے اس اشتغال نے موصوف کو اتنے بڑے شرف سے محروم کر دیا۔[1] اس کا ذکر مصنف انوار نے بھی کیا ہے۔[2] جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ حافظ ابوعلی بھی کتب ابی یوسف کے ساتھ اشتغال اسی طرح ناپسند کرتے تھے جس طرح سلم پسند نہیں کرتے تھے۔

حافظ خطیب ناقل ہیں:

"أخبرنا البرقاني أخبرنا أبوبكر الحبابي الخوارزمي قال: سمعت أبا محمد عبدالله بن أبي القاضي يقول سمعت محمد بن حماد يقول: رأيت رسول الله ﷺ في المنام، فقلت: يا رسول الله ما تقول في النظر في كلام أبي حنيفة وأصحابه أنظر فيها وأعمل عليها؟ قال: لا، لا، لا، ثلاث مرات، قلت: فما تقول في النظر في حديثك وحديث أصحابك أنظر فيها وأعمل عليها؟ قال: نعم ، نعم، نعم، ثلاث مرات، ثم قلت: يارسول الله علمني دعاء، أدعو به فعلمني دعاء، وقال لي ثلاث مرات، فلما استيقظت نسيته."[3]

''محمد بن حماد نے کہا کہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو میں نے آپ سے پوچھا کہ کیا امام صاحب اوران کے اصحاب کے کلام (کتابوں) کو دیکھوں اوران پر عمل کروں؟ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ تاکید کے ساتھ اس سے منع کیا، پھر میں نے حدیث نبوی کو دیکھنے اور اس پر عمل کے متعلق پوچھا تو آپ نے تین مرتبہ تاکید کے ساتھ حدیث نبوی کو پڑھنے اوراس پر عمل کا حکم دیا، پھر میں نے درخواست کی یا رسول اللہ! مجھے کوئی دعا سکھا دیجیے تاکہ اسے پڑھا کروں، آپ نے تین مرتبہ دہرا دہرا کر ایک دعا مجھے سکھا دی مگر بیدار ہونے پر میں یہ دعا بھول گیا۔''

خواب مذکور کو دیکھنے والے امام محمد بن حماد ابیوردی زاہد (متوفی ۲۴۸/ ۲۴۹ھ) بذات خود ثقہ ہیں۔[4] اور ابیوردی سے روایت مذکورہ کے ناقل امام ابومحمد عبداللہ بن ابی القاضی (مولود لگ بھگ ۲۰۵/ ۲۰۶ھ ومتوفی ۲۹۲/۲۹۳ھ) ثقہ ہیں۔[5] اور ابومحمد

[1] تذكرة الحفاظ (٢/ ٧٠٨)　[2] مقدمه انوار (١/ ١٨٢)
[3] خطيب (١٣/ ٤٠٣)　[4] تهذيب التهذيب وتقريب التهذيب.　[5] التنكيل (ص: ٢٨٣، ٢٨٤)

سے روایت مذکورہ کے ناقل ابوبکر حبابی خوارزمی احمد بن ابراہیم بن حباب امام برقانی احمد بن محمد کے استاذ ہیں۔

روایت مذکورہ کا مفاد بہت واضح ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ علومِ امام صاحب پر مشتمل امام ابو یوسف کی تصنیف کردہ کتابوں کو پڑھنا مناسب نہیں ہے۔ روایت مذکورہ سے مندرجہ بالا روایات کی تائید ہوتی ہے اور مندرجہ ذیل روایت سے بھی یہی بات مستفاد ہوتی ہے۔

امام ابو یوسف پر امام محمد بن حسن شیبانی کی تجریح:

عنقریب اس بات کی تفصیل آرہی ہے کہ مصنف انوار کی حجت بنائی ہوئی شرح سیر کبیر للسرخسی کی عبارت سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ امام محمد نے امام ابوحنیفہ وابن المبارک کی طرح امام ابو یوسف کو کذاب قرار دیا حتی کہ امام ابو یوسف سے امام محمد کو اتنی بیزاری ہوئی کہ موصوف امام ابو یوسف کی نماز جنازہ میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ انھیں امام محمد کا فرمان ہے:

”لا ينظر في كلامنا من ينظر الله تعالى.“[1]

”جسے رضائے الٰہی مطلوب ہوگی وہ ہمارے کلام مراد ہمارے کلام پر مشتمل کتابوں کو دیکھنے اور پڑھنے کا روادار نہیں ہوگا۔“

ناظرین کرام امام محمد کے مذکورہ بالا قول کو ملاحظہ فرمائیں، امام صاحب کے جو اقوال و مسائل اپنی کتابوں میں امام محمد نے نقل کر رکھے ہیں ان کا بیشتر حصہ امام ابو یوسف کے واسطہ سے ماخوذ و منقول ہے۔

امام عمار بن محمد ثوری کا امام ابو یوسف سے ترکِ تعلق:

امام عمار بن محمد ثوری امام سفیان ثوری کے بھانجے ہیں، امام صاحب اور امام صاحب کے ہم مذہب اصحاب خصوصًا امام ابو یوسف پر امام سفیان ثوری نے سخت تجریح کی ہے، امام سفیان ثوری کے بھانجے امام عمار بن محمد (متوفی ۱۸۱ھ) سے ایک روایت مصنف انوار کے ممدوح حارثی نے اس طرح نقل کی ہے:

”أخبرنا عمرو بن عاصم سمعت علي بن خشرم قال: حضرت أبا يوسف، وسئل عن رجل قال: إن فعلت كذا وكذا فما لي في المساكين صدقة، قال أبو يوسف: يخرج ماله إلى من يثق به، ثم يفعل ذلك الشيء الذي حلف عليه، ثم يرد عليه ماله، فقال له أبو اليقظان عمار: أو هكذا قال رسول الله ﷺ يا أبا يوسف؟ قال رسول الله ﷺ: لعنت اليهود حرمت عليهم الشحوم فباعوها وأكلو أثمانها، فقال أبو يوسف: يا لكع وأين هذا من ذلك؟ إن اليهود أرادوا أن يحتالوا لما حرم الله عليهم حتى يحلوا لأنفسهم، وهذا ماله هو حلال، يريد أن يحتال حتى لا يحرم عليه، قال: فغضب أبو اليقظان، وتحول إلى محمد بن الحسن.“[2]

”عمرو بن عاصم نے کہا کہ میں نے علی بن خشرم کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں ابو یوسف کے پاس موجود تھا کہ ان سے ایک ایسے آدمی کی بابت حیلہ دریافت کیا گیا جس نے یہ قسم کھا رکھی ہو کہ اگر میں فلاں فلاں کام کروں تو میرا

---

[1] لسان الميزان (٥/ ١٢٢ بحواله الضعفاء للعقيلي) [2] موفق (٢/ ٢٢١) وكردرى.

سارا مال مسکینوں پر صدقہ ہے، امام ابو یوسف نے یہ حیلہ بتلایا کہ اپنا مال کسی معتبر شخص کو دے کر وہ کام کر ڈالے جس کے بارے میں قسم مذکور کھائی تھی، پھر اپنا مال واپس لے لے، امام ابو یوسف کے اس فتوی کو سن کر عمار بن محمد ابوالیقظان ثوری نے کہا اے ابو یوسف! رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی حیلہ سازی کرنے والوں پر لعنت بھیجتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہود پر لعنت ہو کہ ان پر چربی حرام کر دی گئی تھی مگر انھوں نے یہ حیلہ کیا کہ چربی تو نہیں کھائی مگر اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی، ابو یوسف نے کہا ارے یہود حرام کو حلال کرنے کا حیلہ کرتے تھے اور میرا بتلایا ہوا حیلہ اپنے حلال مال کو حرام ہونے سے بچانے کے لیے ہے، اس پر امام عمار ابوالیقظان امام ابو یوسف سے خفا ہو گئے اور انھیں متروک قرار دے کر محمد بن حسن کی طرف منتقل ہو گئے۔''

روایت مذکورہ مصنف انوار کے اصول سے صحیح ہے، اس کے ناقل حارثی کی مصنف انوار نے مدح وتوثیق کی ہے، اور جن عمرو بن عاصم سے حارثی نے یہ روایت نقل کی ہے وہ بھی ثقہ وصدوق ہیں۔[1] اور عمرو بن عاصم نے یہ روایت علی بن خشرم سے نقل کی جو ثقہ ہیں۔[2] اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف کے اندر حرام کو حلال بنانے کے لیے حیلہ سازی کرنے کی عادت تھی، ان کے اس رویہ کو دیکھ کر انھیں امام عمار بن محمد ثوری نے متروک قرار دے دیا۔ اس طرح کی بہت ساری روایات امام ابو یوسف کی بابت منقول ہیں مگر ہم سب کو نقل کر کے بات طویل نہیں کرنی چاہیے۔

امام ابو یوسف پر سلم کی تجریح اور تنقید:

امام ابن حبان نے کہا:

"قال يحيٰى بن سهيل: حدثنا حمدويه قال: كنت عند خالد بن صبيح، وهو يقرأ علينا كتب أبي يوسف، فجاء سلم بن أبي سلمة فقال: لأن تمطوا الغناء خير من هذا."[3]

''امام حمدویہ نے کہا کہ ہم لوگ خالد بن صبیح کے پاس تھے اور خالد امام ابو یوسف کی کتابیں پڑھ کر ہم کو سنا رہے تھے کہ اتنے میں سلم بن ابی سلمہ آ گئے، سلم بن ابی سلمہ نے کہا کہ ابو یوسف کی کتابوں کو پڑھنے اور سننے سے بہتر یہ ہے کہ گانے اور گیت گایا کرو۔''

روایت مذکورہ میں منقول واقعہ کے چشم دید راوی امام حمدویہ محمد بن ابان بن وزیر بن ابراہیم ابوبکر بلخی (متوفی ۲۴۴/ ۲۴۵ھ) بلند پایہ ثقہ محدث ہیں، موصوف دس سال سے زیادہ امام وکیع کے مستملی (املا کرانے والے) رہے۔[4] موصوف حمدویہ بہت ساری کتابوں کے مصنف بھی تھے۔[5] ظن غالب ہے کہ ان کی نقل کردہ روایت مذکورہ ان کی کسی کتاب سے ماخوذ ہے جس کو امام ابن حبان نے بواسطہ یحییٰ بن سہل نقل کیا ہے جو ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہیں۔

---

[1] تهذيب التهذيب. [2] تقريب التهذيب.

[3] رواه ابن حبان في زيادات الضعفاء، لسان الميزان (٢/ ٣٧٨) بحواله كتاب الحافل لأبي العباس أحمد بن محمد بن مفرج الأموي البناتي المتوفى (٦٣٧هـ)

[4] خطيب (٢/ ٧٨ تا ٨١) وتهذيب التهذيب (٩/ ٣، ٤) وتذكرة الحفاظ (٢/ ٤٩٨، ٤٩٩) وعام كتب رجال.

[5] معجم المصنفين وعام كتب رجال.

حاصل یہ کہ روایت مذکورہ باعتبار سند صحیح ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف کی تصنیف کردہ کتابیں سلم کی نگاہ میں اتنی خراب تھیں کہ ان کے پڑھنے پڑھانے سے بہتر تھا کہ گیت گائے جائیں، مطلب یہ کہ موصوف کتبِ ابی یوسف کو پڑھنے کے روادار نہ تھے، جس وقت سلم نے بھری مجلس میں کتب ابی یوسف کی بابت مذکورہ بالا بات کہہ کر کتب ابی یوسف سے اشتغال رکھنے کو ممنوع اور ناجائز بتلایا تھا اس وقت ابو یوسف کی کتابیں پڑھ کر اپنے تلامذہ کو سنانے والے خالد بن صبیح اور ان کے حاضرین مجلس نے سلم کی بات کی تردید کی نہ کوئی جواب دیا اور تردید وجواب کی گنجائش بھی نہیں تھی کیونکہ امام صاحب کا ارشاد ہے کہ ابو یوسف مکذوبہ باتیں اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ کتب ابی یوسف نگاہِ امام صاحب میں مجموعۂ اکاذیب ہیں، اسی وجہ سے خالد اور اصحابِ خالد سلم کی مذکورہ بالا بات پر خاموش رہے کیونکہ انھیں سلم کی اس بات کو رد کرنے کی گنجائش نہیں مل سکتی تھی، بنابریں خاموش رہے، اور یہ ذکر ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کی مستدل روایت میں یہ صراحت موجود ہے کہ نابالغ بچے کو ولی عہد بنانے کے خلاف احتجاج کرنے والے علمائے بلخ میں خالد بن صبیح وسلم بھی تھے، ولی عہد بنائے جانے کا یہ واقعہ ۱۷۵ھ میں پیش آیا تھا اور کتب مناقب کے مطابق امام ابو یوسف نے خلیفہ کے اس اقدام کی تائید میں قرآنی آیت کو بطور دلیل پیش کیا تھا اور امام ابو یوسف کی اس تائید کے ساتھ ولی عہدی کے اس اعلان کے لیے جاری شدہ شاہی فرمان تمام مساجد میں پڑھنے کے واسطے بھیجا گیا تھا۔

ظاہر ہے کہ علمائے بلخ پر امام ابو یوسف کی یہ کارستانی مخفی نہیں تھی، اس لیے حکومت کے اس اقدام پر برہمی کے ساتھ امام ابو یوسف پر بھی ان کی خفگی لازمی تھی، ان پر برہم ہونے والوں میں خالد کا نام بالصراحت مذکور ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کے ساتھ امام ابو یوسف کی معاونت والی عادت کے سبب خالد بن صبیح اور دوسرے علمائے خراسان امام ابو یوسف سے بددل ومتنفر ہو گئے تھے، امام ابو یوسف سے خالد بن صبیح جیسے حنفی المسلک علماء کے بددل ومتنفر ہونے کا ایک بھاری سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ موصوف ابو یوسف امام صاحب اور مذہبِ امام صاحب سے اپنی وحشت ونفرت کا اظہار کرنے لگے اور مذہب اہل الرای کے بجائے خود کو مذہبِ اہل حدیث سے منسلک بتلانے لگے تھے حتی کہ وہ فرمانے لگے تھے کہ جو شخص اپنے اور حضرت جبرئیل کے ایمان کو برابر بتلائے وہ بدعتی ہے، حالانکہ خالد بن صبیح اور ان جیسے علماء اپنے اور جبرئیل کے ایمان کو برابر قرار دینا اپنا دین وایمان بنائے ہوئے تھے۔

خالد بن صبیح نے بھری مجلس میں یہ اعلان کیا تھا کہ فرمانِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں جن اصحاب الرای کو اعدائے سنن کہا گیا ہے وہ اصحاب الرای ہم ہی حنفی لوگ ہیں۔[1] جن خالد بن صبیح کا یہ حال تھا انھیں جب یہ اطلاع ملی ہو گی کہ امام ابو یوسف امام صاحب اور ان کے مذہب سے اظہار بیزاری کرنے لگے ہیں تو فطری طور پر انھیں امام ابو یوسف سے وحشت ہوئی ہو گی، ابو مطیع بلخی تو امام ابو یوسف سے مناظرہ کرنے کے لیے اپنے وطن خراسان سے بغداد چلے آئے۔ (کما مر) پھر سلم وغیرہ کو کیوں نہ ابو یوسف سے نفرت پیدا ہو گئی ہو گی جبکہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ سلم بن سالم بلخی نہایت غالی قسم کے مرجی تھے، اسی لیے سلم نے خالد کو کتب ابی یوسف پڑھتے دیکھ کر مذکورہ بالا بات کہی تھی، امام ابو یوسف پر خفگی خالد کو بھی ہو گی مگر وہ اس کے باوجود بھی امام ابو یوسف کی ان کتابوں کے پڑھنے پڑھانے میں حرج نہ سمجھتے ہوں گے جن کو امام ابو یوسف امام صاحب اور مذہبِ امام صاحب سے اظہار وحشت سے پہلے لکھ چکے تھے، یا اس وقت تک خالد بن صبیح کو امام ابو یوسف کے بدلے ہوئے موقف وطریق کی

---

[1] لسان المیزان (۲/ ۳۷۸)

اطلاع نہیں ہوسکی جبکہ سلم کو اطلاع تھی، سلم اور دوسروں کے بتلانے پر خالد کو بھی امام ابو یوسف کی تبدیلیٔ حالات کا پتہ لگا اورانھوں نے سلم کے حکم سے یا صورت حال پر مطلع ہوجانے کی وجہ سے کتب امام ابو یوسف کے ساتھ اشتغال ختم کر دیا کیونکہ ابو یوسف حنفی نہیں رہ گئے تھے۔ہم نے دوسری جگہ اس مفہوم کی ایک روایت کا ذکر کیا ہے کہ خالد نے امام ابو یوسف کو سرکاری حکام کا ایجنٹ بننے سے روکا تھا مگر امام ابو یوسف حکومت کے قاضی ہی نہیں بلکہ قاضی القضاۃ بن گئے اورانھوں نے اس مذہب ابی حنیفہ کو بھی خیر باد کہہ دیا جس کو خالد بن صبیح اپنا دین بنائے ہوئے تھے۔

واضح رہے کہ مذہب رائے وقیاس کے غالی معتقد وپیرو ہونے کے باوجود بھی خالد بن صبیح بقول امام ابو حاتم رازی صدوق تھے، موصوف خالد بن صبیح عکرمہ اور اسماعیل بن رافع کے شاگرد تھے، لسان المیز ان میں خالد بن صبیح خراسانی (نمبر: ۱۵۶۵) اورخالد بن صبیح الفقیہ (نمبر:۱۵۶۶) کے نام سے بظاہر دوالگ الگ حضرات کا تعارف کرایا گیا ہے مگر یہ دونوں ایک ہی ہیں۔[1]

موصوف خالد بن صبیح کو امام ابوحاتم نے صدوق کہا ہے اورامام ابن حبان نے ذیل الضعفاء میں ان کا ذکر کیا ہے، یعنی موصوف کوابن حبان نے ضعیف کہا ہے، اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ صدوق ہونا ضعیف ہونے کے منافی نہیں ہے۔

لسان المیزان مطبوعہ حیدر آباد کے نسخہ میں کتب ابی یوسف پڑھنے والے خالد پر اعتراض کرنے والے صاحب کا نام اسلم بن ابی سلمہ چھپا ہوا ہے، ہمارے خیال سے یہ سلم بن سالم کی تصحیف ہے، اگر یہ سلم بن سالم نہیں تو اسلم بن ابی سلمہ کے ترجمہ پر ہم واقف نہیں ہو سکے مگر اس سے ہمارے اصل مقصود کے اثبات پر اثر نہیں پڑسکتا کیونکہ روایت مذکورہ سے کم از کم یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسلم بن ابی سلمہ نے کتب ابی یوسف کے پڑھنے سے بہتر گیت گانا بتلایا تھا اوران کے اس فرمان پر خالد اوران کی مجلس کے حاضرین خاموش رہے تھے، یہ مستبعد نہیں کہ کتب ابی یوسف کو پڑھنے سے منع کرنے والے مشہور محدث وفقیہ مغیرہ بن مسلم السراج قسملی ازدی کے صاحبزادے اسلم ہوں، جس قبیلۂ قساملہ کی طرف خاندانِ مغیرہ بن مسلم منسوب ہے وہ قبیلۂ ازد کی ایک شاخ ہے۔انسابِ سمعانی میں یہ صراحت ہے:

"القسملي بفتح القاف و سكون السين المهملة وفتح الميم بعدها لام، هذه النسبة إلى القساملة، وهي قبيلة من الأزد، نزلت بالبصرة فنسبت الخطة والمحلة إليهم."[2]

"قسملی قبیلۂ قساملہ کی طرف نسبت ہے جوقبیلۂ ازد کی ایک شاخ ہے، اس قبیلہ کے لوگ بصرہ میں آباد ہو گئے تھے، چنانچہ جس خطہ ومحلّہ میں یہ لوگ آباد ہوئے اسے محلّہ قسملہ کہا جانے لگا۔"

اسی قبیلہ کے ایک فرد امام مغیرہ بن مسلم السراج (متوفی ۱۶۷ھ) ہیں، ان کی کنیت ابوسلمہ ہے۔[3]

موصوف مغیرہ بن مسلم کی کنیت ابوسلمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان کے کسی بیٹے کا نام سلمہ بن ابی سلمہ مغیرہ بھی تھا، سلمہ بن مغیرہ سے ہم واقف نہیں ہو سکے مگر ابوسلمہ مغیرہ کے ایک لڑکے سلم بن مغیرہ ازدی کا ذکر تاریخ خطیب میں کرتے ہوئے بتلایا گیا ہے کہ موصوف کی کنیت ابوحنیفہ ہے، ابوبکر عیاش ومصعب بن ہامان وغیرہ کے شاگرد ہیں، روایت حدیث میں قوی نہیں ہیں۔[4]

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: جواهر المضية (۱/ ۲۲۹)　[2] أنساب سمعاني (۱۰/ ۴۳)

[3] ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب (۱۰/ ۲۶۸، ۲۶۹) وأنساب سمعاني (۱۰/ ۴۲۰، ۴۲۱) وخطيب (۱۳/ ۱۹۳، ۱۹۴)

[4] خطيب (۹/ ۱۴۶) ميزان الاعتدال (۱/ ۳۶۲)

لسان المیزان مطبوعہ حیدرآباد کے نسخہ میں موصوف کی نسبت ازدی کے بجائے تصحیف کے سبب اسدی چھپ گئی ہے۔[1] یہ مستبعد نہیں کہ ابوسلمہ مغیرہ کے کسی لڑکے کا نام اسلم بھی ہو اور وہی اسلم بن ابی سلمہ ہماری زیرنظر روایت میں واقع ہوئے ہوں یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ سلم بن ابی سلمہ ہی نام کے شروع میں الف غلطی سے شائع ہو گیا ہو۔ بہرحال یہ روایت صحیح ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سلم نے کتب ابی یوسف کے پڑھنے سے لوگوں کو روکا تھا اور اسے بہت معیوب بتلایا تھا۔

اس تفصیل سے اہل نظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ گئی ہوگی کہ امام ابویوسف پر سلم بن ابی سلمہ یا سلم بن سالم نے بھی بڑی سخت جرح کر رکھی ہے اور موصوف نے ابویوسف کی کتابوں کے مطالعہ اور پڑھنے پڑھانے کو ناجائز قرار دیا ہے، یہی بات امام ابن المبارک، امام ابوحنیفہ، شریک، امام مالک، وکیع، یزید بن ہارون وغیرہم کے بیانات سے بھی مستفاد ہوتی ہے، اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کا دعوی ہے کہ اپنی تصانیف اورتحریروں نیز تدریسی وعدالتی خدمات کے ذریعہ امام ابویوسف نے مذہبِ امام صاحب کی ترویج واشاعت کی ہے۔ احناف کے یہاں موجودہ دور میں اور قرون ماضیہ میں پائی جانے والی جو کتابیں امام صاحب کے علوم وفنون اور فقہی اقوال ومسائل پر مشتمل ہیں اور جن کتابوں پر مذہبِ امام صاحب کا دارومدار سمجھا اور کہا جاتا ہے وہ حقیقت میں بلا واسطہ یا بالواسطہ امام ابویوسف کے ذریعہ منقول ہو کر لوگوں تک آئی ہیں، ان کا بہت تھوڑا سا حصہ امام محمد اور بعض دیگر حنفی اماموں کی تصانیف میں ایسا مل سکے گا جن کی نقل وروایت میں امام ابویوسف کا واسطہ نہ ہو مگر امام ابویوسف کے واسطہ کے بغیر بھی جو تحریری چیزیں امام صاحب سے دوسرے حنفی اماموں کے ذریعہ ملتی ہیں ان کا حال بھی عنقریب معلوم ہوگا۔

امام ابویوسف کی نماز پر اہل علم کا کلام:

امام ابوعمران ابراہیم بن ہانی بن خالد (متوفی ۳۰۱ھ) نے کہا:

”ہارون رشید قاضی ابویوسف کے ساتھ جرجان آئے، ایک روز قاضی ابویوسف کے پیچھے مشہور ومعروف عابد وزاہد شجاع بن صبیح نے نماز پڑھی، نماز ختم ہونے کے بعد شجاع نے ابویوسف سے کہا کہ آپ نماز ٹھیک سے پڑھا کیجیے۔ ابویوسف نے کہا کہ جب بھی میں نماز پڑھتا ہوں تو مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ میرے پیچھے شجاع یہ کلمہ کہہ رہے ہیں کہ ”أحسن صلوتك“ نماز ٹھیک سے پڑھا کرو۔“[2]

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ امام ابویوسف نماز بھی صحیح طور پر سنت کے مطابق ادا نہیں کرتے تھے، چہ جائیکہ ان کے اندر وہ تمام اوصاف فی الواقع پائے جاتے ہوں جن کا ذکر مصنف انوار نے زیر بحث روایت کو دلیل بنا کر رکھا ہے حتی کہ امام ابویوسف شجاع کی اس بات کے خلاف کسی قسم کی لب کشائی بھی نہیں کر سکے۔ یہ تفصیل آرہی ہے کہ اپنے قیامِ جرجان کے زمانہ میں امیر سعید بن سلم باہلی کے بعض سوالات کے جواب میں امام ابویوسف نے امام ابوحنیفہ کو جہمی بتلایا تھا، نیز موصوف نے امام صاحب سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ امام یحییٰ بن یحییٰ نیساپوری سے مروی ہے:

”دخلت على أبي يوسف بجرجان، وهو مريض، فقال: اشهدوا أني قد رجعت عن كل

---

[1] لسان الميزان (٣/ ٦٥)

[2] تاريخ جرجان للسهمي، ترجمه شجاع بن صبيح (ص: ٢٣٨، ٢٣٩، نمبر: ٣٦٧) وأنساب سمعاني (١١/ ٨١، كلمه كرازى)

ما أفتيت الناس إلا ما في كتاب الله واجتمع عليه المسلمون.“[1]

”اپنے قیام جرجان کے زمانہ میں ابو یوسف بیمار ہو گئے تھے، میں ان کے پاس گیا ہوا تھا کہ انھوں نے کہا کہ لوگو! آپ گواہ رہیں کہ میں نے لوگوں کو جتنے بھی فتاوی دیے ہیں، میں نے ان سب سے رجوع کر لیا سوائے ان فتاوی کے جو کتاب اللہ میں موجود ہیں اور جن پر مسلمان متفق ہیں۔“[2]

امام ابو یوسف سے روایت مذکورہ کے راوی امام یحییٰ بن یحییٰ نیساپوری (مولود ۱۴۲ھ ومتوفی ۲۲۵/ ۲۲۶ھ) مشہور ثقہ امام ہیں۔[3] امام علی بن سلم لبقی سے روایت مذکورہ کے راوی تاریخ جرجان میں مذکور سند کے مطابق دو افراد علی بن عبدک جرجانی وابوسعید عاصم بن سعید بن قیس قرشی صغار جرجانی ہیں، نیز معنوی طور پر لبقی سے اس روایت کو احمد بن حفص بن عمر جرجانی نے بھی نقل کیا ہے جو فی نفسہ صدوق ہیں۔ (كما سيأتي) عاصم بن سعید سے روایت مذکورہ کے راوی ابوسعید اسماعیل بن سعید بن عبدالواسع خیاط جرجانی (متوفی ۳۶۶ھ) ثقہ ہیں۔[4]

حاصل یہ کہ روایت مذکورہ کی سند قوی ہے، ہمارے خیال سے جس زمانے میں امام ابو یوسف جرجان گئے ہوئے تھے اس زمانے میں وہاں کے اہل علم نے موصوف ابو یوسف پر اعتراضات کیے حتی کہ انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ غلط طریق پر نماز پڑھتے ہیں، علمائے جرجان کے اس قسم کے اعتراضات سے امام ابو یوسف کو احساس ہوا کہ میرے بیان کردہ متعدد فتاوی اور مسائل کتاب اللہ اور اجماع امت کے خلاف ہیں، اسی حالت میں امام ابو یوسف بیمار بھی پڑ گئے اور انھوں نے از راہ سعادت مندی یہ اعلان کر دینا مناسب سمجھا کہ کتاب اللہ اور اجماع امت کے خلاف میں نے جتنے بھی فتاوی دے رکھے ہیں ان سے رجوع کرتا ہوں۔ یہ معلوم ہے کہ اہل الرای کے متعدد فتاوی کتاب اللہ اور اجماع کے خلاف ہیں، جن پر قدیم ایام سے اہل علم کو اعتراض رہا ہے، اس لیے یہ مستبعد نہیں کہ اس قسم کے مسائل پر علمائے جرجان کے اعتراض سے امام ابو یوسف کو احساس ہوا ہو کہ ہمارا موقف صحیح نہیں، لہٰذا یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ میں نے اس قسم کے مسائل وفتاوی سے رجوع کر لیا ہے، احادیث عموماً باہم مختلف ہیں ان کی تصحیح وتضعیف میں بھی اختلاف رہا کرتا ہے، ان کے معاملے میں کسی عالم پر کسی عالم کا اعتراض بہت زیادہ وزنی نہیں مانا جاتا لیکن نصوص کتاب واجماع کا معاملہ بہت وزنی ہے، مثلاً ابو یوسف نمازِ خوف کی مشروعیت کے منکر تھے، حالانکہ قرآن اور اجماع سے اس کی مشروعیت ثابت ہے۔ نصوص کتاب واجماع سے مدتِ رضاعت دو سال متعین ہے مگر امام صاحب اسے اڑھائی سال کہتے تھے، کسی زمانہ میں امام ابو یوسف بھی یہی کہتے ہوں گے۔ ایک دوسری روایت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

”قال يحيى: سمعت أبا يوسف عند وفاته يقول: كل ما أفتيت به فقد رجعت عنه إلا ما وافق كتاب الله وسنة نبيه ﷺ.“[5]

---

[1] تاريخ جرجان للسهمي (ص: ٥٦٦) ومناقب أبي حنيفة وصاحبيه للذهبي (ص: ٤٧)

[2] نیز ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ (١/ ٢٩٣) والعبر للذهبي واقعات ١٨١هـ.

[3] تهذيب التهذيب. [4] تاريخ جرجان (ص: ١٣٢)

[5] خطيب (١٤/ ٢٥٤) وموفق (٢/ ٢٣٠) ومناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٤١، ٤٢) وتذكرة الحفاظ (١/ ٢٩٣)

''امام یحییٰ بن یحییٰ نیسا پوری نے کہا کہ میں نے امام ابویوسف کو بوقت وفات کہتے ہوئے سنا کہ کتاب وسنت کے موافق اپنے دیے ہوئے فتاوی کے علاوہ میں نے اپنے دوسرے فتاوی سے رجوع کرلیا۔''

مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام یحییٰ بن یحییٰ نیساپوری نے امام ابویوسف کی وفات کے وقت انھیں یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ خلاف کتاب وسنت اپنے دیے ہوئے تمام فتاوی سے میں نے رجوع کرلیا۔ یہی یحییٰ بن یحییٰ نیساپوری اس بات کے بھی راوی ہیں کہ اپنے زمانۂ قیام جرجان میں یعنی اپنی وفات سے پہلے امام ابویوسف نے یہ بات کہی تھی کہ میں نے قرآن واجماع کے خلاف اپنے دیے ہوئے فتاوی سے رجوع کیا، اگرچہ یہ مستبعد نہیں کہ امام یحییٰ نے امام ابویوسف سے یہ بات دو مرتبہ ایک جرجان میں دوسرے ابویوسف کے مرض الموت میں بغداد میں سنی ہو مگر ہمارے نزدیک دونوں روایات میں صورت تطبیق یہ ہے کہ امام ابویوسف اپنی زندگی کے آخر میں ہارون کے ساتھ دوسری بار جرجان گئے تھے، وہیں موصوف بیمار ہوئے، اسی بیماری کے زمانے میں موصوف کی مندرجہ بالا بات جرجان میں امام یحییٰ نے سنی، اسی بیماری کی حالت میں موصوف ابویوسف جرجان سے عراق آئے تو تھوڑے دنوں بعد انتقال کر گئے، چونکہ اسی بیماری کے تھوڑے دنوں بعد ہی ابویوسف کا انتقال ہوا، اس لیے مبالغہ کے طور پر بعض رواۃ نے اس بات کو ''عند وفاته'' (بوقت وفات) کے لفظ سے تعبیر کر دیا ہے۔

اس تفصیل وتوجیہ کی صورت میں دونوں روایات کے مضمون میں کوئی معنوی اختلاف نہیں رہتا لیکن عند الوفاۃ کا لفظ جس سند کے ساتھ مروی ہے اس کے ایک راوی احمد بن حفص بن عمر ابومحمد سعدی جرجانی (۲۹۳/۲۹۴ھ) صدوق ہونے کے باوجود ''ممرور'' تھے۔ ❶ ممرور کا مطلب وہ آدمی ہے جو کبھی کبھی حواس باختہ ہو کر اپنی عقل کھو بیٹھے اور اس پر دیوانگی طاری ہو جائے۔ ❷ یہی وجہ تھی کہ موصوف احمد بن حفص فی نفسہ صدوق ہونے کے باوجود دورۂ دیوانگی کے وقت غیر شعوری طور پر ایسی باتیں بھی کہہ ڈالتے تھے جن کے مکذوب ہونے کا شبہ ہوا کرتا تھا، حالانکہ موصوف عمداً یہ غلط باتیں نہیں کہتے تھے۔ ❸ اس لیے زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ احمد بن حفص نے دورۂ دیوانگی کے وقت ''وهو مريض'' کے بجائے ''عند وفاته'' کا لفظ کہہ دیا۔

احمد بن حفص والی روایت کا ذکر حافظ ذہبی نے تذكرة الحفاظ اور مناقب أبي حنيفة و صاحبيه میں بھی کیا ہے، جس جگہ حافظ ذہبی نے مناقب ابی حنیفہ میں روایت مذکورہ کا ذکر کیا ہے وہاں کوثری نے روایت مذکورہ پر کوئی کلام نہیں کیا بلکہ بنظر قبول وتحسین موصوف نے کہا:

''امام ابویوسف کی یہ بات خوف خدا رکھنے والوں کا شیوہ وشان ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امام ابویوسف نے اپنے ہر اس فتوی سے رجوع کر لیا تھا جسے ہر کس وناکس کتاب وسنت کے خلاف سمجھتا ہو کیونکہ کتنے بدعقل تصحیح احادیث میں غلطی کرتے ہیں اور نصوص کتاب وسنت کا معنی ومطلب غلط سمجھ بیٹھتے ہیں۔'' ❹

لیکن تھوڑا آگے چل کر جہاں حافظ ذہبی نے علی بن عبدک وعاصم بن سعید والی روایت نقل کی ہے وہاں کوثری نے طویل حاشیہ میں کہا:

---

❶ تاريخ جرجان (ص: ٣٧)　❷ عام كتب لغت.

❸ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: لسان لميزان (١/ ١٦٢، ١٦٣) والكامل لابن عدی.

❹ ماحصل از تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٤١)

''یہ روایت مختلقہ یعنی مکذوبہ ہے، اس کا مضمون خود اس کے مکذوبہ ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ

۱۔ ابو یوسف صرف قرآن واجماع کے حجت ہونے کا مذہب نہیں رکھتے بلکہ ہر طرح کی سنت وقیاس کو بھی موصوف حجت مانتے ہیں۔

۲۔ نیز علمائے تاریخ متفق ہیں کہ ابو یوسف بغداد میں فوت ہوئے نہ کہ جرجان میں۔

۳۔ نیز بعض تلامذۂ ابی یوسف نے ابو یوسف کے مرض الموت میں ابو یوسف سے ایسے مسائل نقل کیے ہیں جن کی دلیل صرف کتاب واجماع پر قائم نہیں ہے۔

۴۔ نیز اس روایت کی سند میں احمد بن حفص جرجانی صاحبِ مناکیر ہیں، علاوہ ازیں ائمہ دین میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو قرآن واجماع سے ناواقف ہونے کے باوجود فتوی دے یا علم رکھنے کے باوجود قرآن واجماع کے خلاف فتوی دے کہ اس کو اس طرح کے رجوع کی ضرورت پیش آئے، اور تاریخ خطیب میں یہ روایت اس سے مختلف لفظوں میں منقول ہے اگرچہ اس کی سند میں احمد بن حفص موجود ہیں، روایتِ خطیب کے الفاظ یہ ہیں: "سمعت أبا يوسف القاضي عند وفاته يقول: كل ما أفتيت.." کون سا فقیہ ہے جو ہمیشہ اپنے ان فتاوی سے رجوع نہ کر لیا کرتا ہو جن کی بابت اسے یہ معلوم ہو گیا کہ بھول سے یہ فتاوی کتاب وسنت کے خلاف صادر ہو گئے ہیں۔''[1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ کوثری نے روایت مذکورہ کے مکذوبہ ہونے کے چار اسباب گنائے ہیں جن پر ہم نے ترتیب وار نمبر لگا دیے ہیں۔

أوّلاً: کوثری کے کہنے کا مقصود ومطلوب یہ ہے کہ اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام ابو یوسف صرف قرآن واجماع کو حجت مانتے تھے سنت وقیاس کو نہیں مانتے، حالانکہ موصوف قرآن واجماع کے ساتھ سنت وقیاس کو بھی حجت مانتے تھے، چونکہ روایت مذکورہ میں امام ابو یوسف کی طرف ایسی بات منسوب کی گئی ہے جو ان کے مذہب کے خلاف ہے، اس لیے یہ روایت مکذوبہ ہے، مگر ہم کہتے ہیں کہ کوثری کی اس بات کے مطابق جس روایت میں امام ابو یوسف کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں "كل ما أفتيت به فقد رجعت عنه إلا ما وافق الكتاب والسنة" (کتاب وسنت سے موافقت نہ رکھنے والے اپنے دیے ہوئے تمام فتاوی سے میں نے رجوع کر لیا) اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ امام ابو یوسف صرف کتاب وسنت کو حجت مانتے تھے اجماع وقیاس کو حجت نہیں مانتے تھے، حالانکہ بتصریح کوثری امام ابو یوسف اجماع وقیاس کو بھی حجت مانتے تھے، لہٰذا کوثری کے بیان کردہ اصول سے اس روایت کو بھی مکذوبہ قرار پانا چاہیے مگر کوثری نے اسے مکذوبہ قرار دینے کے بجائے بنظر قبول وتحسین کہا کہ خوف خدا رکھنے والے لوگوں کا شیوہ وشعار ہی ہے کہ وہ ابو یوسف کی طرح کہیں: "فقد رجعت إلا ما وافق الكتاب والسنة."

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ کوثری کے جس اصول سے پہلی روایت مکذوبہ قرار پائی ہے اسی سے دوسری بھی مکذوبہ قرار پائی ہے مگر موصوف نے اپنی عادت معروفہ کے مطابق ایک کو مکذوبہ نہیں کہا لیکن دوسری کو مکذوبہ کہا، معلوم نہیں کوثری نے "إلا

---

[1] تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٤٧)

ما في القرآن واجتمع عليه المسلمون'' کا مطلب یہ کیسے سمجھ لیا کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ امام ابو یوسف صرف قرآن واجماع کو حجت مانتے تھے مگر ''إلا ما وافق الکتاب والسنۃ'' کا یہ مطلب نہیں سمجھا کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ امام ابو یوسف صرف قرآن وسنت کو حجت مانتے تھے اجماع وقیاس کو نہیں مانتے۔معلوم نہیں موصوف کوثری دونوں روایات کے اس مرکزی مضمون میں کیوں تضاد محسوس کرتے ہیں اور ایک کو مکذوبہ اور دوسری کو غیر مکذوبہ سمجھتے ہیں؟

ثانیاً: کوثری نے روایت مذکورہ کے مکذوبہ ہونے کا دوسرا سبب یہ بتلایا ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ ابو یوسف کی وفات جرجان میں ہوئی۔ حالانکہ کوثری نے اپنی یہ بات خانہ ساز طور پر گھڑ کر لکھی ہے، اس روایت میں اس بات کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا گیا کہ امام ابو یوسف کی وفات جرجان میں ہوئی۔ اس کے الفاظ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس طرح ہیں:

''دخلنا علی أبي یوسف، وھو مریض بجرجان، فقال: اشھدوا أني قد رجعت..''

''یحییٰ نے کہا کہ ہم ابو یوسف کے پاس گئے جبکہ وہ جرجان میں مریض تھے تو انھوں نے کہا کہ میں نے قرآن واجماع کے مطابق اپنے دیے ہوئے فتاوی کے علاوہ باقی دوسرے فتاوی سے رجوع کر لیا۔''

روایت مذکورہ میں یہ نہیں ہے کہ امام ابو یوسف جرجان میں فوت ہوئے بلکہ صرف یہ مذکور ہے کہ جرجان میں موصوف بیمار ہو گئے تھے اور حالت بیماری میں انھوں نے یہ بات کہی تھی، دریں صورت ثابت ہوا کہ کوثری کی مذکورہ بالا خانہ ساز بات بذات خود مکذوب ہے۔

ثالثاً: کوثری نے روایت مذکورہ کے مکذوبہ ہونے کی تیسری دلیل یہ بیان کی ہے کہ اس کا مفاد اگرچہ یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے بوقتِ وفات صرف قرآن واجماع کو حجت قرار دیا مگر موصوف کے زمانہ مرض الموت میں موصوف کے تلامذہ نے موصوف سے ایسے مسائل نقل کیے جن کی دلیل صرف قرآن واجماع ہی پر قائم نہیں ہے، ہم کہتے ہیں کہ کوثری کا یہ دعوی ہی باطل ہے کہ روایت مذکورہ کا مفاد صرف یہ ہے کہ امام ابو یوسف فقط قرآن واجماع کو حجت مانتے تھے، پھر اسے بنیاد قرار دے کر دعوئ مذکور کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ازراہِ دیانت داری کوثری پر فرض تھا کہ ان روایات کو نقل کرتے جن کا مفاد ہے کہ مرض الموت میں امام ابو یوسف نے ایسے مسائل بیان کیے ہیں جن کی دلیل قرآن واجماع کے علاوہ دوسری چیزوں پر بھی قائم ہے، پھر موصوف پر یہ بھی فرض تھا کہ وہ اس طرح کی روایات کا معتبر ہونا ثابت کرتے۔

رابعاً: کوثری نے کہا کہ روایت مذکورہ کی سند میں احمد بن حفص صاحب مناکیر ہیں، حالانکہ ہم تاریخ جرجان کے حوالے سے روایت مذکورہ کی سند نقل کر آئے ہیں اس میں احمد بن حفص نہیں، یعنی کوثری نے خانہ زاد بات کو روایت مذکورہ کی تکذیب کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنی اس عبارت کے تھوڑا پہلے جس روایت کی کوثری تحسین کر آئے ہیں: ''فقد رجعت عنه إلا ما وافق الکتاب والسنۃ'' اس کی سند میں یہی احمد بن حفص موجود ہیں، یعنی کوثری نے متضاد پالیسی اختیار کر رکھی ہے کہ ایک جگہ احمد بن حفص سے مروی روایت کی تحسین کرتے ہیں اور دوسری طرف ایک ایسی روایت کی تکذیب کا سبب اس کی سند میں احمد بن حفص کی موجودگی بتلاتے ہیں جو ایسی سند سے مروی ہے جس میں احمد بن حفص نہیں اور پھر اسی سانس میں فرماتے ہیں کہ اجماع وقرآن سے ناواقف ہونے کی صورت میں کوئی امامِ دین فتوی

نہیں دے سکتا یا جان بوجھ کر قرآن واجماع کے خلاف کوئی امام فتوی نہیں دے سکتا، حالانکہ دونوں روایات میں سے کسی کا مفاد یہ نہیں ہے کہ امام ابو یوسف نے اجماع وقرآن سے ناواقف ہونے کے باوجود یا جان بوجھ کر قرآن واجماع کے خلاف فتوی دیا تھا لیکن یہ بالکل واضح بات ہے کہ قرآن وسنت واجماع اور مسلم وغیر مسلم سبھی اس پر متفق ہیں کہ دروغ بافی اورکذب بیانی حرام وناجائز ہے جس سے آدمی ساقط الاعتبار بھی قرار پا جاتا ہے، مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف کی بابت امام ابوحنیفہ کا فرمان ہے: ”يقول علي ما لا أقول“ عام ائمہ کرام بشمول امام ابوحنیفہ سے کتنے فتاوی سے رجوع کرنا ثابت ہے جس کا اعتراف کوثری کو بھی ہے، اسی طرح ابو یوسف کو بھی اپنے جن فتاوی کے بارے میں احساس ہوا کہ یہ فتاوی اجماع وقرآن کے خلاف صادر ہو گئے ہیں ان سے میں رجوع کرتا ہوں، پھر اس بات میں کوثری یا کسی کو کیا محل اعتراض وکلام ہے؟

امام شجاع بن صبیح نے ابو یوسف سے صرف اتنی بات کہنے پر اکتفا کیا کہ آپ نماز ٹھیک سے پڑھا کیجئے مگر یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام ابن المبارک نے فرمایا کہ امام ابو یوسف کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز صحیح نہیں ہوتی، اس لیے اسے دہرالو۔

امام ابو یوسف پر امام عبدالعزیز بن ابی حازم کی تجریح:

امام عبدالعزیز بن ابی حازم مدنی (متوفی ۱۸۳/۱۸۴ھ) سے مروی ہے:

”دخلت المسجد، وقد أقيمت الصلوة صلوة الصبح، و أبو يوسف يركع ركعتى الفجر، فمر به شاكر القصار، فقال: يا أحمق كم ترى موقع هاتين من المكتوبة أتضع لك؟ فقلت: الحمد لله الذي أذلك بموعظة القصار شاكر.“[1]

”میں مسجد میں داخل ہوا تو فجر کی جماعت شروع ہو چکی تھی مگر اس وقت ابو یوسف سنتِ فجر پڑھنے میں مشغول تھے، اتنے میں قصار شاکر آ گئے انھوں نے ابو یوسف سے کہا کہ اے احمق! فرض نماز کے بالمقابل اس سنت کو تم کتنا اہم سمجھتے ہو، کیا یہ سنت تم سے فرض کا کچھ حصہ ساقط کر دے گی؟ امام عبدالعزیز بن ابی حازم کہتے ہیں کہ میں نے یہ ماجرا دیکھ کر ابو یوسف سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے شاکر قصار کی موعظت کے ذریعہ تمہاری تذلیل وتوہین کی۔“

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ امام عبدالعزیز بن ابی حازم وشاکر قصار کے نزدیک امام ابو یوسف کا یہ طرز عمل قابل ملامت اور لائق زجر وتوبیخ تھا کہ جماعت فجر کے وقت سنت پڑھی جائے، اس روایت سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ امام عبدالعزیز بن ابی حازم امام ابو یوسف کو اس حد تک قابل تجریح وتنقید سمجھتے تھے کہ ان کی تذلیل وتوہین کیے جانے سے انھیں مسرت ہوتی تھی، اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ امام ابوحنیفہ، مالک، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ابن مہدی، یحیٰ قطان، یزید بن ہارون، شریک، احمد بن حنبل وغیرہ کی طرح امام عبدالعزیز بن ابی حازم بھی امام ابو یوسف کو مجروح وغیر معتبر قرار دیتے تھے۔ تیسری بات اس روایت سے یہ معلوم ہوئی کہ امام ابو یوسف شاکر قصار اور امام عبدالعزیز بن ابی حازم کے اس اعتراض وتنقید کے جواب سے عاجز

[1] الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٧٠)

وقاصر رہے، بالکل اسی طرح جس طرح کہ موصوف امام شجاع کے اس قول کے جواب سے عاجز رہے تھے کہ تم ٹھیک سے نماز نہیں پڑھتے، ذرا ٹھیک سے نماز پڑھا کرو، اس سے کوثری اور ارکان تحریک کوثری کے اس دعوی کی تکذیب ہوتی ہے کہ ابو یوسف اپنے مناظروں سے قاضی حجاج جیسے لوگوں کو لا جواب کر دیا کرتے تھے کیونکہ جو ابو یوسف شاکر قصار وشجاع کے سامنے لا جواب بنے رہیں وہ حجاج بن ارطاۃ سے کیا مناظرہ کرتے؟ نیز جو امام ابو یوسف قاضی شریک کے مردود الشہادۃ قرار دینے پر لب کشائی نہ کرسکیں وہ حجاج بن ارطاۃ کو کیونکر لا جواب کر دیتے ہوں گے؟

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہارون کی زبانی مدحِ ابی یوسف کی جو کہانی مصنف انور نے سنائی ہے وہ بے وزن ہے، واضح رہے کہ علم وفضل میں امام عبدالعزیز بن ابی حازم کو لوگ امام مالک کے بعد عظیم المرتبت امام سمجھتے تھے جس کی تفصیل کتب رجال تہذیب التہذیب وغیرہ میں موجود ہے، یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ہارون کے وزیر جعفر بن یحییٰ کے سامنے امام ابو یوسف سے کہا گیا کہ آپ عمداً بذریعہ حیلہ حرام چیز کو حلال بنا دیا کرتے ہیں مگر امام ابو یوسف اس کا کوئی جواب نہیں دے سکے تھے۔

امام ابن مہدی کے ساتھ امام ابو یوسف کا علمی مکالمہ:

امام عبدالرحمٰن بن عمر رستہ نے کہا:

”سمعت عبد الرحمن بن مهدي يقول: قلت لأبي يوسف في المسجد الحرام: اختصم إليك رجلان في امرأة ليس بينهما بينة، كيف القول في ذلك أو كيف تقضي؟ قال: أنظر فإذا رأيت أنها لأحدهما دفعتها إليه، قلت: فإن دفعتها إليه فبات معها، فلما كان الغد رأيت أنها للآخر، قال: آخذ فأدفعها إلى الآخر، قلت: فإن رددتها إلى الآخر فلما كان الغد رأيت أنها للأول، قال: أردها إليه إذا رأيت ذلك، قلت: فما حجتك في ذلك؟ قال: كتاب عمر بن الخطاب إلى أبي موسى الأشعري، قال: فإن الرجوع إلى الحق خير من التمادي في الباطل، قلت له: يا معتوه! وهذا هكذا الرجوع إلى الحق خير من التمادي في الباطل هو أن يقضي الحاكم بالرأي، ثم تبين له ذلك عن النبي ﷺ وأصحابه فيرجع إليه، وأما قولك هذا فهو الرجوع من الباطل إلى الباطل.“[1]

”میں نے امام عبدالرحمٰن بن مہدی سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے ابو یوسف سے خانۂ کعبہ میں کہا کہ اگر دو آدمی ایک عورت کے بارے میں آپ کے پاس مقدمہ لے کر آئیں جن میں سے کسی کے پاس ثبوت نہ ہو کہ یہ ہماری بیوی یا لونڈی ہے تو آپ کیا فیصلہ کریں گے؟ امام ابو یوسف نے کہا کہ میں غور کروں گا، دونوں میں سے جس کو مستحق سمجھوں گا یہ عورت اسی کے حوالہ کروں گا، میں نے (عبدالرحمٰن بن مہدی نے) کہا کہ جب آپ نے یہ عورت ایک کے حوالے کر دی اور اس نے اس کے ساتھ رات گزاری، پھر دوسرے دن آپ کی یہ رائے ہوئی کہ عورت دوسرے مرد کو ملنی چاہیے تو آپ کیا کریں گے؟ امام ابو یوسف نے کہا کہ پہلے شخص سے عورت کو چھین کر

[1] الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٧٠)

دوسرے کے حوالے کردوں گا، میں نے کہا کہ اگر آپ نے دوسرے کو یہ عورت دے دی اوراس نے اس کے ساتھ رات گزاری مگر تیسرے دن آپ کی رائے بدل گئی اورآپ نے سوچا کہ یہ عورت پہلے کو ہی ملنی چاہیے تو پھرآپ کیا فیصلہ کریں گے؟ امام ابویوسف نے کہا کہ دوسرے سے یہ عورت چھین کر پہلے کے حوالے کردوں گا، امام ابن مہدی نے کہا کہ اس طریق عمل کی دلیل کیا ہے؟ امام ابویوسف نے کہا کہ حضرت ابوموسی اشعری کے نام حضرت عمر فاروق نے خط میں لکھا تھا کہ باطل فیصلہ پر قائم رہنے سے حق کی طرف رجوع کرنا زیادہ بہتر ہے، اسی کے مطابق میں اس معاملہ میں اپنی رائے بدلنے کی صورت میں فیصلے میں تبدیلیاں کرتا رہوں گا، امام ابن مہدی نے کہا کہ ارے بے عقل! حضرت عمر کے فرمان کا یہ مطلب نہیں ہے اورآپ کے اسی طرز عمل کو باطل پر قائم رہنے کے بالمقابل حق کی طرف رجوع کرنا نہیں کہتے ہیں، قول فاروقی کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کوئی فیصلہ اپنی رائے سے کرنے کے بعد دیکھے کہ یہ فیصلہ حدیث نبوی کے خلاف ہے تو وہ اپنی رائے والے فیصلہ کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع کرے اورآپ کا یہ طرز عمل تو باطل سے باطل کی طرف رجوع کرنے بلکہ باطل کے چکر میں پھنسے رہنے کے مترادف ہے۔''

روایت مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی نے جب امام ابویوسف کے طریقِ فیصلہ کو باطل پرستی قرار دیا تو امام ابویوسف امام عبدالرحمٰن کی بات کے جواب سے عاجز رہے اوراپنے موقف کا حق ہونا ثابت کرسکے نہ اپنی طرف سے اعتراض ابن مہدی کے اعتراض کا جواب دے سکے۔ اس روایت سے مصنف انوار کی اس مستدل روایت کا موازنہ کیجیے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہارون رشید نے امام ابویوسف کو تمام خوبیوں سے آراستہ بتلایا تھا۔ روایت مذکورہ کی سند صحیح ہے۔ امام ابن مہدی سے اس کے ناقل امام رستہ ثقہ ہیں۔ (کمامر) اورامام رستہ سے اس کے ناقل امام علی بن الحسین بن الجنید رازی (متوفی ۲۹۱ھ) بھی ثقہ ہیں۔[1] اور رازی موصوف سے اس کے ناقل امام عقیلی ثقہ ہیں۔

کیا امام ابویوسف جعل سازی کو جائز قرار دیتے تھے؟

امام عبداللہ بن داود خریبی (مولود ۱۳۳ھ ومتوفی ۲۱۳ھ) سے بسند صحیح مروی ہے:

"كنا عند أبي حنيفة، فقال له رجل: إني وضعت كتابا على خطك إلى فلان، فوهب لي أربعة آلاف درهم، فقال أبوحنيفة: إن كنتم تنتفعون بهذا فافعلوا، رواه الطحاوي عن أبي حازم عبد الحميد بن عبد العزيز القاضي عن الخريبي."[2]

''خریبی نے کہا کہ ہم لوگ امام صاحب کے پاس موجود تھے کہ ایک شخص نے امام صاحب سے کہا کہ میں نے آپ کی طرف سے ایک جعلی خط فلاں شخص کے نام لکھا تو اس شخص نے مجھے چار ہزار درہم عنایت کیے، امام صاحب نے فرمایا کہ اگر اس طرح کی جعل سازی کے ذریعہ تمھیں منافع حاصل ہوسکیں تو اس طرح کی جعل سازی سے اپنا کام بنالیا کرو۔''

امام بشر بن ولید سے مروی ہے:

''امام ابویوسف کے پاس آکر ایک آدمی نے کہا کہ میں نے آپ کی طرف سے ایک جعلی خط ایک شخص کے نام لکھا

[1] تذكرة الحفاظ (۲/ ٦٧١)　[2] مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ١٠) وعام كتب مناقب أبي حنيفة.

تو اس نے مجھے ایک اچھی خاصی رقم عنایت کی، امام ابو یوسف نے اسے جعل ساز قرار دے کر جیل خانہ بھیج دیا، شخص مذکور نے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے اس طرح کی جعل سازی کی عام اجازت دے رکھی تھی، امام ابو یوسف نے کہا کہ مجھ میں اور امام صاحب میں فرق ہے، امام صاحب ایک ایسے فقیہ تھے کہ لوگ ان کی تکریم کے سبب ان کے نام پر بخوشی رقوم دے دیتے تھے اور میں سرکاری آدمی ہوں، میرے نام سے ڈر کر لوگ رقوم دیتے ہیں، دوسرے دن امام ابو یوسف نے اس جعل ساز کو جیل سے آزاد کرتے ہوئے کہا کہ میں نے تمھاری طرف سے رقم مذکور دینے والے کو واپس کر دی ہے، تم اپنے گھر جاؤ مگر ایسی حرکت دوبارہ مت کرنا۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف امام صاحب کے طرز عمل کو درست قرار دیتے تھے اور جو فقیہ سرکاری ملازم نہ ہو اس کے نام پر خود بھی جعل سازی کی اجازت دیتے تھے۔ حضرت بریدہ بن حصیب صحابی سے مروی ہے:

''مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر بنولیث میں آکر ایک آدمی نے کہا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اس محلّہ کا حاکم بنایا ہے، لوگوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جھوٹا وجعل ساز ہے اسے قتل کر کے نذر آتش کر دو۔''[2]

امام ابو یوسف سے مروی ہے:

"سمعت أبا حنيفة قال: إن القاضي إذا جار متعمدا فقضاؤه مفسوخ، عزل أو لم يعزل، وهو معزول لفسقه."[3]

''میں نے امام صاحب کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر قاضی عمداً کوئی فیصلہ کرنے میں ناانصافی کرے تو اس کا فیصلہ باطل ہے اور وہ اپنی اس فاسقانہ حرکت کے سبب معزول ہو گیا، خواہ سرکاری طور پر معزول کیا جائے یا نہ کیا جائے، یعنی ایسا قاضی شرعی نقطۂ نظر سے خود بخود معزول ہو جاتا ہے۔''

علی بن عمرو قرظی سے مروی ہے:

''ابو یوسف کی عدالت میں ایک مسلمان کا مقدمہ پیش کیا گیا جس نے عمداً ایک ذمی کو قتل کر دیا، امام ابو یوسف نے مسلمان کو قصاص میں قتل کر دینے کا فیصلہ کر دیا لیکن موصوف کے خلاف ایک رقعہ موصول ہوا جس میں چند اشعار لکھے تھے، ان اشعار کا حاصلِ مضمون یہ تھا کہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے کا فیصلہ کرنے والا قاضی ظالم وجابر ہے جس نے دین اسلام پر جور وستم ڈھا رکھا ہے، اس ظلم پر تمام لوگوں کو رنج وغم مناتے ہوئے صبر کرنا چاہیے، ابو یوسف نے یہ رقعہ ہارون کے دربار میں پیش کیا، ہارون نے کہا کہ جا کر کسی حیلہ کے ذریعہ اپنا یہ فیصلہ بدل دو، چنانچہ ابو یوسف نے حیلہ سازی کے ذریعہ یہ فیصلہ رد کر دیا۔''[4]

---

[1] موفق (٢/ ٢٢٩) وكردرى وغيره.

[2] الإحكام لابن حزم (٢/ ٨٣، ٨٤) وشرح مشكل الآثار للطحاوي (١/ ١٦٤، ١٦٥)

[3] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٧٧) وعام كتب مناقب أبي حنيفة.

[4] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٩٩) وخطيب (١٤/ ٢٥٣، ٢٥٤ وغيره)

ان ساری روایات پر ناظرین کرام غور فرمائیں! جعل سازی کے ذریعہ عدالتی فیصلہ کو بدل دینا ظلم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو امام ابو یوسف شرعاً قاضی برقرار رہے تھے یا نہیں؟ اس واقعہ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ امام ابو یوسف حیلہ سازی کے ذریعہ شرعی مسائل میں رد و بدل کرتے تھے، ہارون رشید بھی جانتا تھا کہ امام ابو یوسف کو ایسا کرنے کی عادت ہے۔

امام ابو یوسف پر قاضی شریک کی تجریح:

یہ معلوم ہے کہ اکثر مرجیہ خصوصاً داعی وغالی مرجیہ اپنے زمانے کی حکومتوں کے خلاف خروج کے حامی رہا کرتے تھے، ایک زمانے میں امام ابو یوسف کا یہ حال تھا کہ امام صاحب کی طرح اعمال کو جزو ایمان نہ ماننے کے سبب موصوف عدالتِ شریک سے مردود الشہادۃ قرار دیے گئے تھے۔ امام عقیلی نے کہا ہے:

”حدثنا جعفر بن محمد الفريابي قال: حدثنا إسحاق بن راهويه قال: سمعت يحيى بن آدم يقول: شهد أبو يوسف عند شريك فرد شهادته، فقلت له: رددت شهادة أبي يوسف قال: أنا أرد شهادة من يزعم أن الصلوة ليست من الإيمان.“ ❶

”قاضی شریک نے اپنی عدالت میں امام ابو یوسف کو مردود الشہادۃ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ اعمال کو جزو ایمان نہیں مانتے میں انھیں مردود الشہادۃ قرار دیتا ہوں۔“

روایت مذکورہ کی سند بالکل صحیح ہے اور اس کی تائید کرنے والی بعض روایات کا ذکر تذکرۂ حماد بن ابی حنیفہ میں آچکا ہے۔ حافظ ابن عدی ناقل ہیں:

”كان شريك لا يجيز شهادة أبي حنيفة ولا شهادة أصحابه.“ ❷

”قاضی شریک امام صاحب اور ان کے ہم مذہب اصحاب کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے تھے۔“

اعمال کو جزو ایمان نہ ماننے کے سبب عدالتِ شریک سے امام ابو یوسف کے مردود الشہادۃ قرار دیے جانے کا واقعہ ۱۶۷/ ۱۶۸ھ سے پہلے پیش آیا تھا۔ (كما سيأتي) اس کا واضح مفاد ہے کہ عدالت شریک سے مردود الشہادۃ قرار دیے جانے کے زمانے میں امام ابو یوسف امام صاحب کے اس مذہب کے پیرو تھے کہ اعمال جزو ایمان نہیں اور ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ امام عقیلی بسند صحیح ناقل ہیں:

”قال بقية بن الوليد: أخبرني رجل من أهل العلم قد أشهد على أبي يوسف أنه جهمي.“ ❸

”امام بقیہ بن ولید نے کہا کہ مجھ سے ایک صاحب علم نے کہا کہ میں اس بات کا شاہد ہوں کہ امام ابو یوسف جہمی المذہب ہیں۔“

واضح رہے کہ امام بقیہ بن الولید (مولود ۱۱۵ھ ومتوفی ۱۹۷/ ۱۹۸ھ) ثقہ ہیں۔ ❹ اور ان سے روایت مذکورہ کے ناقل حسن بن حکیم بھی ثقہ ہیں۔ ❺ حسن بن حکیم موصوف سے روایت مذکورہ کے ناقل امام احمد بن ابی شریح الصباح رازی ثقہ ہیں۔ ❻

---

❶ الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٦٩) ولسان الميزان (٦/ ٣٠٠)	❷ الكامل لابن عدى (٣/ ٣٧٩)

❸ الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٧٠)	❹ تهذيب التهذيب (١/ ٤٧٣ تا ٤٧٨) وعام كتب رجال.

❺ الجرح والتعديل (٢/ ٦) نیز ملاحظہ ہو: تاريخ ابن معين ترجمه حسن بن حكيم (ج: ٢)

❻ تهذيب التهذيب وخطيب.

یہ تفصیل آرہی ہے کہ ابو یوسف بعد میں جہمی مذہب سے اظہار بیزاری کرنے لگے تھے، یعنی موصوف ابو یوسف بعد میں جہمی نہیں رہے تھے، جہمی ہونا بذات خود اس امر کی دلیل ہے کہ امام ابو یوسف اس زمانے میں اعمال کو جزو ایمان نہیں مانتے تھے اور ایمان میں کمی بیشی کے قائل نہیں تھے۔ امام یحییٰ بن سعید قطان نے امام ابو یوسف کو مرجی کہا ہے۔[1]

جن کتبِ مناقب کی روایات کو مصنف انوار نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بناتے چلے جاتے ہیں ان میں منقول ہے:

"قال علي بن خشرم: حج هارون الرشيد، وكان زميله أبو يوسف، وحج شريك في تلك السنة، فقال شريك: من صلى بالناس؟ قالوا: أبو يوسف، قال: طاب الموت."[2]

"امام علی بن خشرم نے کہا کہ ہارون رشید کے ساتھ ایک سال حج میں امام ابو یوسف رفیقِ سفر تھے، اس سال قاضی شریک بھی حج کرنے گئے تھے، انھیں لوگوں سے یہ معلوم ہوا کہ قاضی ابو یوسف نے نماز پڑھائی ہے تو قاضی شریک نے کہا یہ منحوس دن دیکھنے سے بہتر موت ہے۔"

مصنف انوار کے اصول سے روایت مذکورہ صحیح ہے، اس کے ناقل حارثی ہیں، اس کا مفاد یہ ہے کہ قاضی ابو یوسف کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے بالمقابل قاضی شریک مرجانا بہتر سمجھتے تھے، اس کا مطلب ظاہر ہے کہ قاضی شریک ابو یوسف کی امامت کو امام ابن المبارک کی طرح ناجائز سمجھتے تھے۔ یہ تفصیل عنقریب آرہی ہے کہ علمائے جرجان نے بھی امام ابو یوسف کی نماز کو قابل اعتراض واصلاح قرار دیا تھا۔

نیز کتب مناقب ابی حنیفہ میں منقول ہے:

"ہارون کے دربار میں امام ابو یوسف اور شریک جمع تھے، شریک نے ہارون سے کہا کہ آپ کے قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں: "إيماني كإيمان جبرئيل" میرا ایمان حضرت جبرئیل کے ایمان کی طرح ہے، اس پر ہارون نے غضب ناک ہوکر ابو یوسف سے کہا کہ کیا آپ واقعی یہ عقیدہ رکھتے ہیں؟ امام ابو یوسف نے کہا کہ نہیں بلکہ میں یہ کہتا ہوں: "آمنت بالذي آمن به جبرئيل" اور ابو یوسف کہنے لگے کہ شریک اعمش سے مرفوعاً یہ حدیث بیان کرتے ہیں: "استقيموا لقريس ما استقاموا لكم" یہ سن کر ہارون نے شریک سے کہا کہ واقعی آپ نے یہ حدیث بیان کی ہے؟ شریک نے کہا کہ ہاں، یہ حدیث ہم سے اعمش نے بیان کی ہے، اس پر ہارون نے کہا کہ شریک کو پکڑ کر ہماری مجلس سے نکال باہر کرو، چنانچہ ہارون کے اس حکم کی تعمیل کی گئی۔"[3]

موفق نے روایت مذکورہ ابو محمد حارثی سے نقل کی ہے جس کو مصنف انوار ثقہ مانتے اور اس کی ذکر کردہ روایات کو نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بناتے ہیں، اس روایت کے مطابق مجلس تدوین کے رکن قاضی شریک نے امام ابو یوسف پر ایسا عقیدہ رکھنے کا الزام لگایا جس سے ابو یوسف اظہار بیزاری کرتے تھے، مصنف انوار اس روایت سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس روایت کے مضمون کے مطابق اگر قاضی شریک کے بیان کو سچا مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ امام ابو یوسف نے اپنے خلاف خلیفہ کے دربار میں قاضی شریک کے لگائے ہوئے الزام کے جواب میں کہہ دیا کہ میں اس عقیدہ کا

[1] خطيب (١٤/ ٢٥٦)　[2] كردري (ص: ١٤١) وموفق (٢/ ٢٣٨)　[3] موفق (٢/ ٢٣٨) وكردري.

معتقد نہیں ہوں جسے شریک نے میری طرف منسوب کیا ہے تا کہ ان پر خلیفہ کا چڑھا ہوا غصہ ٹھنڈا ہو سکے لیکن اگر امام ابو یوسف کے بیان کو سچ مانیے تو قاضی شریک کا افتراء پرداز ہونا لازم آتا ہے، البتہ یہ معلوم ہے کہ امام ابو یوسف کو امام ابوحنیفہ وابن المبارک وغیرہ کا کذاب قرار دینا صحیح طور پر ثابت ہے اور قاضی شریک کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ امام ابو یوسف حسب مصالح باتیں کرتے تھے۔ (كما سيأتي) اس لیے ناظرین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ اگر قاضی شریک کے ساتھ مکالمۂ مذکورہ کے وقت ابو یوسف مرجی مذہب چھوڑ کر سنی ہو گئے تھے تو انھیں صاف طور پر کہنا چاہیے تھا کہ میں پہلے عقیدہ مذکورہ کا معتقد تھا اب نہیں۔ بسند معتبر ثابت ہے کہ امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص یہ کہے کہ میرا ایمان ایمان جبرئیل کی طرح ہے وہ بدعتی ہے۔ حافظ خطیب نے لکھا ہے کہ جو شخص مرجی العقیدہ ہو وہ اگر اپنے ایمان کو ایمان جبرئیل کے برابر نہ قرار دے تو وہ متضاد عقیدہ رکھنے والا قرار پائے گا۔[1] اور امام ابو یوسف کو یحییٰ قطان نے بالصراحت مرجی کہا ہے، اور بقیہ بن ولید نے جہمی کہا ہے، اس لیے صورتِ تطبیق یہی ہے کہ ایک زمانے تک مرجی وجہمی رہنے کے بعد امام ابو یوسف مرجی وجہمی مذہب سے اظہارِ بیزاری کرنے لگے تھے۔

امام ابو یوسف پر امام سفیان بن عیینہ کی تجریح:

قاضی شریک اور امام ابن المبارک کی طرح امام سفیان بن عیینہ بھی امام ابو یوسف سے سخت بیزار ہو گئے تھے۔ حافظ عقیلی نے کہا:

"حدثنا أحمد بن علي حدثنا الحسن بن علي الحلواني حدثنا محمد بن عيسى الطباع حدثنا سفيان بن عيينة عن عمرو بن دينار أن ابن عباس كان يأتي عرفة بسحر، قال ابن الطباع: قال سفيان: مكث أبو يوسف يسئلني عن هذا الحديث مدةً فلا أراه له أهلا أن أحدثه به حتى كنا عند هارون، فقال له أبو يوسف: يا أمير المؤمنين إن عنده حديثا حسنا فاسأله عنه فسألني عنه فحدثته به فسمعه."[2]

''محمد بن عیسی طباع نے کہا کہ امام سفیان بن عیینہ نے بواسطہ عمرو بن دینار ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ ابن عباس نویں ذی الحجہ کو بوقت سحر عرفہ آجایا کرتے تھے، محمد بن عیسیٰ طباع نے کہا کہ اس حدیث کو بیان کرنے کے ساتھ امام سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ ابو یوسف ایک زمانہ تک مجھ سے اس حدیث کے متعلق سوال کرتے رہے مگر میں انھیں اس لائق نہیں سمجھتا تھا کہ ان کے سوال کا جواب دوں اور ان سے یہ حدیث بیان کروں، البتہ ایک دن ہم لوگ ہارون رشید کے پاس تھے کہ ابو یوسف نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! امام سفیان بن عیینہ کے پاس ایک اچھی سی حدیث ہے، آپ اس کے متعلق ان سے معلومات حاصل کیجیے، چنانچہ ہارون نے مجھ سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو میں نے اسے بیان کر دیا، اس طرح ابو یوسف نے بھی مجھ سے حدیث مذکور اور اس سے متعلق علمی باتیں سن لیں۔''

واقعۂ مذکورہ کے چشم دید راوی امام محمد بن عیسیٰ بن نجیح ابو جعفر بغدادی المعروف بابن الطباع اذنی (مولود ۱۵۰ھ ومتوفی

---

[1] خطیب (۱۳/ ۳۷۳)　[2] الضعفاء للعقيلي، مخطوطه (۳/ ۴۷۰)

۲۲۴ھ) صحیحین نیز سنن کے رواۃ میں سے ہیں، بلند پایہ ثقہ محدث وفقیہ اور صاحب تصانیف امام ہیں۔ [1] موصوف ابن الطباع سے روایت مذکورہ کے ناقل امام حسن بن علی بن محمد ابوعلی ابومحمد ہذلی حلوانی الخلال (متوفی ۲۴۲ھ) بھی ثقہ تھے، امام ابوداود نے فرمایا:

"كان عالما بالرجال، وكان لا يستعمل علمه، وفي لفظ: كان لا ينتقد الرجال." [2]

''موصوف حلوانی فنِ رجال کے ماہر تھے مگر اپنے اس فن کا استعمال نہیں کرتے تھے، یعنی موصوف رجال پر نقد وتبصرہ سے اعراض کرتے تھے۔''

معلوم ہوا کہ موصوف حلوانی ثقہ محدث ہونے کے ساتھ فن جرح وتعدیل کے ماہر بھی تھے مگر کسی وجہ سے انھوں نے اس علم کا استعمال ترک کر دیا تھا۔ یعقوب بن شیبہ نے انھیں ''ثقہ، ثبت، متقن'' کہا جو بلند پایہ توثیق ہے، اسی طرح امام نسائی، بخاری اور مسلم وغیرہ نے ان کی توثیق کی اوران کی حدیث کی تخریج کی ہے۔ [3] حلوانی موصوف سے روایت مذکورہ کو امام عقیلی نے امام احمد بن علی ابار کے واسطے سے نقل کیا ہے اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ ابار بلند پایہ ثقہ ہیں، حاصل یہ کہ روایت مذکورہ صحیح ومعتبر ہے۔ روایت مذکورہ کا واضح مفاد یہ ہے کہ امام سفیان بن عیینہ امام ابو یوسف کو نا قابل التفات ونا قابل روایت یعنی متروک قرار دیے ہوئے تھے حتی کہ انھیں علمی بات بتلانی بھی گوارا نہ کرتے تھے، امام ابو یوسف سے موصوف سفیان کی بیزاری ایک مدت سے قائم رہی اور ہارون رشید کے زمانے میں بھی برقرار رہی، البتہ وہ بالواسطہ کسی نہ کسی تدبیر سے بعض اوقات امام سفیان بن عیینہ کے علوم سے مستفید ہونے میں کامیاب ہو جاتے تھے، مندرجہ ذیل روایت سے پتہ چلتا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ امام ابو یوسف سے امام ابوحنیفہ ہی کی زندگی میں بیزار اور نالاں ہو چکے تھے۔ ملاحظہ ہو:

"قال الإمام حمزة السهمي في ترجمة أبي الحسن محمد بن محمد المروزي الشعراني: حدثنا عبد الله بن عدي الحافظ سمعت أبا الحسن محمد بن محمد الشعراني بجرجان يقول: سمعت علي بن خشرم يقول: كان سفيان بن عيينة جالسا في المسجد، وأبو حنيفة جالس في ناحية المسجد، فرفعوا أصواتهم فجاء أبو يوسف إلى سفيان، فقال له سفيان: "رفعوا أصواتهم" فقال له أبو يوسف: وأنت ترفع صوتك، قال سفيان: رسول الشيطان أو رسول إبليس ورب الكعبة." [4]

''امام علی بن خشرم نے کہا کہ امام سفیان بن عیینہ مسجد میں بیٹھے تھے اور امام ابوحنیفہ بھی اپنے اصحاب کے ساتھ مسجد کی دوسری جانب بیٹھے ہوئے تھے، امام صاحب اور اصحابِ امام صاحب مسجد میں آواز بلند کرنے لگے اتنے میں امام ابو یوسف امام سفیان کے پاس آئے تو امام سفیان نے کہا کہ یہ لوگ یعنی ابو یوسف بشمول جملہ اصحابِ ابی حنیفہ

[1] تهذيب التهذيب (٩/ ٣٩٢ تا ٣٩٤) وعام كتب رجال.

[2] خطيب (٧/ ٣٦٥، ٣٦٦) وتذكرة الحفاظ.

[3] تهذيب التهذيب وتذكرة الحفاظ وتاريخ خطيب والتنكيل (١/ ٢٣٢)

[4] تاريخ جرجان (ص: ٤٣٥)

شوروغل مچا رہے ہیں، اس پر ابویوسف نے کہا کہ آپ بھی تو شور مچا رہے ہیں، امام سفیان نے ابویوسف کو قسم کھاتے ہوئے ابلیس یا شیطان کا قاصد ونامہ برقرار دیا۔"

امام سفیان بن عیینہ سے روایت مذکورہ کے ناقل امام علی بن خشرم (مولود ۱۶۵ھ ومتوفی ۲۵۷ھ/ ۲۵۸ھ) ثقہ ہیں۔[1] ان سے روایت مذکورہ کے راوی ابوالحسن محمد بن محمد بن فضل بن محمد شعرانی طوسی مشہور حافظ حدیث ہیں۔[2] موصوف شعرانی سے روایت مذکورہ کے ناقل امام عبداللہ بن عدی مشہور ثقہ امام ہیں اوران سے روایت مذکورہ کو حافظ سہمی نے تاریخ جرجان میں نقل کیا ہے۔

روایت مذکورہ سے صاف طور پر واضح ہے کہ قاضی ابویوسف سے امام سفیان بن عیینہ امام صاحب کی زندگی ہی میں بیزار ہو گئے تھے، روایت مذکورہ کا مفاد ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں ہونے والے شوروغل کو امام سفیان بن عیینہ سخت ناپسند کرتے تھے، یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام عامر شعبی امام صاحب کے استاذ حماد اوران کے اصحاب سے سخت بیزار ومتنفر تھے اورانھیں کی طرح امام سفیان بن عیینہ بھی کرتے تھے، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ امام صاحب کے ہم مذہب اصحاب سے ملنا اور بولنا بھی گوارانہیں کرتے تھے، ورنہ امام صاحب کی درسگاہ میں داخل ہونے سے پہلے امام ابو یوسف امام سفیان بن عیینہ کی درسگاہ میں پڑھ چکے تھے۔ (كما سيأتي) لیکن امام ابویوسف نے جب سے امام صاحب کا ساتھ پکڑ لیا تب سے امام سفیان بن عیینہ نے اپنے اصولِ مذکور کے مطابق امام ابویوسف سے قطع تعلق کر لیا۔

امام ابویوسف پر امام یزید بن ہارون، سفیان ثوری اور وکیع کی تجریح:

مشہور محدث امام یزید بن ہارون سے مصنف انوار نے مدحِ امام صاحب میں کئی روایات نقل کر رکھی ہیں، انھیں امام یزید بن ہارون نے کہا:

"لا يحل الرواية عنه، كان يعطي أموال اليتامىٰ مضاربة، ويجعل الربح لنفسه."[3]

"ابویوسف سے روایت کرنی حلال نہیں، موصوف یتیموں کا مال شراکت میں لگا کر نفع خود کھاتے تھے۔"

امام سفیان ثوری نے بھی ابویوسف کی تجریح کی ہے۔[4]

شرح السیر الکبیر للامام شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی (المتوفی ۴۸۳ھ) میں ہے:

"خلیفہ کی مجلس میں محمد شیبانی کا ذکر آیا، ابویوسف کو اس سے خطرہ محسوس ہوا کہ محمد کو تقرب حاصل ہو جائے گا تو موصوف ابویوسف نے محمد سے خلوت میں کہا: کیا آپ مصر کے قاضی بننا پسند کریں گے؟ محمد نے کہا: کیوں؟ ابویوسف نے کہا کہ عراق میں ہمارا مذہب پھیل گیا ہے، اب میں چاہتا ہوں کہ مصر میں بھی پھیلے، محمد نے کہا میں مشورہ کر لوں، مشورہ کرنے سے اصحابِ محمد نے کہا کہ ابویوسف آپ کو یہاں سے دور رکھنا چاہتے ہیں، پھر خلیفہ نے ابویوسف سے محمد کو بلانے کے لیے کہا، ابویوسف نے کہا کہ انھیں سلس البول کی بیماری ہے، دیر تک مجلس خلیفہ میں نہ

[1] تهذيب التهذيب (٧/ ٣١٦، ٣١٧) وعام كتب رجال.
[2] الإكمال لابن ماكولا (٤/ ٥٧١) وأنساب سمعاني (٨/ ١٠٩)
[3] خطيب (١٤/ ٢٥٨) ولسان الميزان (٦/ ٣٠١) والضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٦٩)
[4] الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٦٩، ٤٧٠)

بیٹھ سکیں گے، خلیفہ نے کہا کہ بوقت ضرورت انھیں جانے کی اجازت ہوگی، ادھر ابو یوسف نے محمد سے کہا کہ دیر تک مجلس خلیفہ میں نہ بیٹھنا جب میں اشارہ کروں تو چلے جانا ورنہ خلیفہ ملول خاطر ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا محمد کو جب اصل معاملہ کی خبر ہوئی تو ابو یوسف سے رنجیدہ رہنے لگے حتی کہ وہ ابو یوسف کی نماز جنازہ میں بھی شریک نہیں ہوئے۔"[1]

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف کو کذاب قرار دینے میں امام صاحب منفرد نہیں ہیں، امام صاحب نے جابر جعفی کو کذاب کہا مگر سفیان ثوری، شعبہ اور زہیر بن معاویہ نے جابر جعفی کو صدوق کہا۔[2] دریں صورت مصنف انوار کے نزدیک امام صاحب کا قول راجح ہے یا سفیان ثوری وشعبہ وزہیر بن معاویہ کا؟ ظاہر ہے کہ مصنف انوار امام صاحب کا قول راجح مانتے ہیں، پھر امام ابو یوسف کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ مصنف انوار نے قاضی شریک کو بھی مجلس تدوین کا رکن کہا ہے اور انھوں نے امام ابو یوسف کو بھری ہوئی عدالت میں مردود الشہادۃ قرار دیا۔[3] امام عبداللہ بن ادریس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے خواب میں امام ابو یوسف کو قبلہ کے خلاف دوسری طرف نماز پڑھتے دیکھا۔[4] نیز یہ کہ ابو یوسف فاسق ہیں۔[5] ایک شخص نے امام وکیع کے سامنے امام ابو یوسف کا ذکر کر دیا تو اس کی طرف سے امام وکیع نے اپنا چہرہ پھیر لیا۔[6] مصنف انوار نے امام یحییٰ بن سعید قطان کو بھی مجلس تدوین کا رکن کہا ہے۔ نیز فرمایا:

"امام یحییٰ قطان کو رواۃ کی تنقید میں اس قدر کمال تھا کہ ائمہ حدیث کا قول تھا کہ جس کو امام قطان چھوڑ دیں گے (یعنی متروک قرار دیں گے) اسے ہم بھی چھوڑ دیں گے۔"[7]

اور امام بخاری نے فرمایا:

"تركه يحيٰى وابن مهدي وغيرهما."[8]

"امام ابو یوسف کو امام قطان اور ابن مہدی وغیرہما نے متفقہ طور پر متروک قرار دیا ہے۔"

کتب مصطلح حدیث میں صراحت ہے کہ جس کے متروک ہونے پر قطان اور ابن مہدی متفق ہو جائیں اس کا کام تمام ہو گیا، اور امام بخاری کے مذکورہ بالا قول کا مفاد ہے کہ قطان وابن مہدی ترکِ ابی یوسف پر تو خیر متفق ہی ہیں ان کے علاوہ دوسرے اہل علم نے بھی موصوف کو متروک قرار دیا ہے۔ چنانچہ تاریخ کبیر ترجمہ ابی یوسف میں امام بخاری نے کہا:

"يعقوب صاحب أبو حنيفة، تركوه."

"امام ابو یوسف کے استاذ امام ابوحنیفہ ہیں، ان کو عام اہل علم نے متروک قرار دیا ہے۔"

حافظ خطیب نے بھی امام بخاری سے امام ابو یوسف کی بابت یہی قول نقل کیا ہے[9] اور حافظ ذہبی وابن حجر نے بھی۔[10] مگر

---

[1] شرح سير كبير (١/ ٣، ٤) [2] تهذيب التهذيب ترجمه جابر.
[3] الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٦٩) وميزان الاعتدال (٢/ ٦١٢) ولسان الميزان (٦/ ٣٠٠، ٣٠١)
[4] الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٧٠) وخطيب (١٤/ ٢٥٨)
[5] خطيب (١٤/ ٢٥٧) [6] خطيب (١٤/ ٢٥٨) [7] مقدمه انوار (١/ ٢٠٨)
[8] الضعفاء والمتروكين للبخاري (ص: ٣٨) [9] خطيب (١٤/ ٢٦٠)
[10] ميزان الاعتدال (١/ ٦١٢) ولسان الميزان (٦/ ٣٠٠) وكتاب الضعفاء والمتروكين للذهبي (ص: ٣٤٥)

اس کے باوجود علامہ معلّمی یمانی مصنف "التنکیل بما في تأنیب الکوثري من الأباطیل" نے حاشیہ تاریخ کبیر میں لکھ دیا ہے کہ "ترکوہ" میں "ہ" ضمیر کا مرجع امام صاحب ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ امام بخاری نے "ترکوہ" کا لفظ امام صاحب کی بابت استعمال کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ بقول امام بخاری علمائے جرح وتعدیل نے امام صاحب کو متروک قرار دیا ہے۔ علامہ یمانی کی یہ بات حافظ خطیب، ذہبی اور ابن حجر کی نقل کے خلاف ہے، نیز ظاہر کے بھی خلاف ہے، اگرچہ تاریخ کبیر کی عبارت اس معنی کا احتمال بھی رکھتی ہے مگر خلافِ ظاہر ہونے کے سبب غیر صحیح ہے، البتہ ترجمۂ امام صاحب میں امام بخاری کی بات کا بھی حاصل مطلب وہی ہے جو علامہ معلّمی نے کہا ہے۔ (کما سیأتي)

کسی راوی کو متروک قرار دینے میں اہل علم کا ایک اصول:

اوپر مصنف انوار کا یہ بیان منقول ہوا کہ ائمہ حدیث کا قول تھا کہ جس کو امام قطان متروک قرار دیں گے اس کو ہم بھی متروک قرار دیں گے مگر پوری بات اس طرح ہے:

"عن علي بن المدیني قال ما رأیت أعلم بالرجال من یحیی القطان، ولا رأیت أعلم بصواب الحدیث والخطأ من ابن مهدي فإذا اجتمعا علی ترك رجل ترکته."[1]

"امام ابن المدینی نے فرمایا کہ میں نے امام قطان جیسا ماہر رجال اور ابن مہدی جیسا ماہر حدیث نہیں دیکھا، لہٰذا جس راوی کے متروک ہونے پر دونوں متفق ہوں اسے میں بھی ترک کر دیتا ہوں۔"

امام ابن مہدی نے کہا:

"امام شعبہ (بدعویٰ مصنف انوار امام شعبہ استاذِ ابی حنیفہ ہیں) اور اہل علم کے مابین ایک علمی معاملہ میں اختلاف ہو گیا، لوگوں نے کہا کہ اس نزاع کے تصفیہ کے لیے کسی کو حکم بنا لیجیے، امام شعبہ نے کہا کہ یحیٰی قطان حکم رہیں گے، امام قطان کے سامنے معاملہ پیش کیا گیا تو امام قطان نے امام شعبہ کے خلاف اور ان کے مخالفین کے حق میں فیصلہ کیا، امام شعبہ نے بڑی خوشی سے امام قطان کا فیصلہ قبول کر لیا۔"[2]

امام ابوعبید قاسم بن سلام نے کہا:

"سمعت ابن مهدي یقول: ما ترکت حدیث رجل إلا دعوت اللّٰه له وأسمیه."[3]

"میں کسی شخص کو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنے کے بعد ہی متروک قرار دیتا ہوں۔"

مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہے کہ امام ابن المدینی نے بھی امام ابو یوسف کو اس لیے متروک قرار دیا کہ ان کا اصول تھا کہ جس کو متروک قرار دینے پر امام قطان وابن مہدی متفق ہوں اسے متروک قرار دیا جائے، نیز یہ معلوم ہوا کہ علمی نزاع کی صورت میں امام صاحب کے استاذ امام شعبہ اور دوسرے اہل علم امام قطان کو حکم مانتے تھے، اگر امام ابو یوسف کے متروک قرار دیے جانے

[1] خطیب (١٤/ ١٣٨، ترجمه یحیی القطان) و (١٠/ ٢٤٣ ترجمه عبدالرحمن بن مهدی) و تهذیب التهذیب (٦/ ٢٨٠، ١١/ ٢١٧)

[2] خطیب (١٤/ ١٣٦) وعام کتب رجال.

[3] تذکرة الحفاظ (١/ ٣٣٠)

کے معاملہ کو نزاعی معاملہ قرار دیا جائے تو امام صاحب کے استاذ امام شعبہ اوران کے ساتھ کے دوسرے اہل علم کے حکم قرار دیے ہوئے امام قطان کے فیصلہ کے مطابق امام ابو یوسف متروک مانے جائیں گے خصوصًا اس صورت میں کہ امام ابن مہدی بھی اس معاملہ میں امام قطان کے ساتھ ہیں اورموصوف ابن مہدی استخارہ کے بعد کسی کو متروک قرار دیتے تھے۔مصنف انوار ناقل ہیں کہ امام ابن المدینی نے امام ابو یوسف کو صدوق کہا ہے۔[1] اور یہ معلوم ہے کہ صدوق ہونا متروک ہونے کے منافی نہیں، چنانچہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق امام ابن مدینی نے بھی امام قطان وابن مہدی وغیرہ کی طرح امام ابو یوسف کو متروک کہا ہے، اس سلسلے میں مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام ابو یوسف پر امام ابوحنیفہ کے ساتھ متعدد ایسے اہل علم نے بھی سخت تجریح کی ہے جن کو مصنف انوار نے ارکانِ مجلس تدوین قرار دیا ہے مثلاً ابن المبارک ، یحییٰ قطان، شریک، محمد بن حسن شیبانی، وکیع ،عبداللہ بن ادریس وغیرہم، مرجی وجہمی ہونا تو جرح قادح نہیں جب تک کہ وہ داعی اور درجۂ کفر تک پہنچنے والا عقیدہ نہ رکھے۔ اسی طرح ضال ومضل اورفاسق جیسے الفاظ کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ جارح نے اختلافِ نظریہ کے سبب یہ الفاظ استعمال کیے ہوں گے لیکن موصوف پر امام ابوحنیفہ، یحییٰ قطان وابن مہدی کی تجریح کی بابت مصنف انوار کیا فرماتے ہیں جبکہ وہ خود پوری صراحت کے ساتھ اعتراف کر چکے ہیں کہ ائمہ حدیث کا قول تھا کہ جسے امام یحییٰ قطان متروک قرار دیں گے اسے ہم بھی متروک قرار دیں گے؟ نیز صرف مذکورہ بالا حضرات ہی نے امام ابو یوسف پر تجریح نہیں کی بلکہ ان کے علاوہ بھی بہت سارے لوگوں نے موصوف کو غیر ثقہ قرار دیا ہے جن میں سے بعض کا تذکرہ آئندہ صفحات میں ابھی آرہا ہے۔

ایک دوسرے کی تائید کرنے والی مندرجہ ذیل روایت بھی ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:

''وفاتِ ابی یوسف کے بعد بعض شعراء نے موصوف کا منظوم مرثیہ پڑھا، جس کا حاصل معنی یہ ہے کہ مدفون ہو جانے والے امام ابو یوسف کی قبر پر موسلا دھار بارش ہو کہ انھوں نے بزور قیاس ورائے ''مدام'' یعنی شراب جیسی ممنوع وقبیح چیز کو حلال کر دیا، اگر انھیں موت نہ آگئی ہوتی تو قیاس ورائے کے ذریعہ موصوف لڑکیوں اورلڑکوں کو نیز دوسری ممنوعات کو بھی حلال قرار دے کر چھوڑتے۔''[2]

بتصریح حافظ ابن حجر مذکورہ بالا روایت حافظ شیرازی نے اپنی کتاب الالقاب میں نقل کی ہے، جن سے مراد امام حسن بن عثمان بن حماد بن حسان بن عبدالرحمٰن قاضی زیادی شیرازی بغدادی (مولود ۱۵۱/ ۱۵۲ھ ومتوفی ۲۴۲ھ) نہایت ثقہ وبلند پایہ محدث ومورخ ہیں، ان کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے ایک کا نام بتصریح مصنف معجم المصنفین ''القاب الشعراء'' بھی ہے۔[3]

---

[1] مقدمه انوار (١/ ١٨٠)

[2] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٠١، ١٠٢) وخطيب (١٤/ ٢٦٢) ولسان الميزان (٦/ ٣٠١ بحواله كتاب الألقاب للشيرازي)

[3] ملاحظہ ہو: معجم المصنفين (٣/ ٢٤٤) نیز ملاحظہ ہو: معجم البلدان (٣/ ٣٨١) ومعجم الأدباء يعني إرشاد الأريب (٩/ ١٨ تا ٢٤) وخطيب (٧/ ٣٥٦ تا ٣٦١) والبداية والنهاية (١٠/ ٣٤٤) ومرآة الزمان (٢/ ١٣٤) والأنساب للسمعاني (ص: ٣٥٩، ٣٦٠) والجرح والتعديل لابن أبي حاتم.

اعلام زرکلی ومعجم المصنفین میں امام زیادی کے ترجمہ کے لیے صرف بعض حوالے دیے گئے ہیں جن پر ہم نے کئی اضافے کر دیے ہیں۔

امام زیادی نے روایت مذکورہ کو عبدالملک بن محمد سے نقل کیا ہے، دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہونے والے نسخۂ لسان المیز ان میں عبدالملک بن محمد کو ''السرامسی'' لکھا گیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ ادارۂ مذکورہ کی مطبوعات میں بہت خطرناک قسم کی تصحیفات واقع ہوا کرتی ہیں۔ ''السرامسی'' والی نسبت کتبِ انساب میں کہیں مذکور نہیں، السرامس نام کے کسی قبیلے یا ملک ومقام کا کوئی ذکر کتب انساب وجغرافیہ میں کہیں نہیں۔ ''السرامسی'' دراصل ''الذماری'' کے لفظ کی تصحیف ہے۔ ''الذماری'' الذمار نامی ایک بستی کی طرف نسبت ہے جو ملک یمن کے شہر صنعاء سے قریب ہے، عبدالملک بن محمد اسی بستی الذمار کی طرف منسوب ہیں، چونکہ یہ بستی صنعاء شہر سے قریب اور صنعاء کے ماتحت ہے، اس لیے موصوف ذماری کے ساتھ صنعانی بھی کہے جاتے ہیں۔ ❶ اسی کو تصحیف کر کے دائرۃ المعارف کے نسخۂ لسان المیز ان میں ''السرامسی'' کر دیا گیا ہے، صنعاء نام کی ایک بستی ملک شام میں بھی ہے۔ ❷ اس لیے بعض لوگوں نے موصوف کو اسی ملک شام کے صنعاء کی طرف منسوب سمجھ لیا ہے مگر چونکہ عبدالملک بن محمد کی نسبت میں ''برسمی وحمیری'' کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے اور برسم حمیر قبیلہ کی ایک شاخ ہے اور حمیر یمنی قبیلہ ہے، نیز ذمار بھی یمنی بستی ہے۔ ❸

اس لیے صحیح یہی ہے کہ موصوف عبدالملک بن محمد یمنی الاصل حمیری برسمی ذماری صنعانی ہیں، ان کو عبدالملک بن عبدالرحمٰن اور عبدالملک بن ہشام بھی کہا جاتا ہے مگر دراصل ہشام ان کے دادا کا نام ہے اور عام عادت ہے کہ دادا اور پوتے کے درمیان سے کبھی کبھار باپ کا نام حذف کر دیا جاتا ہے بلکہ کبھی کبھی نسب نامہ سے کئی نام بھی حذف کر دیے جاتے ہیں، حضرت حسین اور حسن میں سے ہر ایک کو ابن الرسول، ہمارے نبی ﷺ کو ابن عبدالمطلب وغیرہ کہا جاتا ہے، البتہ موصوف کے باپ کو کسی نے عبدالرحمٰن اور کسی نے جو محمد کہا ہے تو ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے دو نام ہوا کرتے ہیں یا پھر اس طرح کے اختلافات بعض رواۃ کے بارے میں ہو ہی جایا کرتے ہیں، یہ کوئی الجھن کی بات نہیں ہے۔

صحیح بخاری کتاب الجنائز میں عبدالملک بن محمد ذماری کی ایک معلق روایت امام وہب بن منبہ سے موجود ہے، یہ معلق روایت صحیح بخاری کی کتاب الجنائز کے پہلے باب کے ترجمۃ الباب میں موجود ہے۔ ❹ اس روایت کو امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں اور امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء (۴/ ۶۶) میں نقل کیا ہے۔ ❺ صحیح بخاری میں تعلیقاً موصوف ذماری کی روایت کی موجودگی اس امر کی دلیل ہے کہ موصوف معتبر راوی ہے، چونکہ موصوف کو عبدالملک بن عبدالرحمٰن بھی کہا جاتا ہے، اس لیے اس بات کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہیے، ان کی کنیت بھی مختلف بتلائی جاتی ہے ابوہشام، ابومحمد، ابوعباس، عبدالملک بن محمد یا عبدالملک بن عبدالرحمٰن ذماری یمنی کے علاوہ صنعاء شام کے رہنے والے ایک دوسرے عبدالملک بن محمد صنعانی شامی بھی ہیں، بعض لوگوں نے دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے مگر امام بخاری وابوحاتم نے دونوں کو الگ الگ راوی بتلایا ہے اور حافظ ابن حجر نے امام بخاری وابوحاتم کی بات کو صواب قرار دے کر کہا کہ دونوں دو راوی ہیں، ایک شام کے صنعاء کی طرف

---

❶ ملاحظہ ہو: كتاب الأنساب للسمعاني لفظ ذماري وصنعاني ولباب الأنساب وغيره.

❷ كتب أنساب، لفظ صنعاء. ❸ ملاحظہ ہو: لباب لفظ برسمي نیز حاشيه أنساب سمعاني (٦/ ١٦٥)

❹ صحيح البخاري مصرى (ص: ١٥٢، ١٥٣) وصحيح البخاري مع فتح الباري (٣/ ١٠٩، ١١٠)

❺ نیز ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب (٩/ ١٨٧ ترجمه محمد بن سعيد بن رُمانه)

منسوب ہیں دوسرے یمن کے، شام والے ابوالعباس عبدالملک بن محمد ہیں اور یمن والے ابومحمد یا ابوہشام عبدالملک بن محمد یا عبدالملک بن عبدالرحمٰن ہیں، شام والے عبدالملک کی عام طور پر تجریح کی گئی ہے۔ امام ابن حبان نے شامی کی بابت کہا ہے:

”كان ممن يجيب في كل ما يسأل حتى ينفرد عن الثقات بالموضوعات لا يجوز الاحتجاج بروايته.“[1]

امام ابن حبان کے علاوہ موصوف کو امام بخاری نے منکر الحدیث کہا، نیز امام ابوعمرو بن حفص فلاس وابوزرعہ نے بھی انھیں منکر الحدیث کہا، امام ابوحاتم نے موصوف کو ''شیخ'' اور فلاس نے ایک قول میں ثقہ کہا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف فی نفسہ صدوق تھے مگر سوءِ حفظ کے باعث منکر الحدیث ومجروح قرار دیے گئے۔

ظاہر ہے کہ شامی عبدالملک برسمی ہیں نہ حمیری نہ ذماری، البتہ اشتباہ کے سبب لوگوں نے انھیں یہ سب کچھ کہہ دیا ہے، البتہ صنعاء یمن کے عبدالملک بن محمد یا عبدالملک بن عبدالرحمٰن ذماری کو امام فلاس نے ثقہ وصدوق کہا، ابن حبان نے ان کو الثقات میں داخل کیا، ان سے امام احمد بن حنبل نے روایت کیا جو دلیلِ توثیق ہے، اور روایت مذکورہ کی سند میں یہی واقع ہوئے ہیں، ان کے نام کے ساتھ ذماری یا برسمی کی نسبت کو محرف کر کے دائرۃ المعارف والے نسخہ لسان المیز ان میں ''السرامسی'' کر دیا گیا ہے۔

موصوف ذماری برسمی کا ثقہ ہونا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے اور وہ امام ابویوسف کے معاصر ہیں، انھوں نے کہا ہے کہ تدفینِ ابی یوسف کے بعد ان کی قبر پر کھڑے ہوکر ''النظام'' نے مذکورہ اشعار پڑھے۔ ”النظام“ عربی زبان میں ''الشاعر'' کا مترادف لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی شاعر نے یہ اشعار پڑھے، نیز النظام مشہور معتزلی امام ابراہیم بن سیار بن ہانی ابواسحاق (متوفی ۲۳۲ھ) کا لقب بھی ہے مگر ہمارے نزدیک یہاں ''النظام'' سے مراد ''الشاعر'' ہے۔

روایتِ صیمری میں اس شاعر کا نام ابن ابی کثیر مولی بنی الحارث بن کعب بتلایا گیا ہے مگر ابن ابی کثیر سے روایت مذکورہ کا ناقل ہشام بن محمد کلبی ہے، اس کو اگرچہ اہل علم نے ساقط الاعتبار کہا ہے مگر اس کے باپ محمد بن السائب امام صاحب اور ابویوسف دونوں کے استاذ ہیں، اور مصنف انوار، کوثری اور اراکین تحریک کوثری کا کہنا ہے کہ امام صاحب اور ابویوسف کے کسی استاذ کو غیر ثقہ قرار دینے والے مدارکِ اجتہاد سے ناآشنا ہیں، یعنی اساتذۂ امام صاحب وابویوسف ثقہ ہیں، اور اہل علم نے صراحت کر دی ہے کہ محمد بن السائب کے لڑکے ہشام اپنے باپ سے زیادہ قوی وقابل اعتبار ہیں۔[2] اس لیے مصنف انوار واراکین تحریک کوثری کے اصول سے موصوف ہشام ثقہ سے بھی ثقہ تر ہوئے، ہمارے نزدیک موصوف ہشام کی روایت مذکورہ عبدالملک ذماری برسمی کی روایت کی تائید ومتابعت کرتی ہے اور بس، ورنہ فی نفسہ معتبر نہیں مگر روایت ذماری کے ساتھ مل کر معتبر ہوجاتی ہے، بایں ہمہ حاشیۂ اخبار ابی حنیفہ للصیمری میں کہا گیا ہے کہ ہشام والی روایت موضوع اور شیرازی والی روایت بے سند ہے، یہی بات تانیب الخطیب وحسن التقاضی میں کہی گئی ہے، حالانکہ ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ شیرازی والی روایت معتبر

---

[1] المجروحين لابن حبان (٢/ ١٣٠) وتهذيب التهذيب (٦/ ٤٢١، ٤٢٢ ترجمه عبدالملك بن محمد) نیز ملاحظہ ہو: لسان الميزان ترجمه عبدالملك بن عبدالرحمن (٤/ ٦٦) وخلاصه تذهيب الكمال (٢/ ١٨٠ ترجمه عبدالملك بن محمد) وأنساب سمعاني (٨/ ٣٣٢، ٣٣٣، لفظ صنعاني)

[2] لسان الميزان وتهذيب التهذيب وخطيب میں دونوں کے تراجم ملاحظہ فرمائیے۔

سند کے ساتھ منقول ہے اور ہشام والی روایت اس کے متابع کے طور پر ہے، پھر اشعار مذکورہ کی تائید دوسرے ائمہ جرح وتعدیل کے بیانات سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ امام منصور بن ابی مزاحم سے منقول ہے:

''جعفر بن یحییٰ (ہارون رشید کے وزیر) کی موجودگی میں علمی بات چیت ہو رہی تھی کہ ابو یوسف نے کہا کہ آپ لوگ ہم پر کس وجہ سے تنقید کرتے ہیں؟ لوگوں نے کہا: "ترید أن تعمد إلى الحرام فتحتال له فتجعله حلالا تأكلونه" یعنی آپ حرام چیز کو اپنے حیلہ کے ذریعہ حلال قرار دے لیتے ہیں پھر اسے کھاتے ہیں۔''[1]

امام عبداللہ بن المبارک نے کہا:

"إن بعض هؤلآء هوى جارية كان وطئها أبوه فاستشار فيها أبا يوسف، فقال: لا تصدقها، فجعل يقطعه."[2]

''بعض حکام کو ایک ایسی لونڈی سے عشق ہوگیا جس کے ساتھ اس بعض حکام کے باپ نے وطی کی تھی، اس شخص نے امام ابو یوسف سے اس معاملہ میں مشورہ لیا تو ابو یوسف نے کہا کہ اس لونڈی کی بات کی تصدیق مت کرو، چنانچہ شخص مذکور لونڈی کے ساتھ وطی کرنے لگا اور اس نے امام ابو یوسف کو جاگیروں سے نوازا۔''

مذکورہ بالا روایات سے اشعار مذکورہ کے مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ مشہور ثقہ شاعر مساور وراق نے اس طرح کا مضمون عام اہل الرای کے بارے میں منظوم کیا ہے۔ (کمامر) نیز ان اشعار میں صرف یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ امام ابو یوسف نے ''مدام'' یعنی شراب کو اپنے زور قیاس سے حلال کر دیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ حنفی مذہب میں "نبيذ شديد" حلال ہے، صرف اس کا وہ آخری پیالہ حرام ہے جس سے نشہ ہو۔[3]

اس کو عام محدثین وفقہاء شراب کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور مطلقاً حرام بتلاتے ہیں، ان اشعار میں جو یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر امام ابو یوسف زندہ رہتے تو لڑکیوں اور لڑکوں کو بھی مباح کر ڈالتے تو یہ محض شاعر کا ایک ظن ہے جو اس نے امام ابو یوسف کے بارے میں قائم کر لیا تھا، یہ ضروری نہیں کہ امام ابو یوسف ایسا اقدام کر ہی ڈالتے مگر جس قسم کے شرعی حیلے امام ابو یوسف کی طرف منسوب ہیں ان کو دیکھتے ہوئے شاعر نے ان کے متعلق خیالِ مذکور کو منظوم کر دیا ہے، اشعار مذکورہ سے متعلق اراکین تحریک کوثری کی غلط بیانی ظاہر کرنے کے لیے ہم نے یہ تفصیل پیش کی ہے ورنہ درحقیقت ان اشعار سے امام ابو یوسف پر جرح قادح ثابت نہیں ہوسکتی مگر موصوف پر امام صاحب، امام ابن المبارک، محمد شیبانی، یزید بن ہارون اور وکیع وغیرہ نے بھاری جرح کر رکھی ہے، اسی طرح امام یحییٰ قطان اور ابن مہدی وغیرہ نے بھی موصوف ابو یوسف پر سخت جرح کی ہے، ان جرحوں کے ہوتے ہوئے ایک تحقیق پسند آدمی کیا فیصلہ کرے گا؟

امام ابو یوسف میں لکنت وتصحیف کے وصف کا تذکرہ:

مصنف انوار نے اس بات کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل امام ابو یوسف کے شاگرد تھے۔[4] انھیں امام

[1] الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٧٠) [2] الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٧٠) [3] عام كتب فقه حنفي.

[4] مقدمه انوار بعنوان امام ابو یوسف کے تلامذہ (١/ ١٧٨ و ١٤٣، تذكره امام أحمد)

احمد بن حنبل کا فرمان ہے:

"كان في أبي يوسف رحمه الله لثغة، فكان يحدثنا فيقول: ثنا مطيف بن طيف الحايثي أي مطرف بن طريف الحارثي." [1]

"امام ابو یوسف بہت ہکلانے والے تھے، ان میں شدید لکنت پائی جاتی تھی، ہم سے موصوف حدیث بیان کیا کرتے تھے تو مطرف بن طریف حارثی کو مطیف بن طیف حایثی کہتے تھے۔"

اس روایت کی سند صحیح ہے مگر اکاذیب کو معتبر کہنے اور معتبر باتوں کی تکذیب کے عادی کوثری نے روایت مذکورہ پر یہ حاشیہ آرائی کی ہے:

"ومثل هذه اللثغة مما لايصبر عليه مثل الرشيد فشواهد الحال تدل على عدم صحة هذا الخبر على أن الراوي عن عبد الله حشوي هالك." [2]

"اس طرح کی لکنت کو ہارون جیسا خلیفہ برداشت نہیں کر سکتا تھا، لہٰذا حالات اس روایت کے غیر صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور امام احمد سے اس روایت کے ناقل ان کے بیٹے عبداللہ ہیں اور عبداللہ سے اس کا ناقل ایک "حشوی هالك" ہے۔"

ہم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے کذاب قرار دیے ہوئے امام ابو یوسف کو اگر ہارون رشید قاضی القضاۃ بنانے پر راضی تھا اور وہب بن وہب ابوالبختری جیسے کذاب کو بھی قاضی القضاۃ بنانے پر راضی تھا اور قاضی شریک کے مردود الشہادۃ قرار دیے امام ابو یوسف کو قاضی القضاۃ بنانے پر راضی تھا اور امام ابو یوسف کے ان سارے اوصاف کے باوجود موصوف کو قاضی القضاۃ بنانے پر راضی تھا جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے اور آئندہ بھی آتا رہے گا تو اس طرح کی لکنت والے ابو یوسف کو برداشت کرنا کون سی بڑی بات تھی؟

زیاد بن ابیہ اور اس کے بیٹے عبیداللہ بن زیاد بلند ترین سرکاری مناصب پر فائز تھے، زیاد بن ابیہ کو حضرت علی مرتضیٰ نے بھی گورنر بنا رکھا تھا اور حضرت علی کے بعد اسے امیر معاویہ نے بھی بلند مناصب دیے، یہی حال عبیداللہ کا رہا، حالانکہ یہ دونوں باپ بیٹے لکنت و عجمیت کے وصف سے متصف تھے۔ [3] بڑے بڑے بلند مناصب والوں میں اس طرح کا وصف پایا جاتا ہے اور اس وصف کے باوجود بھی وہ فصیح و بلیغ ہونے میں شہرت رکھتے ہیں، یہ بات معروف ہے، اس لیے اس معاملہ میں اِطناب کی ضرورت نہیں۔ صرف امام کسائی علی بن حمزہ کا ترجمہ دیکھنے سے معاملہ آسان ہو جائے گا جو لکنت و تصحیف والے ہونے کے باوجود ہارون کی نظر میں بہت معظم و معزز اور مقرب و محبوب تھے۔ سلیمان بن فلیح نے کہا:

"میں ہارون رشید کی مجلس میں تھا، امام ابو یوسف نے گھوڑ دوڑ کے سلسلے میں یہ حدیث بیان کی: "سابق رسول

---

[1] مناقب أبي حنيفة وصاحبيه للذهبي (ص: ٤٦)　[2] تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٤٦)
[3] الكامل للمبرد (١/ ٣٧٢)

اللہ ﷺ من الغاية (بالياء) إلى بنية (پہلا حرف با اس کے بعد ن) الوداع" اس پر میں نے کہا: اے امیر المؤمنین ابو یوسف کثیر التصحیف آدمی ہیں انھوں نے اس حدیث میں دو جگہ تصحیف کی ہے، ایک ''غابۃ'' (ب کے ساتھ) کو ''غایۃ'' (ی کے ساتھ) کر دیا، دوسرے ''ثنیۃ'' کو ''بنیۃ'' کر دیا۔''

مذکورہ بالا روایت سے اس کے پہلے والی روایت کی تائید مزید ہوتی ہے، ہم نے اسے بطور تائید ہی نقل کیا ہے۔ معجم الادباء یعنی ارشاد الاریب میں ترجمۂ علی بن حمزہ کسائی میں منقول ہے کہ ہارون کے زمانہ خلافت میں یعنی ۱۷۰ھ کے بعد بھی امام ابو یوسف کو علم نحو وادب سے ضروری واقفیت وآشنائی نہیں تھی، کسائی سے بعض مذاکرات کے نتیجہ میں ہارون کے سامنے ذلت و خجالت اٹھانے کے بعد امام ابو یوسف کو نحو وادب سے واقفیت حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوا۔[1]

علمِ ابی یوسف پر بعض اہل علم کا تبصرہ:

امام ابو یوسف پر مذکورہ بالا حضرات کے کلماتِ جرح ونقد کو دیکھ کر یہ خیال گزرتا ہے کہ اس قدر مجروح ہونے کے باوجود بھی امام ابو یوسف کے صاحب علم ومعرفت ہونے کا سبھی لوگوں کو اعتراف ہوگا، ہم بھی موصوف کو صاحب علم مانتے ہیں مگر مصنف انوار نے امام فضیل بن عیاض کو بھی مجلس تدوین کا رکن قرار دیا ہے اور منقول ہے کہ فضیل سے پوچھا گیا کہ آپ امام ابو یوسف کے علم کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ امام فضیل نے جواب دیا:

"أو علم هو؟" یعنی ابو یوسف کا علم دراصل کوئی علم ہی نہیں وہ بے کار چیز ہے جس کا کچھ حاصل نہیں۔[2] وفي لفظ: "أي علم هو؟" یعنی ابو یوسف کا علم بھی کوئی علم ہے کہ تم اس کے بارے میں سوال کرتے ہو کہ ان کا علم کیسا ہے؟

معلوم ہوا کہ مجلس تدوین کے رکن امام فضیل بن عیاض امام ابو یوسف کے علم کو علم ہی نہیں مانتے تھے لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام فضیل بن عیاض نے یہ بات اپنے خاص نقطۂ نظر سے کہی ہے ورنہ امام ابو یوسف بذات خود بڑے صاحب علم تھے۔

امام سعید بن منصور نے کہا:

''ایک شخص نے امام ابو یوسف سے کہا کہ حج کے موقع پر ایک شخص نے مسجد عرفہ میں قیام کیا اور امام (امیر الحج) کے ساتھ روانہ ہوا تو کیا اس کا حج صحیح ہو جائے گا؟ امام ابو یوسف نے کہا کہ ہاں اس میں کوئی خرابی نہیں، شخص مذکور نے کہا کہ حضرت ابن عباس تو یہ فرماتے ہیں کہ اس کا حج نہیں ہوگا، امام ابو یوسف نے کہا کہ تم لوگ احکام (معلوم نہیں اس لفظ کا کیا مطلب ہے) کا علم زیادہ رکھتے ہو اور ہم ''فقہ'' کا علم زیادہ رکھتے ہیں، شخص مذکور نے کہا کہ جب تم اصل ہی کے علم سے ناواقف ونا آشنا ہو تو فقیہ کیسے ہو سکتے ہو؟''[3]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف کے مخاطب نے انھیں اس بنیاد پر غیر فقیہ قرار دیا کہ جس علم کی بدولت آدمی فقیہ ہو سکتا ہے اس سے وہ ناواقف ہیں، امام سعید کی اس روایت کے مطابق امام ابو یوسف کا مخاطب اگرچہ مجہول ہے مگر اس واقعہ کے ناقل امام سعید بن منصور امام ابو یوسف کے معاصر ہیں اور انھوں نے اپنے مشاہدہ کی یہ بات کہی ہے، البتہ یہ کہا

[1] نیز ملاحظہ ہو: خطیب (۱۱/ ۴۰۶) [2] الضعفاء للعقيلي (۳/ ۴۶۹)
[3] خطیب (۱۴/ ۲۵۱)

جا سکتا ہے کہ شخص مذکور نے اپنے نقطۂ نظر سے امام ابو یوسف کو غیر فقیہ کہا ہے ورنہ درحقیقت وہ بڑے فقیہ تھے۔

مصنف انوار امام ابن معین کو امام جرح وتعدیل اور حنفی المسلک مانتے ہیں اور ابن معین نے بھی فرمایا ہے کہ امام ابو یوسف علم حدیث کی معرفت نہیں رکھتے تھے اور نہ علم حدیث سے انھیں آشنائی ہی تھی۔ (کما سیأتي) اس تفصیل کو ملحوظ رکھتے ہوئے آئندہ صفحات کا مطالعہ کیجیے۔

امام ابو یوسف کا فقہی مذہب:

اس بات کا ذکر آ چکا ہے کہ اعمال کے جزو ایمان ہونے کا عقیدہ نہ رکھنے کے سبب قاضی شریک نے بھری عدالت میں امام ابو یوسف کو مردود الشہادۃ قرار دیا تھا، یہ چیز اس بات کی دلیل ہے کہ امام ابو یوسف جس وقت عدالتِ شریک سے مردود الشہادۃ قرار دیے گئے تھے اس وقت وہ مسلک ابی حنیفہ کے پیرو تھے، یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ امام ابو یوسف کے ساتھ واقعۂ مذکورہ امام شریک کے زمانۂ قضا میں پیش آیا تھا، اور یہ معلوم ہے کہ شریک زمانۂ منصور سے لے کر خلیفہ مہدی محمد بن عبداللہ عباسی کے زمانہ خلافت تک قاضی رہے تھے، موصوف خلیفہ مہدی محمد بن عبداللہ کے زمانۂ خلافت میں عہدۂ قضا سے معزول کیے گئے تھے اور یہ معلوم ہے کہ ۱۶۸ھ ختم ہونے پر بالکل اوائل ۱۶۹ھ میں خلیفہ مہدی فوت ہوا جس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۶۸ھ کے ختم ہونے سے پہلے پہلے عدالتِ شریک سے امام ابو یوسف کے مردود الشہادۃ قرار دیے جانے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا کہ امام ابو یوسف اس سے متاثر نہ ہوئے ہوں، ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف بذات خواہ ربیع الاول ۱۶۶ھ میں قاضی بنائے گئے تھے۔[1]

اور اس زمانہ کے ولی عہد موسی ہادی کے ساتھ ۱۶۶ھ میں عراق سے باہر خراسان کی طرف جرجان روانہ ہوئے تھے۔[2]

اور جرجان سے موسی کی واپسی ۱۶۸ھ کے خاتمہ پر بالکل اوائل ۱۶۹ھ ماہِ محرم میں ہوئی تھی، یعنی جرجان میں موسیٰ کے ساتھ امام ابو یوسف کا قیام تین سال سے بہرحال کم رہا، اسی زمانہ میں یعنی ۱۶۶ھ تا ۱۶۸ھ میں امام ابو یوسف نے بقول امیر خراسان سعید بن سلم باہلی امام ابوحنیفہ سے اپنے تلمذ کے اعتراف کے ساتھ امام صاحب اور ان کے مذہب سے نفرت ووحشت اور بے تعلقی کا اظہار کیا تھا۔ (کما سیأتي) ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہونے والے امام ابو رجاء قتیبہ بن سعید ثقفی بلخی بغلانی (متوفی ۲۴۰ھ) جو اپنے وطن خراسان سے ۱۷۲ھ میں عراق کی طرف روانہ ہوئے وہ فرماتے ہیں:

"سمعت أبا يوسف يقول: الإيمان قول وعمل ويزيد وينقص."[3]

''میں نے ابو یوسف کو یہ کہتے سنا کہ ایمان قول وعمل سے مرکب ہے (اعمال جزو ایمان ہیں) اور ایمان گھٹتا بڑھتا بھی ہے۔''

یہ معلوم ہے کہ ایمان میں عمل کے داخل ہونے اور اس میں کمی بیشی کا عقیدہ اہل الرای اور اہل حدیث کے مابین حد فاصل وفارق کی حیثیت رکھتا ہے، عام اہل الرای کے موقف وعقیدہ کے خلاف ابو یوسف کا مذکورہ بالا اعلان واظہار ایک غیر معمولی حادثہ تھا، اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ ۱۶۶/ ۱۶۷ھ سے پہلے موصوف ابو یوسف بہرحال اپنے ظاہر کردہ مذکورہ بالا عقیدہ کے خلاف ایمان کے بسیط ہونے کے معتقد ہونے کے سبب عدالتِ شریک سے مردود الشہادۃ قرار دیے گئے تھے لیکن ابو یوسف کی طرف سے

[1] خطیب (۱۴/ ۲۶۱) [2] خطیب وعام کتب تاریخ. [3] ثقات ابن حبان (۷/ ٦٤٥ مطبوع حیدر آباد)

اعمال کے جزو ایمان ہونے اور اس میں کمی بیشی ہونے کے عقیدے کا وہ اعلان واظہار جس کو امام قتیبہ نے نقل کیا ہے یقیناً موصوف کے عدالت شریک سے مردود الشہادۃ قرار دیے جانے کے واقعہ کے بہت بعد کیا گیا ہے، خواہ اس زمانہ میں جبکہ امام ابو یوسف موسیٰ کے ساتھ ۱۶۷/ ۱۶۸ھ میں مقیم جرجان تھے یا اس کے بعد بھی، قتیبہ نے کہا:

"انحدرت إلى العراق أول خروجي سنة ١٧٢هـ وكنت يومئذ ابن ثلاث وعشرين سنة."

''اپنے ملک خراسان سے باہر نکل کر سب سے پہلے عراق گیا جبکہ میری عمر تئیس سال تھی اور وہ ۱۷۲ھ کا زمانہ تھا۔'' [1]

زیادہ ظاہر یہ ہے کہ امام ابو یوسف سے امام قتیبہ کی ملاقات عراق ہی میں ہوئی ہوگی جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ ایمان میں اعمال کے شامل ہونے اور اس میں کمی بیشی ہونے والی بات امام ابو یوسف سے قتیبہ بن سعید نے ۱۷۲ھ یا اس کے بعد میں سنی ہوگی، اگرچہ یہ مستبعد نہیں کہ قتیبہ نے امام ابو یوسف کی یہ بات ان کے مقیم جرجان ہونے کے زمانہ میں یعنی ۱۶۷/ ۱۶۸ھ میں سنی ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۶۱/ ۱۶۲ھ میں پیدا ہونے والے امام علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی المعروف بابن المدینی (متوفی ۲۳۴/ ۲۳۵ھ) نے کہا کہ امام ابو یوسف قاضی ہونے کے بعد پہلی بار ۱۷۶ھ میں بصرہ آئے تو میں ان کے پاس نہیں گیا لیکن جب اس کے چار سال بعد ۱۸۰ھ میں دوبارہ امام ابو یوسف بصرہ آئے تو ان کے پاس گیا۔ [2]

پہلی بار بصرہ میں امام ابو یوسف کے آنے پر ان کے پاس امام ابن المدینی کے نہ آنے کا ایک بھاری سبب یہ ہوسکتا ہے کہ موصوف اس زمانے میں امام ابو یوسف کو امام صاحب کے اس مذہب رائے وقیاس سے پوری طرح وابستہ سمجھتے رہے ہوں جس کے سبب اہل بصرہ خصوصًا قاضی سوار، معاذ بن معاذ، ابن مہدی، عثمان بتی وغیرہم کو امام ابو یوسف سے وحشت رہی ہو لیکن اس کے بعد موصوف جب ۱۸۰ھ میں دوبارہ بصرہ گئے تو ان کی اختیار کردہ پالیسی کے مطابق ابن المدینی نے یہ سمجھ لیا ہو کہ امام ابو یوسف مذہب رائے وقیاس کی بجائے مذہب اہل حدیث کی طرف زیادہ رجحان اور میلان رکھتے ہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ طحاوی سے ناقل ہیں:

"نا بكار بن قتيبة سمعت أبا الوليد الطيالسي يقول: لما قدم أبو يوسف البصرة مع الرشيد اجتمع أهل الرأي وأصحاب الحديث على بابه، فطلب كل فريق منهم الدخول عليه أولا، فأشرف عليهم فلم يأذن لفريق منهم، وقال: أنا من الفريقين جميعا، ولا أقدم فرقة على فرقة ..إلخ." [3]

''بکار بن قتیبہ نے کہا کہ میں نے ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی باہلی (مولود ۱۳۳ھ ومتوفی ۲۲۷ھ) کو یہ کہتے سنا کہ ابو یوسف جب ہارون رشید کے ساتھ بصرہ آئے تو ان کے دروازہ پر اہل الرای اور اہل الحدیث دونوں فرقے کے لوگ جمع ہو گئے اور دونوں میں سے ہر ایک نے دربار ابی یوسف میں دوسرے کے بالمقابل پہلے باریابی حاصل کرنی چاہی، ابو یوسف نے ان کی طرف جھانک کر فرمایا کہ میں دونوں ہی فرقے کا آدمی ہوں اور دونوں میں سے کسی کو باریابی میں مقدم نہیں کرسکتا، البتہ دونوں کے سامنے ایک مسئلہ پیش کرتا ہوں جس کا جواب صحیح ہوگا اسی کو

[1] خطيب (١٢/ ٤٦٧) وتهذيب التهذيب (٨/ ٣٦٠) [2] خطيب (١٤/ ٢٥٥)

[3] مناقب أبي حنيفة وصاحبيه للذهبي (ص: ٤٢، ٤٣)

باریابی میں تقدم حاصل ہوگا، پھر مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے موصوف ابو یوسف نے کہا کہ میری یہ انگشتری اگر کوئی شخص دانتوں سے چبا کر توڑ دے تو مجھے اس کے خلاف کیا حق حاصل ہوگا؟ اہل حدیث نے اس سوال کے جواب میں باہم اختلاف کیا، ابو یوسف کو ان کا جواب پسند نہیں آیا لیکن ایک فقیہ (یعنی فقیہ اہل الرای) نے کہا کہ مجرم آپ کو دوسری انگشتری تیار کر کے دے اور آپ کی توڑی ہوئی انگشتری خود لے لے الا یہ کہ آپ اسے معاف کر دیں، ابو یوسف نے کہا کہ اس فتوی کے قائلین میرے پاس پہلے آئیں، میں بھی (یعنی ابو الولید طیالسی) پہلے جانے والے لوگوں کے ساتھ دربار ابو یوسف میں داخل ہو گیا، مستملی کی درخواست پر ابو یوسف نے حسن بن صالح کی سند سے ایک حدیث کی املا کرائی اور ساتھ ہی ساتھ فرمایا کہ حسن بن صالح پر کلام کرنے والے کے اوپر مجھے جتنا خطرہ محسوس ہوتا ہے اتنا کسی پر نہیں، ابو یوسف نے یہ بات امام ابو بسطام شعبہ کے خلاف بطور تعریض کہی کیونکہ امام شعبہ حسن پر کلام کرتے تھے، میں (ابو الولید طیالسی) مجلس ابی یوسف سے باہر چلا آیا یہ سمجھ کر کہ جس مجلس میں امام شعبہ پر تعریض کی جاتی ہو وہ بیٹھنے کے لائق نہیں، پھر میں نے دل میں سوچا کہ قاضی آفاق اور وزیر خلیفہ سے خفا ہو کر میں کیا کروں گا؟ لہٰذا دوبارہ مجلس ابی یوسف میں واپس آ گیا، خاتمہ مجلس پر ابو یوسف نے مجھے مخاطب کیا گویا وہ میرے دل کی بات بھانپ گئے تھے، چنانچہ وہ فرمانے لگے کہ شعبہ کی قدر میرے دل میں بہت ہے، ان کے خلاف کسی بڑائی کا بھی ارادہ نہیں رکھتا لیکن میں حسن بن صالح سے بہتر کسی کو نہیں جانتا۔ بکار نے کہا کہ میں نے ہلال الرائی سے ابو الولید کی ذکر کردہ بات کا تذکرہ کیا تو ہلال نے کہا کہ میں نے ہی اہل الرای کی طرف سے ابو یوسف کے سوال کا جواب دیا تھا۔''

اس روایت کی سند قوی ہے اور اس میں مذکورہ واقعہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ابو یوسف کے ۱۸۰ھ میں بصرہ جانے کے بعد پیش آیا تھا جبکہ موصوف ابو یوسف قاضی القضاۃ بن چکے تھے، پہلے موصوف صرف قاضی تھے ترقی کر کے قاضی القضاۃ بعد میں بنے تھے۔

روایت مذکورہ کا مفاد واضح طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف نے ایسی پالیسی اختیار کر رکھی تھی کہ اہل الحدیث اور اہل الرای میں سے ہر طبقہ ان کو اپنے فریق کا فرد سمجھتا تھا مگر روایت مذکورہ سے یہ بھی واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ موقع کی مناسبت سے ابو یوسف نے ایک طرف یہ اعلان کیا کہ میں ہر دو فریق کا آدمی ہوں دوسری طرف دونوں میں سے کسی کو ترجیح دینے کے لیے ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے کسی ایک کے ساتھ جانب داری کا الزام نہ عائد ہو سکے، ہمارے نزدیک امام ابو یوسف کے پیش کردہ سوال کے معاملہ میں ہلال الرائی کا موقف صحیح تھا مگر اہل الرای کی طرف سے ان کے علاوہ کسی اور نے اس سلسلے میں اظہار خیال نہیں کیا تھا کہ اس معاملہ میں ان کے مابین اختلافِ رائے ظاہر ہو سکے، یہ ایک معلوم شدہ واضح حقیقت ہے کہ اہل الحدیث کے بالمقابل اہل الرای کے مابین باہم زیادہ شدید اختلافات موجود ہیں، خود ہلال الرائی نے وقف کے معاملہ میں امام صاحب اور ان کے اصحاب کے خلاف ایک مستقل کتاب ''کتاب الوقف'' لکھی ہے، ابن ابی لیلیٰ بھی فقہائے اہل الرای میں شمار کیے جاتے ہیں مگر امام صاحب اور ان کے مابین بہت ہی زیادہ اختلافات کے ساتھ باہم شدید منافرت اور وحشت بھی

تھی، یہ ضروری نہیں کہ امام ابو یوسف کے پیش کردہ مسئلہ میں ہلال الرائی کے جواب سے تمام موجود علمائے اہل حدیث اختلاف رکھتے ہوں، خود روایت مذکورہ ہی میں یہ صراحت ہے کہ ابوالولید طیالسی ہلال الرائی کے ہم خیال تھے، بنابریں وہ بھی ان کے ساتھ پہلے گروہ میں شامل ہوکر دربار ابی یوسف میں گئے تھے اور یہ معلوم ہے کہ ابوالولید اہل حدیث تھے، ابو یوسف نے کہا بھی یہی تھا کہ اس مسئلہ میں ہلال الرائی کے موقف سے موافقت رکھنے والے پہلے میرے پاس آئیں۔ اہل حدیث کے مابین کسی مسئلہ میں اختلافِ رائے ہونا عام ہے، صحابہ کے زمانہ میں بھی اس طرح کا معاملہ موجود تھا، جنبی کے لیے بذریعہ تیمّم نماز پڑھنے کے مسئلہ میں عام صحابہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وابن مسعود رضی اللہ عنہ اوران کے کئی تلامذہ اختلاف رکھتے تھے، اس طرح کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں، امام ابو یوسف کے پیش کردہ مسئلۂ خاص میں اگر اظہار خیال کرنے والے بعض علمائے اہل حدیث کے مابین اختلاف تھا تو اسے علمائے اہل حدیث پر اہل الرای کی ترجیح کا سبب قرار دے لینا ایک عجیب چیز ہے، خصوصًا اس صورت میں کہ حضرت عمر فاروق نے اہل الرای سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ (کمامر) چونکہ امام ابو یوسف اس زمانہ میں خود اہل الحدیث کے بالمقابل اہل الرای کی طرف زیادہ میلان رکھتے تھے اس لیے موصوف نے اس موقع پر اہل حدیث پر اہل الرای کی ترجیح کے لیے نکتہ نکال لیا ورنہ وہ اہل الحدیث کے لیے بھی وجہ ترجیح نکال سکتے تھے۔

روایت مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ حسن بن صالح کو امام ابو یوسف نے بھری محفل میں ممدوح و پسندیدہ راوی قرار دیا اوران پر کلام کرنے والے امام شعبہ کے کلام کو ناپسندیدہ بتلایا، اس میں شک نہیں کہ حسن بن صالح عابد وزاہد، متقی وثقہ امام تھے ان پر ہونے والا کلام مدفوع ہے، موصوف حسن پر امام سفیان ثوری، زائدہ، ابومعمر ہذلی، احمد بن یونس وغیرہم نے بھی کلام کیا ہے مگر وہ کلام سیاسی مسئلہ کے سبب تھا۔ (كما سيأتي)

امام زکریا بن یحییٰ ساجی نے کہا:

"وكان عبد الله بن داود الخريبي يحدث عنه ويطريه، ثم كان يتكلم فيه، ويدعو عليه، ويقول: كنت أؤم في مسجد بالكوفة فأطريت أبا حنيفة فأخذ الحسن بيدي، ونحاني عن الإمامة، قال الساجي: فكان ذلك سبب غضب الخريبي عليه." [1]

''عبداللہ بن داود خریبی ایک زمانہ تک امام حسن بن صالح سے تحدیث اوران کی مبالغہ آمیز تعریف کرتے رہے، پھر موصوف پر کلام اوران کے خلاف بددعا کرنے لگے، موصوف خریبی امام حسن کے خلاف یہ کہتے پھرتے تھے کہ میں کوفہ کی ایک مسجد میں امامت کیا کرتا تھا، میں نے ایک دن امام ابوحنیفہ کی مبالغہ آمیز تعریف ومدح سرائی کردی تو حسن نے میرا ہاتھ پکڑ کر امامت سے ہٹا دیا، امام ساجی نے کہا کہ صرف اسی وجہ سے خریبی امام حسن پر خفا رہنے لگے۔''

مذکورہ بالا روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے ممدوح قرار دیے ہوئے امام حسن بن صالح کو امام ابوحنیفہ کا ذکر خیر اس حد تک ناگوار تھا کہ وہ امام صاحب کا ذکر خیر کرنے والے کو امام بنایا جانا بھی جائز نہیں سمجھتے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ حسن بن صالح ان لوگوں میں سے تھے جن کا یہ فیصلہ تھا:

---

[1] تهذيب التهذيب (٢/ ٢٨٩)

"أدركنا أبا حنيفة وما يعرف بشيء من الفقه، ما نعرفه إلا بالخصومات."[1]

''ابوحنیفہ علم فقہ سے کچھ بھی واقف وآشنا نہیں تھے وہ صرف مجادلہ ومناظرہ جانتے تھے۔''

نیز امام حسن بن صالح امام صاحب کے پاس کسی کا بیٹھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔[2] حتی کہ امام حسن بن صالح کو امام صاحب کا دیکھنا بھی گوارا نہیں تھا۔[3] ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام ابویوسف نے امام صاحب کے خلاف اس طرح کا موقف رکھنے والے امام حسن بن صالح کی کتنی زبردست مدح سرائی کر رکھی ہے؟ اور یہ تفصیل عنقریب آرہی ہے کہ امام ابویوسف نے امام صاحب سے بڑی شدت کے ساتھ اظہار بیزاری کیا ہے۔ ابوالولید طیالسی سے منقول زیر بحث روایت کا واضح مفاد یہ ہے کہ اپنی مجلس میں امام ابویوسف نے بلا تفریق ہر اس شخص کو باریابی بخشنے میں ترجیح سے کام لیا جو ہلال الرائی والے جواب سے موافقت رکھتا ہو، خواہ وہ اہل حدیث طبقہ کا فرد ہو یا اہل الرای کا، چنانچہ ان داخل ہونے والوں میں امام ابوالولید ہشام بن عبدالملک اہل حدیث ہی تھے۔

روایت مذکورہ دوسرے الفاظ میں ایک دوسری سند کے ساتھ اس طرح بھی مروی ہے:

"قال هلال الرائي: لما قدم أبو يوسف علينا، اجتمع عليه أصحاب الحديث والرأي جميعا، وتولاه كل فريق، وزعم أنه أولى به، و بالدخول عليه من الفريق الآخر، فأشرف على الناس فقال لهم: إنا والله من الفريقين جميعا، ولست أقدم فرقة على الأخرىٰ إلا لمعنى يتبين به تقدمها."[4]

''ہلال الرائی نے کہا کہ ابویوسف جب ہمارے یہاں بصرہ آئے تو ان کے پاس اصحاب الحدیث واصحاب الرای دونوں فرقوں کے لوگ جمع ہو گئے اور ہر ایک نے ظاہر کیا کہ ابویوسف ہماری جماعت کے ہیں، لہٰذا ہم ان سے دوسروں کے بالمقابل زیادہ قریب ہیں، اس صورت حال کو دیکھ کر امام ابویوسف نے کہا کہ خدا کی قسم! میں دونوں ہی فرقوں کا آدمی ہوں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہیں دے سکتا الا یہ کہ کوئی وجہ ترجیح ظاہر ہو، میں ایک مسئلہ پوچھتا ہوں جو بتلا دے گا اسی کو میرے پاس تقدم حاصل ہوگا، چنانچہ انھوں نے اپنے ہاتھ کی ایک انگشتری نکال کر کہا کہ ایک آدمی نے یہ انگوٹھی اگر منہ سے چبا کر توڑ ڈالی تو کیا کیا جائے؟ اصحاب الحدیث ہر چہار جانب سے کھڑے ہو گئے اور انھوں نے مختلف جوابات دیے مگر اصحاب الرای کی طرف سے صرف میں (ہلال) کھڑا ہوا اور میں نے جو جواب دیا امام ابویوسف نے اس کی تصویب کی اور میرے اصحاب کو اپنے پاس قریب بلایا، مجھ سے میرا نام پوچھا میں نے کہا میرا نام ہلال ہے، موصوف نے کہا تم عنقریب قمر بن جاؤ گے، یعنی چودھویں کا چاند، پھر مکاتب کا ایک مسئلہ موصوف نے ہم کو املا کرایا مگر اسی مسئلہ کو موصوف کتاب الصرف میں دوسری طرح سے بیان کر چکے تھے، میں نے ان سے کہا کہ ان متضاد باتوں میں سے پہلی بات کو کاٹ کر آخری بات کو برقرار رکھوں یا کہ آخری کو کاٹ کر

---

[1] خطيب (١٣/ ٤٠٦) واللمحات.　[2] خطيب (١٣/ ٤١٥) واللمحات.　[3] خطيب (١٣/ ٣٧٤)

[4] أخبار أبي حنيفة للصيميري (ص: ٩٦، ٩٧) وموفق (٢/ ٢٢٤، ٢٢٥) وكردري.

پہلی کو؟ موصوف نے کہا دونوں کو رہنے دو بعد میں کوئی صاحب صحیح وسقیم کی تمیز کر دیں گے۔''

مذکورہ بالا روایت سے بھی یہ مستفاد ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف کی پالیسی کچھ ایسی تھی کہ بصرہ کے کچھ اصحاب الحدیث موصوف کو اپنی جماعت کا فرد سمجھ بیٹھے تھے، البتہ باعتبار سند یہ روایت ساقط الاعتبار ہے، اس کے بنیادی راوی ہلال الرای بذات خود مجروح ہیں، نیز اس کی سند میں عبداللہ بن محمد اسدی اکفانی ساقط الاعتبار ہیں، البتہ اس کے پہلے والی اس معنی کی جو روایت ابوالولید طیالسی سے منقول ہوئی وہ قوی ہے اور ہلال والی زیر نظر روایت اس کی مؤید ومتابع ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات ابی حنیفہ کے بعد بھی امام ابو یوسف کے فتاوی متعارض ہوا کرتے تھے، یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ایک زمانہ میں اعمال کو جزو ایمان نہ ماننے کے سبب امام ابو یوسف عدالتِ شریک سے مردود الشہادۃ قرار پائے تھے مگر بعد میں موصوف اعمال کے جزو ایمان ہونے نیز ایمان میں کمی بیشی ہونے کے معتقد ہو گئے تھے حتی کہ متعدد روایات اس معنی کی منقول ہیں کہ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ امام ابوحنیفہ سے امام ابو یوسف اظہار وحشت وبراءت کرنے لگے تھے۔ چنانچہ حافظ خطیب ناقل ہیں:

''أخبرنا ابن الفضل أخبرنا محمد بن الحسن بن زياد النقاش أن محمد بن علي أخبره عن سعيد بن سلم قال: قلت لقاضي القضاة أبي يوسف: سمعت أهل خراسان يقولون: إن أبا حنيفة جهمي مرجي؟ قال لي: صدقوا، ويرى السيف أيضا، قلت له: فأين أنت منه؟ فقال: إنما كنا نأتيه يدرسنا الفقه، ولم نكن نقلده ديننا.''[1]

''سعید بن سلم نے کہا کہ میں نے قاضی القضاۃ ابو یوسف سے کہا کہ میں نے اہل خراسان کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ امام صاحب جہمی اور مرجی ہیں، میری اس بات پر امام ابو یوسف نے کہا کہ اہل خراسان اپنے اس بیان میں سچے ہیں، امام صاحب مرجی وجہمی ہونے کے ساتھ نظریۂ سیف (اس لفظ کی تشریح وتفسیر بعد میں آئے گی) بھی رکھا کرتے تھے، میں نے (یعنی سعید بن سلم نے) کہا کہ پھر آپ امام صاحب کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ امام ابو یوسف نے کہا کہ ہم امام صاحب کے پاس صرف فقہ پڑھنے جایا کرتے تھے، ہم اپنے دین کے معاملہ میں ان کے مقلد نہیں ہیں۔''

''أخبرني الحسن بن محمد الخلال قال: حدثنا أحمد بن إبراهيم بن الحسن حدثنا عمر بن الحسن القاضي قال: حدثنا إسماعيل بن إسحاق حدثنا نصر بن علي حدثنا الأصمعي حدثنا سعيد بن سلم الباهلي قال: قلنا لأبي يوسف: لمم لم تحدثنا عن أبي حنيفة؟ قال: ما تصنعون به؟ مات يوم مات يقول: القرآن مخلوق.''[2]

''سعید بن سلم باہلی نے کہا کہ ہم نے امام ابو یوسف سے پوچھا کہ آپ ہم سے امام ابوحنیفہ کی حدیث کیوں نہیں روایت کرتے؟ امام ابو یوسف نے کہا امام صاحب کا تم کیا کرو گے؟ وہ تو مرتے وقت بھی خلق قرآن کے قائل

---

❶ خطیب (۱۳/ ۳۸۶)　❷ خطیب (۱۳/ ۳۷۹)

تھے، یعنی جہمی المذہب تھے۔“

”وقال يعقوب (بن سفيان) حدثنا أبوجزي بن عمرو بن سعيد بن سلم بن قتيبة الباهلي قال: سمعت جدي (سعيد بن سلم الباهلي) قال: قلت لأبي يوسف: أكان أبوحنيفة مرجيا؟ قال نعم، قلت: أكان جهميا ؟ قال نعم، قلت: فأين أنت منه؟ قال: إنما كان أبوحنيفة مدرسا فما كان من قوله حسنا قبلناه، وما كان قبيحا تركناه عليه.“ [1]

”سعید بن سلم باہلی نے کہا کہ میں نے امام ابو یوسف سے پوچھا کہ کیا امام ابوحنیفہ مرجی تھے؟ تو امام ابو یوسف نے کہا کہ ہاں، میں نے کہا: کیا امام صاحب جہمی بھی تھے؟ امام ابو یوسف نے کہا کہ ہاں، میں نے کہا کہ پھر آپ کا کیا حال ہے؟ تو امام ابو یوسف نے کہا کہ امام صاحب صرف ایک استاذ تھے ان کی جو بات اچھی تھی اسے ہم نے مان لیا مگر ان کی جو بات قبیح تھی اس کو ہم نے نہیں مانا بلکہ اسے ترک کر دیا۔“

”أخبرنا أبوبكر محمد بن عمر بن بكير المقرئ أخبرنا عثمان بن أحمد بن سمعان الرزاز حدثنا هيشم بن خلف الدوري حدثنا محمود بن غيلان حدثنا محمد بن سعيد عن أبيه قال: كنت مع أمير المؤمنين موسى بجرجان، ومعنا أبو يوسف، فسألته عن أبي حنيفة، فقال: وما تصنع به؟ وقد مات جهميا.“ [2]

”سعید بن سلم باہلی نے کہا کہ میں جرجان میں امیر المؤمنین موسیٰ کے ساتھ تھا اور ہمارے ساتھ امام ابو یوسف بھی تھے، میں نے امام ابو یوسف سے امام ابوحنیفہ کی بابت دریافت کیا تو امام ابو یوسف نے جواب دیا کہ تم امام صاحب کا کیا کرو گے؟ وہ تو مرتے وقت بھی جہمی المذہب تھے۔“

”أخبرنا العتيقي أخبرنا جعفر بن محمد بن علي الطاهري حدثنا أبو القاسم البغوي حدثنا زياده بن أيوب حدثني حسن بن أبي مالك وكان من خيار عباد الله، قال: قلت لأبي يوسف القاضي: ما كان أبوحنيفة يقول في القرآن؟ قال: فقال: كان يقول: القرآن مخلوق، قال: قلت: فأنت يا أبا يوسف؟ فقال: لا، قال أبو القاسم: فحدثت بهذا الحديث القاضي البرتي، فقال لي: وأى حسن كان؟ وأي حسن كان؟ يعني الحسن بن أبي مالك، قال أبو القاسم: فقلت للبرتي: هذا قول أبي حنيفة، قال: نعم المشئوم.“ [3]

”حسن بن ابی مالک نے کہا کہ میں نے امام ابو یوسف سے پوچھا کہ قرآن کے بارے میں امام صاحب کیا کہتے تھے؟ ابو یوسف نے جواب دیا کہ امام صاحب قرآن کو مخلوق کہتے تھے، میں نے ابو یوسف سے کہا کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ ابو یوسف نے کہا کہ میں قرآن کو مخلوق نہیں کہتا، امام ابوالقاسم البغوی نے کہا کہ میں

---

[1] التنكيل (١/ ٥١٠) وتانيب الخطيب (ص: ٤٦) وخطيب (١٣/ ٣٧٥)

[2] خطيب (١٣/ ٣٧٥) ورواه ابن حبان في الثقات (٧/ ٦٤٥، ٦٤٦) بسند آخر، والسهمي في تاريخ جرجان (ص: ٢٢٥) بسند آخر

[3] خطيب (١٣/ ٣٧٨)

نے حسن بن ابی مالک کی نقل کردہ اس روایت کا ذکر امام برتی سے کیا تو وہ کہنے لگے کہ کس حسن بن ابی مالک نے یہ روایت بیان کی ہے؟ پھر میں نے موصوف برتی سے کہا کہ کیا واقعی امام صاحب قرآن کو مخلوق کہتے تھے؟ تو برتی نے کہا کہ ہاں وہ کہتے تھے۔''

مذکورہ بالا پانچوں روایات سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابویوسف امام صاحب کو مرجی وجہمی اور خلق قرآن کا معتقد قرار دے کر ان سے اوران کے مذہب سے اظہار بیزاری کرتے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ مرجی جہمی مذہب کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ اعمال جزو ایمان نہیں اور ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی، اس کے برخلاف مذہب اہل حدیث کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ اعمال جزو ایمان ہیں اور ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام ابویوسف اعمال کے جزو ایمان ہونے اور ایمان میں کمی بیشی ہونے کے عقیدہ کا اظہار اپنی زندگی کے ایک مرحلہ میں کرنے لگے تھے۔

مذکورہ بالا پانچوں روایات کے مجموعہ سے یہ بھی مستخرج ہوتا ہے کہ امام صاحب سے وحشت کا اظہار امام ابویوسف نے وفاتِ امام صاحب کے بعد اس زمانہ میں کیا تھا جبکہ وہ قاضی بن چکے تھے یعنی ۱۶۶ھ کے بعد، پہلی روایت کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز ہونے کے بعد موصوف نے اس بات کا اظہار سعید بن سلم کے سامنے کیا تھا اور یہ معلوم ہے کہ امام ابویوسف اگرچہ ۱۶۶ھ میں قاضی بن گئے تھے مگر قاضی القضاۃ ہارون کے خلیفہ ہونے کے بعد یعنی ۱۷۰ھ کے بعد بنائے گئے تھے۔

مذکورہ بالا پانچوں روایات میں سے پہلی والی روایت کو حافظ خطیب نے اپنے استاذ ابوالحسن محمد بن حسین بن محمد بن فضل ازرق قطان متوثی (مولود ۳۳۵ھ ومتوفی ۴۱۵ھ) سے نقل کیا ہے جو ثقہ تھے۔[1] اور انھوں نے روایت مذکورہ ابوبکر محمد بن حسن بن محمد بن زیاد نقاش موصلی بغدادی (مولود ۲۶۶ھ ومتوفی ۳۵۱ھ) سے نقل کی ہے، یہ بھی ثقہ وصدوق تھے، ان پر ہونے والے کلام کو امام جزری وسبکی نے مردود قرار دیا ہے اور بتلایا ہے کہ موصوف صدوق وسیع العلم اور ماہر فنون امام وقت تھے، امام ابوعمرو عثمان بن سعید بن عثمان دانی نے انھیں ثقہ وعادل قرار دیا ہے۔[2] نقاش پر کام کرنے والے حافظ ذہبی بھی اس بات کے معترف ہیں:

''كتب الحديث، وقيد السنن، وصنف المصنفات في القراءات والتفسير، وطالت أيامه فانفرد بالإمامة في صناعة مع ظهور نسكه وورعه، وصدق لهجته، وبراعة فهمه، وحسن اطلاعه، واتساع معرفته.''[3]

''نقاش نے احادیث لکھیں، سنن نبویہ کو موصوف قید تحریر میں لائے، علوم قراءت وتفسیر میں موصوف نے کئی کتابیں لکھیں، طویل عمر پائی، اپنے فن کے منفرد امام ہیں، ساتھ ہی ساتھ ان کا عابد ومتورع اور صادق القول وذہین وفطین، وسیع العلم والمعرفۃ ہونا ظاہر ہے۔''

حاصل یہ کہ موصوف نقاش ثقہ وصدوق اور عابد وزاہد، ماہر علوم وفنون خصوصاً فن قراءت کے امام تھے، موصوف کو مشہور غیر

---

[1] خطیب (۲/ ۲۴۹)

[2] ملاحظہ ہو: غاية النهاية في طبقات القراء للجزري طبع بيروت (۲/ ۱۱۹ تا ۱۲۱) وطبقات الشافعيه للسبكي طبع حلبى (۳/ ۱۴۶)

[3] طبقات القراء للذهبي (۱/ ۲۳۷)

ثقہ معتزلی حنفی راوی طلحہ بن محمد شاہد نے کذاب کہا ہے۔❶ مگر غیر ثقہ معتزلی کی جرح ظاہر ہے کہ ساقط الاعتبار ہے۔ موصوف نقاش پر امام دارقطنی کے بعض اعتراض کا دفاع حافظ خطیب نے بھی کیا ہے اور حقیقت ہے کہ جن بعض روایات کی نقل کے سبب نقاش پر تجریح کی گئی ہے اس کی نقل میں نقاش نہیں بلکہ ان کے اوپر کے رواۃ پر الزام عائد ہوتا ہے جسے بعض لوگوں نے خود نقاش پر جرح کا ذریعہ بنا لیا، علاوہ ازیں روایت مذکورہ کی نقل کرنے میں موصوف نقاش کے متعدد معنوی متابع موجود ہیں۔ نقاش نے روایت مذکورہ حافظ محمد بن علی بن زید صائغ مکی (متوفی ۲۹۰ھ) سے نقل کی اور صائغ بھی ثقہ ہیں۔❷ موصوف صائغ سنن سعید بن منصور کے رواۃ میں سے ہیں۔❸ اور حافظ صائغ نے روایت مذکورہ ابومحمد ابوعمر وسعید بن سلم بن قتیبہ باہلی (متوفی ۲۱۷ھ) سے نقل کی ہے جو مختلف ممالک کے امیر وحاکم رہ چکے تھے، ممدوح اور محمود السیرۃ بھی تھے۔ عباس بن مصعب وغیرہ نے کہا ہے: ”كان عالما بالحديث والعربية إلا أنه كان لا يبذل نفسه للناس“ یعنی موصوف سعید حدیث اور عربی ادب کے عالم تھے مگر لوگوں کو تعلیم زیادہ نہیں دیتے تھے۔❹

امام ابوالعباس محمد بن یزید المعروف بالمبرد (مولود ۲۰۶/ ۲۰۷ھ ومتوفی ۲۸۵ھ) نے کہا:

”حدثني علي بن القاسم بن علي بن سليمان الهاشمي قال: حدثني رجل من أهل مكة قال: رأيت في منامي سعيد بن سلم في حياته، وفي لقمته، وكثرة عدد ولده، وحسن مذهبه، وكمال مروءته قال: فقلت في نفسي: ما أجل ما أعطيه سعيد بن سلم! فقال لي قائل وما ذخر الله له في الآخرة أكثر، وكان سعيد بن سلم إذا استقبل السنة التي استأنف فيها عدد سنيه أعتق نسمة بعشرة درهم، فقيل لمديني: إن سعيد بن سلم يشتري نفسه من ربه بعشرة آلاف درهم، فقال: إذا لا يبيعه.“❺

”مجھ سے علی ہاشمی نے کہا کہ مجھ سے ایک مکی شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں سعید بن سلم کو بالکل اسی طرح دیکھا جس طرح دنیاوی زندگی میں موصوف مال ونعمت، کثیر اولاد، کمال مروت، اچھے مذہب والے دین دار آدمی تھے، میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ موصوف سعید کو کتنی دینی ودنیاوی عظمت وجلالت حاصل ہے؟ اس پر مجھ سے کسی کہنے والے نے کہا کہ موصوف سعید کو جو عظمت وجلالت آخرت میں حاصل ہونے والی ہے وہ موصوف کو دنیا میں حاصل ہونے والی عظمت وجلالت سے کہیں زیادہ ہے، موصوف سعید ہر سال اپنی سالگرہ کے موقع پر ایک غلام آزاد کرتے اور دس ہزار درہم خیرات کرتے ہیں، تو مدینی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے خریدنے کے بعد موصوف سعید اپنے آپ کو کبھی نہ فروخت کریں گے۔“

---

❶ خطيب ولسان الميزان.　❷ أنساب سمعاني (٨/ ٢٦٩، ٢٧٠) وعقد الثمين في تاريخ بلد الأمين.

❸ تهذيب التهذيب ترجمه سعيد بن منصور وغيره.

❹ معارف لابن قتيبة (ص: ٤٠٧) ووفيات الأعيان (٤/ ٨٨) والبيان والتبيين (٢/ ٤٠ و ٢/ ٢٥٤) وخطيب (٩/ ٧٤، ٧٥) وبغية الوعاة (ص: ٢٥٥) وأنساب سمعاني (٢/ ٧١) والكامل لابن أثير جزري (ج: ٦) وغيره.

❺ الكامل للمبرد (٢/ ٢٣)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ سعید بن سلم مشہور ومعروف اچھے دین دار، مذہبی اور کمال مروت وبے انتہا سخی وفیاض آدمی اور عذاب الٰہی سے ڈرنے والے اور آخرت کی فکر کرنے والے تھے۔ مروی ہے کہ ہارون رشید نے سعید سے ایک دن کہا: "من بیت قیس فی الجاهلية؟" یعنی جاہلی زمانے میں بنوقیس کا کون سا گھرانہ معزز وشریف تھا؟ سعید نے کہا: "بنوفزارہ" ہارون نے کہا: اور اسلام میں کون سا گھرانہ زیادہ معزز ہے؟ سعید نے کہا جس گھرانے کو آپ لوگوں نے شرف واعزاز سے آراستہ کر رکھا ہے، ہارون نے کہا کہ تم صحیح کہتے ہو، تم اور تمہاری قوم معزز وشریف ہو۔[1]

كم صغير جبرته بعد تيم　　وفقير نعشته بعد عدم

كلما عضت الحوادث نادى　　رضي الله عن سعيد بن سلم[2]

"کتنے یتیم بچوں اور پریشان حال مفلسوں کی آپ نے بہت خبر گیری کی، جب بھی پریشان حال آدمی حوادث کا شکار ہوتا ہے تو سعید بن سلم کی داد ودہش اور غمگساری سے خوش ہو کر اسے دعائیں دیتا ہے۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ موصوف سعید دیندار، معزز، شریف، خوف خدا رکھنے والے اور مساکین کی خبر گیری کرنے والے مشہور ومعروف السیر آدمی تھے، بعض مرتبہ بعض شعراء نے موصوف کی بخیلی وغیرہ کا شکوہ کیا ہے جو شعراء کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے مطلب بھر نہ پانے پر ہجو کرنے لگتے ہیں، بعض شعراء نے حضرت عبداللہ بن زبیر صحابی تک کی ہجو کر ڈالی ہے، اس سے حضرت عبداللہ کی دینی عظمت نہیں گھٹ سکتی، اس طرح کے محمود وممدوح وصف والے سعید بن سلم پر کسی قسم کی کوئی جرح قادح منقول نہیں، البتہ ان سے متعدد ثقہ محدثین نے روایت کی ہے، متعدد اہل علم کا اصول ہے کہ جس راوی پر کوئی جرح منقول نہ ہو خواہ اس کی مدح میں کوئی کلمہ منقول نہ ہو لیکن اگر اس سے ایک یا دو ثقہ رواۃ روایت کرتے ہوں تو وہ اصلاً ثقہ ہے، اس کی روایت حجت ہے، پھر تو موصوف سعید کی مدح میں متعدد کلماتِ مدح ایسے منقول ہیں جو ان کے ثقہ وصدوق ہونے پر واضح طور پر دلالت کرتے ہیں اور کسی بھی طرح کا کوئی کلمۂ جرح موصوف کی بابت مذکور نہیں جسے جرح قادح کہا جا سکے۔

سعید بن سلم سے مروی روایت مذکورہ کو تنقید روایات میں متشدد حافظ حدیث وفقیہ امام ابوحاتم ابن حبان بستی نے معرض استدلال میں یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہے کہ امام ابو یوسف عقیدہ وفقہی مذہب میں امام ابوحنیفہ کے مخالف تھے۔[3] اور بیان کیا جا چکا ہے کہ امام ابن حبان نے صراحت کر رکھی ہے کہ ہم نے اپنی کسی بھی کتاب میں کسی غیر صحیح وغیر معتبر روایت سے استدلال نہیں کیا، اس اعتبار سے ابن حبان کی نظر میں موصوف سعید بن سلم ثقہ ومعتبر راوی ہیں، بلفظ دیگر امام ابن حبان نے موصوف سعید کی توثیق کر رکھی ہے اور توثیق ابن حبان کے بالمقابل کسی بھی امام جرح وتعدیل سے تجریح سعید میں کوئی کلمہ منقول نہیں، البتہ موصوف کی مدح وتعریف متعدد اہل علم نے کر رکھی ہے۔ (کمامر) ثقات ابن حبان مطبوعہ حیدر آباد میں سعید کا ترجمہ اگرچہ نہیں ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بعد کی کتب رجال میں کتنے تراجم کے لیے ثقات ابن حبان کے حوالے موجود ہیں لیکن وہ تراجم حیدر آباد کے مطبوعہ نسخہ ثقات ابن حبان میں نہیں ہیں مثلاً عبدالملک بن عبدالرحمٰن یا عبدالملک بن محمد دناری اور ولید بن حماد

---

[1] الكامل للمبرد (٢/ ٢٣)　[2] الكامل للمبرد (٢/ ٢٢)

[3] ثقات ابن حبان ترجمه أبو يوسف.

لؤلؤی وغیرہ۔ عبدالملک کی بابت تہذیب التہذیب (۶/ ۴۰۱) وانساب سمعانی (۶/ ۱۰) میں مذکور ہے کہ ان کا ترجمہ ثقات ابن حبان میں ہے، اسی طرح ولید بن حماد کی بابت لسان المیزان (۶/ ۲۲۱) میں مذکور ہے کہ ان کا ترجمہ ثقات ابن حبان میں ہے مگر حیدرآباد کے مطبوعہ نسخہ ثقات ابن حبان میں ان تراجم کا پتہ نہیں ہے۔ ثقات ابن حبان کے علاوہ ابن حبان کی متعدد کتابیں مثلاً تاریخ کبیر اور امام صاحب کے متعلق دو تصانیف موجود ہیں جن میں بہت سے رجال ورواۃ کے تراجم ہیں، ظن غالب ہے کہ ان کتابوں میں سے کسی میں ضرور موصوف سعید سے متعلق امام ابن حبان نے لکھا ہوگا، اس سے قطع نظر گزشتہ تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حافظ ابن حبان کے نزدیک سعید معتبر راوی ہیں، اس لیے علامہ ناصر الدین البانی نے سعید کی بابت جو "لم أعرفه" (یعنی میں انھیں نہیں جانتا) کہا ہے، وہ ان کے اپنے علم کے مطابق ہے۔[1] علاوہ ازیں اس روایت کو امام ابو یوسف سے نقل کرنے میں سعید بن سلم منفرد نہیں ہیں بلکہ ان کی معنوی متابعت امام حسن بن ابی مالک (متوفی ۲۰۴ھ) نے کی ہے۔ موصوف حسن والی روایت ہم اوپر نقل کر آئے ہیں جو اس سلسلے کی آخری یعنی پانچویں روایت ہے، حسن موصوف کو امام ابوعبداللہ حسین بن علی صیمری قاضی حنفی اور دوسرے ائمہ احناف وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔[2]

اس لیے اگر فرض کر لیا جائے کہ سعید بن سلم کی توثیق کسی امام جرح وتعدیل نے بالصراحت نہیں کی ہے تو یہ معلوم ومعروف بات ہے کہ جس محمود السیرۃ وممدوح راوی پر کسی قسم کی جرح نہ ہو اور اس کی متابعت ثقہ راوی نے کر دی ہو تو اس کی روایت معتبر مانی جائے گی، امام ابو یوسف سے اس روایت کی نقل میں سعید بن سلم کی معنوی متابعت کرنے والے امام حسن بن ابی مالک بذات خود حنفی المذہب کہے جاتے ہیں اور روایت مذکورہ کو حسن سے نقل کرنے والے حافظ زیاد بن ایوب جیسے امام وقت نے موصوف کو "کان من خیار عباد اللّٰہ" کہا ہے۔[3] اور حسن بن ابی مالک سے اس روایت کے راوی زیاد بن ایوب ابو ہاشم بغدادی دلویہ بلند پایہ ثقہ محدث ہیں حتی کہ لوگ انھیں شعبۂ صغیر کہا کرتے تھے۔[4] اور زیاد سے روایت مذکورہ کے راوی امام ابوالقاسم بغوی عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بن المرزبان (مولود ۲۱۴ھ متوفی ۳۱۷ھ) مشہور ومعروف ثقہ محدث ہیں جن کی بہت ساری تصانیف ہیں۔[5] ظن غالب ہے کہ موصوف نے روایت مذکورہ کا ذکر اپنی کسی کتاب میں کیا ہوگا، امام بغوی سے روایت مذکورہ کے ناقل امام جعفر بن محمد بن علی طاہری (متوفی ۳۸۳ھ) ثقہ ہیں۔[6] اور طاہری سے روایت مذکورہ کے ناقل امام عتیقی ابوالحسن احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن منصور رویانی بغدادی (مولود ۳۶۷ھ ومتوفی ۴۴۱ھ) ثقہ ہیں۔[7] اور امام عتیقی سے روایت مذکورہ حافظ خطیب نے اپنی تاریخ میں نقل کی ہے۔

حسن بن ابی مالک والی مندرجہ بالا روایت میں اس امر کی صراحت ہے کہ امام ابوالقاسم بغوی نے قاضی برتی کے سامنے

---

[1] ملاحظہ ہو: سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني (۲/ ۲۰٤) والتنكيل (۱/ ۲٥۷)
[2] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۱٥٥) وجواهر المضية (۱/ ۲۰٤) وفوائد البهية (ص: ٦۰)
[3] خطيب (۱۳/ ۳۷۰)
[4] تهذيب التهذيب (۳/ ۳٥٥) وعام كتب رجال.
[5] تذكرة الحفاظ (۲/ ۷۳۷ تا ۷٤۰ وغيره)
[6] خطيب (۷/ ۲۳۳)
[7] أنساب سمعاني (۹/ ۲۳۳) وخطيب (٤/ ۳۷۹)

روایت مذکورہ کو بیان کیا اوران سے پوچھا کہ کیا یہ امام صاحب کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے؟ برتی نے کہا کہ ہاں۔ یہ قاضی برتی مشہور ومعروف ثقہ حنفی امام احمد بن محمد بن عیسیٰ بن ازہر ابوالعباس (متوفی ۲۸۰ھ) امام ابوحنیفہ کے متعدد تلامذہ کے شاگرد ہیں۔ ❶

یہ معلوم ہے کہ عقیدۂ خلق قرآن جہمیہ کا بنیادی عقیدہ ہے، اس لیے حسن بن ابی مالک والی مذکورہ بالا روایت صحیحہ سعید بن سلم باہلی والی زیر بحث روایت کی مضبوط ومحکم متابع ہے، سعید بن سلم والی پہلی روایت سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام ابویوسف نے امام صاحب سے اپنی براءت کا اظہار اس زمانے میں کیا تھا جبکہ موصوف قاضی القضاۃ ہو گئے تھے یعنی ۱۷۰ھ کے بعد، ایک روایت میں ہے کہ امام ابویوسف خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ جرجان گئے تھے۔ ❷

جس کا مفاد ہے کہ امام ابویوسف ۱۷۰ھ کے بعد جرجان (خراسان) گئے تھے، غالبًا اسی زمانے میں امام ابویوسف اور سعید بن سلم کے درمیان مذکورہ بالا مکالمہ پیش آیا تھا لیکن اس کے بعد روایت نمبر (۴) کا مفاد ہے کہ دونوں کے مابین مکالمۂ مذکورہ اس زمانے میں پیش آیا جبکہ امام ابویوسف موسیٰ کے ساتھ جرجان میں مقیم تھے، یعنی ربیع الاول ۱۶۶ھ تا ذی الحجہ ۱۶۸ھ کے مابین، ان دونوں روایات کو یا تو تعدد واقعہ پر محمول کیا جائے کہ دونوں کے مابین مکالمہ مذکورہ ایک سے زیادہ مرتبہ پیش آیا یا پھر کہا جائے کہ پہلی روایت میں ابویوسف کے لیے قاضی القضاۃ کا لفظ راوی نے اپنی طرف سے اس لیے بڑھادیا ہے کہ بہرحال ایک زمانے میں موصوف قاضی القضاۃ ہو گئے تھے، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق چالیس سال کی عمر سے پہلے پیش آنے والے واقعات کی حکایت کرتے وقت آپ کے لیے رسول اللہ ﷺ کا لفظ کہا جاتا ہے، حالانکہ اس وقت آپ رسول اللہ ﷺ نہیں بنائے گئے تھے۔

مذکورہ بالا تفصیل کا حاصل یہ بھی ہے کہ سعید بن سلم سے روایت مذکورہ کی نقل میں چار افراد ایک دوسرے کے متابع ہیں، یعنی محمد بن علی صائغ، امام اصمعی عبدالملک بن قریب، سعید بن سلم کے پوتے ابوجزی بن عمرو بن سعید بن سلم باہلی اور سعید بن سلم کے بیٹے محمد بن سعید بن سلم۔ ایک دوسرے کی متابعت کرنے والے ان چاروں حضرات میں سے صائغ واصمعی کی ثقاہت بالصراحت ثابت ہے جیسا کہ کتب رجال کی طرف مراجعت سے معلوم ہوتا ہے، باقی دو میں سے سعید کے پوتے کا تذکرہ خصائص ابن جنی (باب:۴۱، ج:۴) والکامل للمبرد (ص:۱۶۷) میں موجود ہے۔ ❸

مگر تلاش بسیار کے باوجود ہمیں یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ابوجزی بن عمرو کو کسی امام جرح وتعدیل نے ثقہ کہا ہے لیکن چونکہ ان کی متابعت میں متعدد روایات موجود ہیں اس لیے اپنے متابع سے مل کر ان کی روایت مقبول ہوگی، سعید بن سلم کی روایت مذکورہ ان کے بیٹے محمد بن سعید نے بھی نقل کی ہے، خطیب کے حوالے سے محمد بن سعید والی روایت کا ذکر اوپر آچکا ہے، اسی روایت کو حافظ ابن حبان نے مندرجہ ذیل سند ومتن کے ساتھ نقل کیا ہے:

”حدثنا محمد بن إسحاق الثقفي حدثنا عبد اللّٰه بن أحمد بن حنبل حدثنا محمود بن غيلان ثنا محمد بن سعيد بن سلم الباهلي عن أبيه قال: سألت أبا يوسف، وهو بجرجان، عن أبي حنيفة فقال، ما تصنع به، قد مات جهميا.“ ❹

❶ ملاحظہ ہو: تذكرة الحفاظ (۲/ ۵۹۶، ۵۹۷) وخطيب (۵/ ۶۱ تا ۶۳) وجواهر المضية (۱/ ۱۱۴، ۱۵۵) وفوائد البهية (ص: ۳۷)
❷ تاريخ جرجان روايت نمبر (۳۶۷) (ص: ۲۳۸)　❸ التنكيل (۱/ ۵۱۰)　❹ ثقات ابن حبان (۷/ ۶۴۵، ۶۴۶)

''سعید بن سلم باہلی نے کہا کہ میں نے جرجان میں ابویوسف کے زمانۂ قیام میں ابویوسف سے امام ابوحنیفہ کی بابت دریافت کیا تو ابویوسف نے کہا کہ ابوحنیفہ سے تمھیں کیا مطلب؟ وہ تو جہمی المذہب تھے، اسی مذہب پر موصوف کا انتقال ہوا۔''

روایت مذکورہ کے ناقل امام ابن حبان نے روایت مذکورہ کو بطور حجت یہ ثابت کرنے کے لیے نقل کیا ہے کہ امام ابویوسف اپنے استاد امام ابوحنیفہ کے مذہب کے خلاف بنیادی طور پر مذہب اہلحدیث کے پیرو تھے، ہم ترجمہ زفر میں عرض کر آئے ہیں کہ امام ابن حبان کا فرمان ہے کہ ہم نے اپنی کسی بھی کتاب میں کسی غیر معتبر روایت کو حجت نہیں بنایا، اس اعتبار سے روایت مذکورہ امام ابن حبان کے نزدیک معتبر وقابل حجت ہے جس کا واضح مفاد یہ ہے کہ امام ابویوسف مذہب امام صاحب سے وحشت واختلاف رکھتے تھے لیکن یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مذکورہ بالا بات کے بیان کرنے والے امام ابویوسف کو امام صاحب اور متعدد اہل علم نے غیر ثقہ کہا ہے مگر امام ابن حبان موصوف امام ابویوسف کو ثقہ مانتے ہیں اور متعدد اہل علم اس معاملہ میں امام ابن حبان کے ہم خیال ہیں، بنا بریں حافظ ابن حبان نے روایت مذکورہ کو اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ امام ابویوسف کا مذہب امام صاحب کے مذہب سے مختلف ومتباین تھا لیکن کچھ حضرات امام ابویوسف کی طرف مذکورہ بالا روایت کا انتساب صحیح نہیں مانتے، چنانچہ دائرۃ المعارف حیدرآباد کے مصححین ومحشین نے بھی حافظ ابن حبان کی نقل کردہ مذکورہ بالا روایت کا انتساب امام ابویوسف کی طرف غیر صحیح قرار دیا ہے۔[1]

اسی طرح کوثری نے تانیب الخطیب میں امام ابویوسف کی طرف روایت مذکورہ کے انتساب کو غیر صحیح کہا ہے، ہمارے نزدیک اپنے شواہد ومتابع سے مل کر امام ابویوسف کی طرف روایت مذکورہ کا انتساب صحیح ہے، البتہ امام ابویوسف بذات خود مجروح ہیں، اس لیے ان کی یہ بات فی نفسہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ امام صاحب اور مذہبِ امام صاحب سے اظہار وحشت وبراءت کرتے تھے لیکن موصوف کی اس بات کا فی الواقع صحیح ہونا قابل بحث ونظر ہے کہ امام صاحب جہمی مذہب پر فوت ہوئے، چونکہ ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ امام ابویوسف ساقط الاعتبار ہیں، اس لیے موصوف کی طرف روایت مذکورہ کا انتساب صحیح ہونے کے باوجود موصوف کی یہ بات فی الواقع صحیح نہیں ہے، حافظ ابن حبان چونکہ امام ابویوسف کو ثقہ مانتے ہیں اور ان کی طرف اس روایت کے انتساب کو بھی صحیح مانتے ہیں اس لیے امام ابویوسف کی کہی ہوئی یہ بات موصوف ابن حبان کے نزدیک فی الواقع بھی صحیح ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ روایت مذکورہ جس سند سے مروی ہے اس کے سبھی رواۃ حافظ ابن حبان کی نظر میں ثقہ ومعتبر ہیں اور اس سند میں کوئی بھی علت قادحہ موصوف ابن حبان کی نظر میں نہیں پائی جاتی۔

اس روایت کی سند میں ابن حبان وابویوسف کے درمیان ترتیب وار پانچ رواۃ محمد بن اسحاق ثقفی، عبداللہ بن احمد بن حنبل، محمود بن غیلان، محمد بن سعید بن سلم اور محمد کے باپ سعید بن سلم ہیں، بلفظ دیگر امام ابن حبان نے ان پانچوں حضرات کو ثقہ قرار دے رکھا ہے، ان پانچوں میں سے آخر الذکر سعید بن سلم کا ذکر آچکا ہے کہ وہ حافظ ابن حبان کی نظر میں ثقہ ہیں اور ان پر کسی قسم کی تجریح ثابت نہیں، ان سے روایت کرنے والے ان کے بیٹے ابوعمر محمد بن سعید باہلی متوفی ۳۰۰ھ بھی مذکورہ بالا تفصیل

---

[1] حاشیہ ثقات ابن حبان مطبوعہ حیدر آباد (٧/ ٦٤٦)

کے مطابق امام ابن حبان کی نظر میں ثقہ ہیں۔[1] اور مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہے کہ اس روایت کی نقل میں محمد بن سعید کے متعدد متابع ہیں، محمد بن سعید سے یہ روایت کئی صحیح طرق سے مروی ہے جیسا کہ تاریخ خطیب، تاریخ جرجان اور ثقات ابن حبان کی طرف مراجعت سے معلوم ہوتا ہے۔

جن روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف امام صاحب سے اظہار وحشت کرنے لگے تھے ان روایات کو اگر اس بات پر محمول کیا جائے کہ امام ابو یوسف نے امام صاحب کے ساتھ وحشت کا موقف قاضی بننے کے بعد اختیار کیا تھا تو ان روایات کا ان حکایات کے ساتھ بڑی حد تک تعارض دفع ہو جائے گا جن میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام ابو یوسف امام صاحب کی مدح کرتے تھے اور کسی قسم کا اظہار وحشت نہیں کرتے تھے، کیونکہ مدحِ امام صاحب میں موصوف کی حکایات کو قاضی بننے سے پہلے کے زمانے سے متعلق مان لیا جائے گا اور روایات مذکورہ کو بعد کے زمانے سے متعلق مگر پھر بھی بعض اشکال برقرار رہتے ہیں جن پر بحث ونظر کی ضرورت بہرحال موجود ہے۔ (كما سيأتي)

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق امام ابو یوسف امام صاحب کو جہمی ومرجی ومعتقد خلق قرآن بتاتے نیز قابل ترک بھی کہتے تھے، نیز بشار بن خفاف سے مروی ہے کہ ابو یوسف معتقدِ خلق قرآن سے سلام وکلام حرام بتلاتے تھے۔[2] مگر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ وفاتِ امام صاحب کے بعد بھی امام ابو یوسف امام صاحب سے روایت کرتے اور ان کی مدح بھی کرتے تھے (كما سيأتي) حتی کہ بقیہ نے کہا کہ بعض اہل علم اس بات کے شاہد ہیں کہ ابو یوسف خود جہمی المذہب تھے۔[3]

۱۶۷/ ۱۶۸ھ میں موسیٰ کے ساتھ جرجان کے زمانۂ قیام میں امام صاحب اور مذہبِ امام صاحب سے اظہارِ بیزاری کرنے والے امام ابو یوسف نے اس کے زمانہ بعد دور ہارونی میں اپنی کتاب الخراج لکھی، اس کتاب میں جگہ جگہ امام ابو یوسف نے امام صاحب کے اقوال ومرویات کو حجت بنایا ہے حتی کہ بعض جگہ خلیفہ کو فتوی ابی حنیفہ پر عمل کی اجازت دی ہے، حالانکہ اس اجازت کے ساتھ موصوف معترف ہیں کہ فتوی ابی حنیفہ سنت نبویہ کے خلاف ہے۔ (كما سيأتي) نیز ایک طرف ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابو یوسف اعمال کے جزوایمان ہونے نیز ایمان میں کمی بیشی ہونے کے قائل اور مذہب ارجاء وتجہم سے اظہار براءت کرتے ہیں۔

موصوف سے یہ بھی مروی ہے:

"من قال: إيماني كإيمان جبرئيل فهو صاحب بدعة"[4]

"جو یہ کہے کہ میرا ایمان جبرائیل کے ایمان کی طرح ہے وہ بدعتی ہے۔"

مگر دوسری طرف امام ابو حفص عمرو بن علی فلاس نے کہا کہ امام یحییٰ قطان سے کسی نے کہا:

"حدثنا أبو يوسف عن أبي حنيفة عن جواب التيمي فقال: مرجئ عن مرجئ عن مرجئ عن مرجئ."[5]

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: المعتزله لابن المرتضىٰ (ص: ٣٥) [2] البداية والنهاية (١٠/ ١٨٠) وخطيب (١٤/ ٣٥٣)

[3] الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٧٠) [4] مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٤٣) وعام كتب مناقب.

[5] خطيب (١٤/ ٢٥٦)

''کسی نے کہا کہ ابو یوسف نے ہم سے حدیث بیان کی اورا سے امام ابوحنیفہ نے اور امام ابوحنیفہ سے جواب تیمی نے تو قطان نے کہا کہ یہ تینوں مرجی المذہب ہیں۔''

یہ معلوم ہے کہ امام فلاس ۱۶۰ھ کے بعد پیدا ہوئے، اس لیے امام قطان سے انھوں نے مذکورہ بالا بات ۱۷۰ھ کے بعد ہی سنی ہوگی جس کا مفاد یہ ہے کہ ۱۷۰ھ کے بعد بھی امام ابو یوسف اعمال کے جزو ایمان ہونے نیز اس میں کمی بیشی ہونے کے منکر تھے، بقیہ کا یہ قول گزر چکا ہے کہ امام ابو یوسف جہمی تھے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف دو متضاد قسم کے موقف کا اظہار کیا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ اہل الحدیث اور اہل الرای دونوں گروہوں کے بہت سے لوگ اپنے اپنے طور پر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ امام ابو یوسف ہمارے مذہب کے متبع ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ محدثین میں سے امام ابن حبان نے بھی یہی سمجھ لیا کہ

"وكان شيخًا متقنًا لم يسلك مسلك صاحبيه إلا في الفروع، وكان يباينهما في الإيمان والقرآن."[1]

''امام ابو یوسف پختہ کار ثقہ شیخ تھے، اپنے صاحبین امام ابوحنیفہ ومحمد کے طریق پر عامل نہیں تھے، صرف فروعی مسائل میں ان کے ہم خیال تھے ورنہ ایمان اور قرآن کے معاملہ میں ان سے اختلاف رکھتے تھے۔''

امام ابو یوسف کی بابت اپنے قائم کردہ اس نظریہ پر امام ابن حبان نے بطور دلیل امام ابو یوسف سے منقول ایک قول یہ پیش کیا کہ ایمان قول وعمل سے مرکب اور گھٹتا بڑھتا ہے، دوسرا قول یہ پیش کیا کہ موصوف نے امام ابوحنیفہ سے اظہار وحشت کرتے ہوئے سعید بن سلم سے کہا تھا: "ما تصنع به وقد مات جهميا؟" ''یعنی امام صاحب سے تم کو کیا کام جبکہ وہ جہمی المذہب ہونے کی حالت میں فوت ہوئے؟''

مذکورہ بالا تفصیل سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ امام ابو یوسف نے ایسی متضاد روش اختیار کر رکھی تھی جس کے لیے تطبیق کی کوئی صورت نہیں، غالبًا موصوف کی یہی روش اس بات کی بھاری وجہ بنی کہ ائمہ جرح وتعدیل بشمول امام ابوحنیفہ نے موصوف ابو یوسف کو کذب کے ساتھ متہم کر دیا۔ واللہ اعلم بالصواب

امام صاحب کی تجریحِ ابی یوسف کے خلاف منقول کلماتِ مدح پر بحث:

جب امام ابو یوسف کو امام صاحب اور امام ابن المبارک نے مجروح قرار دیا ہے اور امام یحییٰ بن سعید قطان وابن مہدی وغیرہم نے متروک بتلایا ہے اور دوسرے متعدد اہل علم (جن میں سے کئی ایک کو مصنف انوار نے اراکینِ مجلسِ تدوین کہا ہے) نے موصوف کو سخت مجروح کہا ہے، دریں صورت بالفرض اگر بعض حضرات نے امام ابو یوسف کی توثیق بھی کر دی ہو تو یہ توثیق کتنا وزن رکھے گی؟ امام صاحب نے اپنے استاذ جابر جعفی کو اکذب الناس کہا، ان کے خلاف امام شعبہ، سفیان ثوری اور زہیر بن معاویہ نے جابر جعفی کو صدوق وثقہ کہا تو مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگ کس کے قول کو مقبول اور کس کے قول کو مردود مانتے ہیں؟

امام ابن معین، ابن مدینی اور فلاس نے امام ابوحنیفہ کے فرمان کے خلاف ابو یوسف کو صدوق کہا ہے اور یہ معلوم ہے کہ صدوق ہونا متروک وساقط الاعتبار ہونے کے منافی نہیں، اور یہ تفصیل آ رہی ہے کہ امام ابن معین وفلاس نے صدوق کہنے کے باوجود ابو یوسف کو مجروح قرار دیا ہے مگر فی الوقت ہم کو مصنف انوار کے مندرجہ ذیل اس قول پر نظر کرنی ہے:

[1] ثقات ابن حبان (۷/ ۶۴۵) ولسان الميزان (۶/ ۳۰۱)

''یحییٰ بن معین نے یہ بھی فرمایا کہ امام ابو یوسف صاحب حدیث تھے، صاحب سنت تھے۔''❶

واضح رہے کہ محدثین کرام کے یہاں ''صاحب حدیث'' کا لفظ عام طور پر راویٔ حدیث اور عالم حدیث کے لیے بولا جاتا ہے اور کبھی کبھی مذہب اہل حدیث کے پیرو ومعتقد کے لیے بھی یہ لفظ بول دیا جاتا ہے، اور ''صاحب سنت'' کا لفظ عموماً مذہب اہل سنت اور مسلک اہل حدیث کے متبع کے لیے بولا جاتا ہے جو مبتدعانہ مذہب کا معتقد وپیرو نہ ہو، اور یہ معلوم ہے کہ حدیث کے راوی وعالم اور مذہب اہل حدیث ومسلک اہل سنت کے پیرو کا عادل وثقہ ہونا ضروری نہیں، کتنے رواۃِ حدیث اور علمائے حدیث نیز اہل حدیث اور اہلسنت غیر ثقہ ہوتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حدیث کے راوی وعالم ہونے کے معنی میں امام ابو یوسف صاحب حدیث تھے لیکن مذہب حدیث وسنت کے معتقد ہونے کے معنی میں موصوف کے صاحب حدیث وصاحب سنت ہونے کی بات اصل میں اس بنیاد پر قائم ہے کہ امام ابو یوسف نے بذات خود اس بات کا اظہار واعلان کیا ہے کہ میں مذہب ابی حنیفہ کے خلاف ایمان میں عمل کو داخل مانتا ہوں اور یہ مانتا ہوں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے، نیز یہ کہ امام صاحب اگرچہ مرجی وجہمی اور معتقد خلق قرآن تھے مگر میں امام صاحب کے اس موقف کو غیر صحیح سمجھتا ہوں بلکہ امام صاحب کے اس موقف کے سبب میں انھیں قابل ترک قرار دیتا ہوں لیکن امام ابو یوسف کی اس بات کی موافقت ان کے کسی ثقہ معاصر سے بسند صحیح ومتصل ہم کو نظر نہیں آتی، امام ابن معین سے مروی مذکورہ بالا یہ بات کہ ''ابو یوسف صاحب حدیث وصاحب سنت تھے'' کسی متصل وصحیح سند کے ساتھ ہمیں نہیں ملی، البتہ بحوالۂ عباس دوری امام یحییٰ بن معین سے مناقب ابی حنیفہ للذہبی میں یہ بھی منقول ہے:

''كان أبو يوسف يحب أصحاب الحديث ويميل إليهم.''❷

''امام ابو یوسف اصحاب الحدیث سے محبت کرتے اور ان کی طرف میلان رکھتے تھے۔''❸

ابن معین سے مروی یہ روایت دوسری کتابوں مثلاً خطیب (۱۴/ ۲۵۵) میں بسند صحیح مروی ہے، اس کا مفاد یہ ہے کہ ابن معین کی نظر میں ابو یوسف اصحاب الحدیث میں سے نہیں تھے بلکہ اصحاب الحدیث کی طرف صرف میلان ورجحان رکھتے تھے اور ان سے محبت بھی رکھتے تھے، اس کا مفہومِ مخالف یہ بھی نکلتا ہے کہ اصحاب الحدیث کے ساتھ محبت اور ان کی طرف میلان ورجحان رکھنے میں امام ابو یوسف کا یہ طریق عمل اپنے اصحاب یعنی اصحاب الرای کے طریق عمل کے خلاف تھا، یعنی اصحاب الرای اصحاب الحدیث کی طرف میلان ورجحان رکھتے تھے نہ ان سے محبت ہی کرتے تھے۔ امام طحاوی نے ابراہیم بن سلیمان بن داود برلسی (متوفی ۲۷۲ھ) (موصوف برلسی ثقہ ہیں، ملاحظہ ہو انساب سمعانی (۲/ ۱۸۰) لفظ برلسی) ومنتظم اور شذرات الذہب (واقعات ۲۷۲ھ) سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امام ابن معین نے کہا:

''ليس في أصحاب الرأي أكثر حديثا ولا أثبت من أبي يوسف.''❹

''اصحاب الرای میں ابو یوسف سے زیادہ حدیث والا اور ان سے زیادہ ثبت کوئی نہیں۔''

---

❶ مقدمه انوار (۱/ ۱۷۹)

❷ مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٤١)　❸ رواه الخطيب أيضا بسند صحيح عن ابن معين (١٤/ ٢٥٥)

❹ الكامل لابن عدي (٣/ ١٦٤) وميزان الاعتدال (٢/ ٦١٢) ولسان الميزان (٦/ ٣٠١)

امام ابن معین کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ابو یوسف کو اصحاب الرای میں شمار کرتے تھے، اس قول کو اس کے پہلے والے قول سے ملا کر دیکھا جائے تو دونوں کا مجموعی مطلب صرف یہ نکلتا ہے کہ ابو یوسف صاحب الرای تھے مسلکاً اہل حدیث کے معنی میں صاحب سنت وصاحب حدیث نہیں تھے، البتہ صرف اتنی بات تھی کہ موصوف اپنے عام ہم مذہب اصحاب الرای کے برخلاف اصحاب الحدیث کی طرف میلان رکھتے تھے اوران سے محبت کرتے تھے ان سے عداوت نہیں رکھتے تھے۔
مناقب ابی حنیفہ للذہبی (ص: ۴۰) میں ابن معین سے مروی اس روایت کے الفاظِ مذکورہ کے بعد یہ اضافہ ہے:

"ولا أحفظ ولا أصح رواية من أبي يوسف، و أبو حنيفة صدوق غير أن في حديثه ما في حديث المشائخ من الغلط."

''اصحاب الرای میں ابو یوسف سے زیادہ کوئی حافظ حدیث اورصحیح الحدیث بھی نہیں تھا، امام ابوحنیفہ بذات خود ثقہ تھے مگر ان کی روایت کردہ حدیث میں مشائخ کی بیان کردہ حدیثوں کی طرح غلطیاں واقع ہوا کرتی تھیں۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن معین کے نزدیک اصحاب الرای میں ابو یوسف سے زیادہ حافظ حدیث وصحیح الحدیث کوئی نہیں تھا، اس سے موصوف کے مطلقاً حافظ حدیث اورصحیح الحدیث ہونے کا مطلب نہیں نکلتا بلکہ صرف اصحاب الرای میں ابو یوسف کا سب سے زیادہ حافظ حدیث اورصحیح الحدیث ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جن کتب مناقب کی روایات کو مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگ نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بناتے چلے جاتے ہیں ان میں امام صاحب کا یہ فرمان منقول ہے کہ "عليك بالرأي، ودع الحديث ثلاث مرات"[1] یعنی رائے سے اشتغال رکھو اور حدیث سے اشتغال نہ رکھو، یہ حکم امام صاحب نے تین بار دہرایا۔ کیا امام صاحب کے اس فرمان پر امام ابو یوسف عمل پیرا نہیں تھے جبکہ کتب مناقب میں امام ابو یوسف کا بھی یہ فرمان منقول ہے:

"لا تطلب الحديث بكثرة الرواة فترمي بالكذب."[2]

''کثرتِ رواۃ کے ذریعہ علم حدیث مت حاصل کرو ورنہ کذاب قرار دیے جاؤ گے۔''

ظاہر ہے کہ اپنے مذکورہ بالا فرمان پر امام ابو یوسف خود بھی عامل ہوں گے، دریں صورت وہ کثیر الحدیث کیسے ہو سکتے تھے جبکہ وہ کثرتِ روایت کو اس قدر خطرناک سمجھتے تھے کہ اس کا مرتکب کذاب قرار دیا جائے گا؟

دریں صورت ابن معین سے مروی اس قول کہ ''ابو یوسف صاحب حدیث وصاحب سنت تھے'' کو صحیح فرض کر کے کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ ابن معین کی نظر میں ابو یوسف اصحاب الحدیث سے محبت اوران کی طرف میلان رکھتے نیز اہل الرای میں سب سے زیادہ حدیث والے تھے اس لیے مبالغہ کے طور پر ابن معین نے کسی وقت انھیں صاحب حدیث وسنت بھی کہہ دیا ورنہ اپنے دوسرے قول میں امام ابن معین نے امام ابو یوسف کے صاحب حدیث وسنت ہونے کی نفی کر دی ہے، ہمارے نزدیک ابن معین سے مروی اقوال میں تطبیق کی یہی صورت بہتر ہے ورنہ ابن معین کے اس قول صریح سے (یعنی اصحاب الرای میں ابو یوسف سے زیادہ حدیث والا کوئی نہیں تھا) صاف ظاہر ہے کہ وہ ابو یوسف کو مطلقاً صاحب حدیث وسنت اوراہل حدیث وسنت نہیں مانتے

---

[1] موفق (۲/ ۲۰۴) وكردري. [2] موفق (۲/ ۲۳۰) وخطيب (۱۴/ ۲۵۳)

بلکہ صرف یہ مانتے ہیں کہ موصوف ابو یوسف اپنے عام اصحاب یعنی اصحاب الرای کے بالمقابل حدیث وسنت اور اہل حدیث واہل سنت کی طرف زیادہ میلان ورجحان رکھتے تھے، یہی بات امام مزنی نے بایں لفظ کہی ہے:

"أبو يوسف أتبع القوم للحديث." [1]

"اہل الرای کی قوم میں ابو یوسف سب سے زیادہ اتباعِ حدیث وسنت کرنے والے ہیں۔"

امام مزنی کے اس قول کا مطلب بھی صرف یہ ہے کہ جماعت اہل الرای میں امام ابو یوسف سب سے زیادہ متبع حدیث تھے، ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ مستبعد نہیں کہ ابو یوسف نے ایسی پالیسی اختیار کی ہو جس سے بعض اہل حدیث کو یہ غلط فہمی ہو کہ موصوف امام ابو یوسف اہل حدیث ہیں یا اہل حدیثوں کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے کہا:

"وكان يعقوب أبو يوسف منصفا في الحديث." [2]

"ابو یوسف حدیث کے معاملے میں منصف تھے۔"

امام احمد کا یہ قول صرف اعتباری ہے، یعنی امام احمد نے اپنے نقطۂ نظر اور علم کے اعتبار سے یہ بات کہی ہے کہ امام ابو یوسف دوسرے اہل الرای کے بالمقابل حدیث کے معاملہ میں زیادہ منصف تھے ورنہ امام احمد نے موصوف ابو یوسف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"أبو يوسف صدوق، ولكن أصحاب أبي حنيفة لا ينبغي أن يروي عنهم شيء." [3]

"ابو یوسف صدوق تو ہیں مگر اصحاب ابی حنیفہ میں سے کسی سے روایت کرنی مناسب نہیں۔"

صاف ظاہر ہے کہ امام احمد نے امام ابو یوسف کو اپنے مندرجہ بالا قول میں اصحاب ابی حنیفہ یعنی اہل الرای میں شمار کیا ہے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ کسی راوی کا فی نفسہ صدوق ہونا یا کچھ لوگوں کے بالمقابل اثبت الحدیث، امثل الحدیث، اوثق الحدیث، احفظ الحدیث واصح الحدیث واکثر الحدیث ہونا مجروح وغیر ثقہ ہونے کے منافی نہیں ہے، بسند صحیح ابن معین سے یہ بھی مروی ہے:

"قال أحمد بن سعد بن أبي مريم: سألت ابن معين عن أبي يوسف فقال: لا يكتب حديثه." [4]

"ابن معین نے کہا کہ ابو یوسف کی حدیث ناقابل نوشت ونالائق تحریر ہے۔"

ابو یوسف کی بابت صحیح سند سے مروی ابن معین کا مندرجہ بالا قول سخت ترین الفاظِ جرح میں سے ہے اور جس راوی کے بارے میں یہ کلمہ تجریح استعمال کیا گیا ہے وہ متروک وغیر ثقہ اور قطعاً ناقابل اعتبار ہے۔[5] اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابن معین نے اصحاب الرای میں ابو یوسف کو اکثر الحدیث، احفظ الحدیث، اصح الحدیث، محبّ اصحاب الحدیث ومائل الی اصحاب الحدیث

---

[1] تذكرة الحفاظ (١/ ٢٩٣) وخطيب (١٤/ ٢٤٦) وعام كتب مناقب أبي حنيفة و أبي يوسف.

[2] خطيب (٢/ ١٧٩ ترجمه محمد بن الحسن) وخطيب (١٤/ ٢٦٠) ولسان الميزان (٥/ ١٢٢ ترجمه محمد بن حسن)

[3] الجرح والتعديل (٤/ ٢٠٢، ق: ٢) وخطيب (١٤/ ٢٥٩، ٢٦٠)

[4] الكامل لابن عدي (٣/ ١٦٤) وخطيب وغيره.

[5] عام كتب مصطلح الحديث.

قرار دینے کے باوجود غیر ثقہ ومتروک بتلایا ہے، اور یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ متروک الحدیث ہونا صدوق ہونے کے منافی نہیں، بہت سارے صدوق رواۃ اختلاط وکثیر الخطا ہونے کے سبب متروک قرار پا گئے ہیں، چنانچہ ابن معین سے بسند صحیح یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے ابو یوسف کو صدوق کہا ہے۔[1] اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ امام ابن معین کلمۂ صدوق کی جگہ پر کلمۂ ثقہ بھی استعمال کر ڈالتے ہیں جس کا مطلب صرف اس قدر ہوتا ہے کہ جس راوی کے بارے میں یہ لفظ کہا گیا ہے وہ عمداً جھوٹ نہیں بولتا۔[2]

ظاہر ہے کہ جب ابن معین کلمۂ ثقہ صرف اس صدوق راوی کی بابت بھی بولتے ہیں جو عمداً جھوٹ نہ بولے اگرچہ اختلاط و سوءِ حفظ کی وجہ سے متروک ہو تو جس راوی کو انھوں نے "لا یکتب حدیثه" کہہ کر متروک وساقط الاعتبار قرار دے دیا ہو اس کو اگر انھوں نے اپنے ایک قول میں صدوق اور دوسرے میں ثقہ کہا ہے تو ان تینوں اقوال کا حاصلِ مطلب صرف یہ ہے کہ راوی مذکور فی نفسہ صدوق ہونے کے باوجود اسبابِ مختلفہ کی وجہ سے متروک ہے۔ ابن معین سے ایک قول یہ بھی منقول ہے: "أبو یوسف أنبل من أن یکذب"[3] "کذب بیانی سے ابو یوسف بلند ہیں۔" اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ ابن معین کی نظر میں ابو یوسف جھوٹے نہیں بلکہ صدوق ہیں مگر ہم عرض کر چکے ہیں کہ کذاب کی بجائے صدوق ہونا متروک ہونے کے منافی نہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ ابن معین سے یہ بھی مروی ہے:

"کان أبو یوسف ثقة إلا أنه کان ربما غلط."[4] یعنی ابو یوسف ثقہ تھے مگر وہ "ربما غلط" تھے۔

"ربّما" کا لفظ تکثیر وتقلیل دونوں کے لیے آتا ہے جس کی تعیین قرائن ودلائل سے کی جاتی ہے اور چونکہ امام ابن معین نے اپنے دوسرے قول میں ابو یوسف کو متروک کہا ہے، اس لیے یہاں "ربما غلط" سے مراد صرف یہی ہوسکتا ہے کہ ابن معین کی نظر میں کثرتِ اغلاط کی وجہ سے موصوف ابو یوسف ثقہ بمعنی صدوق ہونے کے باوجود متروک وساقط الاعتبار تھے، دریں صورت ابن معین سے بعض روایات میں ابو یوسف کی بابت مطلقاً جو یہ مروی ہے کہ ابو یوسف ثقہ تھے تو اس لفظ کو "ربما غلط" کے لفظ کے ساتھ مقید ماننا تمام روایات میں تطبیق کے لیے ضروری ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ ابن معین کی نظر میں کثیر الغلط ہونے کے سبب ابو یوسف متروک وغیر معتبر ہیں۔

امام ابن معین سے مروی مختلف اقوال سے مستفاد ہونے والی اسی بات کو ان کے مشہور ومعروف معاصر امام جرح وتعدیل ابوحفص عمرو بن علی فلاس (۲۴۹ھ) نے اپنے لفظ میں اس طرح کہا ہے:

"صدوق کثیر الغلط، وفي لفظ: کثیر الخطأ."[5] یعنی "ابو یوسف صدوق ہیں مگر کثیر الغلط والخطا ہیں۔"

یہ معلوم ہے کہ کثیر الغلط اور متروک الحدیث ہونا ایک راوی کے اندر جمع ہوسکتا ہے، اس اعتبار سے ابن معین وفلاس کی بات باہم متحد ومتفق ہے، مختلف نہیں۔ ابن معین کا ایک قول یہ ہے:

---

[1] خطیب (۱۴/ ۲۵۹)	[2] اللمحات.	[3] خطیب (۱۴/ ۲۵۹)	[4] خطیب (۱۴/ ۲۵۹)

[5] مناقب أبي حنیفة للذهبي (ص: ٤٦) ولسان المیزان (٦/ ٣٠٠) ومیزان الاعتدال (٢/ ٦١٣) وخطیب (١٤/ ٢٦٠)

"أبو يوسف القاضي لم يكن يعرف الحديث، وهو ثقة."[1]

''ابو یوسف عارفِ حدیث نہیں تھے اگر چہ ثقہ (بمعنی صدوق) تھے۔''[2]

ابن معین سے بسند صحیح یہ بھی مروی ہے:

"ذكر له أبو يوسف فقال: لم يكن يعرف بالحديث."[3]

''ابو یوسف حدیث کے ساتھ معروف نہیں تھے۔''

ابن معین کے اس قول کا حاصل ان کے دوسرے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے صرف اس قدر ہے کہ ابو یوسف صاحب حدیث ہونے کی صفت سے معروف نہیں ہیں بلکہ صاحب الرای ہونے کی صفت سے معروف ہیں، یعنی اہل علم میں موصوف صاحبِ حدیث نہیں سمجھے جاتے بلکہ صاحب الرای سمجھے جاتے ہیں، اس روایت صحیحہ سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ ابن معین نے ابو یوسف کو صاحب حدیث وصاحب سنت اس معنی میں کہا ہے جو اہل علم کے مابین متداول اور مروج ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ کسی زمانے میں امام ابن معین امام ابو یوسف کے بارے میں ایک رائے رکھتے تھے مگر بعد میں اس سے مختلف رائے رکھنے لگے لیکن چونکہ تقدیم وتاخیر کی تعیین نہیں ہوسکی اس لیے مذکورہ بالا توجیہ ہی ٹھیک ہے، البتہ بعض ثقات کے اندر آخری عمر میں اسبابِ جرح پائے جانے لگتے ہیں، اس لیے اقوال تجریح کا مؤخر ہونا زیادہ قرین قیاس ہے، نیز جرح وتعدیل میں اختلاف ہونے کی صورت میں اگر تطبیق نہ ہوسکے تو جرح مقدم ہے اور ابو یوسف کی بابت ابن معین کے اقوالِ جرح امام صاحب نیز دوسرے ائمہ جرح وتعدیل کے موافق ہیں اس لیے بھی تجریح کا پہلو راجح ہونا چاہیے۔ **واللّٰہ أعلم**

امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ بیماری کے سبب میں فقہ کے علاوہ اپنے دوسرے سارے علوم بھول گیا، بھول کے سبب آدمی کی زبان سے ایسی متضاد باتوں کا نکلنے لگنا جن سے بعض لوگوں کو اس پر کذب بیانی کا گمان ہو مستبعد نہیں، یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ بعض مصالح کے پیش نظر بعض محدثین متروک وکذاب رواۃ سے روایت کرتے اور ان کی بیان کردہ حدیثیں لکھ لیتے تھے، خود ابن معین سے مروی ہے:

"أي صاحب حديث لا يكتب عن كذاب ألف حديث؟"[4]

کون سا صاحب حدیث ایسا ہے جو کذابین سے ہزار احادیث نہ لکھتا ہو۔''

نیز منقول ہے:

"قال يحيى بن معين: كتبنا عن الكذابين، وسجرنا به التنور، فأخرجنا به خبزا نضيجا."[5]

''امام ابن معین نے فرمایا کہ ہم نے کذابین کے بیان کردہ علومِ حدیث وفقہ لکھے، پھر ہم نے ان سے اپنے تنور جلائے اور روٹی پکائی۔''

---

[1] خطيب (١٤/ ٢٥٩)　　[2] نیز ملاحظہ ہو: الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٦٩)

[3] خطيب (١٤/ ٢٥٩)　　[4] خطيب (١٤/ ١٨٤) والكامل لابن عدى (١/ ٤٠)

[5] المجروحين (١/ ٤٢) وخطيب (١٤/ ١٨٤) طبقات الحنابله (١/ ٤٠٣) وفيات الأعيان (٦/ ١٤١) وتهذيب التهذيب (١١/ ٢٨٦)

نیز یہ بھی مروی ہے:

"رأى أحمد بن حنبل ابن معين في زاوية بصنعاء، وهو يكتب صحيفة معمر عن أبان عن أنس، فإذا اطلع عليه إنسان كتمه، فقال أحمد: تكتب صحيفة معمر عن أبان عن أنس وتعلم أنها موضوعة؟ فلو قال لك القائل: أنت تتكلم في أبان ثم تكتب حديثه على الوجه؟ قال: رحمك الله أكتب هذه الصحيفة عن عبد الرزاق عن معمر عن أبان عن أنس، وأحفظها كلها، وأعلم أنها موضوعة، حتى يجيء بعدنا إنسان فيجعل بدل أبان ثابت، ويرويها عن معمر عن ثابت عن أنس، فأقول له: كذبت إنما هي أبان لا ثابت." ❶

''امام احمد بن حنبل نے دیکھا کہ ابن معین زاویہ صنعاء میں حضرت انس سے ابان بن عیاش کی روایت کردہ احادیث کا نسخۂ معمر لکھ رہے تھے، میں نے ابن معین سے کہا کہ آپ ان روایات کو موضوع جان بوجھ کر لکھ رہے ہیں، اگر کوئی کہے کہ آپ ابان کو مجروح بھی قرار دیتے ہیں اوران کی حدیث لکھتے بھی ہیں تو کیا جواب دیں گے؟ ابن معین نے کہا کہ میں ان روایات کولکھ کر اس لیے یاد کرتا ہوں تا کہ کوئی شخص آکر یہ پروپیگنڈہ نہ کرنے لگے کہ یہ احادیث انس سے ثابت نے بیان کی ہیں، اگر وہ ایسا پروپیگنڈہ کرے تو بس اسے رد کر کے بتلا سکوں کہ نہیں یہ احادیث ابان کی بیان کردہ ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ کسی راوی کی روایت کردہ حدیث اگر ابن معین نے لکھی یا سنی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اسے متروک نہ سمجھتے تھے، اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام ابن معین کا مندرجہ ذیل قول ملاحظہ ہو:

"كتبت عن أبي يوسف، وأنا أحدث عنه." ❷

''میں نے ابو یوسف کی روایات لکھی ہیں اوران سے روایت بھی کرتا ہوں۔''

امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

"أول من كتبت عنه الحديث أبو يوسف، وأنا لا أحدث عنه، وفي رواية: أبو يوسف صدوق ولكن أصحاب أبي حنيفة لاينبغي أن يروى عنه شيء." ❸

''سب سے پہلے میں نے ابویوسف کی حدیثیں لکھیں مگر میں ان سے روایت بیان نہیں کرتا، ابو یوسف اگرچہ صدوق ہیں مگر اصحاب ابی حنیفہ میں سے کسی کی کوئی بات روایت کرنی مناسب نہیں۔''

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ ابویوسف کو صدوق ماننے اور ابتدا میں ان کی حدیثیں لکھنے کے باوجود انھیں امام احمد نے متروک قرار دیا ہے، یہ بیان ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کے رکن مجلس تدوین قرار دیے ہوئے قاضی شریک امام صاحب اور اصحاب امام صاحب کو مردود الشہادۃ مانتے تھے، دریں صورت امام احمد وابن معین وشریک کے موقف میں کوئی معنوی اختلاف نہیں

---

❶ المجروحين لابن حبان (١/ ٢٢) وتهذيب التهذيب (١/ ١٠١)

❷ خطيب (١٤/ ٢٥٩) والجرح والتعديل (٤/ ٢٠٢، ق: ٢)　❸ خطيب (١٤/ ٢٥٩) وبمعناه في الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٧٠)

صرف لفظی اورظاہری اختلاف ہے، حاصل یہ کہ کسی شخص کا صدوق ہونا متروک ہونے کے منافی نہیں اگرچہ ساقط الاعتبار ہونے کے اعتبار سے متروک قرار دیے ہوئے کثیر الغلط ،صدوق اور کذاب راوی میں بہت فرق ہے مگر ساقط الاعتبار ہونے کے اعتبار سے دونوں کو اہل علم نے ایک درجہ میں رکھا ہے۔ مروی ہے کہ ''امام شعبہ سے پوچھا گیا ''متی يترك؟'' کس راوی کو متروک قرار دیا جائے؟ موصوف نے کہا: ''من يكذب في الحديث ومن يكثر الغلط'' جو کذاب ہو اور جو کثیر الغلط ہو۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ ساقط الاعتبار ہونے میں کذاب اور متروک قرار دیے گئے کثیر الغلط صدوق راوی برابر ہیں اگرچہ کذاب وصدوق میں درحقیقت فرقِ عظیم ہے۔

امام دارقطنی کی مدحِ ابی یوسف:

امام برقانی نے کہا کہ امام دارقطنی سے امام ابو یوسف کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا: ''هو أقوىٰ من محمد بن الحسن''[2] موصوف امام محمد شیبانی سے زیادہ قوی ہیں، ظاہر ہے کہ امام دارقطنی نے امام محمد کے بالمقابل امام ابو یوسف کو زیادہ قوی قرار دیا ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام دارقطنی نے امام ابو یوسف کی مدح کی ہے اوراس میں شک نہیں کہ یہ مدح ہے۔

امام برقانی ہی سے مروی ہے:

''سألت الدارقطني عن محمدبن الحسن صاحب أبي حنيفة، فقال: قال ابن معين: كذاب، وقال فيه أحمد بن حنبل نحو هذا، وعندي لا يستحق الترك.''[3]

''امام دارقطنی سے امام محمد شیبانی کی بابت پوچھا گیا توانھوں نے کہا کہ امام محمد کو امام ابن معین واحمد بن حنبل نے کذاب کہا ہے مگر وہ میرے نزدیک مستحقِ ترک نہیں ہیں۔''[4]

اس سے معلوم ہوا کہ امام دارقطنی کے نزدیک امام محمد قابلِ ترک نہیں تھے اور جب موصوف کے نزدیک نہیں تھے توانھوں نے چونکہ ابو یوسف کو امام محمد سے زیادہ قوی قرار دیا ہے، اس لیے امام ابو یوسف ان کے نزدیک بدرجۂ اولی مستحقِ ترک نہیں ہوئے مگر متروک نہ ہونے سے کسی راوی کا غیر ضعیف ہونا لازم نہیں آتا۔

امام دارقطنی کی تجریحِ ابی یوسف:

چنانچہ امام دارقطنی کی درسگاہ میں مندرجہ ذیل سند سے ایک حدیث پڑھی گئی:

''أنا ابن عبدان ثنا أبي حدثنا محمد بن موسى الإصطخري ثنا إسماعيل بن يحيى الأزدي حدثنا الليث بن حماد حدثنا أبو يوسف عن غورك بن الحضرمي السعدي عن جعفر بن محمد... الخ.''

تو امام دارقطنی نے فرمایا: ''غورك ضعيف، ومن دون غورك ضعفاء'' یعنی اس سند کے راوی غورک بہت ضعیف

---

[1] الكفاية في علم الرواية للخطيب (ص: ١٤٥) وعام كتب مصطلح الحديث.

[2] خطيب (١٤/ ٢٦٠)　[3] خطيب (٢/ ١٨١)

[4] نیز ملاحظہ ہو: تعجيل المنفعة (ص: ٣٣٩) ومناقب أبي حنيفة وصاحبيه للذهبي (ص: ٥٨)

ہیں اوران سے نیچے کے رواۃ بھی ضعیف ہیں، امام دارقطنی سے کہا گیا کہ غورک سے روایت مذکورہ کے راوی امام ابو یوسف ہیں، اس پر امام دارقطنی نے فرمایا: "أعور بين عميان" اس سند کے ضعیف رواۃ میں امام ابو یوسف کی حیثیت اس طرح ہے جیسے مادرزاد اندھوں میں ایک آنکھ والا ہو۔[1] جس وقت امام دارقطنی نے یہ بات کہی اس وقت امام صیمری حنفی اس درسگاہ میں موجود تھے، موصوف خفا ہوکر درسگاہِ دارقطنی سے چلے آئے اور پھر دوبارہ وہاں نہیں گئے مگر درسگاہِ دارقطنی ترک کرنے پر صیمری بعد میں نادم اور متأسف تھے۔[2]

سند مذکور کے دوسرے رواۃ امام دارقطنی کی نظر میں چونکہ امام ابو یوسف کے بالمقابل زیادہ ضعیف ہیں، اس لیے امام دارقطنی نے مذکورہ بالا بات کہی ہے اگرچہ اس کی صراحت کر دی ہے کہ امام ابو یوسف بھی ضعیف ہی ہیں، یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جو ضعیف راوی قابلِ ترک حد تک ضعیف نہ ہو اسے بعض اوقات بعض اہل علم "ثقہ" بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔[3] جس کا مقصود یہ نہیں ہوتا کہ راوی مذکور ضعیف نہیں ہے مگر اس بات کی تعیین قرائن وشواہد سے ہوا کرتی ہے، جب ایک جگہ امام دارقطنی نے امام محمد کو ناقابل ترک کہا اور دوسری جگہ انھوں نے متعدد ثقہ رواۃ کے ضمن میں ان کا نام بھی ذکر کر دیا اور تیسری جگہ ان کے بالمقابل امام ابو یوسف کو قوی تر قرار دیا اور چوتھی جگہ امام ابو یوسف کو ضعیف مگر "أعور بين العميان" کہا تو ان کے اقوال کے مجموعہ سے مستخرج ہوا کہ ان کے نزدیک امام محمد وابو یوسف دونوں ضعیف ہونے کے باوجود ناقابل ترک ہیں مگر دونوں میں امام ابو یوسف قوی تر ہیں۔

یہ معاملہ تفصیل مذکور کے مطابق بہت واضح ہے مگر متعدد احناف خصوصًا کوثری اور اراکین تحریک کوثری نے یہ شور وشر مچا رکھا ہے کہ امام دارقطنی نے ایک طرف امام محمد کو زمرۂ ثقات میں ذکر کیا دوسری طرف ان کے بالمقابل امام ابو یوسف کو قوی تر کہا مگر تیسری طرف امام ابو یوسف کو ضعیف قرار دے کر "أعور بين العميان" کہا جو تضاد بیانی ہے۔[4] حالانکہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق امام دارقطنی کے قول میں کسی قسم کا تعارض نہیں ہے۔[5] اور اگر بالفرض قول دارقطنی میں تعارض ہو تو یہ بات امام دارقطنی کے ساتھ خاص نہیں دوسرے ائمہ جرح وتعدیل میں بھی اس طرح کی باتیں بعض رواۃ کی بابت بظاہر پائی جاتی ہیں جن میں ابن معین کو بڑی شہرت حاصل ہے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام ابو یوسف کو اگرچہ امام صاحب، ابن المبارک اور محمد نے کذاب اور یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ نے متروک کہا مگر امام دارقطنی نے صرف ضعیف کہنے پر اکتفا کیا اور متروک ہونے کی نفی کی، اسی طرح کذاب ہونے کی بھی نفی کی لیکن کوثری اور اراکین تحریک کوثری نے امام صاحب، ابن المبارک، یزید بن ہارون، یحییٰ قطان اور ابن مہدی پر خفا ہونے کے بجائے امام دارقطنی کو مطعون کیا، انھیں متعصب وتنگ نظر بھی کہا اور نشانۂ سب وشتم بھی بنایا، اسی طرح امام دارقطنی

---

[1] سنن الدارقطني مع تعليق المغني (١/ ٢١٤)

[2] خطيب (٨/ ٧٩) ومقدمه أخبار أبي حنيفة للصيمري وخطيب (١٤/ ٢٦٠)　　[3] اللمحات.

[4] ملاحظہ ہو: تأنيب الخطيب (ص: ١٦٧، ١٧٨) ونصب الراية مع تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٥٨) وغيره.

[5] نیز ملاحظہ ہو: التنكيل (١/ ٣٥٩ تا ٣٦٥)

نے امام محمد کے ساتھ بھی کیا، حالانکہ امام محمد کو خود امام ابو یوسف اور امام ابن معین وغیرہ نے کذاب قرار دیا مگر کوثری وارا کین تحریک کوثری امام دارقطنی ہی سے خفا ہوئے ان حضرات سے نہیں، یہ ہے ان لوگوں کی انصاف پرستی!

چونکہ امام دارقطنی وابن معین وابن مدینی واحمد وغیرہ کی باتیں امام ابو یوسف کے بارے میں امام صاحب اور ابن المبارک کے فرامین کے معارض ہیں اور جرح تعدیل پر مقدم ہے، اس لیے اراکینِ تحریک کوثری کو امام صاحب کی بات ماننے میں کون سی چیز مانع ہے جبکہ امام ابو یوسف آنے والی تفصیل کے مطابق موضوع حدیثوں کو بھی معتبر کہہ کر دلیل بنا لیا کرتے تھے مگر صحیح الاسناد اخبار آحاد کو شاذ کہہ کر مردود قرار دے دیا کرتے تھے، حالانکہ موضوع حدیثوں کو حدیث کہنے والوں کو خود نبی ﷺ نے کذاب کہا ہے؟

تعدیلِ ابی یوسف میں امام ابن حبان کا موقف:

امام ابن حبان نے کہا:

”وكان شيخا متقنًا لم يسلك مسلك صاحبيه إلا في الفروع، وكان يباينهما في الإيمان والقرآن.“ ❶

’’ابو یوسف شیخ متقن تھے، وہ صرف فروعی مسائل میں امام صاحب ومحمد کے ہم مسلک تھے، ایمان وقرآن کے معاملے میں موصوف ابوحنیفہ ومحمد کے مسلک سے مختلف مذہب رکھتے تھے۔‘‘

امام ابن حبان کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف صرف فروعی مسائل میں امام صاحب کے ہم مذہب تھے ورنہ اصولی مسائل میں نہیں، ہم امام ابن حبان کی اس بات پر تبصرہ کر چکے ہیں، بغرض صحت امام ابن حبان کی یہ بات جزوی طور پر صحیح ہوسکتی ہے۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ ۱۶۷ھ سے پہلے قاضی شریک نے امام ابو یوسف کو یہ کہہ کر مردود الشهادة قرار دیا تھا کہ موصوف اعمال کو جزوِ ایمان نہیں مانتے۔ ❷ جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف ایمان کے اتنے بنیادی اور اصولی معاملے میں بھی امام صاحب ہی کے ہم مسلک تھے، اور یہ کہنا کہ عدالت شریک سے مردود الشهادة قرار پانے کے بعد ابو یوسف ایمان وقرآن کے معاملے میں اہل حدیث مسلک کے پیرو بنے تھے اور فرماتے تھے کہ ”من قال: إيماني كإيمان جبرئيل فهو صاحب بدعة“۔ ❸

یعنی جو یہ کہے کہ میرا اور حضرت جبرئیل کا ایمان برابر ہے وہ بدعتی ہے۔ تو اس کا کیا معنی ومطلب ہوسکتا ہے؟

امام ابن حبان پر تعجب ہے کہ ایک طرف وہ اس بات کے معترف ہیں کہ امام یحییٰ بن سعید قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی وابن المبارک فنِ رجال کے ایسے ماہر ہیں کہ ”لم يتعدوها إلى غيرها“ ان کے اقوالِ جرح وتعدیل کے خلاف اہل علم دوسرا موقف نہیں اختیار کرتے۔ ❹ دوسری طرف موصوف ابن حبان ان حضرات کے متروک قرار دیے ہوئے امام ابو یوسف کو ثقہ قرار دیے ہوئے ہیں، نیز امام بخاری نے علی الاطلاق یہ نقل کیا ہے کہ ”تركوه“ یعنی عام اہل علم نے ابو یوسف کو متروک قرار دیا ہے۔

---

❶ لسان الميزان (٦/ ٣٠١ بحواله الثقات لابن حبان) ❷ لسان الميزان (٦/ ٣٠١)

❸ تذكرة الحفاظ (١/ ٢٩٣ وغيره) ❹ مقدمة كتاب المجروحين لابن حبان (١/ ٣٨)

امام ابن عدی کی تعدیلِ ابی یوسف:

امام بن عدی نے کہا:

"ليس في أصحاب الرأي أكثر حديثا منه إلا أنه يروي عن الضعفاء مثل الحسن بن عمارة وغيره، وكثيرًا ما يخالف أصحابه، ويتبع الأثر، وإذا روى عنه ثقة فلا بأس به." [1]

''اصحاب الرای میں ابویوسف سے زیادہ حدیث والا کوئی نہیں مگر وہ ضعیف رواۃ سے بھی روایت کرتے ہیں اور بسااوقات اپنے اصحاب اہل الرای سے مخالفت کر کے حدیث کی پیروی کرتے ہیں، جب ان سے روایت کرنے والا راوی ثقہ ہواور جس سے وہ روایت کریں وہ بھی ثقہ ہوتو وہ "لا بأس به" ہیں۔'' [2]

امام ابن عدی کے مذکورہ بالا قول کا بھی وہی مطلب ہے جو امام ابن معین کے مختلف اقوال سے مجموعی طور پر مستفاد ہوتا ہے کہ عام اصحاب الرای کے بالمقابل امام ابو یوسف اکثر الحدیث تھے اور بسااوقات موصوف اپنے اصحاب اہل الرای کے طریقِ قیاس ورائے کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں تو ابو یوسف اہل الرای ہی میں سے تھے مگر بسااوقات اہل الرای کے قیاسی مسائل ترک کر کے حدیث پر عمل کرتے تھے، اسی بات کو امام مزنی نے "أتبع القوم للحديث" کے لفظ سے اورامام احمد نے "منصف في الحديث" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے مگر جو صاحب الرای بقول ابن معین "لا يعرف لحديث" کی صفت سے متصف ہو وہ حدیث سے متعلق اپنی معلومات ہی کی حد تک قیاس و رائے کے مقابلہ میں حدیث پر عمل کرے گا، پھر جب کتب مناقب ابی حنیفہ میں یہ منقول ہے کہ امام صاحب نے حدیث کے ساتھ اشتغال سے منع کیا اور رائے کے ساتھ اشتغال کا حکم دیا اورامام ابویوسف نے فرمایا کہ بکثرت روایتِ حدیث کرو گے تو کذاب قرار پاؤ گے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ امام ابویوسف نے اپنے ان فرامین کے باوجود بھی حدیث سے اشتغال رکھا ہو؟

حدیث پر عملِ ابی یوسف کی ایک مثال:

زیادہ تفصیلی بحث ونظر کے بجائے اختصار سے کام لیتے ہوئے ہماری طرف سے صرف ایک مثال کتب مناقب ابی حنیفہ سے پیش کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو۔ مختار بن سابق حنظلی سے مروی ہے:

"سمعت أبا يوسف يقول: سألني أبوحنيفة عن قول رسول اللهﷺ: إذا كان الماء قلتين لم يحمل خبثا، ما معناه؟ فجعلت أقول فيه أقاويل لا يرضاها، فقلت له: رحمك الله ما معناه عندك؟ فقال: معناه إذا كان جاريا، فقمت إليه فقبلت رأسه، وأثنيت عليه و أرسلت عبرتي من السرور."

''امام صاحب نے ابویوسف سے پوچھا کہ "إذا كان الماء قلتين لم يحمل خبثا"(دوقلہ، مٹکا) پانی ہوتو اس میں نجاست پڑنے سے پانی نجس نہیں ہوتا، والی حدیث کا کیا مطلب ہے؟ ابویوسف نے کہا کہ امام صاحب کے اس سوال کے میں نے مختلف ومتعدد جوابات دیے مگر ان میں سے کسی جواب کو انھوں نے پسند نہیں کیا، آخر میں میں نے کہا آپ کے

---

[1] لسان الميزان (٦/ ٣٠١)
[2] نیز ملاحظہ ہو:الكامل لابن عدی مخطوطه (٣/ ١٦٥)

نزدیک اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟ وہ ہم کو بتلا دیجیے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو قلہ بہنے والے جاری پانی میں نجاست پڑے تو وہ نجس نہیں ہوتا، ابو یوسف کہتے ہیں کہ امام صاحب کے اس فرمان سے میں اتنا خوش ہوا کہ اٹھ کر میں نے امام صاحب کے سر کا بوسہ دیا، ان کی مدح وتعریف کی اور خوشی کی شدت سے میرے آنسو جاری ہو گئے۔''

حدیث قلتین کا یہ معنی ومطلب امام صاحب سے سیکھ لینے اور پڑھ چکنے کے بعد جب ابو یوسف درسگاہِ ابی حنیفہ سے فارغ ہو گئے تو فرماتے ہیں:

''قال أبو يوسف: بعد أن سمعت من أبي حنيفة وأكثرت قلت: لا أنبل في بلد فيه أبوحنيفة، قال فخرجت إلى بعض السواد، قال: فنزلت فجاءني رجل، فقال: يا أبا يوسف ما تقول في رجل يتوضأ على شط الفرات فانكسرت جرار من خمر، والرجل يتوضأ من تحت الجرية، قال: فوالله ما دريت أن أجيبه، قال: فقلت للغلام: شد فليس نصلح إلا في بلد فيه أبو حنيفة، قال فلما صرت إلى أبي حنيفة قال أين كنت؟ فأخبرته الخبر فضحك، و قال: ما دريت ما تجيبه؟ قلت: و الله ما دريت ما أجيبه؟ فقال: إن وجدت ريحه أو طعمه وإلا فلا شيء عليك.''[1]

''ابو یوسف نے کہا کہ امام صاحب سے سماع وتحصیلِ علم کرنے کے بعد میں نے سوچا کہ میں اس شہر میں رہ کر کامیاب نہیں ہوسکتا جہاں ابوحنیفہ قیام پذیر ہوں، لہٰذا میں عراق کے بعض دوسرے مقام پر جا کر مقیم ہوگیا، وہاں میرے پاس ایک آدمی نے آکر یہ مسئلہ پوچھا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی شخص وضو کر رہا ہو اور اس دریا میں شراب کے گھڑے ٹوٹ کر گر پڑے ہوں اور وہ آدمی دریائے فرات کے جاری پانی کے پاس بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا تو اس کے لیے اب دریائے فرات میں وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ابو یوسف نے کہا کہ اس شخص کے سوال مذکور کا خدا کی قسم میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا، میں نہیں جانتا تھا کہ اسے کیا جواب دوں، چنانچہ میں نے اپنے غلام سے سواری تیار کرنے کو کہا اور یہ بھی کہا کہ ہم صرف اسی جگہ رہ سکتے ہیں جہاں امام ابوحنیفہ ہوں، جب میں امام صاحب کے پاس پہنچا تو انھوں نے پوچھا تم کہاں تھے؟ میں نے انھیں پوری بات بتلائی تو امام صاحب ہنسنے لگے اور انھوں نے پوچھا کہ تم اس شخص کے سوال کا جواب نہیں دے سکے؟ میں نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ کیا جواب دوں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس پانی میں شراب کی بو اور ذائقہ موجود ہو تو اس سے وضو جائز نہیں ورنہ اس سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

مذکورہ بالا دونوں روایات کے مجموعہ پر غور فرمائیے اس قسم کی روایات کو مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگ نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بتاتے ہیں، ان دونوں روایات سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ ایک واضح نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ حدیث قلتین امام صاحب اور ان کے زمانے کے لوگوں کے مابین معروف ومشہور حدیث تھی جس پر امام صاحب بحث ومباحثہ کرتے اور اس کا معنی ومطلب اپنے تلامذہ سے امتحاناً پوچھتے اور انھیں اس کا معنی ومطلب بتلایا کرتے تھے، اسے امام صاحب اور ان کے اصحاب شاذ و

[1] موفق (١/ ١٢٣) و كردری.

غیر معروف کہہ کر رد نہیں کرتے تھے، بلکہ اس پر امام صاحب خود عامل تھے مگر مصنف انوار کا یہ بیان ناظرین کرام پڑھ آئے ہیں:

''صحابہ وتابعین اور امام صاحب کے زمانہ میں حدیث قُلتین شاذ تھی، اس پر صحابہ وتابعین اور سلف کے زمانہ میں عمل نہیں تھا، صحابہ وتابعین اور اسلاف کے خلاف دوسری صدی کے بعد والے محدثین نے جو بہت سارے اقدامات کیے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ انھوں نے قلتین والی شاذ وغیر معروف وقابل رد حدیث پر عمل کرنا شروع کر دیا اور اس کے لیے بہت ساری سندیں بھی بیان کر ڈالیں۔''❶

یہ بالکل واضح بات ہے کہ حدیثِ قلتین کا جو معنی ومطلب روایت مذکورہ میں امام صاحب سے منقول ہے جس کی تحسین امام ابو یوسف نے بھی کی اس سے عام اہل علم واقف نہیں، اور خواب میں امام صاحب کے قبر نبوی کھودنے سے متعلق روایات پر بحث کے وقت بتلایا جا چکا ہے کہ بعض روایات کے مطابق امام ابن سیرین نے اس خواب کی یہ تعبیر بتلائی تھی کہ صاحبِ خواب احادیث کی ایسی تاویلات کرے گا جس سے اس سے پہلے والے لوگ واقف نہیں ہوں گے۔❷

روایت مذکورہ سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ فارغ التحصیل ہو چکنے کے بعد بھی امام ابو یوسف دریائے فرات کے اندر شراب گرنے سے اس کے پانی کا حکم نہیں جانتے تھے، حالانکہ وہ امام صاحب سے یہ مسئلہ سیکھ چکے تھے کہ صرف دو قلہ پانی اگر جاری ہو تو اس میں نجاست پڑنے سے پانی وضو کے قابل رہتا ہے، اس سلسلے میں تفصیل آگے آئے گی، یہ بات ہم نے اس جگہ بطور ظرافت کہی ہے، اصل تفصیل وتحقیق آگے آ رہی ہے۔

حاصل یہ کہ امام ابن عدی کے خیال میں امام ابو یوسف اصحاب الرای کے مذہب ومسلک کے پیرو تھے مگر وہ بسا اوقات اصحاب الرای کے طریق کے خلاف احادیث پر بھی عمل کرتے تھے، ابو یوسف کو امام ابن معین واحمد نے بھی اصحاب الرای کے مذہب کا پیرو کہا ہے، اپنے بیان میں ابن عدی نے امام ابو یوسف کو ''لا بأس به'' کہا ہے اور ہم بتلا آئے ہیں کہ یہ لفظ جس راوی کے بارے میں استعمال کیا جائے وہ ساقط الاعتبار ہی ہے الا یہ کہ متابع وشاہد کی حیثیت سے وہ مقبول ہے، امام ابو حاتم نے بھی موصوف کو ''یکتب حدیثه'' کہا ہے، اس کا بھی وہی مطلب ہے جو ''لا بأس به'' کا مطلب ہے۔❸

اس کا حاصل یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کے نزدیک ابو یوسف متابع وشاہد بنائے جا سکتے ہیں مگر دونوں حضرات کی یہ بات امام ابن معین کی اس بات کے معارض ہے کہ ''لا یکتب حدیثه'' نیز دونوں کی یہ بات امام صاحب کے اس فرمان کے بھی معارض ہے کہ ''ابو یوسف کذاب ہیں۔''

امام ابو یوسف مجتہد مطلق تھے:

مصنف انوار نے کہا:

''امام ابو یوسف نے اگرچہ اپنا انتساب اپنے استاذ محترم امام اعظم کے ساتھ ہمیشہ باقی رکھا مگر ان کے علمی کمالات اور قوت اجتہاد واستنباط کے پیش نظر ان کو مجتہد مطلق ماننا ضروری ہے، وہ امام صاحب کی مجلس تدوین کے رکن رکین تھے۔''❹

---

❶ اللمحات (١/ ٣٢٤ تا ٣٣١)　❷ اللمحات (٢/ ٤٧٩ تا ٤٩٨)

❸ اللمحات.　❹ مقدمہ انوار (ص: ١٧٩)

مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں امام ابو یوسف کو مجتہد مطلق قرار دیا ہے جس کا بہت بڑا سبب موصوف نے یہ بتلایا کہ فرضی مجلس تدوین کے ایک رکن امام ابو یوسف بھی تھے، اور مصنف انوار معتقد ہیں کہ فرضی مجلس تدوین کا ہر فرضی رکن رکن بننے سے پہلے ہی مجتہد مطلق بن چکا تھا۔ ہم بھی امام ابو یوسف کو مجتہد مطلق مانتے ہیں مقلد نہیں مانتے اگرچہ ترک تقلید پرستی مجتہد مطلق ہونے کو مستلزم نہیں، ایک عامی اور غیر مجتہد بھی شخصی تقلید پرستی کے بغیر مذہب اہل حدیث کا پیرو رہ سکتا ہے مگر جن کتب مناقب کی روایات کو نصوص کتاب وسنت کی طرح مصنف انوار اوران کے ہم مزاج حجت بناتے چلے جاتے ہیں ان میں منقول ہے:

''درسگاہِ ابی حنیفہ سے فارغ ہو چکنے کے بعد امام ابو یوسف نے یہ سمجھ کر کہ جہاں امام صاحب رہیں گے وہاں رہنا ہمارے لیے مفید وکارآمد نہیں کوفہ سے باہر چلے گئے مگر وہاں دریائے فرات میں شراب گرجانے والے مسئلہ کے پوچھے جانے پر موصوف کو احساس ہوا، یعنی فقیہ ومحدث ومجتہد ہوجانے خصوصاً قلتین کا معنی ومطلب امام صاحب سے پڑھ چکنے کے بعد امام ابو یوسف کو احساس ہوا کہ میں تو اس قسم کے مسائل کے جواب سے بھی عاجز ہوں، اس لیے امام صاحب سے قطع تعلق میں عافیت نہیں بلکہ ربط ہی رکھنے میں اورانھیں کے زیر سایہ رہنے میں عافیت ہے۔ اسی طرح اپنی طالب علمی ہی کے زمانہ میں موصوف نے امام صاحب سے الگ ہوکر اپنی مستقل درسگاہ قائم کر لی تھی مگر امام صاحب کے ذریعہ پوچھے گئے ایک ہی سوال میں اس قدر پریشان ہوئے کہ مجبوراً پھر درسگاہِ امام صاحب میں پڑھنے لگے۔''

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف چاہتے تو یہی تھے کہ امام صاحب سے بے تعلق ہوکر منازل ترقی طے کریں مگر مجبور ہوکر انھیں امام صاحب سے ربط وتعلق رکھنا ہی پڑتا تھا، اور موصوف کے علم وفضل کا حال فارغ التحصیل ہو چکنے کے بعد یہ تھا کہ ایک مشہور ومعروف منصوص مسئلہ کا جواب بھی نہیں دے سکے اجتہادی مسئلہ تو بڑی بات ہے، حالانکہ امام صاحب سے جس وقت انھوں نے اس منصوص مسئلہ کو سیکھا تھا اس وقت فرطِ مسرت سے انھوں نے امام صاحب کو بوسہ بھی دیا اور رونے بھی لگے تھے۔ نیز مروی ہے کہ امام ابو یوسف نے اپنی موت کے دن کہا:

"وما لم أجده في سنة نبيك جعلت بيني وبينك أبا حنيفة لأني علمت أنه لم يكن في علمك أحد أعلم به منه."[1]

''اے اللہ میں نے کتاب وسنت کے منصوص مسائل پر عمل کی کوشش کی اور غیر منصوص مسائل میں امام صاحب کو اپنے اور تیرے درمیان وسیلہ بنایا کیونکہ میرا اعتقاد ہے کہ امام صاحب سے زیادہ تیرے دین کا علم کسی کو نہیں تھا۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ غیر منصوص مسائل میں امام ابو یوسف امام صاحب کی تقلید کرتے تھے کیونکہ امام صاحب کو دینِ الٰہی کا سب سے بڑا عالم سمجھتے تھے، پھر جب یہ معاملہ تھا تو نصوص کے جو معنی ومطلب امام صاحب نے امام ابو یوسف کو بتلائے ہوں گے انھیں کو وہ صحیح مان کر بخیال خویش نصوص کتاب وسنت پر عمل کرتے ہوں گے جس طرح کہ حدیث قلتین کے معاملے میں

---

[1] موفق (٢/ ٢٤٢) وعام كتب مناقب.

انھوں کیا، پھر یہ امام صاحب کی تقلید ہوئی یا نہیں؟

ہماری مذکورہ بالا تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو یوسف کو ان کے استاذ خاص امام صاحب، امام ابن المبارک اور دوسرے متعدد اہل علم نے سخت مطعون ومجروح قرار دیا اور عام اہل علم نے متروک کہا ہے، ان کے برخلاف بعض لوگوں نے جو امام صاحب اور ابن المبارک ویحییٰ قطان وغیرہ سے متاخر ہیں موصوف کو صدوق کہنے کے باوجود متروک کہا ہے اور بعض نے معمولی طرح کی تعدیل بھی کی ہے جو "الجرح مقدم علی التعديل" کے اصول سے ساقط الاعتبار ہے، ان باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ناظرین کرام امام ابو یوسف سے متعلق مصنف انوار کے بیانات پر ہمارا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

نسب نامہ:

مصنف انوار نے ابو یوسف کا نسب نامہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

''ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن بجیر بن معاویہ انصاری بجلی، حضرت سعد بن بجیر والد حبیب صحابی تھے، غزوۂ احد میں شرکت کے متمنی تھے مگر چھوٹے تھے اس لیے شریک نہیں ہو سکے۔'' [1]

مندرجہ بالا عبارت میں مصنف انوار نے ابو یوسف کے دادا حبیب کو سعد بن بجیر کا بیٹا بتلایا ہے مگر امام ابن عبدالبر نے کہا ہے:

''ہمارے علم کے مطابق اس امر میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ حبیب سعد بن بجیر کے پوتے ہیں، حبیب کے باپ کا نام خنیس بن سعد بن بجیر ہے۔'' [2]

امام ابن عبدالبر کے اس بیان کے مطابق امام ابو یوسف کا نسب نامہ اس طرح ہوا:

''یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خنیس بن سعد بن حبہ یا عوف بن بجیر بن معاویہ بن سلمی بن بجیلہ حلیف الانصار۔''

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف کے دادا حبیب اور پر دادا سعد تھے اور حبیب وسعد کے درمیان خنیس جو حافظ ابن عبدالبر کی تصریح کے مطابق امام ابو یوسف کے پردادا کے طور پر واقع ہیں، وہ امام ابو یوسف کے نسب نامہ سے خارج ہیں۔

الغرض مصنف انوار حبیب کو سعد بن بجیر کا بیٹا مانتے ہیں اور ابن عبدالبر پوتا مانتے ہیں۔ مصنف انوار کے قول کی بنیاد کوثری کی تحقیقات ہیں اور ابن عبدالبر کے قول کی بنیاد اہل علم کا ایسا قول ہے جس میں بخیال ابن عبدالبر رحمہ اللہ کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ مصنف انوار ابن عبدالبر کی تحقیقات وفرمودات کو حنفی علماء خصوصًا امام ابوحنیفہ کے بارے میں زیادہ وقیع سمجھتے ہیں اور اسی طرح ان کے بہت سے اسلاف بھی ابن عبدالبر کی تحریروں کو اپنے مقاصد واغراض کے اثبات کی خاطر استعمال کرتے ہیں، کوثری نے کہا کہ خنیس امام ابو یوسف کے دادا حبیب کے بھائی تھے باپ نہیں تھے۔ [3] ہم کہتے ہیں کہ یہ بات مستبعد نہیں کہ حبیب کے کسی بھائی کا نام بھی خنیس ہو مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حبیب کے باپ خنیس نہیں تھے، کسی بھی صاحب علم کی کوئی

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٧٣)

[2] استیعاب بر اصابة (٢/ ١٥) نیز ملاحظہ ہو: الانتقاء لابن عبدالبر (ص: ١٧٢) ومناقب أبي حنيفة وصاحبيه للذهبي (ص: ٣٧) وأنساب سمعاني (١٠/ ٣٠٦)

[3] تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٣٧)

صراحت نہیں ہے کہ خنیس حبیب کے باپ نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ بعض لوگوں نے ابو یوسف کے بیانِ نسب میں خنیس کا نام حذف کر دیا ہے اور یہ عموماً ہوتا ہے۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ خنیس نسب نامۂ ابی یوسف میں بطور پردادا واقع نہیں ہوئے ہیں، امام ابن عبدالبر کے بیان کی موافقت جواہر المضیہ (۲/ ۲۲۰) وجامع المسانید (۲/ ۸۷۵) وتاج التراجم (ص: ۸۱) کتب احناف میں کی گئی ہے، کوثری نے حافظ ابن عبدالبر کی اس بات کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا کہ میرے علم کی حد تک میرے بیان کردہ نسب نامۂ ابی یوسف میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور حسبِ عادت کہہ دیا:

''ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے سعد کو حبیب کا دادا اور خنیس کو حبیب کا باپ بتلانے میں طحاوی پر اور طحاوی نے سلیمان بن ابی شیخ پر اعتماد کیا ہے، اس کے برعکس امام ابو یوسف کے شاگرد یحییٰ بن معین کی بات راجح ہے کیونکہ وہ شاگرد ابی یوسف تھے، نیز یہ بات قاضی وکیع ویعقوب بن شیبہ وابن ابی العوام نے بھی کہی ہے۔''[1]

حالانکہ حافظ ابن عبدالبر نے طحاوی پر نہیں بلکہ ایسے اجماع سکوتی پر اعتماد کیا ہے جس کے خلاف ان کی تصریح کے مطابق کسی کے اختلاف کا انھیں علم نہیں، اور سلیمان بن ابی شیخ (مولود ۱۵۱ھ ومتوفی ۲۴۶ھ) باعتبارِ عمر ابن معین ویعقوب بن شیبہ وقاضی وکیع سے مقدم اور ابو یوسف کے معاصر ہیں۔ نیز سلیمان کی بابت اہلِ علم کی صراحت ہے:

''كان عالما بالنسب والتواريخ وأيام الناس وأخبارهم، وكان صدوقا ثقة.''[2]

''سلیمان علم نسب وتاریخ واحوال رجال کے ماہر نیز ثقہ وصدوق تھے۔''

علاوہ ازیں یہ معروف بات ہے کہ عربوں میں رواج ہے کہ بیانِ نسب میں بعض اوقات سلسلۂ نسب سے بعض نام حذف کر دیتے ہیں، یہ مستبعد نہیں کہ اسی رواج کے مطابق بعض رواۃ نے امام ابو یوسف کے سلسلۂ نسب سے حبیب وسعد کے مابین ابو یوسف کے پردادا خنیس کا نام حذف کر دیا ہو، بنا بریں بعض رواۃ نے وہ بات سمجھ لی ہو جس کو کوثری نے ابن معین وغیرہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ انساب پر لکھی جانے والی مستند ترین کتاب اکمال لابن ماکولا میں ایک لمبی عبارت کا حاصل یہ ہے:

''سعد بن حبة يا عوف بن بحير ابناه خنيس بن سعد الذي تنسب إليه چهار سوج خنيس بالكوفة، والنعمان بن سعد روى عن علي ومن ولده أبو يوسف القاضي يعقوب بن إبراهيم بن حبيب بن خنيس بن سعد حبة يا عوف.''[3]

''سعد کے دو بیٹے تھے (۱) خنیس بن سعد (۲) نعمان بن سعد، خنیس بن سعد ہی کی طرف کوفہ کا چہار سوج خنیس (یعنی خنیس کے نام پر مشہور ہوجانے والا چوراہا یا چومہانی) منسوب ہے اور انھیں خنیس بن سعد کے پرپوتے امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خنیس بن سعد ہیں۔''

انساب پر دوسری مشہور کتاب انساب سمعانی میں ہے:

''سعد بن حبة يا عوف بن بحير، له صحبة، ومن ولد سعد خنيس بن سعد سهمي، وهو الذي نسب إليه شهار سوج خنيس بالكوفة، ومن ولد خنيس أبو يوسف القاضي بن

[1] حسن التقاضي (ص: ٦)　[2] خطيب (٩/ ٥٠، ٥١)　[3] الإكمال لابن ماكولا (١/ ١٩٩، ماده بحير)

إبراهيم بن (وفي موضع حبيب بن) خنيس بن سعد، ويقال: إن خنيس بن سعد هذا كان له عشرة من الولد ذكور، وكان عمر أربعين وخال أربعين رجلا وجد أربعين رجلا وأبا عشر بن عشرة بنين وعشرة بنات."[1]

''سعد صحابی تھے ان کے بیٹے خنیس کی طرف چہار سوج کوفہ منسوب ہے، انھیں خنیس کی اولاد سے امام ابو یوسف ہیں جو خنیس کے پر پوتے ہیں، یعنی یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خنیس بن سعد، کہا جاتا ہے کہ امام ابو یوسف کے پردادا خنیس کے دس لڑکے اور دس لڑکیاں تھیں، چالیس آدمی ان کے بھانجے تھے اور چالیس آدمی ان کے پوتے تھے۔''[2]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام ابو یوسف کے پردادا خنیس کا خاندان وکنبہ اور رشتہ وناطہ بہت لمبا چوڑا تھا، موصوف بہت کثیر العیال آدمی بھی تھے، ان کے یعنی خنیس کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے لیکن اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ موصوف باعظمت ومشہور آدمی تھے، اسی وجہ سے ان کے نام پر کوفہ کے ایک چوراہے کا نام خنیس کا چوراہا اور چومہانی پڑ گیا، موصوف خنیس کے باپ یعنی امام ابو یوسف کے لکڑ دادا سعد صحابی تھے اور کوفہ میں آکر آباد ہو گئے تھے، خنیس کے بھائی نعمان بن سعد مشہور رواۃِ حدیث میں سے ہیں، بقول یعقوب بن شیبہ تمام محدثین نے انھیں ثقہ کہا ہے۔[3]

بہر حال امام ابو یوسف کے پردادا خنیس طبقۂ تابعین کے فرد تھے، خاندان ابو یوسف کے مورث بجیر قبیلۂ انصار کے حلیف تھے، بنابریں خاندانِ ابی یوسف انصاری کہلاتا ہے ورنہ درحقیقت خاندان ابی یوسف نسلاً انصاری نہیں تھا، البتہ ماں کی جانب سے نسلاً بھی یہ خاندان انصاری تھا کیونکہ ابو یوسف کے لکڑ دادا سعد کی والدہ حبہ بنت مالک انصار کے خاندان کی خاتون تھیں۔[4] امام ابو یوسف کے دادا حبیب اور والد ابراہیم کے حالات بالکل معلوم نہیں ہو سکے مگر ظاہر یہ ہے کہ دونوں حضرات طبقۂ تابعین کے فرد تھے، اسی طرح والدۂ ابی یوسف کے حالات بھی نہیں ملتے۔

امام ابو یوسف کے ماموں کا تعارف:

امام ابو یوسف کے ماموں ایک مشہور ومعروف محدث وراویٔ حدیث نیز واعظ وقصہ گو آدمی تھے، ان کا نام ونسب اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''ابوطالب القاص یحییٰ بن یعقوب بن مدرک بن سعد بن حبیب انصاری قاضی کوفی۔''[5]

امام ابوحاتم رازی نے موصوف ابوطالب کو صدوق کہا ہے اور حافظ ابن حبان نے ثقات اور مجروحین دونوں میں موصوف کا

---

[1] انساب سمعاني (٧/ ٩٠، ٩١، ماده السحمي)

[2] نیز ملاحظہ ہو: أنساب سمعاني (١٠/ ٣٠٦، ٣٠٧ ماده القاضي)

[3] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٩١) وموفق (٢/ ٢٠٩) وغيره.

[4] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٩١) وموفق كردرى وغيره.

[5] لسان الميزان بحواله ثقات ابن حبان (٦/ ٢٨٢، ٢٨٣)

ذکر کیا ہے۔ امام بخاری نے موصوف کو منکر الحدیث کہا ہے۔ (ماحصل از لسان المیزان)

ہم کہہ چکے ہیں کہ صدوق ہونا مجروح ہونے کے منافی نہیں ہے، اسی وجہ سے موصوف کو امام ابن حبان نے ثقات و مجروحین دونوں میں شمار کیا یعنی موصوف فی نفسہ صدوق تھے، مگر کثیر الخطاء ہونے کے سبب غیر معتبر تھے، حتی کہ حافظ ابن حبان نے کہا: "لا يجوز الاحتجاج به"[1] (موصوف کو حجت بنانا جائز نہیں ہے) امام بخاری نے موصوف کو منکر الحدیث کہا جو امام بخاری کے نزدیک سخت ترین جرحوں میں سے ہے، اپنی کتاب الضعفاء میں امام بخاری نے کہا: "يتكلمون فيه."[2] (اہل علم ان پر تجریح کرتے ہیں)۔

حاصل یہ کہ امام ابو یوسف کے ماموں صدوق تھے مگر کثیر الخطا ہونے کے سبب غیر معتبر تھے، موصوف واعظ آدمی تھے اور راویٔ حدیث محدث بھی، حماد بن ابی حنیفہ سے منقول ہے کہ ابوطالب موصوف نے امام صاحب سے کہا کہ میں لوگوں کو وعظ اور عبرت آموز کہانیاں سناتا ہوں، بعض لوگ میرے اس کام کو مکروہ کہتے ہیں، اس سلسلے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ بے اصل اور غیر معتبر قصے اور وعظ سنانا تو یقیناً مکروہ ہے مگر کتاب وسنت اور اسلاف کی ثابت شدہ باتیں سنانا مکروہ نہیں ہے۔[3]

نیز موصوف قاضی بھی تھے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ موصوف جلیل القدر تھے، اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ والدۂ ابی یوسف ایک علمی گھرانے کی خاتون تھیں، ہم یہ بھی مستبعد نہیں سمجھتے کہ والدۂ ابی یوسف امام ابو یوسف کے دادا حبیب بن خنیس کی پرپوتی ہوں، اس طرح امام ابو یوسف ماں اور باپ دونوں طرف سے حبیب بن خنیس کی اولاد سے ہوں، موصوف کے والد اور والدہ کا سلسلۂ نسب جا کر حبیب سے مل جاتا ہے، الغرض امام ابو یوسف اپنے مورث اعلیٰ سعد کی والدہ کے رشتہ سے نسلی طور پر اور باپ کے رشتہ سے حلیف کے اعتبار سے انصاری اور نہایت شریف نیز علمی خاندان کے فرد تھے۔

دریں صورت امام ابو یوسف کی طالب علمی کے زمانے میں امام ابو یوسف کے والدین کی طرف بعض قصے جو اس مضمون کے منسوب ہیں کہ یہ لوگ ابو یوسف کو پڑھنے کے بجائے دنیاوی کاروبار کر کے روٹی روزی کی فکر کرنے پر مصر تھے ان کی صحت بعید از قیاس ہے، ان قصوں کا ذکر آگے آ رہا ہے، البتہ یہ مستبعد اور بعید از قیاس نہیں کہ والدین ابی یوسف کوفہ کے محدثین کے مذہب اہل حدیث کے پیرو و پابند رہے ہوں، اس لیے انھیں اپنے لڑکے کا درسگاہِ امام صاحب میں پڑھنا گوارا نہ رہا ہو، اس لیے وہ صرف درسگاہِ امام صاحب میں امام ابو یوسف کے پڑھنے پر معترض رہے ہوں کیونکہ کوفہ کے عام محدثین کرام خصوصاً محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری، رقبہ بن مصقلہ وغیرہم لوگوں کو درسگاہِ ابی حنیفہ میں جانے اور امام صاحب سے ربط وتعلق رکھنے سے منع کرتے تھے۔ (کمامر)

واضح رہے کہ امام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ والدین ابی یوسف کے زمانے میں انصار کے ایک جلیل القدر اور عظیم المرتبت قائد وسردار مانے جاتے تھے، والدین ابی یوسف کا بھی انصار سے گہرا ربط تھا، امام ابن ابی لیلیٰ ۱۱۵ھ سے لے کر اپنی وفات ۱۴۸ھ تک قاضی تھے، کتب مناقب ابی حنیفہ میں مندرج بہت ساری روایات کا حاصل یہ ہے کہ ابن ابی لیلیٰ امام ابو حنیفہ سے بہت زیادہ کبیدہ خاطر اور ناراض رہا کرتے تھے اور امام صاحب کو بھی اس کا بہت احساس رہا کرتا تھا کہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کو

---

[1] المجروحين (٣/ ٨٢) [2] الضعفاء للبخاري (ص: ٣٧) [3] موفق (١/ ٨٠) وعام كتب مناقب.

مجھ سے بہت زیادہ کبیدگی رہا کرتی ہے حتی کہ مروی ہے:

"قال أبوحنيفة: إن ابن أبي ليلى يستحل مني ما لا أستحل من بهيمة. وفي لفظ: سنورة، وفي لفظ: حمارة." ❶

''امام صاحب نے فرمایا کہ قاضی ابن ابی لیلیٰ میرے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں میں اس طرح کا سلوک کسی چوپایہ جانور حتی کہ گدھے اور بلی کے ساتھ بھی روا نہیں رکھ سکتا۔''

عنقریب یہ تفصیل آرہی ہے کہ کتب مناقب ابی حنیفہ اور مصنف انوار کے اعتراف کے مطابق امام ابو یوسف ایک طویل زمانہ تک امام ابن ابی لیلیٰ کی درسگاہ میں پڑھنے کے بعد درسگاہِ امام صاحب میں داخل ہو کر پڑھنے لگے تھے۔

ابو یوسف کے پردادا سعد بن بجیر صحابی کی نماز جنازہ پر بحث:

مصنف انوار نے کہا:

''ابو یوسف کے پردادا سعد نے کوفہ میں سکونت کی اور وہیں وفات ہوئی، حضرت زید بن ارقم نے سعد کی نماز جنازہ پڑھائی۔''

ہم کہتے ہیں کہ اس روایت کے نقل کرنے میں مصنف انوار نے اپنی عادت ثانیہ کے مطابق کتر بیونت سے کام لیا ہے کیونکہ پوری روایت اس طرح ہے کہ زید بن ارقم نے سعد کی نماز جنازہ پانچ تکبیروں کے ساتھ پڑھائی۔ ❷ اور کتب حدیث مثلاً صحیح مسلم وترمذی وغیرہ میں ہے کہ زید بن ارقم پانچ تکبیروں کے ساتھ بھی نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے۔ ❸ مگر چونکہ اس پوری روایت کو نقل کرنے سے مصنف انوار کے ایک تقلیدی مسئلہ پر آنچ آتی ہے کیونکہ حنفی مذہب میں چار تکبیروں سے زیادہ کے ساتھ نماز جنازہ نہیں پڑھی جاسکتی، اس لیے انھوں نے ان الفاظ کو حذف کر دینا مناسب سمجھا، بایں ہمہ ان کو جگہ جگہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ سے یہی شکایت ہے کہ وہ احناف کے تذکرہ میں حذف واسقاط اور بے محل باتیں لکھنے کے عادی ہیں مگر مصنف انوار نے اپنی روشِ منصفانہ پر نظر نہیں ڈالی کہ ان کا قلم حقیقت رقم کیسے کیسے گل کھلا رہا ہے؟

امام ابو یوسف کے پردادا سعد غزوۂ خندق میں شریک تھے:

اس کے بعد مصنف انوار نے یہ روایت نقل کی:

''غزوۂ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد مذکور کے کارناموں کو دیکھ کر اپنے قریب بلایا اور ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعائے برکت کی۔''

ہم کہتے ہیں کہ حضرت سعد صحابی تھے، ان کے لیے یہی فضیلت بہت کافی تھی مگر مصنف انوار کی نقل کردہ روایت غیر معتبر ہے کیونکہ ابن عبدالبر کی تصریح کے مطابق اس روایت کی سند میں حرام بن عثمان انصاری ہیں۔ ❹ اور حرام بن عثمان کو امام مالک

---

❶ مناقب أبي حنيفة للذهبي مع تعليق الكوثري والأفغاني (ص: ٢٧) وموفق (ص: ١٣) وخطيب (١٣/ ٣٨)

❷ ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد (١/ ٣٤) تذكره سعد.

❸ كتاب الاعتبار للحازمي (ص: ١٢٢) وتحفة الأحوذي (٢/ ١٤٠)

❹ استيعاب (٢/ ٥١)

وابن معین وغیرہ نے غیر ثقہ کہا حتی کہ امام شافعی، ابن معین اور جوز جانی نے ان سے روایت کرنی حرام بتلائی اور ابن حبان نے انھیں غالی شیعی قرار دیا، امام ذہبی نے کہا کہ "متروك باتفاق، مبتدع" یعنی یہ شخص بالاتفاق متروک ہے اور بدعتی بھی ہے۔❶ دریں صورت مصنف انوار جیسے مدعی تحقیق کے لیے ایسی روایت سے استدلال کیسے جائز ہوگیا؟ لطف کی بات یہ ہے کہ اس غیر معتبر روایت میں کوثری اور ان کی تقلید میں مصنف انوار نے ایک دوسری مکذوبہ روایت پر اعتماد کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا:

''ابو یوسف نے کہا کہ سعد بن حبہ (یا سعد بن بجیر) کے سر پر دست نبوی پھیرے جانے کی برکت میں اپنے خاندان میں محسوس کرتا ہوں۔''❷

ہم کہتے ہیں کہ پوری روایت اس طرح ہے:

"قال أبو يوسف: أتي بجدي سعد إلى النبي ﷺ يوم الخندق فاستغفر له، ومسح برأسه، فتلك المسحة فينا إلى الساعة، وكان أبو يوسف إذا نظرت إليه فكأنه ادهن من تلك المسحة."❸

''ابو یوسف نے کہا کہ جنگِ خندق کے موقع پر میرے پردادا سعد خدمت نبوی میں لائے گئے جن کے لیے آپ ﷺ نے دعائے مغفرت کی اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، اس کی برکت اب تک ہم میں محسوس ہوتی ہے، ابو یوسف کو جب بھی دیکھو تو ہاتھ پھیرنے کی برکت سے تیل لگائے ہوئے معلوم پڑتے تھے۔''

روایت مذکورہ کو صیمری نے اپنی سند کے ساتھ مشہور ثقہ حنفی امام علی بن محمد بن کاس نخعی سے نقل کیا اور ابن کاس نے اپنے ثقہ استاذ ابراہیم بن اسحاق بن ابی العنبس قاضی (متوفی ۲۷۷ھ) سے یہ روایت نقل کی اور ابراہیم نے اسے یوسف بن ابی یوسف یعنی ابو یوسف کے لڑکے سے نقل کی جن کی کسی نے توثیق نہیں کی، ان کا ترجمہ تاریخ خطیب (۱۴/ ۲۹۶، ۲۹۷) وجواہر المضیہ (۲/۲۳۴، ۲۳۵) میں بلا توثیق موجود ہے اور اس غیر موثق نے روایت مذکورہ اپنے باپ ابو یوسف سے نقل کی جن کے متعلق گفتگو ہو چکی ہے، ابو یوسف نے یہ روایت بلا ذکر سند بیان کی، ظاہر ہے کہ بے سند روایت ساقط الاعتبار ہوتی ہے۔

صحیح سن ولادت:

مصنف انوار نے کہا:

''کوثری صاحب نے تاریخی دلائل سے امام ابو یوسف کا سال ولادت ۹۳ھ قرار دیا ہے اور جو عام طور سے مشہور ہے یعنی ۱۱۳ھ وہ لوگوں نے ظن وتخمین سے تصحیف کر کے سمجھا اور لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام مالک سے بھی دو سال بڑے تھے، چنانچہ ابو یوسف امام مالک سے معاملہ اقران (برابر عمر والوں) کا ہی کرتے تھے اور امام صاحب کے شرکاءِ تدوین میں بھی ان کو عشرۂ متقدمین میں ذکر کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اول سے آخر تک شریک رہے اور تصفیہ شدہ مسائل کو دفاتر میں لکھنے کی خدمت بھی انھیں کے سپرد تھی۔''❹

---

❶ ديوان الضعفاء (ص: ۵۳) وميزان الاعتدال (۱/ ۲۱۷، ۲۱۸) ولسان الميزان ۲/ ۱۸۲، ۱۸۳)

❷ مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۳)　❸ أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۹۰) وموفق (۲/ ۲۱۰)

❹ مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۳)

ہم کہتے ہیں کہ کوثری صاحب اور ان کی تحریک کے اراکین خصوصًا مصنف انوار کی علمی دیانت داری کا حال ناظرین کرام پر واضح ہو چکا ہے کہ خالص علمی ودینی خدمت کے نام پر یہ لوگ مسخِ حقائق وترویجِ اکاذیب کی تحریک چلائے ہوئے ہیں، کوثری اور اراکین تحریک کوثری کی بذریعہ ترویج اکاذیب مسخ حقائق کی مثالوں میں سے ایک مثال یہ بھی ہے کہ انھوں نے بزعم خویش امام ابو یوسف کا سال ولادت ۹۳ھ ثابت کر دکھایا ہے جو تصریحاتِ اہل علم کے خلاف ہے، اپنی اس علمی دیانت داری کی بنیاد پر مصنف انوار کا یہ دعوی بھی کافی دلچسپ ہے کہ امام ابو یوسف امام مالک سے بھی دو سال بڑے تھے جس کا مطلب ہے کہ مصنف انوار امام مالک کا سال ولادت ۹۵ھ مانتے ہیں لیکن مصنف انوار نے دوسرا بیان اس کے خلاف بھی تحریر کیا ہے جس کی تفصیل سطورِ ذیل میں ملاحظہ ہو۔

امام مالک کا سال ولادت ووفات بتلانے میں مصنف انوار کی تضاد بیانی:

مصنف انوار فرماتے ہیں:

''یہاں اس امر کی صراحت بھی غالبًا بے محل نہ ہوگی کہ امام اعظم امام مالک سے کم از کم پندرہ سال بڑے تھے کیونکہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اگر چہ اقوال اس کے قبل پیدائش کے بھی ہیں اور امام مالک ۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔''[1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اپنے مندرجہ بالا بیان میں مصنف انوار نے امام ابوحنیفہ کا سال ولادت ۸۰ھ اور امام مالک کا اس کے پندرہ سال بعد ۹۵ھ بتلایا ہے مگر دوسری جگہ مصنف انوار فرماتے ہیں:

''امام مالک کو اصبحی کہتے ہیں، آپ تبع تابعین کے طبقہ میں ہیں، امام اعظم سے تقریبًا ۲۳ سال چھوٹے تھے کیونکہ امام صاحب کی ولادت اصح قول میں ۷۰ھ میں ہے۔''[2]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اپنے مندرجہ بالا بیان میں مصنف انوار نے امام صاحب کا سال ولادت اپنے پہلے والے قول کے خلاف ۷۰ھ بتلا کر یہ کہا ہے کہ امام مالک ولادتِ امام صاحب کے تقریباً ۲۳/سال بعد ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، یعنی مصنف انوار نے امام مالک وابوحنیفہ کے سال ولادت بتلانے اور دونوں کی ولادت میں مدت فصل بتلانے میں واضح طور پر تضاد بیانی سے کام لیا ہے، مصنف انوار کی اس تضاد بیانی کا ذکر تذکرۂ حماد بن ابی حنیفہ میں بھی ہم کر چکے ہیں، یہاں سوال یہ ہے کہ مصنف انوار کا یہ بیان کیا معنی رکھتا ہے کہ امام ابو یوسف امام مالک سے دو سال بڑے تھے؟

اس سے بھی عجیب بات مصنف انوار نے یہ لکھی:

''امام صاحب (ابوحنیفہ) کی وفات ۱۵۰ھ میں ہو جاتی ہے اور امام مالک کی ۱۹۹ھ میں ہوئی۔''[3]

اور دوسری جگہ مصنف انوار نے یہ صراحت فرمائی ہے:

''امام مالک کی ولادت ۹۳ھ میں اور وفات ۱۷۹ھ میں بعمر ۸۶ سال ہوئی۔''[4]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے امام مالک کا سالِ وفات بتلانے میں بھی تضاد بیانی سے کام لیا ہے، ایک

---

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۵۳، سطر: ۱۲ و ۱۳)　❷ مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۹ ابتدائی چند سطریں)

❸ مقدمہ انوار (۱/ ۵۳، سطر: ۹ اور ۲۰)　❹ مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۹ شہ سرخی)

مرتبہ کہا کہ امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ میں بعمر چھیاسی سال ہوئی اور دوسری مرتبہ کہا کہ امام مالک کی وفات ۱۹۹ھ میں ہوئی۔ ناظرین کرام سوچیں کہ جب مصنف انوار کا دعوی ہے کہ امام مالک کی وفات چھیاسی سال کی عمر میں ہوئی، اور یہ کہ امام مالک ۱۹۹ھ میں فوت ہوئے تو مصنف انوار کے ان دونوں اقوال سے مستخرج ہوتا ہے کہ امام مالک ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے تھے، ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے ان بیانات سے مستخرج ہونے والی ساری باتیں باہم مضطرب ہیں، تعجب یہ ہے کہ مصنف انوار نے ان بیانات کی بنیاد پر یہ دعویٰ نہیں کیا کہ امام ابوحنیفہ امام مالک سے تینتالیس سال پہلے پیدا ہوئے تھے اورامام ابویوسف امام مالک سے بیس سال پہلے پیدا ہوئے، حالانکہ ایسا کہنے میں مصنف انوار کے مقاصد کے حصول میں زیادہ سہولت ہوتی، مصنف انوار نے اگرچہ بالصراحت یہ بات نہیں کہی ہے مگر ظن غالب ہے کہ مستقبل قریب میں مصنف انوار کی ان باتوں سے ان کے ہم مزاج لوگ ضرور یہ استدلال کریں گے کہ امام مالک کا سال ولادت ۱۱۳ھ ہے اورامام ابوحنیفہ کا سال ولادت ۶۱ ھ ہے اس لیے امام اعظم امام مالک سے باون سال بڑے ہیں اورامام ابویوسف امام مالک سے بیس سال بڑے ہیں کیونکہ مصنف انوار نے اپنے ہم مزاج معاصرین واسلاف کی اسی طرح کی باتوں کی بنیاد پر یہ دعوی کر رکھا ہے کہ امام ابویوسف امام مالک سے دوسال بڑے ہیں۔

الحاصل مصنف انوار کے متضاد بیانات میں سے ایک یہ ہے کہ امام مالک ۹۳ھ میں پیدا ہوئے دوسرا یہ ہے کہ ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور تیسری بات مصنف انوار کے بیانات سے یہ مستخرج ہوئی ہے کہ امام مالک ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے، اس میں شک نہیں کہ کوثری اورتحریک کوثری کے اراکین کی یہ ساری کارستانیاں منصوبہ بند طریقے پر ہورہی ہیں تاکہ حقائق کو الٹ پلٹ دیا جائے، جب مصنف انوار کے بیانات سے مستخرج ہوتا ہے کہ امام ابویوسف امام مالک سے بیس سال بڑے تھے تو مصنف انوار کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ'' ابویوسف امام مالک سے معاملہ اقران یعنی ہم عمر لوگوں کی طرح کرتے تھے؟''انھیں یہ کہنا چاہیے تھا کہ امام ابویوسف کا معاملہ امام مالک کے ساتھ اکابر واساتذہ اورسرپرستوں کی طرح تھا، اپنے اس دعوی پر مصنف انوار کو دلائل بھی مل جاتے، امید ہے کہ عنقریب مصنف انوار کے بعض ہم مزاج لوگ خالص علمی ودینی خدمت کے نام پر یہ کارنامہ بھی انجام دے ڈالیں گے۔

آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ جس کوثری کی تقلید میں مصنف انوار نے امام ابویوسف کا سال ولادت ۹۳ھ بتلایا ہے ان کے اصول سے لازم آتا ہے کہ امام ابویوسف کا سال ولادت ۷۳ھ یا ۸۳ھ ہے اور خالص علمی ودینی خدمت کے نام پر جس طرح امام ابویوسف کا سال ولادت ۹۳ھ بتلایا گیا ہے اسی طرح ۷۲ھ یا ۸۳ھ بھی بتلایا جاسکتا تھا مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ مصنف انوار وکوثری نے یہ دعوی نہیں کیا کہ امام ابویوسف ۷۲ھ یا ۸۳ھ میں پیدا ہوئے لیکن ظن غالب ہے کہ مصنف انوار وکوثری کے ہم مزاج مدعیان تحقیق مستقبل قریب میں یہ دعوی کریں گے کہ امام ابویوسف ۷۲ھ یا ۸۳ھ میں پیدا ہوئے، البتہ ناظرین کرام کو عنقریب معلوم ہوگا کہ امام مالک کا سال ولادت ۹۰ھ ہے، دریں صورت اگر مصنف انوار کا یہ دعوی صحیح فرض کرلیا جائے کہ امام ابویوسف ۹۳ھ میں پیدا ہوئے تھے تو بھی یہ کہنا صحیح نہیں ہوسکتا کہ امام ابویوسف عمر میں امام مالک سے دوسال بڑے ہیں۔

ابو یوسف کے ۹۳ھ میں پیدا ہونے پر کوثری کی ایک دلیل پر بحث:

مصنف انوار کی تضاد بیانیوں سے قطع نظر امام مالک سے امام ابو یوسف کے باعتبار عمر بڑے یا ہم عمر ہونے کے دعوی پر خانہ ساز دلائل میں سے ایک دلیل مصنف انوار کے استاذ کوثری نے یہ بیان کی ہے:

"ويستأنس فيما ذهبوا إليه بقول أبي يوسف: إن طال بالناس الزمن رجعوا إلى فتى من أهل المدينة يريد مالكا، كما في جزء ما رواه الأكابر عن مالك للحافظ محمد بن مخلد العطار المتوفى سنة ٣٣١هـ بسنده إليه، ولو لم يكن أبو يوسف أكبر سنا من مالك أو في سنه لما يصح أن يقول عنه هذا القول، و مواليد السلف فيها اضطراب كبير لتأخر تدوين كتب الوفيات."[1]

"۹۳ھ میں ابو یوسف کی پیدائش ماننے والوں کی بات کی تائید امام مالک کے متعلق امام ابو یوسف کے اس قول سے ہوتی ہے کہ آگے چل کر لوگ مدینہ کے ایک نوجوان کو اپنا مرکزِ نگاہ بنائیں گے، اس روایت کو حافظ محمد بن مخلد عطار نے اپنی کتاب "ماروا‌ه الأكابر عن مالك" میں اپنی سند سے نقل کیا ہے، اگر امام ابو یوسف امام مالک سے عمر میں بڑے یا ہم عمر نہ ہوتے تو امام مالک کی بابت موصوف یہ بات نہ کہتے، نیز سلف کے سالہائے ولادت بتلانے میں بڑا اضطراب واقع ہوا ہے کیونکہ کتبِ وفیات تاخیر سے مدون ہوئی ہیں۔"

ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا عبارت میں جس طرح کی پیش گوئی امام مالک کی بابت قاضی ابو یوسف کی زبان سے کی گئی ہے اس طرح کی پیش گوئی عام طور سے کسی بھی شخص کے بارے میں اس کی طالب علمی کے زمانے میں تجربہ کار اور فراست والے لوگ ظاہری حالات کو دیکھ کر اپنی فراست وتخمین سے کیا کرتے ہیں، کوثری کی نقل کردہ عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ قاضی ابو یوسف نے امام مالک کی بابت اپنی مذکورہ بالا پیش گوئی اس زمانے میں کی تھی جبکہ وہ قاضی کی صفت سے متصف ہو چکے تھے کیونکہ عبارت میں ابوموسیٰ انصاری کا یہ قول نقل کیا گیا ہے: "قال لي أبو يوسف القاضي"[2] یعنی مجھ سے قاضی ابو یوسف نے یہ بات کہی ہے جس کا ظاہری مفاد ہے کہ ابو یوسف نے جس وقت انصاری سے یہ بات کہی تھی اس وقت وہ قاضی بنائے جا چکے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ ابو یوسف ۱۶۶ھ میں قاضی بنائے گئے تھے، جس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ امام مالک کی بابت قاضی ابو یوسف نے مذکروہ بالا بات ۱۶۶ھ کے بعد کہی تھی اور یہ معلوم ہے کہ ۱۶۶ھ کے بعد امام مالک کی عمر ستر سال سے متجاوز ہو چکی تھی اور یہ معلوم ہے کہ ستر سال سے زیادہ عمر والے بوڑھے آدمی پر "فتی" (نوجوان) کے لفظ کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ دریں صورت یہ مستبعد ہے کہ زیر تذکرہ قاضی ابو یوسف نے قاضی بننے کے بعد امام مالک کی بابت مذکورہ بالا بات کہی ہو خصوصًا اس صورت میں کہ یہ تفصیل آگے آرہی ہے کہ قاضی ابو یوسف سے روایتِ مذکورہ کا راوی جن ابوموسی انصاری کو ظاہر کیا گیا ہے ان کا سال وفات ۲۴۴ھ ہے مگر موصوف کا سال ولادت معلوم نہیں ہوسکا، عام طور سے سو سال کی عمر کو بڑی عمر سمجھا جاتا ہے، اگر فرض کیا جائے کہ بوقت وفات موصوف کی عمر سو سال تھی تو موصوف کا سال ولادت ۱۴۴ھ قرار پاتا ہے اور ۱۴۴ھ میں پیدا ہونے

---

[1] تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة وصاحبيه للذهبي (ص: ٣٧) و حسن التقاضي (ص: ٧)

[2] حسن التقاضي (ص: ٧، بحواله ماروا‌ه الأكابر عن مالك للحافظ محمد بن مخلد عطار)

والا شخص قطعی طور پر قاضی ابو یوسف سے یا کسی بھی شخص سے کوئی بھی بات خصوصاً مذکورہ بالاقسم کی پیش گوئی سننے کے لائق ۱۴۴ھ کے بعد اس زمانہ میں ہوسکتا ہے جبکہ امام مالک ''فتی'' کہے جانے کی سرحد سے نکل کر بوڑھے کہے جانے کی عمر کو پہنچ چکے ہوں گے۔

نیز یہ تفصیل آ رہی ہے کہ امام مالک اپنے اکابر اساتذہ اور مدینہ منورہ کے جلیل القدر اماموں کے حکم ومشورہ سے سترہ سال کی عمر میں مسند درس پر بیٹھ کر مرجع خلائق بن گئے تھے، بلفظ دیگر امام مالک ۱۰۷/ ۱۰۸ھ میں مسند درس پر بیٹھ کر مرجع خلائق بن چکے تھے، دریں صورت ۱۰۷/ ۱۰۸ھ کے زمانہ بعد امام مالک کی بابت بطور پیش گوئی امام ابو یوسف کا مذکورہ بالا بات کہنا مستبعد ہے اور امام مالک کی مسند نشیبی یعنی ۱۰۷/ ۱۰۸ھ سے پہلے امام مالک کی بابت امام ابو یوسف کا مذکورہ بالا بات کہنا اس لیے مستبعد ہے کہ اولاً دراصل اس وقت امام ابو یوسف پیدا ہی نہیں ہوئے بلکہ امام مالک کی مسند نشینی کے زمانہ بعد ابو یوسف پیدا ہوئے۔ ثانیاً: بالفرض یہ صحیح ہو کہ ابو یوسف ۹۳ھ میں پیدا ہوئے تو امام مالک کی مسند نشینی یعنی ۱۰۷/ ۱۰۸ھ سے پہلے امام ابو یوسف چودہ سال سے بھی کم عمر کے بچے ہوں گے، حالانکہ اس طرح کی پیش گوئی چودہ سال سے بھی کم عمر والے بچے نہیں کیا کرتے بلکہ پختہ کار و تجربہ کار اہل علم وفضل کیا کرتے ہیں۔

حافظ محمد بن مخلد عطار کی کتاب ''ماروا ه الأكابر عن مالك'' تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی کہ اس کی طرف مراجعت کر کے اصل معاملہ کا پتہ لگاسکیں کہ اپنی عادت کے مطابق اصل روایت وعبارت میں کوثری نے کوئی تحریف وتصحیف کر رکھی ہے یا نہیں؟ مگر کوثری ہی کی نقل پر اعتماد کرتے ہوئے روایت مذکورہ کا مطلب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امام مالک کی بابت مذکورہ بالا پیش گوئی کرنے والے زیر تذکرہ حنفی قاضی ابو یوسف نہیں ہیں بلکہ یہ قاضی ابو یوسف دراصل امام مالک کے جلیل القدر استاذ وشیخ قاضی ابو یوسف یعقوب بن زید بن طلحہ بن عبداللہ بن ابی ملیکہ تیمی مدنی قاضی مدینہ ہیں، ان کو بھی قاضی ابو یوسف کہا جاتا ہے، موصوف طبقہ خامسہ کے تابعی ہیں، ابوامامہ سہل بن حنیف صحابی، سعید مقبری و زہری وعمرو بن شعیب وغیرہم سے روایت کرتے ہیں۔ امام مالک و ہشام بن سعد، ابراہیم بن طہمان ومحمد بن جعفر بن ابی کثیر وسفیان بن عیینہ وغیرہ موصوف کے شاگرد ہیں۔ موصوف خلافت ابی جعفر منصور میں ۱۵۸ھ سے پہلے فوت ہوگئے تھے، انھیں ابو عرفہ بھی کہا جاتا ہے، امام ابو زرعہ ونسائی وابوحاتم وابن حبان وغیرہم نے موصوف کی توثیق کی ہے۔[1]

دریں صورت امام مالک کی بابت قول مذکور کا کوئی بھی تعلق زیر تذکرہ قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری کوفی حنفی سے نہیں رہ جاتا۔ فتدبر ۔امام مالک کی بابت اس طرح کی پیش گوئی امام ابوحنیفہ سے بھی منقول ہے۔ (كما سيأتي) قاضی ابو یوسف یعقوب بن زید سے روایت مذکورہ کے ناقل کوثری کی نقل کے مطابق ابوموسی الانصاری ہیں، ابوموسی انصاری نام والے مشہور محدث اسحاق بن موسیٰ بن عبداللہ بن یزید خطمی انصاری (متوفی ۲۴۴ھ) عظیم المرتبت محدث ہیں مگر قاضی ابو یوسف یعقوب بن زید سے موصوف کا قولِ مذکور کو سننا مستبعد معلوم ہوتا ہے کیونکہ ۲۴۴ھ میں فوت ہونے والے ابوموسیٰ اسحاق بن انصاری کا سال ولادت معلوم نہیں ہے لیکن زیادہ سے زیادہ اگر فرض کیا جائے کہ موصوف ابوموسیٰ اسحاق انصاری سو سال کی عمر میں فوت ہوئے تھے تو موصوف کا سال ولادت ۱۴۴ھ متعین کرنا ہوگا اور ۱۴۴ھ میں پیدا ہونے والے کسی شخص کو مخاطب کرتے

---

[1] تهذيب التهذيب (١١/ ٣٨٥) وطبقات ابن سعد والجرح والتعديل لابن أبي حاتم.

ہوئے مذکورہ بالاقسم کی پیش گوئی کرنے والا بہرحال ۱۴۴ھ کے بعد اس وقت کرے گا جبکہ امام مالک اس منزل سے گزر چکے ہوں گے کہ ان پر لفظ فتی (نوجوان) کا اطلاق ہو سکے کیونکہ اس وقت امام مالک کی عمر یقیناً ساٹھ سال سے متجاوز ہو گی، نیز یہ بہت واضح بات ہے کہ اس طرح کی پیش گوئی کرنے والا اپنی پیش گوئی کا مخاطب ایسے شخص کو بنائے گا جس کی عمر کم از کم پندرہ سولہ سال ہو، یعنی موصوف ابوموسیٰ اسحاق ۱۵۸ھ کے بعد ہی اس طرح کے خطاب سے مخاطب کیے جانے کے لائق ہو سکے ہوں گے، روایت کی عبارت میں صراحت ہے: "قال لي أبو يوسف القاضي" یعنی قاضی ابو یوسف نے مجھے مخاطب بنا کر مذکورہ بالا بات کہی اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ اوّلاً ۱۵۹ھ کے بعد امام مالک کی بابت اس طرح کی پیش گوئی مستبعد ہے کیونکہ اس سے زمانہ پہلے امام مالک مرجع خلائق بن چکے تھے۔

ثانیاً: قاضی ابو یوسف یعقوب بن زید ۱۵۸ھ کے پہلے فوت ہو گئے تھے۔

ثالثاً: اس پیش گوئی کا اصل محل و موقع امام مالک کی مسند نشینی سے پہلے یعنی ۱۰۷/ ۱۰۸ھ کے پہلے ہے اور ابوموسیٰ اسحاق انصاری ۱۰۷/ ۱۰۸ھ کے زمانہ بعد پیدا ہوئے تھے۔

اس لیے ہمارا خیال ہے کہ یا تو ابوموسی انصاری نے یہ روایت ابو یوسف قاضی سے بالواسطہ سنی تھی مگر واسطہ کے راوی کا نام نساخ و کاتب کے تساہل سے ساقط ہو گیا یا پھر ابوموسیٰ انصاری کے لفظ میں کسی قسم کی تصحیف و تحریف واقع ہو گئی ہے جو دراصل کوئی ایسا راوی ہے جس کی موجودگی میں مذکورہ بالاقسم کے اشکال نہیں پیش آتے، ہم دیکھتے ہیں کہ قاضی ابو یوسف یعقوب بن زید مدنی سے روایت کرنے والوں میں مشہور و معروف ثقہ محدث امام محمد بن جعفر بن ابی کثیر انصاری زرقی کا نام بھی ہے۔[1] یہ مستبعد نہیں کہ ابوموسیٰ انصاری اور قاضی ابو یوسف مدنی کے درمیان انھیں محمد بن جعفر بن ابی کثیر انصاری کا واسطہ ہو اور یہ بھی مستبعد نہیں کہ ابوموسیٰ اسحاق انصاری اور ابو یوسف مدنی کے مابین کے واسطہ ابوموسیٰ اسحاق کے دادا ابوموسیٰ عبداللہ ہوں، بہرحال مذکورہ بالا روایت کو اس امر کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا ہے کہ ابو یوسف ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔

تدلیس و تلبیس اور تصحیف و تحریف کا استعمال کر کے ابو یوسف کا سال ولادت ۹۳ھ بتلانے والے کوثری نے اپنے خود ساختہ موقف پر ایک دلیل یہ پیش کی ہے:

"قال أبو القاسم علي بن محمد السمناني (المتوفى ٤٩٩هـ) في روضة القضاة: توفي أبو يوسف وله تسع وثمانون سنة على خلاف في ذلك، ومثله في مسالك الأبصار لابن فضل الله العمري فيكون ميلاده سنة ثلاث وتسعين... إلخ."[2]

''ابوالقاسم علی بن محمد سمنانی (متوفی ۴۹۹ھ) نے روضۃ القضاۃ میں کہا کہ امام ابو یوسف بعمر نواسی (۸۹) سال فوت ہوئے مگر اس میں اختلاف بھی ہے، اسی طرح کی بات مسالک الابصار لابن فضل اللہ العمری میں بھی ہے، جس سے لازم آتا ہے کہ ابو یوسف ۹۳ھ میں پیدا ہوئے کیونکہ موصوف ۱۸۲ھ میں فوت ہوئے تھے، سمنانی و عمری کے بیان سے لازم آنے والے سال ولادت ابی یوسف اور عام جمہور کے بیان کردہ سال ولادت ابی یوسف میں

---

[1] ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب و كتاب الجرح والتعديل ترجمة يعقوب بن زيد ومحمد بن جعفر بن أبي كثير انصاري.

[2] تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة وصاحبيه للذهبي (ص: ٣٧) وحسن التقاضي (ص: ٧)

بہت زیادہ تفاوت ہے، شاید نسخۂ قدیمہ میں موصوف کا سال ولادت ۹۳ھ لکھا تھا جس میں تصحیف اور غلطی واقع ہو گئی، اس غلطی کی بنا پر موصوف کا سال ولادت ۱۱۳ھ بن گیا۔ سمنانی وعمری جیسی بات کی طرف تقریباً مصنف اخبار الاول اور روضات الجنات کا بھی میلان ہے، اس کی تائید ابو یوسف کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ ایک زمانہ لوگوں پر ایسا آئے گا کہ مدینہ منورہ کا ایک نوجوان (فتی) مراد امام مالک مرجع خلائق بن جائیں گے، یہ روایت حافظ محمد بن مخلد نے اپنی کتاب "ما رواه الأكابر عن مالك" میں نقل کی ہے، اگر ابو یوسف امام مالک سے زیادہ عمر والے یا موصوف کے ہم عمر نہ ہوتے تو ابو یوسف کا امام مالک کی بابت ایسا کہنا صحیح نہ ہوتا، سلف کے سن ولادت میں بڑا اضطراب پایا جاتا ہے کیونکہ وفیات کی کتابیں مؤخر زمانہ میں مدون ہوئیں۔"

ہم کہتے ہیں کہ کوثری نے جن کتابوں کے بیانوں سے ابو یوسف کا سال ولادت ۹۳ھ مستنبط کیا ہے ان میں سے کسی کتاب تک ہماری رسائی نہیں ہوسکی کہ ہم پتہ لگا سکیں کہ کوثری نے ان کتابوں کے حوالے سے جو بات لکھی ہے وہ فی الواقع ان کتابوں میں موجود ہے یا کہ حسب عادت موصوف نے تحریف وترمیم کر لی ہے؟ نیز جن کتابوں کے بیانات سے کوثری نے ابو یوسف کا یہ سال ولادت مستنبط کیا ہے ان کے مصنفین پانچویں صدی یا اس کے بعد کی پیداوار ہیں اور ان سے زیادہ متقدم علماء بلکہ ابو یوسف کے معاصر امام ابوحسان زیادی نے موصوف کا سال ولادت ۱۱۳ھ بتلایا اور غلطی وتصحیف کا امکان متقدمین کے بالمقابل متاخرین کے یہاں زیادہ پایا جاتا ہے خصوصاً جس سمنانی کے قول کو کوثری نے اپنے دعویٰ مذکورہ بنیاد کی بنا رکھا ہے وہ اسلامی عدالت سے جھوٹا وکذاب وغیر باپ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے والا قرار دیا گیا تھا، جیسا کہ مصنف انوار وکوثری کی ممدوح ومعتمد علیہ کتاب جواہر المضیہ (۱/ ۳۷۵ تا ۳۸۰ ترجمہ سمنانی) میں تفصیل موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ کذاب شخص کا بیان ثقات کے بالمقابل قبول کرنے والے لوگ از روئے شرع خود کذاب ہیں، اگر سمنانی کے علاوہ ان لوگوں نے بھی وہی بات لکھی ہے جن کے نام کوثری نے گنائے ہیں تو یقیناً ان لوگوں نے اسی سمنانی کذاب کی تقلید میں اس کا قول نقل کیا ہوگا جیسا کہ مصنف انوار وکوثری نے کیا ہے، اس لیے کوثری اور مقلدین کوثری کا دعوی مذکورہ بلاشک مکذوب وباطل ہے، علاوہ ازیں متقدمین کی عبارتوں میں دعویٰ تصحیف کرنے والے کوثری اور مقلدین کوثری یہ کیوں نہیں مان لیتے کہ سمنانی اور اس جیسے کذابین کی عبارتوں ہی میں تصحیف وغلطی واقع ہوگئی ہے:

مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب جامع المسانید میں مرقوم ہے:

"مات اثنتين وثمانين ومائة، وهو ابن تسع وتسعين سنة، وولد سنة أربع ومائة."[1]

''ابو یوسف ۱۸۲ھ میں بعمر ننانوے سال فوت ہوئے اور ۱۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔''

ناظرین کرام کو معلوم ہے کہ جو آدمی ۱۸۲ھ میں بعمر ننانوے سال فوت ہوگا اس کا سال ولادت ۸۳ھ ہوگا مگر تصحیف وطباعت کی غلطی یا عام اہل الرای کی طرح مصنف جامع المسانید کی حساب دانی نے بعمر ننانوے سال ۱۸۲ھ میں فوت ہونے والے ابو یوسف کا سال ولادت ۱۰۴ھ بتلا دیا، لیکن حیرت یہ ہے کہ کوثری اور مقلدینِ کوثری بشمول مصنف انوار نے عبارت جامع المسانید سے لازم آنے والی یہ بات قبول کیوں نہیں کی کہ ابو یوسف ۸۳ھ میں پیدا ہوئے؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہیثم بن عدی نے

---

[1] جامع المسانید (۲/ ۵۸۰ مطبوعه حیدر آباد ۱۳۳۲هـ)

کہا کہ امام ابو یوسف ۱۷۲ھ میں فوت ہوئے۔[1] دریں صورت کوثری ومقلدین کوثری کو یہ دعوی کرنا چاہیے کہ ۱۷۲ھ میں بعمر ننانوے سال فوت ہونے والے امام ابو یوسف ۷۳ھ میں پیدا ہوئے تاکہ انھیں ترویج اکاذیب میں اور زیادہ کامیابی ہوتی، ابو یوسف کا سال ولادت ۷۳ھ بتلا کر کوثری ومقلدین کوثری کو آخر یہ دعوی کرنے میں کون سی چیز مانع رہی کہ ابو یوسف امام مالک کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے تھے جیسا کہ بڑے لوگ چھوٹوں کے ساتھ کرتے ہیں؟ ۹۳ھ کو ابو یوسف کا سال ولادت قرار دینے کا ایک سبب مصنف انوار نے جو یہ بتلایا ہے کہ ''ابو یوسف امام صاحب کے شرکاءِ تدوین میں عشرۂ متقدمین میں سے تھے'' تو کیا عشرۂ متقدمین قرار دیے جانے والے سبھی لوگ ۹۳ھ یا اس کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے؟ چہل رکنی مجلس کے سلسلے میں اوائل بحث میں ہم عشرۂ متقدمین کے نام بتلا آئے ہیں۔[2]

مصنف انوار کی اس بات کا ماحصل یہ ہے کہ چونکہ عشرۂ متقدمین ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک پورے تیس سال امام صاحب کے ساتھ کارنامۂ تدوین کی انجام دہی میں مصروف رہے، اس لیے یہ ماننا لازم ہے کہ یہ حضرات ۱۲۰ھ میں ایسی عمر کو پہنچ چکے تھے جس میں آدمی مشہور محدث وفقیہ ومجتہد بن جاتا ہے کیونکہ ۱۱۳ھ میں پیدا ہونے والا آدمی ۱۲۰ھ میں صرف سات سالہ بچہ ہوگا، اس لیے ابو یوسف کا سال ولادت ۱۱۳ھ کے بجائے کوثری کی تقلید میں ۹۳ھ ماننا لازم ہے مگر ہم بتلا آئے ہیں کہ عشرۂ متقدمین امام محمد بن حسن ۱۳۵ھ یا ۱۳۲ھ میں، یحییٰ بن زکریا ۱۲۰/ ۱۲۱ھ میں، زفر ۱۱۰/ ۱۱۶ھ میں، حبان عنزی ۱۱۱/ ۱۱۲ھ میں اور مندل ۱۰۲/ ۱۰۳ھ میں پیدا ہوئے، آخر مصنف انوار اوران کے ہم مزاج ان حضرات کا سال ولادت اپنی کذب بیانی کے ذریعہ کیوں نہیں ۹۳ھ یا اس کے لگ بھگ بتلاتے جیسا کہ ابو یوسف کے معاملے میں انھوں نے کر رکھا ہے؟ بلکہ مجلس تدوین کے تمام اراکین کی بابت بھی اسی طرح کا دعویٰ ہونا چاہیے۔

حافظ محمد بن مخلد عطار والی جس روایت کو کوثری نے اپنے دعویٔ مذکورہ کی تائید میں پیش کیا ہے اس پر تفصیلی بحث تذکرۂ امام مالک میں پیش کرکے کوثری اور مقلدین کوثری کی تلبیس کاری ودروغ بافی واضح کی جائے گی۔ امام ابو یوسف کے ایک ثقہ پختہ کار معاصر امام ابوحسان حسن بن عثمان عثمانی زیادی (مولود ۱۵۲ھ ومتوفی ۲۴۲ھ) نے کہا:

"سنة اثنتين وثمانين ومائة فيها مات أبو يوسف القاضي، وهو ابن تسع وتسعين في شهر ربيع الأول، و ولي القضاء سنة ست وستين أيام خروج موسى بن مهدي إلى جرجان، فولي القضاء إلى أن مات ١٦ سنة."[3]

''ابو یوسف ۱۸۲ھ میں بعمر انہتر (۶۹) سال ماہ ربیع الاول میں فوت ہوئے اور ۱۶۶ھ میں قاضی بنائے گئے، موصوف کل سولہ سال قاضی رہے۔''

امام زیادی کی بات کا لازمی مطلب یہ ہے کہ ابو یوسف ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور امام طحاوی وموفق وکردری ومصنف جواہر المضیہ وغیرہ نے بھی یہی بات کہی ہے، اور حافظ ابن کثیر نے کہا کہ موصوف کا انتقال ۱۸۲ھ میں بعمر سرسٹھ (۶۷) سال ہوا۔[4] اس اعتبار سے ابو یوسف کا سالِ ولادت ۱۱۵/ ۱۱۶ھ قرار پاتا ہے۔

---

[1] خطيب (١٤/ ٢٦١)
[2] اللمحات (٣/ ٥٠ تا ٧٠)
[3] خطيب (١٤/ ٢٦١)
[4] البداية والنهاية (٨/ ١٨٢)

امام ابو یوسف درسگاہِ ابی حنیفہ میں کب داخل ہوئے؟

مذکورہ بالا باتوں سے قطع نظر یہ طے شدہ امر ہے کہ امام ابو یوسف اور جملہ اراکین مجلس تدوین خواہ امام ابوحنیفہ سے بھی دس بیس سال پہلے پیدا ہوئے ہوں مگر وہ لوگ درسگاہِ ابی حنیفہ قائم ہونے کے بعد ہی درسگاہِ ابی حنیفہ میں پڑھنے کے لیے داخل ہوئے ہوں گے، اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ درسگاہ ابی حنیفہ کے زمانۂ قیام کے بارے میں مصنف انوار کے بیانات مضطرب ہیں اوران کے متعارض بیانات سے متعارض نتائج برآمد ہوئے ہیں، البتہ جن کتبِ مناقب ابی حنیفہ کے بیانات کو مصنف انوار اوران کے ہم مزاج نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بنایا کرتے ہیں ان کے مطابق درسگاہِ ابی حنیفہ ۱۲۰ھ میں وفاتِ حماد کے کچھ زمانہ بعد ہی قائم ہوئی تھی، اورمصنف انوار نے اپنے بعض بیانات میں صراحت کی ہے کہ امام صاحب نے درس وتدوین فقہ کا کام ۱۲۰ھ میں شروع کیا اور مصنف انوار نیز ان کے ہم مزاج لوگوں کے بیانات خواہ کچھ ہوں مگر ذخیرۂ تواریخ وتراجم کے پیش نظر یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ درسگاہ ابی حنیفہ ۱۲۰ھ کے بعد قائم ہوئی، اس لیے درسگاہ ابی حنیفہ میں کسی بھی طالب علم کا داخل ہو کر پڑھنا ۱۲۰ھ کے بعد ہی متصور ہوسکتا ہے۔

کوثری وارکان تحریک کوثری سے صدیوں پہلے مشہور مؤرخ جمال الدین ابوالمحاسن یوسف بن تغری ہروی لکھ گئے ہیں:

''امام ابو یوسف ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اورموصوف ۱۳۰ھ کے کچھ سالوں بعد تحصیل علم میں مشغول ہوئے، ابتداء میں موصوف مختلف اساتذہ ہشام بن عروہ، عطاء بن السائب واعمش وغیرہ سے حدیث پڑھتے رہے پھر موصوف امام ابوحنیفہ کے ساتھ منسلک ہو کر فقہ پڑھنے لگے۔الخ''[1]

مؤرخ ابن تغری کے مذکورہ بالا بیان کا حاصل یہ ہے کہ ابو یوسف نے ۱۳۰ھ کے بعد یعنی بیس سال کی عمر میں یا اس سے متجاوز ہونے کے بعد تحصیل علم حدیث سے اپنی طالب علمی شروع کی اور کچھ دنوں تک تحصل علم حدیث کے بعد موصوف درسگاہ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے۔ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ اہل کوفہ کے یہاں یہ رواج تھا کہ بیس سال کی عمر ہوجانے پر تحصیل علم حدیث شروع کرتے تھے، یعنی ابن تغری کے بیان کے مطابق ابو یوسف نے اسی رواجِ کوفہ کے مطابق ۱۳۰ھ کے کچھ سالوں کے بعد تحصیل علم حدیث شروع کیا۔

نیز یہ بتلایا جا چکا ہے کہ ابو یوسف مشہور صحابی سعد بن بجیر کی نسل سے تھے اور موصوف کا خاندان اصحاب علم تھا، موصوف کے ماموں ابوطالب یحییٰ بن یعقوب بھی محدث تھے، اورمتعدد روایات کا حاصل یہ ہے کہ ابو یوسف کے والدین درسگاہ ابی حنیفہ میں ابو یوسف کا تعلیم حاصل کرنا پسند نہیں کرتے تھے، جس کا مفاد یہ ہے کہ والدین ابی یوسف کوفہ کے اہل حدیث اماموں مثلاً سفیان ثوری وابراہیم نخعی وغیرہ کے ہم مسلک تھے اورابتدائے عمر میں آدمی اپنے والدین نیز خاندانی بزرگوں کے تابع فرمان ہوا کرتا ہے، اس لیے ضرور ہی موصوف امام ابو یوسف کی ابتدائی تعلیم محدثین کی درسگاہوں میں ہوئی۔

امام ابو یوسف کے ثقہ معاصر امام محمد بن سعد (مولود ۱۶۸ھ ومتوفی ۲۳۰ھ) نے کہا ہے:

---

[1] النجوم الزاهرة (٢/ ١٠٧، ١٠٨)

''ابتدا میں امام ابویوسف نے ابوحصیف مغیرہ، حصین، مطرف، ہشام بن عروہ وغیرہم سے علم حدیث پڑھا، پھر موصوف نے امام ابوحنیفہ کا دامن پکڑا، چنانچہ موصوف پر مذہبِ رائے کا غلبہ ہوگیا اور موصوف نے حدیث کے ساتھ جفا و بے وفائی کی۔'' [1]

نیز امام ابویوسف سے خود مروی ہے کہ ۱۳۲ھ میں خلیفہ ہونے والے ابوالعباس سفاح نے کوفہ میں باہر سے علماء بلوائے تو ہم ان علماء سے اس زمانے میں پڑھتے تھے۔ [2] ان باتوں کا حاصل یہ ہوا کہ ۱۳۰ھ کے کئی سال بعد تحصیل علم شروع کرنے والے ابویوسف تحصیل علم میں اچھا خاصا زمانہ صرف کر چکے تو موصوف درسگاہِ ابی حنیفہ میں فقہ اہل الرائے پڑھنے کے لیے داخل ہوئے۔ حافظ ابن عبدالبر امام ابن جریر طبری سے ناقل ہیں کہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کے یہاں پڑھنے کے بعد ابویوسف درسگاہِ ابی حنیفہ میں پڑھنے لگے۔ [3] مصنف انوار کے ممدوح کردری نے کہا ہے کہ امام ابویوسف جس وقت فقہ پڑھنے میں مشغول ہوئے اس وقت موصوف کا شمار حفاظِ حدیث میں ہوتا تھا اور موصوف امام ابویوسف کا کہنا تھا کہ میں نے قدماء محدثین سے حدیث پڑھی، محمد بن اسحاق سے مغازی اور کلبی سے تفسیر پڑھی۔ [4]

مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب پہلے درسگاہ ابن ابی لیلیٰ میں پڑھتے تھے، پھر درسگاہِ ابی حنیفہ میں پڑھنے لگے۔ [5] مصنف انوار کے ممدوح ومعتمد علیہ امام سرخسی نے کہا کہ امام ابویوسف درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ میں نوسال پڑھ چکنے کے بعد درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے۔ [6] كما سيأتي التفصيل.

بقول ابن تغری ۱۳۰ھ کے کچھ سالوں کے بعد تحصیل علم حدیث میں مشغول ہونے والے امام ابویوسف کی بابت اگر فرض کیا جائے کہ موصوف ۱۳۳/۱۳۴ھ میں درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ میں داخل ہوکر درسگاہ ابن ابی لیلیٰ میں نوسال پڑھنے کے بعد درسگاہ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے تو لازم آتا ہے کہ موصوف ابویوسف ۱۴۲ھ کے بعد درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے لیکن بعض روایات میں آیا ہے کہ ابویوسف بقول خویش درسگاہِ ابی حنیفہ میں سترہ سال رہے، جس کا لازمی مطلب یہ نکلتا ہے کہ موصوف ۱۳۳/۱۳۴ھ میں درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے، دریں صورت مصنف انوار کا یہ دعویٰ بہرحال مکذوب قرار پاتا ہے کہ امام ابویوسف امام صاحب کے ساتھ تیس سال تک تدوین فقہ کرتے رہے۔

درسگاہ ابی حنیفہ سے پہلے درسگاہ ابن ابی لیلیٰ میں ابویوسف کا تحصیل علم کرنا ایک مسلّم امر ہے، اور یہ بھی مسلّم ہے کہ موصوف امام ابویوسف درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہونے سے پہلے اہل حدیث تھے مگر جیسا کہ بعض طلبہ کا مزاج ہوتا ہے امام ابویوسف کو بھی ایک زمانہ میں امام صاحب کے نظریات کو سمجھنے سیکھنے کا شوق ہوا۔ کتب احناف میں اس مضمون کے بعض قصے منقول ہیں کہ امام ابن ابی لیلیٰ سے کسی بد دلی وکبیدگی کے سبب درسگاہ ابن ابی لیلیٰ چھوڑ کر امام ابویوسف ان کے حریف امام صاحب کی درسگاہ میں داخل ہوکر پڑھنے لگے، یہ قصے یقیناً خانہ ساز ہیں بعض کا ذکر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ ملاحظہ ہو۔

---

[1] طبقات ابن سعد، قسم دوم (۷/ ۷۴) [2] مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ۴۳) [3] الانتقاء (ص: ۱۷۲، ۱۷۳)
[4] کردری (۲/ ۱۲۶) [5] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۴، ۱۷۵) [6] سیر کبیر.

حارثی کذاب نے کہا:

”أنبأنا أحمد بن أبي صالح أنبأ موسى بن حزام أنبأ خلف بن أيوب سمعت أبا يوسف يقول: كنت أختلف إلى ابن أبي ليلى، وكانت لي عنده منزلة، وكان إذا أشكل عليه شيء من المسائل أو القضاء يطلب ذلك من وجه أبي حنيفة، وكنت أحب أن أختلف إلى أبي حنيفة، وكان يمنعني الحياء منه فوقع بيني وبينه سبب ثقلت عليه فاغتنمت ذلك، واجتنبت عنه، واختلفت إلى أبي حنيفة ولزمته، قلت: وبين ذلك في حديثه الآخر، فقال: كنت صاحب ابن أبي ليلى، وكنت أختلف إليه فزوج ابن أبي ليلى ابنته فجاؤا بالسكر فنشروا فانتهيت من ذلك فنظر إلي ابن أبي ليلى فقال: مه فإن النهبىٰ مكروه، فقلت: إنما كره النهبىٰ في العساكر، فأما في العرسات فلا بأس، قال: فتغير لي فتحولت إلى أبي حنيفة.“[1]

”خلف بن ایوب نے کہا میں نے امام ابو یوسف کو یہ کہتے سنا کہ میں ابن ابی لیلیٰ کے یہاں پڑھا کرتا تھا اوران کے یہاں میری ایک قدر ومنزلت تھی، موصوف ابن ابی لیلیٰ کو جب بھی کوئی علمی اشکال قضاء یا مسائل سے متعلق پیش آتا تو وہ طریق ابی حنیفہ پر اسے حل کرنا چاہتے تھے، اس لیے میں بذات خود امام صاحب سے استفاد کرنے کا شوق رکھتا تھا مگر مجھے ابن ابی لیلیٰ کی حیا مانع تھی لیکن میرے اور ابن ابی لیلیٰ کے درمیان ایک سبب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے میں ابن ابی لیلیٰ پر بارمحسوس ہونے لگا، لہٰذا میں نے ابن ابی لیلیٰ کی اس ناراضگی کو موقع غنیمت سمجھا اورامام صاحب کے پاس آمد ورفت رکھنے لگا، پھر میں نے امام صاحب کی صحبت لازم پکڑ لی۔ موفق نے کہا کہ جس سبب کی بنا پر ابو یوسف سے ابن ابی لیلیٰ کبیدہ خاطر رہنے لگے اس سبب کو امام ابو یوسف نے اپنے دوسرے بیان میں واضح کر دیا ہے، چنانچہ انھوں نے یعنی ابو یوسف نے کہا کہ میں ابن ابی لیلیٰ کا شاگرد وہم نشین تھا، میں ان کے پاس آمد ورفت رکھا کرتا تھا، ابن ابی لیلیٰ نے اپنی بیٹی کی شادی کی جس میں لوگوں نے شیرینی لٹائی، میں بھی لوٹ میں شریک ہوگیا، ابن ابی لیلیٰ نے مجھے دیکھ کر اس سے روکا اور کہا کہ یہ لوٹ مکروہ ہے، میں نے خواب دیا کہ صرف فوجوں میں لوٹ مکروہ ہے شادیوں میں جائز ہے، بنابریں ابن ابی لیلیٰ مجھ سے بدلے بدلے رہنے لگے، اس لیے میں ابن ابی لیلیٰ کو چھوڑ کر امام صاحب کی طرف منتقل ہوگیا۔“

اوّلاً: روایت مذکورہ کا واضع حارثی کذاب ہے، اس لیے روایت مذکورہ ساقط الاعتبار ہے، اور مذکورہ بالا عبارت کا جو حصہ ”قلت“ سے شروع ہوتا ہے اس کی سند موفق نے بیان نہیں کی لیکن اس کے پہلے والے حصے کی سند کا حال معلوم ہو گیا کہ اس کا بنیادی راوی حارثی کذاب ہے، حارثی نے داستان مذکور اپنی سند سے امام ابو یوسف کی طرف منسوب کر رکھی ہے جن کا حال بیان ہو چکا ہے، اور ابو یوسف سے داستان مذکور کا ناقل خلف بن ایوب ابوسعید عامری بلخی (متوفی ۲۰۵ھ) کو

[1] موفق (۲/ ۱۱۳، ۱۱٤)

ظاہر کیا گیا ہے جو بقول ابوحاتم رازی و خلیلی صدوق تھے، اور بقول خلیلی زاہد وصالح بھی تھے، ذی علم وعبادت گزار بھی تھے مگر یہ بتلایا جا چکا ہے کہ صدوق وعابد وصالح وزاہد ہونا غیر ثقہ ہونے کے منافی نہیں ہے، امام ابن معین نے موصوف کو ضعیف کہا، اور معاویہ قرہ نے "صالح" کہا اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل کے یہاں "صالح" معنوی طور پر جرح ہے جس سے متصف راوی بلا متابع ساقط الاعتبار ہوتا ہے، امام احمد بن حنبل نے موصوف خلف سے اگرچہ روایت کر رکھی ہے اور موصوف عموماً ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں مگر خلف کی بابت موصوف نے صراحت کر دی ہے کہ خلف غیر ثبت یعنی غیر ثقہ ہیں۔ امام عقیلی نے موصوف کو صاحب مناکیر بتلایا اور امام ابن حبان نے فرمایا کہ خلف نہایت غالی اور متعصب مرجی تھے، اہل حدیثوں سے بغض رکھا کرتے تھے انھیں متروک قرار دینا چاہیے۔[1] خلف سے روایت مذکورہ کا راوی موسیٰ بن حزام بلخی ترمذی (متوفی ۲۵۱ھ) ثقہ ہیں، پہلے مرجی تھے پھر تائب ہو کر سنی بن گئے۔[2] موسیٰ وحارثی کے مابین احمد بن ابی صالح نامی راوی سے ہم واقف نہ ہو سکے اور حارثی کی عادت تھی کہ فرضی ناموں کے حوالے سے روایات بیان کرتا تھا۔

ثانیاً: روایت مذکورہ کا مفاد یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے ایک اچھے خاصے زمانہ تک قاضی ابن ابی لیلیٰ سے پڑھا تھا حتیٰ کہ قاضی موصوف کے نزدیک انھیں اچھی خاصی منزلت حاصل ہو گئی تھی لیکن انھوں نے چونکہ یہ دیکھا کہ مسائل مشکلہ حل کرنے کے لیے ابن ابی لیلیٰ طریقِ امام صاحب اختیار کیا کرتے ہیں اس لیے امام ابو یوسف کو یہ شوق دامن گیر ہونے لگا کہ امام صاحب سے استفادہ کیا جائے، امام ابو یوسف کو کچھ دنوں تک حیا مانع رہی مگر بعد میں ابن ابی لیلیٰ کے ساتھ ابو یوسف کا ایک ایسا معاملہ ہو گیا جس کے نتیجہ میں موصوف کو درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ میں آنے کا موقع مل گیا، روایت مذکورہ میں بالصراحت کہا گیا ہے کہ اپنے اوپر ابن ابی لیلیٰ کی خفگی وناراضگی کو امام ابو یوسف نے نعمت غیر مترقبہ قرار دے لیا اور اسی کو موصوف نے درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ چھوڑ کر درسگاہِ ابی حنیفہ کی طرف منتقل ہونے کا حیلہ ووسیلہ بنایا، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اپنے محبوب اور محترم استاذ کی خفگی وناراضی کو کوئی سعادت مند شاگرد نعمت غیر مترقبہ کیسے سمجھ لے گا اور اسے موقعۂ غنیمت وخوش قسمتی قرار دے کر استاذ محترم کے یہاں سے فرار ہو جائے گا اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے اس جلیل القدر استاذ کے حریف اور معتوب قرار دیے ہوئے امام ابوحنیفہ کے یہاں پناہ گزیں ہوگا۔

ثالثاً: موفق نے امام ابو یوسف وابن ابی لیلیٰ کے مابین واقع شدہ جس معاملہ کو دونوں کے درمیان منافرت کا سبب بتلانے کے لیے داستان مذکور بیان کی ہے وہ معاملہ ایسا ہرگز نہیں تھا کہ استاذ وشاگرد کے درمیان اس طرح کی منافرت پیدا ہو، اس کے باوجود اس طرح کی منافرت کا پیدا ہو جانا حیرت انگیز ہے جس پر دلالت کرنے والی داستان باعتبار سند مکذوب ہے، پھر اس داستان کو سلیم الطبع اہل علم کیونکر قبول کر سکتے ہیں؟ اس کے باوجود کوثری اور ارکان تحریک کوثری خصوصًا مصنف انوار اس داستان کو خدمت علم ودین کے نام پر معتبر سمجھ کر نقل کیے ہوئے ہیں۔

رابعاً: مکذوبہ ہونے کے باوجود داستانِ مذکور کا مفاد یہ ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہو کر پڑھنا شروع کرنے سے پہلے امام

---

[1] تهذيب وميزان الاعتدال وثقات ابن حبان. [2] تهذيب التهذيب وغيره.

ابو یوسف درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ میں پڑھا کرتے تھے، اورگزشتہ صفحات میں ہماری پیش کردہ تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ابن ابی لیلیٰ نیز دوسرے محدثین کی درسگاہوں میں ۱۳۲/ ۱۳۳ھ سے لے کر ایک زمانہ تک زیر تعلیم رہنے کے بعد امام ابو یوسف درسگاہ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے، قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ موصوف ابو یوسف ۱۴۳/ ۱۴۴ھ میں یا اس کے بعد درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے، مذکورہ قرائن کے علاوہ دوسرے بعض قرائن آگے چل کر بیان کیے گئے ہیں۔ حارثی وموفق کی بیان کردہ مذکور بالا داستان پر مزید بحث آگے آرہی ہے۔

درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ میں امام ابو یوسف کی مدتِ تعلیم:

یہ ذکر آچکا ہے کہ مصنف انوار نے کہا ہے کہ امام ابویوسف درسگاہ ابن ابی لیلیٰ میں ایک زمانہ تک زیر تعلیم رہنے کے بعد درسگاہ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے تھے مگر مصنف انوار نے یہ نہیں بتلایا کہ درسگاہ ابی حنیفہ میں داخل ہونے سے پہلے کتنے دنوں تک ابویوسف ابن ابی لیلیٰ کی درسگاہ میں پڑھتے رہے تھے لیکن مصنف انوار کے ممدوح ومعتمد علیہ امام محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی (متوفی ۴۹۰ھ) نے اپنی مشہور ومعروف کتاب شرح مبسوط میں کہا ہے:

"اعلم أن أبا يوسف كان يختلف في الابتداء إلى ابن أبي ليلى فتعلم بين يديه تسع سنين، ثم تحول إلى مجلس أبي حنيفة، وكان تسع سنين أيضا، وقيل كان سبب تحوله إلى أبي حنيفة تقلد ابن أبي ليلى القضاء فإن أبا يوسف... الخ."[1]

''ابو یوسف ابتدا میں نوسال تک امام ابن ابی لیلیٰ کے یہاں پڑھتے رہے، پھر وہ امام ابوحنیفہ کے یہاں منتقل ہو گئے اور سبب منتقلی یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ نے عہدۂ قضا قبول کر لیا جسے ابویوسف پسند نہیں کرتے تھے، آخر اللہ تعالیٰ نے ابویوسف کو بھی اس بلا میں مبتلا کر دیا اور وہ بھی قاضی بنائے گئے، اور ایک دوسرا سبب منتقلی کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابویوسف پہلے امام ابن ابی لیلیٰ کے تابع یعنی ہم مذہب تھے، ایک دن ابن ابی لیلیٰ ایک آدمی کی شادی میں شریک ہوئے جب حسب رواج شیرینی لٹائی گئی تو اس لوٹ میں ابویوسف بھی شریک ہو گئے، ان کی یہ حرکت ابن ابی لیلیٰ نے پسند نہیں کی اور ابویوسف کو انھوں نے سخت سست بھی کہا اور فرمایا کیا تم کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ چیز حلال نہیں ہے؟ ابویوسف وہاں سے امام ابوحنیفہ کے پاس آئے اور انھوں نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا، امام ابوحنیفہ نے کہا کہ شادی کی لوٹ میں شریک ہونا کوئی معیوب بات نہیں ہے، ہمیں یہ حدیث نبوی پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ ایک انصاری کی شادی میں تھے جس میں چھوہارے لٹائے گئے، اس لوٹ میں خود حضور ﷺ بھی شریک ہو گئے اور صحابہ سے فرمانے لگے کہ تم بھی لوٹو، اور یہ حدیث نبوی بھی ہمیں پہنچی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ قربانی کیے تو حکم دیا کہ ہر اونٹ سے ایک ایک ٹکڑا کاٹ لیا جائے، اس کے بعد فرمایا جس کا جی چاہے ان قربان شدہ اونٹوں کے ٹکڑے کاٹ کر لے جائے، امام صاحب نے فرمایا پس ان احادیث سے ثابت ہوا کہ شادی کی لوٹ میں شریک ہونا شرعاً مستحسن ہے، ابویوسف پر ابن ابی لیلیٰ

[1] شرح مبسوط للسرخسي (۳/ ۱۲۸)

وابوحنیفہ کا علمی تفاوت اس واقعہ سے واضح ہو گیا، لہٰذا وہ درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ چھوڑ کر درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہو گئے، اور ابو یوسف کے درسگاہ ابن ابی لیلیٰ سے درسگاہِ ابی حنیفہ کی طرف منتقل ہونے کا ایک تیسرا سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ جب ابن ابی لیلیٰ کی درسگاہ میں پڑھتے تھے تو اس زمانے میں زفر درسگاہ ابی حنیفہ میں پڑھتے تھے اور ان دونوں حضرات یعنی زفر اور ابو یوسف کے آپس میں مناظرے ہوا کرتے تھے جس سے ابو یوسف نے محسوس کیا کہ امام ابوحنیفہ ابن ابی لیلیٰ کے بالمقابل فائق ہیں، اس لیے وہ بھی درسگاہ ابی حنیفہ میں داخل ہو گئے۔''

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار کے ممدوح ومعتمد علیہ امام سرخسی نے پورے جزم وقطع کے ساتھ بتلایا ہے کہ درسگاہِ امام ابوحنیفہ میں داخل ہونے سے پہلے ابو یوسف درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ میں نو سال تک پڑھ چکے تھے، اور درسگاہ ابن ابی لیلیٰ میں نو سال تک پڑھنے کے بعد جب موصوف درسگاہ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے تو انھوں نے درسگاہ ابی حنیفہ میں نو سال پڑھا، سرخسی نے درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ سے درسگاہ ابی حنیفہ کی طرف امام ابویوسف کے منتقل ہونے کے تین اسباب یکے بعد دیگرے صیغۂ تمریض سے نقل کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ ان تینوں میں سے کوئی سبب بھی صحیح نہیں، البتہ موصوف کے نزدیک اتنی بات صحیح ہے کہ درسگاہ ابی حنیفہ میں امام ابو یوسف کی مدتِ تعلیم نو سال ہے مگر مصنف انوار نے اپنی معروف دیانت داری سے کام لیتے ہوئے اس بات کا ذکر نہیں کیا، البتہ درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ سے درسگاہ ابی حنیفہ کی طرف ابو یوسف کے منتقل ہونے کا سبب مصنف انوار نے ابو یوسف پر ابن ابی لیلیٰ کی ایسی خفگی بتائی جس کی تفصیل بتصریحِ مصنف انوار کوثری نے بتلائی ہے اور کوثری کی پیش کردہ تفصیل کا حاصل یہ ہے:

''امام ابو یوسف کی ایک حرکت پر قاضی ابن ابی لیلیٰ خفا ہو کر انھیں سخت وسست کہنے لگے اور اسی دن سے ناراض رہنے لگے، جس کے سبب ابو یوسف نے ابن ابی لیلیٰ کا ساتھ چھوڑ کر درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخلہ لے لیا۔''[1]

تعجب ہے کہ اگر قاضی ابن ابی لیلیٰ ابو یوسف کی کسی حرکت پر ناراض ہو گئے تھے تو ایک سلیم الطبع شاگرد کی طرح موصوف نے قاضی ابن ابی لیلیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کی بجائے درسگاہ ابی حنیفہ میں کیوں داخلہ لے لیا جبکہ انھیں معلوم تھا کہ امام صاحب قاضی صاحب کے حریف ہیں؟ کیا ابو یوسف درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ میں نو سال پڑھنے کے باوجود یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ میرے اس اقدام سے ان ابن ابی لیلیٰ کو روحانی اذیت ہو گی جن کی بابت مصنف انوار ناقل ہیں:

''امام ابو یوسف کا قول ہے کہ دنیا میں کوئی چیز مجھے ابوحنیفہ وابن ابی لیلیٰ کی مجلس سے زیادہ محبوب نہ تھی، امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر فقیہ اور ابن ابی لیلیٰ سے بڑھ کر قاضی میں نے نہیں دیکھا۔''[2] نقل ہے کہ ابو یوسف اپنے دونوں شیخ ابن ابی لیلیٰ اور امام صاحب کی انتہائی تعظیم کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کو علمی برکات سے حظِ وافر حاصل ہوا۔''[3]

اگر مصنف انوار کی مندرجہ بالا باتیں صحیح ہیں تو کسی بھی معاملہ میں ناراض ہو جانے والے اپنے محبوب ومعظم استاذ کو راضی کرنے کی کوشش کے بجائے ان سے قطع تعلق کر کے ان کے حریف کی درسگاہ میں داخل ہو کر موصوف اپنے اس محبوب ومعظم استاذ کی ذہنی وروحانی اذیت کے باعث بنے یا نہیں؟ کوئی شک نہیں کہ اس طرح کی ساری داستانیں مکذوبہ ہیں، البتہ سلفاً تا

[1] حسن التقاضي.　[2] مقدمہ انوار (١/ ١٧٤)　[3] مقدمہ انوار (١/ ١٧٥)

خلفاً رواجِ عام ہے کہ عام طلبہ ایک درسگاہ میں پڑھ چکنے کے بعد دوسری کی طرف رخ کرتے ہیں یا ایک ہی زمانہ میں ایک سے زیادہ درسگاہوں میں روزانہ مختلف اوقات میں پڑھتے ہیں لیکن یہ مشہور ومعروف اور ثابت شدہ بات ہے کہ کوفہ کے عام فقہاء ومحدثین کی طرح ابن ابی لیلیٰ بھی اپنے تلامذہ و متعلقین کو امام صاحب سے ربط وتعلق اور تلمذ وتعلم کی ممانعت کرتے تھے، اس لیے ان اساتذہ کی شدید ممانعت کے باوجود بھی درسگاہِ امام صاحب میں ابو یوسف کے آنے جانے کے سبب ابو یوسف سے ان کے اساتذہ واکابر کا کبیدہ وبرہم ہونا فطری ولازمی چیز تھی، یعنی معاملہ یہ نہیں تھا کہ اپنے اوپر ابن ابی لیلیٰ کی ناراضگی کو نعمت غیر مترقبہ اور موقع غنیمت سمجھ کر ابو یوسف درسگاہ ابن ابی لیلیٰ چھوڑ کر درسگاہ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے بلکہ ہمارے نزدیک معاملہ یہ ہے کہ بعض طلبہ کی طرح طریق ابی حنیفہ سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے اپنے اساتذہ کی ممانعتِ شدید کے باوجود ابو یوسف درسگاہ ابی حنیفہ میں گئے، اس لیے ابن ابی لیلیٰ ودیگر محدثین وفقہاء ابو یوسف سے ناراض رہنے لگے حتی کہ امام سفیان بن عیینہ نے ابو یوسف کے طالب علمانہ سوالات کے جواب دینے سے بھی اعراض کیا اور قاضی شریک نے ابو یوسف کو مردود الشہادۃ قرار دے دیا اور دوسرے اہل علم بھی موصوف سے بہت خفا ہوئے۔

گزشتہ صفحات میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ کے پاس امام صاحب سے ربط وتعلق رکھنے والا ایک شخص ملنے آیا تو اس سے امام سفیان نے اعراض کرتے ہوئے اشعار کے ذریعہ اپنا یہ موقف بتلایا کہ میں کسی بھی حنفی المذہب سے ملنا گوارا نہیں کرتا، ہمارے خیال سے شخص مذکور غالبًا امام ابو یوسف تھے۔

درسگاہ ابن ابی لیلیٰ سے درسگاہ ابی حنیفہ کی طرف ابو یوسف کے منتقل ہونے سے متعلق مذکورہ بالا داستانیں اگرچہ مکذوبہ ہیں مگر امام ابو یوسف کے عام حالات پر نظر رکھتے ہوئے یہ مستبعد معلوم نہیں ہوتا کہ اپنے کسی منصوبہ ومقصود کی خاطر محدثین خصوصًا ابن ابی لیلیٰ کی درسگاہ اور ان کے مذہب اہل حدیث کو چھوڑ کر درسگاہ ابی حنیفہ ومذہب ابی حنیفہ سے منسلک ہونے کو ضروری سمجھ کر امام ابو یوسف نے اپنے اس اقدام کے لیے وجہ جواز پیدا کر کے اپنے ان اساتذہ واکابر کو ناراض کر لیا ہو، پھر ان کے لیے راستہ صاف ہو گیا ہو اور درسگاہ ابی حنیفہ میں داخل ہونے سے کوئی مانع نہ رہ گیا ہو مگر بلا دلیل وثبوت ہم اس طرح کی بات نہیں کہہ سکتے بلکہ حسن ظن رکھتے ہوئے اس بات کو راجح مانتے ہیں کہ علومِ امام صاحب اور امام صاحب کے طریق تفقہ واستدلال سے واقفیت کے لیے موصوف درسگاہِ امام صاحب میں جانے لگے تھے اور رفتہ رفتہ موصوف امام صاحب کے زیر اثر حنفی بن گئے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ اوائل ۱۴۲ھ میں امام سفیان بن عیینہ کے مسند نشین ہوتے ہی کچھ دنوں ان سے امام ابو یوسف نے پڑھا اور اس کے پہلے موصوف ابو یوسف مختلف اساتذہ کی درسگاہوں بشمول درسگاہ ابن ابی لیلیٰ میں ایک زمانہ تک پڑھتے رہے، پھر موصوف اواخر ۱۴۲ھ سے امام صاحب کی درسگاہ میں بھی پڑھنے لگے اور امام صاحب سے وفاتِ امام صاحب تک یعنی رجب ۱۵۰ھ تک پڑھتے رہے، اور راوی نے اسی مدت کو نو سال کے لفظ سے تعبیر کر دیا ہے کیونکہ ۱۴۲ھ و ۱۵۰ھ کے ادھورے سالوں کو رواج عام کے مطابق دو سال اور ان کے درمیان کے سات سالوں کو ملا کر نو سال شمار کر لیا تو مختلف روایات میں صورت تطبیق نکل آتی ہے ورنہ بڑے اشکالات پیش آتے ہیں۔

درسگاہِ ابی حنیفہ میں ابو یوسف کی مدتِ تعلیم کے متعلق دعویٰ افغانی پر نظر

عام اراکین تحریک کوثری کی طرح مولانا ابوالوفاء افغانی محشی کتاب اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ نے اس کتاب کے مقدمہ میں امام سرخسی کی مذکورہ بالا بات کا ذکر کرتے ہوئے کتر بیونت سے کام لیا اور سرخسی کی اتنی لمبی عبارت سے نہ جانے کیوں "تسع سنين أيضا" (یعنی ابو یوسف نے درسگاہ امام صاحب میں بھی نو سال تعلیم پائی) کو حذف کرتے ہوئے اپنی طرف سے یہ لکھا:

"وهو كبير على الصحيح، ولازمه ثماني عشرة سنة كما صحت الرواية عنه بذلك من طرق، وقضاء ابن أبي ليلى في الدولتين الأموية والعباسية كان طويل الأمد."[1]

"ابو یوسف جس وقت درسگاہ ابن ابی لیلیٰ سے درسگاہ ابی حنیفہ کی طرف منتقل ہوئے اس وقت متعدد طرق سے مروی روایت صحیحہ کے مطابق ابو یوسف بڑی عمر والے ہو چکے تھے اور روایت صحیحہ کے مطابق درسگاہ ابی حنیفہ میں ابو یوسف اٹھارہ سال پابندی کے ساتھ رہے۔"

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ عبارتِ سرخسی میں اگرچہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں ابو یوسف کی مدت تعلیم نو سال بتلائی گئی ہے مگر عبارتِ سرخسی کو بطور حجت نقل کرنے کے باوجود مولانا افغانی نے درسگاہِ ابی حنیفہ میں ابو یوسف کی مدتِ تعلیم نو سال کے بجائے اٹھارہ سال لکھ دی اور دعوی کر دیا کہ متعدد طرق سے یہ بات ثابت ہے مگر موصوف نے کسی ایک بھی روایت صحیحہ کو پیش نہیں کیا اور سرخسی کی عبارت میں خیانت الگ سے کی، بہرحال قولِ افغانی سے مصنف انوار کے اس دعوی کی تکذیب ہوتی ہے کہ امام ابو یوسف ۱۲۰ھ تا ۱۵۰ھ یعنی تیس سال مجلس تدوین کے رکن کی حیثیت سے امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کرتے رہے۔

درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ سے درسگاہِ امام صاحب کی طرف ابو یوسف کیوں منتقل ہوئے؟

ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ سے درسگاہِ امام صاحب کی طرف ابو یوسف کے منتقل ہونے کے تین اسباب کو بصیغۂ تمریض بیان کر کے امام سرخسی نے ان کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے، چنانچہ سببِ اول میں کہا گیا کہ ابن ابی لیلیٰ نے عہدۂ قضا قبول کر لیا تو ابو یوسف نے ان کا ساتھ چھوڑ کر امام صاحب کی درسگاہ میں داخلہ لیا، مگر یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ ۱۱۴/ ۱۱۵ھ میں قاضی ہوئے اور اس وقت سے لے کر ۱۴۸ھ تک قاضی رہے، یعنی جس وقت موصوف قاضی ہوئے اس وقت ابو یوسف دودھ پیتے ہوئے بچے تھے بلکہ بعض اقوال کے مطابق ابو یوسف اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کیونکہ یہ کہا جا چکا ہے کہ بعض اقوال سے لازم آتا ہے کہ ابو یوسف ۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے، پھر کیسے ممکن ہے کہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کی درسگاہ میں نو سال پڑھنے کے بعد یہ دیکھ کر ابو یوسف نے ان کی درسگاہ چھوڑی ہو کہ انھوں نے سرکاری عہدہ قبول کر لیا! بعض نے کہا کہ ابن ابی لیلیٰ ۱۲۱ھ میں قاضی مقرر کیے گئے تھے، اس صورت میں اس وقت ابو یوسف کی عمر مشہور قول کے مطابق سات آٹھ سال اور حافظ ابن کثیر کی نقل کے مطابق پانچ چھ سال ہو گی، اتنی عمر کے بچہ کا درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ میں ۱۲۱ھ سے پہلے نو

[1] مقدمه اختلاف أبي حنيفة وابن أبي ليلى (ص: ٤)

سال تک پڑھنا ناممکن ہے۔ (كما لا يخفى)

اسی قسم کی باتوں کا احساس کر کے سرخسی نے اس سبب کے غیر معتبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ دوسرے سبب کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ شادی میں شیرینی لوٹنے پر ابن ابی لیلیٰ کے اظہارِ خفگی کے بعد ابو یوسف خدمتِ ابی حنیفہ میں پہنچے اور امام صاحب نے بتلایا کہ ابن ابی لیلیٰ کی بات احادیث نبویہ کے خلاف ہے حالانکہ اس مفہوم کی جو روایات رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہیں وہ مکذوبہ ہیں۔[1] ان روایات کے واضعین بفرمانِ نبوی جہنم رسید ہوں گے، اس قسم کی وضعی روایات کی نقل وحکایت سے امام صاحب کی ذات بری ہے۔ حاصل یہ کہ سببِ مذکور کے ساتھ ابو یوسف کے منتقل ہونے کی کہانی مکذوب محض ہے، انھیں امور کے باعث سرخسی نے اس مکذوبہ واقعہ کے غیر معتبر ہونے کی طرف بھی اشارہ کر دیا، نیز امام ابراہیم نخعی وعکرمہ وعطاء وابن مسعود بھی شادی میں لوٹ کو ممنوع قرار دیتے تھے۔[2] اس موضوع پر مفصل گفتگو آگے آئے گی جس میں امام طحاوی حنفی کے بیان کا جائزہ لیا جائے گا۔

مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب مذہب نخعی وابن مسعود کے پابند تھے اور یہ کہ نخعی وابن مسعود کے فتاویٰ احادیثِ مرفوعہ کے درجہ میں ہیں۔ (کمامر) اس سے لازم آیا کہ شادی میں شیرینی کی لوٹ کے جواز کی باتیں احادیث مرفوعہ کے خلاف ہیں۔ عبارتِ سرخسی میں درسگاہِ ابی حنیفہ کی طرف ابو یوسف کے منتقل ہونے کا جو تیسرا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ شاگرد ابی حنیفہ زفر سے مناظرہ کرنے پر ابو یوسف کو احساس ہوا کہ امام صاحب ابن ابی لیلیٰ پر فائق ہیں۔ تو اوّلاً ہم عرض کر آئے ہیں کہ ۱۱۰/ ۱۱۶ھ میں پیدا ہونے والے امام زفر درسگاہ ابی حنیفہ میں داخل ہونے سے پہلے عرصہ تک محدثین کی درسگاہوں میں علم حاصل کر چکے تھے، اگر فرض کیا جائے کہ امام زفر سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں داخل درسگاہِ ابی حنیفہ ہوئے تو لازم آئے گا کہ موصوف امام زفر ۱۲۷/ ۱۲۸ھ میں درسگاہ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے، یعنی درسگاہِ ابی حنیفہ میں ابو یوسف ۱۲۷/ ۱۲۸ھ کے بعد داخل ہوئے۔ نیز روایت مذکورہ کی سند کا پتہ نہیں اسی لیے اس کے غیر معتبر ہونے کی طرف سرخسی نے اشارہ کر دیا ہے۔

اور مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ ''ابو یوسف پہلے ابن ابی لیلیٰ کے یہاں پڑھتے تھے، پھر ایک مسئلہ کے بحث کے دوران ابن ابی لیلیٰ کو ناگواری ہوئی، اس کی تفصیل بھی کوثری نے لکھی ہے۔'' تو جو تفصیل کوثری اور دوسرے لوگوں نے لکھی ہے اس کا دار و مدار موفق (۲/۲۱۳) وغیرہ میں حارثی کذاب سے مروی اس روایت پر ہے جس میں مذکور ہے کہ ''ابن ابی لیلیٰ کی لڑکی کی شادی میں شکر لٹائی گئی جس میں ابو یوسف بھی شریک ہو گئے، اسی پر ابو یوسف وابن ابی لیلیٰ کے مابین تکرار ہو گئی۔''[3]

ظاہر ہے کہ کسی کذاب کی وضع کردہ روایت معتبر نہیں ہو سکتی نیز اس کو معتبر کہہ کر لکھنے والے دیانتدار نہیں ہو سکتے۔ اس

---

[1] الموضوعات لابن الجوزي (۲/ ۲٦٤ تا ۲٦٦) وتلخيص الحبير (ص: ۳۱٤) واللآلئ المصنوعة (ص: ٤٠٤) وسنن البيهقي (۷/ ۲۸۷) وفتح الباري (٦/ ٤٤)

[2] نيل الأوطار (٦/ ۲۰۸) وأبواب الأضاحي (٥/ ١٤٨، ١٤٩)

[3] موفق (۲/ ۲۱۳) و کردری وغیرہ۔

مکذوبہ روایت میں یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ قاضی ابن ابی لیلیٰ مسائل مشکلہ کے حل کے لیے امام صاحب کی طرف رجوع کرتے مگر آئندہ صفحات میں آنے والی تفصیل سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ بالکل مکذوب بات ہے بلکہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام صاحب ہی سے متعلق ایک پیچیدہ مسئلہ کے سلسلے میں امام صاحب کے استاذ حماد نے بذات خود ابن ابی لیلیٰ کی طرف رجوع کیا تھا، اور موفق (۱/ ۴۰) و کردری (۱/ ۷۰، ۷۱) وعقود الجمان میں ابن ابی لیلیٰ کو استاذ ابی حنیفہ کہا گیا ہے بلکہ امام صاحب نے تلامذۂ ابن ابی لیلیٰ سے بھی علم حاصل کیا ہے، دریں صورت یہ مستبعد ہے کہ ابن ابی لیلیٰ مسائلِ مشکلہ میں امام صاحب کی طرف رجوع کریں، اس کے خلاف حارثی کذاب یا کسی کذاب کی بات معتبر نہیں ہوسکتی۔ عبارتِ سرخسی میں ہے کہ شادی کی لوٹ میں شریک ہونے پر جب ابن ابی لیلیٰ نے یہ کہتے ہوئے ابو یوسف کے اوپر اعتراض کیا کہ ایسا کرنا حلال نہیں ہے تو وہ اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے امام ابوحنیفہ کے پاس گئے، انھوں نے جواب دیا کہ شادی کے موقع پر ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حدیث نبوی میں شادی کے موقع پر ایسا کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر کوثری کی عبارت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ابو یوسف نے ابن ابی لیلیٰ کو اس مجلس میں علی الفور یہ جواب دیا تھا کہ حدیث نبوی میں وارد ہے کہ بوقت شادی لوٹنے میں کوئی حرج نہیں۔ ظاہر ہے کہ دونوں روایتوں کے اندر کھلا ہوا تضاد وتعارض اور اضطراب ہے اور کوئی شک نہیں کہ دونوں ہی روایتیں مکذوبہ داستانیں ہیں، ان میں سے کوئی روایت بھی قابل اعتماد ولائق اعتبار نہیں مگر اس کے باوجود ان دونوں میں سے جو روایت مصنف انوار کو پسند آ گئی وہ تحقیق وخدمتِ علم ودین کے نام پر قبول کر کے زیبِ قرطاس کر دی گئی۔

ان خانہ ساز افسانوی حکایتوں سے معلوم ہوا کہ ابن ابی لیلیٰ بوقت شادی شکر وغیرہ لٹانے کو ممنوع سمجھتے تھے مگر حیرت ہے کہ انھوں نے بااقتدار قاضی ہونے کے باوجود اپنی بیٹی کی شادی کے موقع پر یہ ممنوع کام ہونے دیا، انھیں اگر اعتراض ہوا تو اس بات پر کہ اس ممنوع کام میں ابو یوسف کیوں شریک ہوئے؟ لطف کی بات یہ کہ جب انھوں نے ابو یوسف پر اعتراض کیا تو ابو یوسف نے اس فعل کے جواز پر حدیث نبوی پیش کی مگر اس حدیث نبوی کو سن کر ابن ابی لیلیٰ نے انشراح صدر سے اپنے اعتراض کو واپس لینے کی بجائے ابو یوسف کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا کہ انھیں ان کی صحبت ودرسگاہ چھوڑ کر امام ابوحنیفہ کا دامن تھامنا پڑا۔

درسگاہِ ابی حنیفہ میں ابو یوسف کے پڑھنے پر والد ابی یوسف کا اعتراض:

گزشتہ تفصیل سے مستفاد ہوتا ہے کہ ۱۱۳ھ میں پیدا ہونے والے امام ابو یوسف نے ۱۳۰ھ کے بعد پڑھنا شروع کیا جبکہ ان کی عمر لگ بھگ بیس سال ہو چکی تھی نیز یہ کہ موصوف ابو یوسف ابن ابی لیلیٰ اور دوسرے محدثین کی درسگاہوں میں ایک مدت تک پڑھ چکنے کے بعد ۱۴۲ھ کے لگ بھگ درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے، معتبر روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ بیس سال کی عمر کو پہنچ کر تحصیل علم شروع کرنے سے پہلے موصوف ابو یوسف کا کیا مشغلہ تھا؟ ظن غالب یہ ہے کہ موصوف اس سے پہلے مکتب کی تعلیم حاصل کرتے رہے ہوں گے، نیز سماع حدیث کے لیے موقوف علیہ علوم کے پڑھنے میں مصروف رہے ہوں گے، یہ حیرت کی بات ہے کہ ۱۱۳ھ میں پیدا ہونے امام ابو یوسف مکتبی علوم نیز موقوف علیہ علوم پڑھنے کے بعد ۱۳۲/ ۱۳۳ھ کے لگ بھگ سماع

حدیث کے لیے محدثینِ کوفہ کی درسگاہوں میں جانے لگے اور ۱۴۱/ ۱۴۲ھ تک تقریباً نوسال محدثین کی درسگاہوں میں پڑھتے رہے مگر کسی قسم کا کوئی اعتراض موصوف کے والدووالدہ کی طرف سے امام ابویوسف کی تحصیل علم پر ہوا نہ انھوں نے امام ابویوسف کوفکر معاش کرنے کی طرف توجہ دلا کر سلسلۂ تعلیم منقطع کردینے کا حکم دیا لیکن کتب مناقب ابی حنیفہ کے مطابق جوں ہی والد ابویوسف کو پتہ لگا کہ ابویوسف درسگاہ ابی حنیفہ میں پڑھنے جانے لگے ہیں انھوں نے ابویوسف کو پڑھنے سے منع کرنا شروع کردیا اورفکر معاش کی طرف انھیں متوجہ کیا، چنانچہ عبدالحمید حمانی سے مروی ہے:

”كان والد يعقوب يجيء إلى مجلس أبي حنيفة فيأخذ بيد يعقوب فيقيمه فيذهب به فلا يلبث إلا يسيرا حتى يرجع يعقوب، فجاء يوما والده فجعل يضج ويصيح ويقول يعصيني هذا الولد وأنتم تغيبونه، فقال له أبوحنيفة: وما تريد منه؟ قال: أريد منه أن يلزم السوق، ويعول عياله، فقال له أبوحنيفة: نحن نكفي هذا إن شاء الله، فقال أبوه: لا أرضى، فقال أبوحنيفة: هذا شيء آخر أنت تمنع الساعة ولدك عن التعلم فلن تعان على هذا، نحن نكفيه ما يحتاج إليه ارجع راشدا.“[1]

”والد ابی یوسف آکر درسگاہِ ابی حنیفہ سے ابویوسف کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا لے جایا کرتے تھے مگر ابویوسف تھوڑے دنوں کے بعد دوبارہ درسگاہ ابی حنیفہ میں چلے آیا کرتے تھے، ایک دن والد ابی یوسف نے درسگاہِ ابی حنیفہ میں آکر چیخنا چلانا اورشور مچانا شروع کردیا اور کہنے لگے کہ یہ لڑکا میری بات نہیں مانتا میری نافرمانی کرتا ہے اورآپ لوگ اسے اپنے پاس چھپا لیتے ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ آپ اپنے لڑکے سے کیا کام چاہتے ہیں کہ وہ آپ کی نافرمانی کرتا ہے؟ والد ابی یوسف نے کہا کہ میں یہ چاہتاہوں کہ بازار جائے، یعنی بازار میں کوئی کاروبار کرے اور اپنے اہل وعیال کا خرچ سنبھالے، امام صاحب نے فرمایا کہ ان کے اہل وعیال کا خرچ إن شاء اللہ ہم سنبھالیں گے، والد ابی یوسف نے کہا کہ پھربھی میں اس پر راضی نہیں ہوں کہ پڑھے، امام صاحب نے فرمایا کہ یہ تو دوسری بات ہے کہ آپ بچے کو پڑھنے ہی نہیں دینا چاہتے، آپ اس وقت جولڑکے کی تعلیم پر پابندی لگانا چاہتے ہیں تو آپ کے اس کام پر ہم تعاون نہیں کرسکتے، البتہ ہم ان کی ساری ضروریات کی کفالت کریں گے، آپ بخیر وعافیت تشریف لے جائیں۔“

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ والد امام صاحب نے درسگاہِ امام صاحب میں پڑھنے سے امام ابویوسف کو بہرصورت منع کرنے کی کوشش کی اورخود امام صاحب پربھی اظہار برہمی کی کہ آپ میرے لڑکے کو بگاڑ رہے ہیں، اسے کاروبار کے ذریعہ اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لیے کہتا ہوں مگر یہ میری بات نہیں مانتا، امام صاحب نے والد ابی یوسف کو بھی سمجھانے کی کوشش کی اور ابویوسف کے اہل وعیال کے جملہ اخراجات کی کفالت کا بھی ذمہ لیا مگر پھربھی والد ابی یوسف راضی نہ ہوئے، اگرصرف معاشی مسئلہ کے سبب والد ابی یوسف درسگاہِ ابی حنیفہ میں تحصیل علم سے مانع ہوتے توامام صاحب کی اس پیش کش کی صورت میں

[1] رواه الحارثي، موفق (٢/ ٢١٤) حسن التقاضي (ص: ٩)

والد ابو یوسف کا درسگاہ ابی حنیفہ میں تعلیم ابی یوسف کو جاری رکھنے پر اعتراض نہیں رہنا چاہیے تھا مگر وہ بہرحال معترض رہے، اورامام صاحب نے صاف صاف کہہ دیا کہ آپ ہماری درسگاہ میں پڑھنے سے ابو یوسف کو روک نہیں سکتے، البتہ جہاں تک ان کے اہل وعیال کی کفالت کا معاملہ ہے وہ ہمارے ذمہ ہے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں صاحب اہل وعیال لڑکے پر والد کی یہ پابندی چل بھی نہیں سکتی تھی، امام ابو یوسف بہرحال وبہر قیمت درسگاہ امام صاحب میں پڑھائی جاری رکھنے پر مصر تھے، امام صاحب بہر قیمت اس معاملہ میں ان کے معاون تھے، پھر والد ابی یوسف کی کیا چل سکتی تھی؟ روایت مذکورہ حارثی کذاب کی جعلی سند سے مروی ہے، اس لیے معتبر نہیں مگر اسے کوثری نے صحیح قرار دیا ہے۔[1]

اس روایت کا مفاد ہے کہ جس وقت والد ابی یوسف درسگاہِ ابی حنیفہ میں تعلیم ابی یوسف سے مانع ہوئے تھے اس وقت امام ابو یوسف اہل وعیال والے تھے، یعنی بیوی کے ساتھ موصوف کے بچے بھی تھے۔ ہماری پیش کردہ تفصیل کے مطابق ۱۱۳ھ میں پیدا ہونے والے ابو یوسف درسگاہ ابی حنیفہ ۱۴۲ھ میں یا اس کے بعد داخل ہوئے تھے جبکہ ان کی عمر اٹھائیس سال سے زیادہ تھی اور اٹھائیس سال کے آدمی کا کئی بچوں کا باپ ہوجانا مستبعد نہیں بلکہ قرین قیاس ہے، لہٰذا روایت مذکورہ کی بنیاد پر یہ دعوی کرنا کہ موصوف ابو یوسف ۹۳ھ میں پیدا ہوئے تھے دھاندلی کے علاوہ کچھ نہیں، کیونکہ أولاً: روایت مذکورہ صحیح نہیں۔

ثانیاً: ہماری تفصیلِ مذکور کے مطابق اسے صحیح فرض کرنے کی صورت میں یہ ماننے میں کوئی مانع نہیں کہ امام ابو یوسف ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے تھے۔

ثالثاً: روایت مذکورہ کو صحیح قرار دینے والے اس معاملہ میں کیا فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسف کی تعلیم درسگاہ ابی حنیفہ میں والد ابی یوسف کے احتجاج شدید کے باوجود جاری رہی؟ کیا یہ کوئی اچھی صورت حال ہے کہ پورے اہل وعیال کی کفالت کا وعدہ وعہد کے باوجود والد ابی یوسف درسگاہ ابی حنیفہ میں تعلیم ابی یوسف کو جاری رکھنے کے روادار نہیں تھے؟ آخر کیا بات تھی جو اس معاملہ کا باعث تھی؟

رابعاً: مذکورہ بالا روایت سے اگرچہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ والد ابی یوسف مطلقاً تعلیمِ ابی یوسف پر پابندی کے لیے بضد تھے مگر مندرجہ ذیل روایت سے اس بات کی تعیین ہو جاتی ہے کہ والد ابی یوسف صرف درسگاہ ابی حنیفہ میں تعلیم ابی یوسف پر پابندی کے لیے بضد اور مصر تھے۔

علامہ صیمری ناقل ہیں:

"أخبرنا عمر بن محمد قال ثنا مكرم ثنا عبد الصمد بن عبيد الله عن علي بن حرملة التيمي عن أبي يوسف قال: كنت أطلب الحديث والفقه، وأنا مقل رث الحال، فجاء أبي يوما، وأنا عند أبي حنيفة فانصرفت معه، فقال: يا بني لا تمدن رجلك مع أبي حنيفة، فإن أبا حنيفة خبزه مشوي وأنت تحتاج إلى المعاش، فقصرت عن كثير من الطلب، وآثرت طاعة أبي فتفقدني أبو حنيفة، وسأل عني فجعلت أتعاهد مجلسه، فلما كان

[1] حسن التقاضي (ص: ٩) وتعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٣٩)

أول يوم أتيته بعد تأخري عنه، قال لي ما شغلك عنا؟ قلت: المعاش وطاعة والدي، وجلست فلما أردت الانصراف أومأ إلي فجلست، فلما انصرف الناس دفع إلي صرة، وقال: استمتع بهذه، فنظرت فإذا فيها مائة درهم، فقال: لي الزم الحلقة، وإذا نفدت هذه فأعلمني، فلزمت الحلقة فلما مضت مدة يسيرة دفع إلي مائة أخرى، ثم كان يتعاهدني، وما أعلمته بخلة قط، ولا أخبرته بنفاد شيء، وكان كأنه يخبر بنفادها حتى استغنيت وتمولت."[1]

''امام ابویوسف نے کہا کہ میں علم حدیث وفقہ حاصل کیا کرتا تھا، میں تنگ دست و پریشان حال رہا کرتا تھا، ایک دن میں امام صاحب کے پاس تھا کہ میرے والد مجھے بلانے آئے، میں والد کے ساتھ چلا گیا، والد نے کہا پیارے بیٹے! امام ابوحنیفہ کے ساتھ مت رہا کرو کیونکہ انھیں پکی پکائی روٹی ملا کرتی ہے مگر تمھیں روزی کی فکر کرنے کی ضرورت ہے، لہٰذا میں نے باپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے زیادہ علم حاصل کرنے میں کمی کردی، ادھر امام صاحب نے میری تلاش کی، میری بابت پوچھ گچھ کی (مجھے اپنی طرف امام صاحب کی اس توجہ کا علم ہوا تو) میں ان کی مجلس میں آنے لگا، امام صاحب کی مجلس میں حاضری میں توقف کے وقفہ کے بعد سب سے پہلے دن جب میں امام صاحب کے پاس آیا تو انھوں نے مجھ سے غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ میں نے کہا فکر معاش اور والد صاحب کا حکم آپ کی خدمت میں حاضری سے مانع ہوا، میں مجلسِ امام صاحب میں بیٹھ گیا، پھر میں نے جب مجلسِ امام صاحب سے اٹھنا چاہا تو امام صاحب نے اشارے سے مجھے روک لیا، سب لوگ چلے گئے تو امام صاحب نے مجھے روپے کی ایک تھیلی دے کر فرمایا کہ اس سے اپنا کام چلاؤ، میں نے دیکھا کہ تھیلی میں سو درہم تھے، امام صاحب نے مجھ سے کہا کہ میری درسگاہ میں آیا کرو اور جب رقمِ مذکور ختم ہو جائے تو مجھے بتانا، چنانچہ میں نے امام صاحب کے حکم پر عمل کیا، ابھی تھوڑے دن گزرے تھے کہ امام صاحب نے مجھے سو روپے کی دوسری تھیلی دی، پھر یہی سلسلہ چلتا رہا مجھے کبھی رقم ختم ہونے یا دوسری ضرورت کا ذکر امام صاحب سے کرنے کی نوبت نہیں آئی گویا امام صاحب خود میری ضرورت سے واقف ہو جاتے تھے حتی کہ میں مالدار آدمی بن گیا۔''

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ روایت مذکورہ کے مطابق امام ابویوسف نے اپنی طالب علمانہ زندگی کی یہ داستان بیان کی ہے کہ میں جس زمانہ میں حدیث وفقہ دونوں کا علم حاصل کر رہا تھا اس زمانہ میں میرے ساتھ یہ بات پیش آئی کہ ایک دن میں امام صاحب کے پاس تھا کہ میرے والد مجھے امام صاحب کے پاس سے اٹھا کر لے گئے اور کہا کہ امام ابوحنیفہ کے پاس مت رہا کرو، امام صاحب فارغ البال اور تم تنگ حال آدمی ہو تم فکر معاش کرو، لہٰذا میں نے والد صاحب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تحصیلِ علم میں زیادہ وقت صرف کرنے میں کمی کردی اور مجلس ابی حنیفہ میں حاضری بند کردی۔

اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ والد ابی یوسف نے صرف امام صاحب کی درسگاہ میں جانے سے امام ابویوسف کو روکتے

[1] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٩٢)

ہوئے کہا تھا کہ ان کی درسگاہ میں آنے کے بجائے تم فکر معاش میں وقت لگاؤ کیونکہ تم تنگ حال آدمی ہو، امام ابو یوسف بقول خویش والد صاحب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تحصیل علم میں زیادہ وقت صرف کرنے کے بجائے کم وقت صرف کرنے لگے، وہ اس طرح کہ درسگاہِ امام صاحب میں موصوف نے جانا بالکل بند کر دیا جس سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ بقول امام ابو یوسف والد ابی یوسف کے فرمان کا مطلب یہ نہیں تھا کہ موصوف حصولِ علم بالکل بند کر دیں بلکہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو وقت موصوف درسگاہِ ابی حنیفہ میں صرف کرتے ہیں وہ وقت درسگاہِ ابی حنیفہ میں صرف کرنے کے بجائے فکر معاش میں صرف کریں اور درسگاہِ ابی حنیفہ میں نہ پڑھیں، البتہ دوسری درسگاہوں میں اپنی تعلیم جاری رکھیں، چنانچہ امام ابو یوسف نے اپنے والد کے اس فرمان کا مطلب سمجھتے ہوئے اوراس کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے اوقاتِ تعلیم میں سے امام صاحب کی درسگاہ میں صرف ہونے والے وقت کو درسگاہِ امام صاحب میں صرف کرنے کے بجائے فکر معاش میں صرف کرنے لگے۔

ناظرین کرام بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ والد ابی یوسف نے حکمت عملی کے ذریعہ اپنے صاحب زادے امام ابو یوسف کو درسگاہِ ابی حنیفہ میں پڑھنے سے روکنے کی کوشش کی تھی اور وہ اپنے اس مقصد میں کچھ دنوں کے لیے کامیاب بھی رہے، امام ابو یوسف درسگاہِ ابی حنیفہ کو ترک کر کے دوسری درسگاہوں میں اپنی تعلیم جاری رکھنے کے ساتھ فکرِ معاش میں مصروف رہے، ادھر امام صاحب کو امام ابو یوسف کی یاد ستاتی رہی اور انھیں اپنے ایسے ہونہار وکارآمد شاگرد کی غیر حاضری کھلنے لگی، موصوف امام ابو یوسف کے بارے میں معلومات کرنے لگے کہ انھوں نے ہماری درسگاہ میں آنا کیوں بند کر دیا ہے؟ ظاہر ہے کہ امام صاحب کو یہ اطلاع دی گئی ہوگی کہ ان کو ان کے والد نے آپ کی درسگاہ میں یہ کہہ کر روک دیا ہے کہ درسگاہ ابی حنیفہ میں صرف ہونے والا وقت فکر معاش میں صرف کرو، آخر امام صاحب کی یادآوری کے سبب امام ابو یوسف امام صاحب کے پاس آئے اورامام صاحب کو براہِ راست امام ابو یوسف کی زبانی معلوم ہوا کہ میری درسگاہ میں صرف ہونے والا وقت موصوف حکمِ والد کی تعمیل میں فکر معاش میں صرف کرنے لگے ہیں، امام صاحب نے ایسے کارآمد شاگرد کے اس معاملہ کو اپنی حکمت عملی سے حل کر دیا اوراپنی درسگاہ میں ابو یوسف کے راستہ میں واقع شدہ رکاوٹ کو ختم کر دیا، یعنی والد ابی یوسف نے درسگاہ ابی حنیفہ میں ابو یوسف کو جانے سے روکنے کا جو عذر پیش کیا تھا وہ امام صاحب کی حکمت عملی کے سبب باقی نہیں رہ گیا اورابو یوسف کو امام صاحب کی طرف سے بھاری مالی امداد بھی اتنی زیادہ مقدار میں ملنے لگی کہ وہ خوش حال ومالدار بن گئے، امام ابو یوسف بہر حال درسگاہِ امام صاحب میں تعلیم کا شوق رکھتے تھے، ان کے والد صاحب کی طرف سے جس چیز کو بنیاد بنا کر درسگاہ ابی حنیفہ سے روکنے کی کوشش کی گئی تھی وہ بنیاد بھی منہدم کر دی گئی تھی، دریں صورت والد ابی یوسف کیا کر سکتے تھے؟

کئی افراد نے شہادت دی ہے کہ امام صاحب اپنے تلامذہ اوردوسروں پر بڑی کرم گستری اورفیاضی سے کام لیتے تھے، بعض روایات کے مطابق امام صاحب نے اپنی کرم گستری کو اپنے کامیاب فقیہ ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب بتلایا تھا، دونوں روایات کے مجموعہ سے مستخرج ہوتا ہے کہ والد ابی یوسف درسگاہ ابی حنیفہ میں تعلیم ابی یوسف پر راضی نہیں تھے۔

روایت مذکورہ کے بیان کنندہ امام ابو یوسف بذات خود معتبر نہیں ہیں مگر اس کا مفاد بہر حال یہ ہے کہ امام صاحب سے رابطہ وتعلق رکھنے سے ممانعت کرنے والوں میں والد ابی یوسف بھی تھے، نیز اس کا مفاد یہ ہے کہ درسگاہ امام صاحب میں پڑھنے سے

والد ابی یوسف نے جس زمانہ میں روکا تھا اس زمانہ میں ابو یوسف کی عمر اچھی خاصی تھی۔

صیمری نے روایت مذکورہ بواسطۂ عمر امام مکرم بن احمد سے نقل کی ہے، یہ واسطہ ایک رسمی واسطہ ہے ورنہ درحقیقت روایت مذکورہ مکرم کی کتاب مناقب ابی حنیفہ سے ماخوذ ہے جس کو امام دارقطنی نے مجموعۂ اکاذیب قرار دیا ہے۔ (کما مر) اور مکرم نے اسے عبدالصمد بن عبیداللہ نامی کسی راوی سے نقل کیا ہے جن کا حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکا، عبدالصمد نے روایت مذکورہ علی بن حرملہ تیمی سے نقل کی ہے جو امام ابو یوسف ومحمد کے شاگرد تھے اور امام محمد کے بعد قاضی القضاۃ مقرر کیے گئے تھے۔ طلحہ بن محمد بن جعفر معتزلی مجروح نے ان کے بارے میں کہا ہے:

”مقدم في العلم، حسن المعرفة، وقد حمل عنه علم كثير، وله حديث صالح وأخبار.“[1]

”موصوف علی بن حرملہ علم میں مقدم اور اچھی معرفت والے کثیر العلم تھے، ان کی حدیث صالح ہے۔“

طلحہ بذات خود غیر ثقہ ہیں ان کی یہ توصیف زیادہ مفید نہیں، پھر طلحہ نے موصوف کی توثیق نہیں کی ان کے علم وفضل کی تعریف کی ہے، اور ”حدیث صالح“ جس راوی کی بابت کہا جائے اس کی روایت بلا متابع غیر مقبول ہے، سب سے بڑی بات یہ کہ علی بن حرملہ تک پہنچنے والی روایت مذکورہ کی سند معتبر نہیں ہے، روایت مذکورہ کو حارثی کذاب نے اپنی خانہ ساز دوسری سند سے بھی بیان کیا ہے۔[2] اور حارثی کی جعلی سند کے رواۃ معروف ومتعین نہیں اس کا دارومدار بھی علی بن حرملہ پر ہے جن کا ثقہ ہونا ثابت نہیں، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسندوں سے مروی ہونے کے سبب اس میں اس لیے کچھ قوت آجاتی ہے کہ اس کی تائید معنوی طور پر اس سے پہلے والی روایت سے بھی ہوتی ہے لیکن مندرجہ ذیل روایت کا مضمون اس سے بالکل مختلف ہے، ملاحظہ ہو:

”قال الحسن بن أبي مالك: سمعت أبا يوسف يقول: جاء والدي إلى أبي حنيفة فقال: يا أبا حنيفة إن ولدي يختلف إليك، ويلزم مجلسك، ولا يأتى المنزل النهار والليل، وعلي عيال كثير وله أيضا عيال، ولا أصل إلى عيال وعياله، فقل له: حتى يختلف طرفي النهار إليك، ويجعل ما بينهما للسعي على عياله، فقال أبوحنيفة: دعه يا أبا إسحاق فإنه سيصير له نبأ إن شاء اللّٰه تعالى، فقال: لا يحل لك يا أبا حنيفة ذلك، فإني في جهد من عياله لست أصل إليهم فهم يضيعون، قال أبوحنيفة: فعل إن شاء اللّٰه، امض أنت فلما مضى أبي، وخلا المجلس دعاني أبو حنيفة فقال لي: يا يعقوب لك عيال، وأنت علٰى هذا الحال فلم تخبرني؟ فقلت: لم أستطع أن أخبرك، فقال: أنا أكفيك وعيالك فكان يدفع إلي الوقت بعد الوقت ما يكفيني وعيالي، ولزمت مجلسه حتى بلغت حاجتي، وفتح اللّٰه تعالى لي ببركته وحسن نيته ما فتح من العلم والمال فأحسن اللّٰه عني مكافأته وغفرله.“[3]

---

[1] خطيب (۱۱/ ۴۱۵) وجواهر المضية (۱/ ۳۵۵، ۳۵٦)
[2] موفق (۲/ ۲۱۱)
[3] رواه الحارثي، موفق (۲/ ۲۱٤) وعام كتب مناقب.

''حسن بن مالک نے کہا کہ میں نے ابو یوسف سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ میرے والد نے امام صاحب سے آ کر کہا کہ میرا لڑکا آپ کے پاس آ کر آپ کے یہاں پڑا رہتا ہے، دن رات کسی بھی وقت اپنے گھر نہیں آتا، میرے اہل وعیال بہت زیادہ ہیں اور ابو یوسف کے بھی اہل وعیال ہیں، میں تنہا اپنے اور اس کے اہل وعیال کی کفالت نہیں کر سکتا، آپ ابو یوسف سے کہیے کہ صرف صبح وشام آپ کے یہاں پڑھنے آئیں اور باقی اوقات بال بچوں کے لیے صرف کریں، امام صاحب نے والد ابی یوسف سے کہا کہ آپ ابو یوسف کو ان کی حالت پر چھوڑ دیجیے اِن شاء اللہ ان کا مستقبل شاندار ہوگا، والد ابی یوسف نے کہا اے ابوحنیفہ آپ کو ایسا کرنا جائز نہیں مجھے ان کے بال بچوں کی وجہ سے بہت پریشانی ہے میں ان کی خبر گیری نہیں کر سکوں گا نتیجہ یہ ہوگا یہ سب ضائع ہو جائیں گے، امام صاحب نے فرمایا کہ آپ گھر جائیے میں ان شاء اللہ تعالیٰ کچھ کروں گا، والد ابی یوسف چلے گئے تو امام صاحب نے ابو یوسف سے کہا کہ اس صورت حال سے تم نے مجھے باخبر کیوں نہیں کیا؟ ابو یوسف نے کہا مجھے اس کی ہمت نہیں ہوئی، امام صاحب نے فرمایا کہ تمھارے اہل وعیال کی کفالت میں کروں گا، چنانچہ امام صاحب مسلسل مجھے رقوم دیتے رہے جس سے میری کفالت ہوتی رہی، امام صاحب کی برکت وحسن نیت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے دولتِ علم سے نوازا اور مال سے بھی، اللہ تعالیٰ امام صاحب کو اچھا بدلہ دے اور انھیں معاف فرمائے۔''

روایت مذکورہ اپنے پہلے والی روایتوں سے مختلف ہے، اس کے سبب تمام روایات میں باہم تعارض واضطراب پیدا ہو گیا ہے، اس روایت کے اختراع کا سبب یہ ہے کہ اس کے پہلے والی روایات کے مضمون سے ظاہر ہونے والی اس بات کو دفع کیا جائے کہ والد ابی یوسف درسگاہِ امام صاحب میں کسی طرح بھی تعلیمِ ابی یوسف کے روادار نہیں تھے۔

ان روایتوں میں صاف کہا گیا ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہونے کے بالکل ابتدائی مرحلے میں ابو یوسف صاحب اہل وعیال تھے، اور اگر فرض کیا جائے کہ اس وقت ان کی عمر بیس سال ہی تھی تو لازم آتا ہے کہ ابو یوسف ۱۳۳ھ میں درسگاہ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے جبکہ مصنف انوار کا دعوی ہے کہ وہ تاسیس مجلس تدوین کے وقت فقیہ ومحدث کی حیثیت سے رکن منتخب کیے گئے تھے اور یہ مجلس ۱۲۰ھ یا اس سے بھی پہلے قائم تھی۔ ان تینوں روایتوں (یعنی علی بن حرملہ وحسن بن ابی مالک وحمانی کی روایتوں) کو کوثری نے صحیح قرار دے دیا ہے حالانکہ حسن بن ابی مالک کی سند میں محمد بن شجاع جیسا کذاب ووضاع جہمی اور غیر ثقہ آدمی موجود ہے۔[1]

مگر چونکہ کوثری بھی جہمی ہیں، اس لیے انھیں ابن شجاع جہمی کی روایت کی تصحیح میں کوئی قباحت نہیں محسوس ہوئی، اسی طرح اس روایت کا ناقل حارثی جیسا مشہور عالم کذاب بھی ہے مگر کوثری نے اس کے باوجود اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، اور علی بن حرملہ والی روایت کا حال یہ ہے کہ اس کو موفق معتزلی ورافضی اور خطیب نے نقل کیا ہے۔[2] اور علی بن حرملہ کا ترجمہ خطیب (۱۱/ ۱۱۵) وجواہر المضیہ (۱/ ۳۵۵، ۳۵۶) میں موجود ہے مگر ان کے ثقہ ومعتبر ہونے کی تصریح نہیں کی گئی، صرف ایک مجروح وغیر ثقہ معتزلی شخص یعنی طلحہ بن محمد بن جعفر سے منقول ہے کہ ''علي بن حرمله مقدم في العلم حسن المعرفة، وقد حمل

---

[1] ملاحظہ ہو: اللآلئ المصنوعة، كتاب التوحيد (ص: ۲، ۳) وميزان الاعتدال (۳/ ۷۱، ۷۲)

[2] خطيب (۱٤/ ۲٤٤) وموفق (۲/ ۲۱۱، ۲۱۲)

عنه العلم كثير، وله حديث صالح وأخبار إلخ" مگر ظاہر ہے کہ کسی غیر ثقہ معتزلی کے اس بیان سے ابن حرملہ کو ثقہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

موفق کی کتاب میں علی بن حرملہ سے یہ روایت حارثی کذاب سے منقول ہے اور حارثی کذاب کی فٹ کردہ سند میں کئی مجہول رواۃ ہیں، نیز خطیب کی سند میں مکرم بن احمد ہیں جن کی بابت بتلایا جا چکا ہے کہ ان کی کتاب مناقب ابی حنیفہ مکمل طور پر مکذوب ہے، اس مکذوب کتاب میں اس روایت کی سند میں مکرم کا استاد عبدالصمد بن عبیداللہ کو ظاہر کیا گیا ہے جو مجہول ہے، مزید آں کہ ان روایات میں باہم تعارض واضطراب ہے اور ''حدیث صالح'' کا لفظ خود اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے، ہم اوپر امام ابن سعد کا وہ بیان نقل کر آئے ہیں کہ ابو یوسف ابتدا میں اہلحدیث تھے مگر بعد میں انھوں نے مذہب اہل الرای قبول کر لیا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان ساری روایات کا دارومدار امام ابو یوسف پر ہے جو غیر ثقہ ہیں۔

درسگاہِ ابی حنیفہ میں ابو یوسف کے پڑھنے پر والدۂ ابی یوسف کا اعتراض:

مذکورہ بالا روایات کے بالکل خلاف ومعارض ایک روایت اس طرح منقول ہے:

"قال الحافظ الخطيب البغدادي: أخبرني الحسن بن أبي بكر قال: ذكر محمد بن الحسن بن زياد النقاش أن محمد بن عبد الرحمن السامي أخبرهم بهراة قال: أخبرنا علي بن الجعد أخبرني يعقوب بن إبراهيم أبو يوسف القاضي قال: توفي أبي إبراهيم بن حبيب، وخلفني صغيرا في حجر أمي، فأسلمتني إلى قصار أخدمه، فكنت أدع القصار، وأمر إلى حلقة أبي حنيفة، فأجلس أستمع، فكانت أمي تجيء خلفي إلى الحلقة، فتأخذ بيدي وتذهب بي إلى القصار وكان أبوحنيفة يعني بي لما يرى من حضوري وحرصي على التعلم، فلما كثر ذلك على أمي وطال عليها هربي قالت لأبي حنيفة: ما لهذا الصبي فساد غيرك، هذا صبي يتيم لا شيء له، وإنما أطعمه من مغزلي، وآمل أن يكتب دانقا يعدو به على نفسه، فقال لها أبوحنيفة: مري يا رعناء هذا هو ذا يتعلم أكل الفالوذج بدهن الفستق فانصرفت عنه، وقالت له: أنت شيخ قد خرفت وذهب عقلك، ثم لزمته فنفعني الله بالعلم، ورفعني حتى تقلدت القضاء، وكنت أجالس الرشيد و آكل معه على مائدته، فلما كان في بعض الأيام قدم إلى هارون فالوذجة، فقال لي يا يعقوب كل منه فليس كل يوم يعمل لنا مثله، فقلت: وما هذا يا أمير المؤمنين؟ فقال هذه فالوذجة بدهن الفستق فضحكت، فقال لي: مما ضحكت؟ فقلت: خيرا أبقىٰ الله أمير المؤمنين، قال: لتخبرني، وألح علي فجرته القصة من أولها إلى آخرها، فعجب من ذلك، وقال: لعمري إن العلم ليرفع وينفع دنيا ودينا وترحم على أبي حنيفة، وقال: كان ينظر بعين عقله مالا يراه بعين رأسه."[1]

[1] خطيب (١٤/ ٢٤٤، ٢٤٥) وموفق (٢/ ٢١٢، ٢١٣) وكردرى.

''علی بن جعد نے کہا کہ مجھے ابو یوسف نے بتایا کہ میرے والد ابراہیم بن حبیب مجھ کو میری ماں کے گود میں چھوٹا سا بچہ چھوڑ کر انتقال کر گئے، میری والدہ نے مجھے ایک دھوبی کے حوالے کر دیا تا کہ میں اس کی نوکری کروں لیکن میں دھوبی کا کام چھوڑ کر درسگاہِ ابی حنیفہ میں بیٹھ کر سماعِ علم کرتا تھا، میری والدہ میرے پیچھے پیچھے درسگاہ ابی حنیفہ تک آتیں اور میرا ہاتھ پکڑ کر دھوبی کے یہاں پہنچا دیتی، ادھر امام صاحب میری حاضر باشی اور حرصِ علم کو دیکھ کر میری طرف نظر توجہ رکھا کرتے تھے، جب میری والدہ کے ساتھ میرا یہ طرز عمل اور کام سے فرار بہت لمبا اور زیادہ ہو گیا تو انھوں نے امام صاحب کو خطاب کر کے کہا کہ اس بچے کو آپ کے علاوہ کوئی دوسرا خراب نہیں کر رہا، یہ یتیم بچہ ہے اور بالکل تہی دست بھی، میں چرخہ چلا کر اسے کھلاتی ہوں اور چاہتی ہوں کہ کچھ مال یہ بھی مزدوری کر کے حاصل کرے جو اس پر خرچ کیا جا سکے، امام صاحب نے فرمایا کہ بھولی بھالی خاتون تم تشریف لے جاؤ وہ روغن پستہ کے ساتھ فالودہ کھانے کا علم سیکھ رہے ہیں، میری والدہ یہ کہہ کر واپس ہو گئیں کہ ابوحنیفہ تم بوڑھے ہو کر سٹھیا گئے ہو اور تمہاری عقل ماری گئی ہے، پھر میں امام صاحب کی خدمت سے وابستہ رہا، اللہ نے مجھے علم کی بدولت نفع بخشا اور بلند مرتبہ دیا حتی کہ میں قاضی بنا، میں ہارون رشید کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا، اس کے ساتھ اس کے دسترخوان پر کھاتا ایک دن فالودہ پیش کرتے ہوئے ہارون نے کہا کہ اس میں سے بھی کھایئے یہ روزانہ نہیں بنتا، میں نے کہا کہ یہ کیا چیز ہے؟ ہارون نے کہا کہ روغن پستہ سے بنا ہوا فالودہ ہے، میں یہ سن کر ہنس پڑا، ہارون نے ہنسی کا سبب پوچھا میں نے اول سے آخر تک اپنی داستان حیات سنا دی، جس سے ہارون متعجب ہوا اور بولا کہ علم بلند درجہ دلاتا اور دین ودنیا میں نفع پہنچاتا ہے، پھر ہارون نے امام صاحب پر دعائے رحمت کی اور کہا کہ موصوف امام صاحب اپنی نگاہِ عقل سے وہ چیزیں دیکھ لیتے تھے جو آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔''

ناظرین کرام روایت مذکورہ کو بغور ملاحظہ فرمائیں اس میں درج شدہ داستان حیرت انگیز ہے اور پہلی والی داستانوں سے مختلف بھی، امام ابو یوسف کے علاوہ اس کی سند کے سبھی رواۃ ثقہ ہیں، امام ابو یوسف سے روایت مذکورہ کے راوی امام ابوالحسن علی بن جعد بن عبید جوہری بغدادی (مولود ۱۳۳/۱۳۴ھ ومتوفی ۲۳۰ھ) صاحبِ تصنیف ثقہ ہیں۔[1] مصنف انوار نے بھی انہیں ثقہ تسلیم کیا ہے۔[2] جوہری سے روایت مذکورہ کے ناقل حافظ ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن سامی ہروی (متوفی ۳۰۱ھ) ثقہ ہیں۔[3] موصوف مختلف کتابوں کے مصنف ہیں۔[4]

یہ مستبعد نہیں کہ روایت مذکورہ موصوف کی کسی کتاب سے ماخوذ ہو، موصوف حافظ سامی ہروی سے روایت مذکورہ حافظ ابوبکر محمد بن حسن زیاد مقری نقاش (متوفی ۳۵۷ھ) نے نقل کی جو ثقہ ہیں۔ (کمامر) اور حافظ نقاش سے روایت مذکورہ کے ناقل حافظ حسن بن ابی بکر احمد بن ابراہیم بن حسن بن حرب بن مہران ابوعلی فارسی (مولود ۳۳۹ھ ومتوفی ۴۲۶ھ) ثقہ ہیں۔[5] حافظ ابوعلی

---

[1] خطيب (١١/ ٢٦٠ تا ٣٦٦) وتهذيب التهذيب (٧/ ٢٨٩ تا ٢٩٣) وهدي الساري مقدمه فتح الباري (٢/ ١٩٧)

[2] مقدمه انوار (١/ ٢٣٢) وجواهر المضية (١/ ٢٥٥) [3] سير أعلام النبلاء للذهبي.

[4] معجم المصنفين للكحاله. [5] خطيب (٧/ ٢٧٩، ٢٨٠)

فارسی سے روایت مذکورہ کے ناقل حافظ خطیب ہیں، جس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ روایت مذکورہ صحیح ومعتبر ہے، اس لیے اس کی کوئی بات اگر خلاف واقع اور غلط ہے تو اس کے ذمے دار امام ابو یوسف ہیں۔

روایت مذکورہ میں صراحت ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں پڑھنے کے زمانے میں ابو یوسف کی بابت والدۂ ابی یوسف کی زبان سے "صبي يتيم" کا لفظ استعمال کیا گیا جو عام طور سے نابالغ بچے کے لیے بولا جاتا ہے، علاماتِ بلوغ نہ ظاہر ہونے کی صورت میں پندرہ سال کی عمر میں بالغ کا حکم لگا دیا جاتا ہے ورنہ اس سے پہلے آدمی بالغ ہوسکتا ہے، بدعویٔ مصنف انوار وبتصریح کتب مناقب ابی حنیفہ امام صاحب ۱۲۰ھ میں مسند درس پر بیٹھے جس کا لازمی مطلب ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں امام ابو یوسف ۱۲۰ھ میں یا اس کے بعد داخل ہوئے اور ۱۲۰ھ میں بدعوی مصنف انوار وکوثری امام ابو یوسف کی عمر ستائیس سال تھی کیونکہ ان حضرات کا دعوی ہے کہ ولادت ابی یوسف ۹۳ھ میں ہوئی، اس کا حاصل یہ ہوا کہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہونے کے وقت امام ابو یوسف ستائیس سال یا اس سے بھی زیادہ عمر والے ہو گئے تھے۔ دریں صورت زیر نظر روایت کو صحیح تسلیم کرنے والے شخص کو یہ ماننا لازم ہوگا کہ امام ابو یوسف ستائیس سال یا اس سے بھی زیادہ عمر کو پہنچ جانے کے باوجود نابالغ تھے۔

ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار نے روایت مذکورہ کو صحیح ومعتبر کہہ کر نقل کیا ہے، وہ اس طرح کہ ان کا دعویٰ ہے کہ انوار الباری میں صرف صحیح ومعتبر باتیں مندرج ہیں لیکن مصنف انوار کے چالاک استاذ کوثری اس معاملہ کو بھانپ گئے تھے، اس لیے حسب عادت انھوں نے اس روایت کو ساقط الاعتبار کہا مگر اس کے ساقط الاعتبار ہونے کا سبب یہ نہیں بتلایا کہ اس کی سند میں امام ابو یوسف ہیں جن کو امام صاحب اور دوسرے ائمہ نے کذاب کہا ہے بلکہ بلا وجہ موصوف نے ثقہ رواۃ نقاش وغیرہ کو ضعیف قرار دیا، چونکہ ائمہ کرام کی صراحت سے ثابت ہے کہ سماع حدیث کے بعد موصوف ابو یوسف درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے تھے مگر روایت مذکورہ کے سیاق سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہونے سے پہلے امام ابو یوسف کسی دھوبی کے یہاں ملازم تھے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ روایت مذکورہ کے مطابق درسگاہِ ابی حنیفہ میں پڑھتے وقت موصوف نابالغ بچے تھے، یعنی موصوف کی عمر پندرہ سال سے بہرحال کم تھی، اس صورت میں اگر فرض کیجیے کہ امام ابو یوسف بارہ تیرہ سال کی عمر میں داخل درسگاہِ ابی حنیفہ ہوئے تو لازم آئے گا کہ موصوف ۱۲۵/ ۱۲۶ھ میں درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے۔

ظاہر ہے کہ یہ بات کوثری اور ارکان تحریک کوثری کے بہت سارے مزاعم کے خلاف ہے، اس لیے کوثری نے چالاکی سے کام لے کر روایت مذکورہ کو ساقط الاعتبار کہنے میں عافیت محسوس کی مگر مصنف انوار حسب عادت ناقابل رہائی دلدل میں پھنس گئے لیکن سوال یہ ہے کہ روایت مذکورہ کو ساقط اور اس کے بالمقابل روایت کو صحیح ماننا، جبکہ صحیح قرار دی ہوئی اس روایت میں ساقط قرار دی ہوئی روایت سے کہیں زیادہ علل قادحہ موجود ہیں، کون سی دیانت داری ہے؟

البتہ تاویل کے ذریعے اس روایت کو مکذوبہ قرار دیے جانے سے بچایا جا سکتا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ والدۂ ابی یوسف درسگاہِ ابی حنیفہ میں تعلیمِ ابی یوسف پر معترض ہوئی تھیں، یہ معلوم ہے کہ تاویل کا مطلب ہی یہ ہے کہ کسی عبارت سے مستفاد ہونے والے ظاہری معنی کے بجائے قرائن کی بنیاد پر دوسرا معنی بتلایا جائے، یہ مان لیا جائے کہ والد ابی یوسف ابراہیم بن حبیب والدہ ابی یوسف کی سرپرستی میں ابو یوسف کو اس وقت چھوڑ کر انتقال کر گئے جبکہ موصوف ابو یوسف واقعی صغیر بمعنی چھوٹے سے

نابالغ بچے تھے۔ والدۂ ابو یوسف اپنے یتیم بچے ابو یوسف کی پرورش وسرپرستی کرتی رہیں، رواج کے مطابق امام ابو یوسف والدہ کی سرپرستی میں محدثین کی درسگاہوں میں تعلیم پاتے رہے، ۱۴۲/۱۴۳ھ میں امام ابو یوسف کی والدہ نے حالات سے مجبور ہو کر ابو یوسف کو دھوبی کے یہاں کام پر لگا دیا تاکہ کچھ آمدنی ہوا کرے مگر امام ابو یوسف کو اسی زمانے میں درسگاہِ ابی حنیفہ کی حاضری کا اتنا شدید شوق پیدا ہونے لگا کہ وہ دھوبی کے یہاں کام میں کوتاہی کرنے لگے اور درسگاہِ ابی حنیفہ میں آنے جانے لگے، والدۂ ابی یوسف کو اس صورت حال کی خبر ہوئی تو ابتدا میں دو چار مرتبہ انھوں نے درسگاہِ ابی حنیفہ سے ابو یوسف کا ہاتھ پکڑ کر دھوبی کے یہاں پہنچا دیا مگر جب ابو یوسف مسلسل اپنی روش پر قائم رہے تو والدۂ ابی یوسف نے امام صاحب کے خلاف شور وشغب مچایا، اس وقت اگرچہ ابو یوسف کی عمر انتیس تیس سال تھی، پھر بھی بچپن میں یتیم ہو جانے والے بچے کو بالغ ہونے کے بعد بھی مجازاً یتیم کہا جا سکتا ہے۔[1] اس طرح سے بوڑھی ماں کا اپنے نوعمر بالغ بچے کو صبی کہہ دینا مستبعد نہیں ہے، اپنی اولاد کو بچوں کے لفظ سے تعبیر کر دینا اگرچہ اولاد بالغ ہو چکی ہو مستبعد نہیں ہے۔

دریں صورت روایت مذکورہ کے جملہ "توفي أبي إبراهيم، وخلفني صغيرا في حجر أمي فأسلمتني إلى قصار" کا مطلب یہ ہوگا کہ والد ابی یوسف کی وفات اور دھوبی کے ہاں ابو یوسف کو نوکر بنانے کے درمیان اچھے خاصے وقفہ کا ذکر اور اس وقفہ کے درمیان محدثین کی درسگاہوں میں ابو یوسف کے پڑھنے کا ذکر حذف ہو گیا ہے اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ کسی لمبی بات کو بیان کرتے وقت آدمی اس کے بعض اجزاء کو حذف کر دیا کرتا ہے، یہ بھی مستبعد نہیں کہ والد ابی یوسف کے انتقال کے بعد والدۂ ابی یوسف نے کسی دوسرے آدمی مثلاً ابو یوسف کے چچا سے شادی کر لی ہو اور امام ابو یوسف اپنی والدہ کے انھیں شوہر یعنی سوتیلے باپ یا چچا کو باپ کہا کرتے ہوں بلکہ چچا اگر والدہ کا شوہر نہ بھی ہو تو اسے باپ کہنے کا رواج پایا جاتا ہے، بحیرہ راہب والی مشہور حدیث میں مذکور ہے کہ ابوطالب نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کا باپ کہا تھا، حالانکہ ابوطالب رسول اللہ ﷺ کے صرف چچا تھے سوتیلے باپ نہیں تھے، بہت سے مفسرین نے لکھا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم کے باپ نہیں بلکہ چچا تھے اور قرآن مجید میں موصوف کو جو حضرت ابراہیم کا باپ کہا گیا ہے وہ اسی رواج کے مطابق کہا گیا ہے، اس لیے عین ممکن ہے کہ ابو یوسف کے حقیقی باپ کے انتقال کے بعد ابو یوسف کی سرپرستی کرنے والے سوتیلے باپ یا چچا کو ان روایات میں مجازاً باپ کہا گیا ہو جن کا مفاد یہ ہے کہ والد ابی یوسف نے درسگاہِ ابی حنیفہ میں تعلیم ابی یوسف پر اعتراض کیا تھا گویا کہ امام ابو یوسف کی والدہ اور موصوف سوتیلے باپ یا چچا دونوں نے یکے بعد دیگرے درسگاہ ابی حنیفہ میں تعلیم ابی یوسف پر اعتراض کیا تھا۔

نیز بعض روایات کے مطابق زوجۂ ابی یوسف نے بھی درسگاہ ابی حنیفہ میں پڑھنے کے سبب بال بچوں سے بے اعتنائی برتنے کا شکوہ کیا تھا، تاویل مذکور کی صورت میں یہ روایت بھی مردود ہونے سے بچائی جا سکتی ہے، ان ساری روایات کو مردود ہونے سے بچانے کے لیے تاویل مذکور کو گوارا کیا جا سکتا ہے، یہ کہنا کہ یتیم ہونے کے بعد نابالغ ہونے کے زمانے سے درسگاہ ابی حنیفہ میں امام ابو یوسف پڑھنے لگے تھے اور اس وقت سے لے کر بال بچوں والے ہونے کے زمانے تک درسگاہ ابی حنیفہ میں پڑھتے رہے تھے کہ ان کی والدہ اور سوتیلے باپ یا چچا نے انھیں کام میں لگا دیا اور کام کے وقت کو درسگاہِ ابی حنیفہ میں صرف

---

[1] مجمع بحار الأنوار (٣/ ٤٩٨، ٣٩٩)

کرنے کے سبب ان دونوں کو اعتراض پیدا ہوا، اس لیے صحیح نہیں ہے کہ گزشتہ تفصیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایک زمانے تک محدثین کی درسگاہوں میں پڑھنے کے بعد امام ابو یوسف درسگاہِ ابی حنیفہ میں امام ابوحنیفہ کی زندگی کے اواخر میں یعنی ۱۴۲ھ میں یا اس کے بعد داخل ہو کر پڑھنے لگے تھے، یہ بالکل مستبعد بات نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی درسگاہ میں تعلیم ابی یوسف پر معترض ہونے والی والدۂ ابی یوسف سے رخنہ اندازی ختم کرانے کے لیے کہہ دیا ہو کہ ابو یوسف کی جس تعلیم میں رخنہ ڈال رہی ہو اس تعلیم کی بدولت موصوف کو فالودہ مذکورہ کھانے کو ملے گا اور خود امام صاحب کے ذہن میں یہ بات کہتے وقت یہ ارادہ رہا ہو کہ میں ابو یوسف کے کھانے کے لیے فالودہ مذکورہ کا انتظام کر دوں گا، یا یہ کہ امام صاحب نے سوچا ہو کہ تعلیم جاری رکھنے کے لیے ابو یوسف کو اتنی مالی معاونت میں دوں گا کہ وہ فالودہ مذکورہ کھا سکیں، پھر حسن اتفاق سے زمانہ قضا میں ابو یوسف کو فالودہ کھانے کو ہارون کے یہاں ملا تو اسے موصوف نے امام صاحب کی پیشگوئی پر محمول کر لیا یا یہ کہ فی الواقع فالودہ کے بارے میں اپنی فراست واندازے سے جو پیش گوئی امام صاحب نے کی تھی وہ مستقبل میں درست ثابت ہوئی۔هذا ما عندي والله أعلم بالصواب.

درسگاہِ ابی حنیفہ میں تعلیم ابی یوسف پر والدۂ ابی یوسف کے معترض ہونے کے مضمون پر مشتمل ایک روایت کردری نے اس طرح نقل کی ہے:

''امام ابو یوسف نے کہا کہ مجھے میری ماں نے ایک کام میں لگا دیا تھا، میں والدہ کے حکم سے روزانہ کام کرنے صبح وشام جایا کرتا اور مزدوری کے پیسے لایا کرتا تھا، ایک مرتبہ میں امام ابوحنیفہ کی درسگاہ سے گزرا تو اس میں پڑھنے کے لیے داخل ہو گیا، جب ایک ماہ پڑھتے ہوئے گزر گئے اور میں نے اس عرصہ میں اپنی ماں کو مزدوری کے پیسے نہیں دیے تو میری ماں مجھے لے کر آدمی کے پاس گئیں جن کے یہاں مجھے نوکر رکھوایا تھا اور انھیں برا بھلا کہنے لگیں کہ پیسے کیوں نہیں دیتے، میرے مالک نے کہا کہ یہ لڑکا میرے یہاں ایک ماہ سے نہیں آتا، میری ماں نے مجھے اس کی سزا میں مقید ومحبوس کر دیا اور زدوکوب بھی کیا، ادھر امام ابوحنیفہ کو میری تلاش ہوئی اور مجھ سے ان کی ملاقات ہو گئی، انھوں نے درس سے غیر حاضری کا سبب پوچھا تو میں نے سارا قصہ کہہ سنایا، امام صاحب نے مجھے پچاس دینار دیے اور فرمایا کہ یہ دینار تم اپنی ماں کو دے دو کہ ایک مہینہ کی اجرت یہ ہوئی، ماں اس بات سے خوش ہوئیں اور فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے یہاں رہ پڑو ان کے یہاں جانے کی برکت ہم پر جلد ہی نمایاں ہونے لگی ہے۔''[1]

روایت مذکورہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ والدہ ابی یوسف کو درسگاہِ ابی حنیفہ میں تعلیم ابی حنیفہ پر اعتراض ہوا تھا، ان روایتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مصنف انوار نے کہا:

''ایک روایت میں ہے کہ والد نے کچھ نہ کہا (یعنی درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہو کر پڑھنے کے سبب) تو والدہ درسگاہ سے اٹھا لے جاتی تھیں، امام صاحب نے ایک دن کہا نیک بخت جا یہ علم پڑھ کر فالودہ روغن پستہ کے ساتھ کھائے گا، وہ سن کر بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں، جب قاضی القضاۃ ہوئے تو ایک بار خلیفہ ہارون الرشید کے دسترخوان

---

[1] مناقب أبي حنيفة للكردري (٤/ ١٢٢)

پر فالودہ مذکور پیش ہوا، خلیفہ نے کہا یہ کھاؤ، یہ روز روز تیار نہیں ہوتا، پوچھا یہ کیا ہے؟ خلیفہ نے کہا فالودہ اور روغن پستہ، اس پر امام ابو یوسف مسکرائے، خلیفہ نے باصرار سبب پوچھا تو انھوں نے امام صاحب کا مندرجہ بالا واقعہ سنایا، خلیفہ کو سن کر حیرت ہوئی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ابو حنیفہ پر رحم فرمائے وہ عقل کی آنکھ سے وہ کچھ دیکھ لیتے تھے جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔"[1]

أولاً: ہم کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ میں واقع شدہ راوی محمد بن حسن بن زیاد نقاش کو مصنف انوار نے تقلید کوثری میں کذاب کہا ہے پھر اس کذاب کی روایت کو موصوف نے کیونکر حجت بنایا؟

ثانیاً: روایت مذکورہ سے مستفاد ہونے والی اس بات کا مصنف انوار کے پاس کیا جواب ہے کہ ۱۲۰ھ یا اس کے زمانہ بعد مسند نشین درس ہونے والے امام صاحب کی درسگاہ میں پڑھنے کے لیے امام ابو یوسف جب گئے یعنی ۱۲۰ھ کے بعد تو اس وقت عمر ابی یوسف ستائیس سال سے بہرحال زیادہ ہو چکی تھی، اس کے باوجود والدۂ ابی یوسف نے امام ابو یوسف کو "صبي يتيم" کہا جس کا ظاہری مفاد ہے کہ اس وقت امام ابو یوسف کی عمر پندرہ سال سے کم تھی، اگر مصنف انوار اور ارکان تحریک کوثری اس سلسلے میں وہی تاویل کریں جو ہم کر آئے ہیں کہ بڑی عمر کا ہونے کے باوجود مجازاً ابو یوسف کو صبی یتیم کہہ دیا گیا تھا تو بھی یہ ماننا لازم ہے کہ اوّلاً درسگاہ ابی حنیفہ میں ابو یوسف ۱۲۰ھ میں داخل ہونے کے بعد کچھ دنوں تک زیر تعلیم رہ کر مجتہد بن کر چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن بنائے جانے کے لائق ہوئے۔ ثانیاً: مصنف انوار کے اپنے بیانات نیز جن کتبِ مناقب کی روایات کو نصوص کی طرح مصنف انوار حجت بناتے ہیں ان کے بیانات سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب ۱۳۰ھ سے لے کر ۱۳۶ھ تک بلکہ اس کے زمانہ بعد تک کوفہ سے باہر زندگی گزارتے رہے، نیز یہ کہ مسند نشین درس ہونے کے بعد ایک سوال کے جواب سے اپنے آپ کو عاجز پا کر امام صاحب دس سال خانہ نشین رہے، اس سلسلے میں مصنف انوار کیا فرماتے ہیں؟

مصنف انوار کی مندرجہ بالا مستدل روایت میں والدۂ ابی یوسف کا یہ قول امام صاحب کی بابت منقول ہے:

"أنت شيخ مجنون قد خرفت وذهب عقلك."[2] "تم پاگل کھوسٹ اور بےعقل بوڑھے ہو۔"

مصنف انوار نے معلوم نہیں کیوں اپنی مستدل روایت کا یہ جملہ نقل نہیں کیا مگر مصنف انوار کے استاذ کوثری نے بطور استدلال یہ روایت ضرور نقل کی ہے کہ امام ابو یوسف اور جملہ اراکین مجلس تدوین وتلامذۂ امام صاحب نے امام صاحب کی بابت کہا:

" بلدتك الغربة وذهب عقلك."[3]

"آپ بلید و کند ذہن ہو چکے ہیں اور آپ کی عقل جاتی رہی ہے۔" (نعوذ باللہ)

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٧٤) [2] موفق (٢/ ٢١٢) و خطيب (١٤/ ٢٤٤)

[3] حسن التقاضي (ص: ٦١، ٦٢)

ہم کو صرف یہ دکھلانا ہے کہ مصنف انوار نے اپنی مستدل روایات میں کاٹ چھانٹ، حذف واسقاط اور تحریف سے بہت زیادہ کام لیا ہے، والدۂ ابی یوسف والی روایت عجیب پیچیدہ معانی کی حامل ہے، ایک طرف اس میں کہا گیا ہے کہ جس وقت وہ مجلس ابی حنیفہ میں آئی تھیں اس وقت ابو یوسف یتیم بچے تھے، یعنی ان کی عمر پندرہ سال سے بہرحال کم تھی جس کا مفاد یہ ہے کہ یہ واقعہ ۱۲۸ھ سے پہلے پہلے پیش آیا، دوسری طرف اس کا مفاد یہ بھی ہے کہ جس وقت وہ امام صاحب سے ہم کلام ہوئی تھیں اس وقت امام صاحب اس قدر بوڑھے ہو گئے تھے کہ انھیں ''شیخ قد خرفت''یعنی کھوسٹ بوڑھا کہا جا سکتا تھا، حالانکہ بقول صحیح اس وقت امام صاحب کی عمر اڑتالیس سال سے بھی کم تھی اور بقول مصنف انوار اٹھاون سال سے کم تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر میں اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوسکتا اور مصنف انوار کے دعوی کے مطابق اس وقت ابو یوسف کی عمر یتیمی کی عمر سے بہرحال گزر چکی تھی۔

اگر مصنف انوار کہیں کہ بعض روایات میں یہ مذکور نہیں کہ والد ابی یوسف جس وقت مجلس ابی حنیفہ میں آئے اس وقت انھوں نے ابو یوسف کو صاحب عیال بتلایا تو ہم کہیں گے کہ آپ صرف اسی روایت کو کیوں حجت بنانا چاہتے ہیں جس میں اس کا ذکر نہیں ہے ان روایات میں کسی کو ترجیح دینے کی معقول وجہ بھی بتلایئے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابو یوسف کے درسگاہ ابی حنیفہ میں پڑھنے کا شکوہ زوجہ ابی یوسف نے امام صاحب سے کیا تھا جیسا کہ روایتِ ذیل میں ہے۔

درسگاہِ ابی حنیفہ میں تعلیم ابی یوسف پر زوجۂ ابی یوسف کا شکوہ:

کتب مناقب میں ایک طویل روایت منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں تعلیم ابی یوسف پر زوجۂ ابی یوسف نے شکایت کرتے ہوئے امام صاحب سے کہا:

''میرے شوہر رات دن آپ کے یہاں پڑے رہتے ہیں، ہمارے پاس دن میں آتے ہیں نہ رات میں، کئی کئی دن گھر سے غائب رہتے ہیں نہ ہم کو خرچہ دیتے ہیں نہ ہماری دیکھ بھال کرتے ہیں۔''[1]

مصنف انوار نے مذکورہ بالا روایت کو بھی دلیل نہیں بنایا اور دلیل بنایا تو والدۂ ابی یوسف والی اس روایت کو جس کے بارے میں ان کے استاذ کوثری نے کہا:

''اس کی سند میں محمد بن حسن بن زیاد النقاش المقری صاحب تفسیر شفاء الصدور کذاب مشہور ہے، اور اس روایت میں جو یہ افسانہ بیان کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ابو یوسف کو مستقبل میں فالودہ کھانے کی پیشین گوئی کی وہ بے اصل ہے۔''[2]

مگر مصنف انوار نے استاذ کوثری کے اس بیان کا کوئی خیال نہیں کیا اور والدۂ ابی یوسف والی روایت کو بھی تحقیق کے نام پر اس طرح کانٹ چھانٹ کر پیش کیا کہ دیکھنے والوں کے ذہن ودماغ میں یہ بات نہ آسکے کہ اس روایت میں ابو یوسف کو یتیم بچہ کہا گیا ہے، اور ابو یوسف کی والدہ کی زبانی امام صاحب کو مجنون، کھوسٹ، حواس باختہ بڈھا قرار دیا گیا ہے، البتہ اس بات کو

[1] موفق (۲/ ۲۱۵) وغیرہ.

[2] حسن التقاضي (ص: ۹) وتعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة وصاحبيه للذهبي (ص: ۳۹)

نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ابو یوسف کے حق میں امام ابوحنیفہ کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور خلیفہ ہارون رشید نے فراست نعمانی کی داد دیتے ہوئے کہا کہ ابوحنیفہ اپنی عقل کی آنکھوں سے وہ چیزیں دیکھ لیتے تھے جو دوسرے نہیں دیکھ سکتے، حالانکہ مصنف انوار کے استاذ کوثری اسے بے اصل بتلا چکے ہیں، اور لطف کی بات یہ ہے کہ روایت مذکورہ کے راوی نقاش مقری کو مصنف انوار بھی کذاب قرار دے چکے ہیں۔[1] مگر اس کذاب کی جو روایت مصنف انوار کو پسند آگئی وہ صحیح و معتبر ہوکر اس چیز کی دلیل بن گئی کہ ہارون رشید فراست ابی حنیفہ کا معترف تھا لیکن ایک روایت میں ہے کہ ایک موقع پر ابو یوسف نے امام صاحب کا قول معرض استدلال میں پیش کیا تو ہارون نے کہا۔ "خاك بسر"[2] یعنی تمھارے سر پر خاک پڑے، نیز ارشاد الاریب کے ترجمۂ ابی اسحاق فزاری میں منقول ہے کہ امام فزاری نے ابو یوسف کی موجودگی میں امام صاحب پر سخت نقد ونظر کیا جس کو ہارون نے بنظر قبول سنا۔ (کمامر) اس سے صاف اور واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہارون فراستِ امام صاحب کا معترف ہونے کے بجائے منکر تھا، نقاش از روئے تحقیق معتبر ہیں، دوسری جگہ اس کی تفصیل موجود ہے۔

کوثری نے متعارض ومکذوبہ روایات کی تصحیح کی:

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے کہا:

''جس روایت میں یہ ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ سے ابو یوسف کو ان کے باپ اٹھا کر لے گئے اس کی سند میں کوئی مواخذہ نہیں ہوسکتا اور اس سلسلے میں روایات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں، تفصیل کے لیے موفق کی طرف رجوع کرو جس میں روایت مذکورہ حسن بن ابی مالک وعبدالحمید حمانی سے بھی مروی ہے اور خطیب نے اسے علی بن حرملہ تیمی سے بھی نقل کیا ہے۔''[3]

ہم کہتے ہیں کہ موفق میں حسن بن ابی مالک وعبدالحمید حمانی والی روایات حارثی کذاب سے مروی ہیں اور مکذوبہ ہونے کے ساتھ ساتھ باعتبار متن باہم مختلف بھی ہیں، عبدالحمید حمانی والی روایت میں ہے کہ والد ابی یوسف بار بار آکر ابو یوسف کو درسگاہِ ابی حنیفہ سے اٹھا لے جاتے تھے، ایک دن انھوں نے امام صاحب کے خلاف شور مچایا مگر دوسری روایات میں یہ بات نہیں ہے۔

درسگاہِ ابی حنیفہ میں ابو یوسف کی صورتِ تعلیم:

اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ امام سرخسی نے درسگاہِ ابی حنیفہ میں ابو یوسف کی مدت تعلیم نوسال بتلائی ہے اور اسی کو ماننے میں اشکال سے رہائی نظر آتی ہے مگر سرخسی کی بات نہ ماننے کا سبب بتلائے بغیر مصنف انوار فرماتے ہیں:

''امام ابو یوسف دن ورات امام صاحب ہی کی خدمت میں رہتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ میں انتیس سال برابر امام صاحب کی خدمت میں رہا کہ صبح کی نماز ہمیشہ ان کے ساتھ پڑھی، دوسری روایت میں ہے کہ سترہ سال امام صاحب کے ساتھ اس طرح گزرے کہ عید الفطر وعید الاضحیٰ میں بھی امام صاحب ہی کے ساتھ رہے حتی کہ بیٹے کے

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۵)　　[2] خطیب (۱۳/ ۱۰٤)

[3] حسن التقاضي (ص: ۸، ۹) نیز ملاحظہ ہو: تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ۳۹)

انتقال ہونے پر بھی گھر نہیں گئے، نہ اس کی تجہیز وتکفین میں شریک ہوئے۔❶ وفات سے پہلے کہتے تھے کہ سترہ برس ابوحنیفہ کی صحبت میں رہا، سترہ برس دنیا کے کام میں رہ چکا، اس کے چھ ماہ بعد وفات پائی۔"❷

سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا باتیں کن صحیح ومعتبر سندوں سے مروی ہیں جن کے سبب ان کو اس گروہ کے وضع کردہ اکاذیب نہیں کہا جا سکتا جس کی بابت مصنف انوار کا ارشاد ہے کہ سیاہ کو سفید ثابت کر دکھانے کے لیے یہ گروہ جھوٹ کو کارِ خیر سمجھ کر پھیلاتا تھا؟ حد یہ ہوگئی کہ کردری (۲/۱۲۳) میں منقول ہے کہ والد ابی یوسف بھی مر گئے تو ابو یوسف خدمت ابی حنیفہ چھوڑ کر نماز جنازہ نہیں پڑھنے گئے۔

خدمت ابی حنیفہ میں سترہ سال رہنے والی جس روایت کا مصنف انوار نے ذکر کیا ہے وہ بشر بن غیاث مریسی سے مروی ہے۔❸ اور بشر مریسی کذاب جہمی ہے۔❹ اس مفہوم کی ایک روایت اخبار ابی حنیفہ للصیمری مطبوعہ حیدرآباد (ص: ۹۳) میں بشر مریسی کے بجائے بشر بن ولید کندی سے منقول ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ حسب عادت کتاب مذکور کے مصححین نے اس لفظ میں تصحیف کر دی ہے اور بشر مریسی کے بجائے یہ لفظ بشر بن ولید کندی ہو گیا ہے، پھر بھی بشر بن ولید آخری عمر میں خریف ہو گئے تھے، یعنی سٹھیا گئے تھے، نیز متعدد اہل علم نے انھیں متروک کہا ہے، اس لیے یہ روایت بھی ساقط الاعتبار ہے، اور یہ روایت سرخسی کے اس قول کے معارض بھی ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں امام صاحب نے نو سال پڑھا، اور انتیس سال والی بات کی کوئی سند ہی مذکور نہیں، پھر اسے دلیل بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ انتیس اور سترہ سال والی روایتوں میں تعارض نظر آتا ہے مگر کوثری نے رفع تعارض کے لیے کہا کہ سترہ سال پوری طرح ابو یوسف خدمت امام صاحب میں رہے تھے اور اس کے علاوہ باقی گیارہ بارہ صرف صبح کو آتے تھے۔❺ مگر جب یہ روایات ہی مکذوبہ ہیں تو تطبیق کیسی؟

بدعویٔ مصنف انوار امام ابو یوسف حقوقِ والدین واہل وعیال نہیں ادا کرتے تھے:

اگر مصنف انوار کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ ابو یوسف سترہ یا انیس سال تک امام صاحب کے ساتھ اس طرح رہے کہ باپ بیٹے کی وفات اور عید بقرعید کی تقریب میں بھی گھر نہیں جاتے تھے تو اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ وہ گھر والوں خصوصاً بیوی کے حقوق ادا کرنے کی فکر نہیں کرتے تھے، اور مصنف انوار تذکرۂ زفر میں نقل کر آئے ہیں کہ امام ابوحنیفہ جب مجلس درس سے اٹھتے تھے تو کسی مریض کی عیادت کرتے، کسی جنازے میں شرکت کرتے، کسی ضرورت مند کی حاجت روائی کرتے، کسی فقیر کی امداد کرتے، کسی بچھڑے ہوئے سے رشتۂ اخوت تازہ کرتے۔❻

دریں صورت کیا ابو یوسف کا یہ فرض نہیں تھا کہ اپنے رفقاء اور استاذ محترم کے ساتھ اپنے باپ بیٹے کی نماز جنازہ میں شریک ہوتے، غم زدہ ماں بیوی کی تعزیت کرتے، انھیں تسلی دیتے، ان کی غم خواری کرتے اور اہل خانہ کی ضرورت پوری کرتے؟ کیا انھیں ان امور سے متعلق کتاب وسنت کے احکام معلوم نہیں تھے؟ کیا صحبتِ امام صاحب کا یہی اثر ہوا کرتا تھا کہ آدمی بال

---

❶ مقدمه انوار (١/ ١٧٧) و (١/ ١٧٥) وحسن التقاضي (ص: ١٧)
❷ مقدمه انوار (١/ ١٧٥)
❸ خطيب (١٤/ ٢٥٢) ومناقب أبي حنيفة وصاحبيه للذهبي (ص: ٤١)
❹ لسان الميزان وميزان الاعتدال.
❺ حسن التقاضي (ص: ١٧ و ٢٣)
❻ مقدمه انوار (١/ ١٦٤)

بچوں کے حقوق سے غافل ولاپرواہ بن کر اس فقہ کی تحصیل وتدوین میں مشغول رہے جس کو مشکوک ومجموعۂ اغلاط قرار دیتے ہوئے خود امام صاحب نے ابویوسف ہی کو خطاب کر کے فرمادیا تھا کہ اس مشکوک فقہ کی نقل وروایت مت کرو۔

اس سے قطع نظر گزشتہ صفحات میں یہ تفصیل آچکی ہے کہ امام ابویوسف امام صاحب کو مرجی وجہمی اور معتقد خلقِ قرآن قرار دے کر ان سے اپنی نفرت وبے تعلقی کا اظہار کرتے اور دوسروں کو بھی ان سے ترک روایت کا مشورہ دیتے تھے تو سوال یہ ہے کہ امام صاحب کے اندر پائی جانے والی اس علت کا علم امام ابویوسف کو کس زمانے میں اور کب نیز کس ذریعہ سے ہوا تھا جس کے سبب موصوف کو امام صاحب سے اتنی وحشت تھی؟

دراصل مصنف انوار کا دعوی مذکورہ جس روایت پر قائم ہے وہ مکذوب محض ہے۔ اس کے برعکس ایک دوسری روایت مصنف انوار کی ممدوح کتب مناقب میں اس طرح مروی ہے:

''بقول عبید بن اسحاق ابویوسف اوران کی بیوی کے مابین ایک بار جھگڑا ہوگیا، اس پر بیوی نے خفا ہو کر ابویوسف سے بات چیت کرنی چھوڑ دی، ادھر ابویوسف نے بھی قسم کھالی کہ اگر تم رات میں نہیں بولوگی تو تمہیں تین طلاق، مگر ان کی بیوی اپنے موقف پر اٹل رہی، ابویوسف نے اسے بہت کچھ بات کرنے پر آمادہ کرنا چاہا مگر وہ تیار نہ ہوئی، اس پر پریشان ہو کر ابویوسف راتوں رات خدمتِ امام صاحب میں حاضر ہوئے، دروازہ کھلنے پر ابویوسف نے سارا قصہ امام صاحب کو کہہ سنایا، امام صاحب نے فرمایا کہ اس مسئلہ کا حل آسان ہے، امام صاحب نے چراغ منگوایا اور امام ابویوسف کو نہایت لباس فاخرہ پہنا کر خوشبو سے معطر کر کے یہ سکھلا کر بیوی کے پاس بھیجا کہ تم بیوی سے یہ کہنا کہ چونکہ تم جانتی ہو کہ میرا تمھارے علاوہ کوئی نہیں، اسی لیے تم مجھ سے خفا ہو کر بولتی نہیں ہو، چنانچہ ابویوسف نے امام صاحب کی بتلائی ہوئی اس تدبیر پر جب عمل کیا اور بیوی نے موصوف کو معطر اور لباس فاخرہ میں ملبوس دیکھا اور ان کی دل آویز باتیں سنیں تو وہ بے قابو ہو کر موصوف سے بات چیت کرنے لگی، اس طرح موصوف ہاتھ سے جانی اپنی بیوی کے مطلقہ ہونے سے امام صاحب کی بدولت محفوظ رہے۔''[1]

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ روایت مذکورہ بالا سے مصنف انوار کے ان دعاوی کی تکذیب ہوتی ہے کہ امام صاحب کی خدمت میں ابویوسف سترہ یا انیس سال اس طرح رہے کہ والد اور بچوں کے مرنے پر ان کی نماز جنازہ میں بھی شریک ہوئے نہ ان کی عیادت کی نہ تعزیت کے لیے گھر گئے نہ بال بچوں سے عید وبقرعید میں ملے۔ عبید بن اسحاق والی روایت میں ساقط الاعتبار ہے، عبید خود مجروح ہے۔

درسگاہِ ابی حنیفہ میں تعلیم کے زمانے میں ابویوسف دوسری درسگاہ میں بھی پڑھتے تھے:

کوثری نے کہا:

''ابویوسف نے کہا کہ میں اگرچہ ابوحنیفہ سے پڑھتا تھا مگر ان کی شاگردی مجھے دوسرے مشائخ کی درسگاہوں میں جا کر علم حدیث پڑھنے سے نہیں روک سکتی تھی، جب محمد بن اسحاق امام المغازی کوفہ آئے تو ابویوسف ابوحنیفہ کو مطلع

---

[1] ملاحظہ ہو: مناقب أبي حنيفة للموفق (١/ ١٧٤) وكردري وغيره.

کیے بغیر کئی ماہ تک ان کی درسگاہ میں جا کر تحصیل علم کرتے رہے اور جب دوبارہ ابوحنیفہ سے ملے تو انھوں نے غائب رہنے کا سبب پوچھا، ابو یوسف نے بتلایا کہ میں محمد بن اسحاق کے یہاں پڑھنے چلا گیا تھا، ابوحنیفہ نے کہا کہ اب اگر ان کے یہاں دوبارہ جاؤ تو پوچھنا کہ جالوت کے لشکر کا علمبردار کون تھا؟ انھوں نے کہا کہ کتنے خراب قسم کے لوگ آج کل موجود ہیں جو یہ بھی نہیں جانتے کہ جنگ بدر پہلے واقع ہوئی تھی کہ جنگ احد؟'' [1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مذکورہ بالا روایت سے مصنف انوار کے اس دعوی کی تردید ہوتی ہے کہ صحبتِ امام صاحب سے امام ابو یوسف موت وحیات کے حوادث پر بھی جدا نہیں ہوتے تھے کیونکہ اس روایت میں ہے کہ امام ابو یوسف کئی مہینوں کے لیے امام صاحب کو مطلع کیے بغیر غائب ہو گئے اور امام المغازي محمد بن اسحاق سے پڑھتے رہے۔ لطف یہ کہ کوثری نے روایت مذکورہ کی سند کو صحیح کہا ہے، حالانکہ موفق نے اسے حارثی کذاب سے نقل کیا ہے اور حارثی نے اپنی جعلی سند میں اپنا استاذ محمد بن موسیٰ حاسب کو ظاہر کیا ہے۔ [2] اور حاسب کا حال بھی نامعلوم ہے، یعنی روایت مذکورہ مکذوبہ ہے۔

امام ابو یوسف کو امام صاحب کی مالی امداد:

مصنف انوار نے بعنوان ''مالی امداد'' کہا:

''والد صاحب کو اس کا علم ہوا تو کہا (یعنی ابویوسف کے والد کو جب اس کا علم ہوا کہ میرا لڑکا درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ کے بجائے ابوحنیفہ کے یہاں پڑھنے لگا ہے تو بیٹے سے کہا) امام صاحب مالدار، مستغنی آدمی ہیں تو محتاج مفلس ہے، تیرا ان کے ساتھ کیا جوڑ؟ تجھے فکر معاش کرنی چاہیے، والد صاحب کی اطاعت بھی ضروری تھی، میں فکر معاش میں لگ گیا، امام صاحب نے میری غیر حاضری محسوس کی اور بلایا، سبب پوچھا، میں نے پوری بات عرض کر دی، درس میں شرکت کی، جب سب چلے گئے تو امام صاحب نے مجھے ایک تھیلی دی کہ اس سے اپنے گھر کی ضرورتیں پوری کرو اور جب ختم ہو جائے مجھے بتلانا، اس تھیلی میں ایک سو درہم تھے، میں التزام کے ساتھ درس میں شریک رہنے لگا، چند ہی دن گزرے کہ امام صاحب نے خود ہی مجھے دوسری تھیلی دی اور اسی طرح میری امداد فرماتے رہے جیسے ان کو روپوں کے ختم ہونے کی اطلاع خود بخود ہو جاتی تھی کیونکہ مجھے ایک دفعہ کے بعد پھر کبھی عرض کرنے کا موقعہ نہیں ہوا۔'' [3]

مصنف انوار کے اس طرز بیان سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں یہ ہے کہ ابو یوسف ابن ابی لیلیٰ کی درسگاہ کو چھوڑ کر درسگاہِ ابی حنیفہ سے وابستہ ہو گئے اسی میں یہ بھی ہے کہ جب ابو یوسف درسگاہِ ابی حنیفہ سے وابستہ ہو گئے تو ان کے والد نے ان کو فکر معاش کی ہدایت کی، حالانکہ جس روایت میں درسگاہِ ابن ابی لیلیٰ سے درسگاہِ ابی حنیفہ کی طرف ابو یوسف کے منتقل ہونے کا افسانہ مذکور ہے اس میں اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ جب ابو یوسف درسگاہ ابی حنیفہ ابن ابی لیلیٰ کے بجائے درسگاہِ پڑھنے لگے تو ان کے والد نے انھیں فکر معاش کی طرف توجہ دلائی، یہ دو الگ الگ روایات ہیں جن کو اپنے مخصوص طرز بیان سے مصنف انوار نے اس طرح جوڑ دیا ہے کہ دونوں ایک نظر آئیں یا یہ کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ باہم مربوط ہیں۔

---

[1] تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٣٨)　[2] موفق (٢/ ٢٣١)

[3] مقدمه انوار (١/ ١٧٣، ١٧٤)

ابو یوسف کی بیماری اوران کی مدحِ امام صاحب:

مصنف انوار نے کہا:

''امام ابو یوسف سترہ سال تک امام صاحب کی خدمت میں رہے، ایک بار بیمار پڑ گئے توامام صاحب نے کہا کہ اگر یہ نوجوان مرگیا توزمین کا سب سے بڑا عالم اٹھ جائے گا۔''❶

مصنف انوار کی اس بات پر وارد ہونے والے متعدد اشکالات سے قطع نظر صرف یہ عرض ہے کہ خدمتِ ابی حنیفہ میں ابو یوسف کے سترہ سال رہنے والی جو بات مصنف انوار نے کہی ہے وہ ان کے اس بیان کے معارض ہے کہ خدمت ابی حنیفہ میں ابو یوسف انتیس سال رہے، نیز موصوف کے یہ دونوں بیانات ان کے اس دعویٰ کے معارض ہیں کہ مجتہد وفقیہ کی حیثیت سے ابو یوسف امام صاحب کے ساتھ تیس سال تدوین فقہ کا کام کرتے رہے کیونکہ خدمتِ امام صاحب میں سترہ سال یا انتیس سال رہنے کی جو مدت مصنف انوار نے بتلائی ہے وہ مدت تحصیل علم ہے مدت تدوین فقہ نہیں ہے۔ ان دونوں باتوں کا غیر معتبر ہونا بیان کیا جا چکا ہے، اورابو یوسف کی بیماری سے متعلق روایت مذکورہ کی سند میں سلیمان بن عمران قیروانی ہے۔❷ اور سلیمان مذکور غیر ثقہ یا مجہول ہے۔❸ نیز اس کی سند میں محمد بن حسن شیبانی بھی ہے جن کا حال عنقریب ظاہر ہوگا۔

امام صاحب کی زندگی میں ابو یوسف نے درسگاہ قائم کی:

مذکورہ بالا روایت بعض اضافوں کے ساتھ ابن المغلس کذاب سے اس طرح بھی مروی ہے:

''اپنی تعریف میں امام صاحب کی بات سن کر ابو یوسف کا دماغ چڑھ گیااورلوگوں کی توجہ بھی ان کی طرف زیادہ ہونے لگی، بنا بریں امام ابو یوسف نے الگ اپنی ذاتی درسگاہ قائم کر لی اور اس میں وہ پڑھانے کے لیے بیٹھ گئے اورامام صاحب کی درسگاہ کی حاضری ترک کر دی، امام صاحب کو جب اس بات کی خبر ہوئی توانھوں نے ایک پیچیدہ سوال حل کرانے کے لیے ابو یوسف کے پاس ایک آدمی بھیجا، ابو یوسف نے اپنے آپ کو عاجز محسوس کر کے امام صاحب کی طرف رجوع کیا، امام صاحب نے اس کا حل پیش کیا مگر بطور تعریض یہ بھی فرمایا کہ جناب مفتی بن کراورحلقہ قائم کر کے بیٹھ گئے تھے اور دین خداوندی میں بات کرنے کے لیے مجلس قائم کر لی تھی لیکن مزدوری کے مسائل میں سے ایک ہی مسئلہ میں فیل ہوکر رہ گئے۔''❹

اس روایت کو چونکہ مصنف انوار نے دلیل وحجت بنا رکھا ہے اس لیے پوری کی پوری روایت انھیں قبول کرنی چاہیے، یعنی انھیں یہ ماننا چاہیے کہ ابو یوسف علم میں ناپختہ ہونے کے باوجود اپنے بارے میں یہ خیال کر بیٹھے تھے کہ میں مفتی ومعلم بننے کے قابل ہوگیا ہوں۔ روایت مذکورہ کی سند میں چونکہ ابن المغلس کذاب ہے اس لیے وہ ساقط الاعتبار ہے، اورجس روایت میں یہ

---

❶ مقدمہ انوار (١/ ١٧٤)　　❷ خطیب (١٤/ ٢٤٦)

❸ لسان المیزان (٣/ ٩٧، ترجمہ سلیمان بن عمران) و (٤/ ٣٨١ ٣٨٢، ترجمہ عنبسہ بن خارجہ غافکی)

❹ خطیب (١٣/ ٣٤٩، ٣٥٠) وشذرات الذهب (١/ ٢٢٨، ٢٢٩) بحوالہ الأشباہ والنظائر.

مذکور ہے کہ ابو یوسف نے کہا کہ میں نے ابن ابی لیلیٰ سے اچھا قاضی اور امام صاحب سے اچھا فقیہ نہیں دیکھا، اس کی سند میں عبید بن محمد ضعیف ہے۔[1] اور جس عمر بن حماد سے انھوں نے یہ روایت نقل کی ہے وہ مجهول الحال ہے۔

اصول فقہ کی تدوین سب سے پہلے ابو یوسف نے کی:

مصنف انوار نے کہا:

''امام ابو یوسف پہلے شخص ہیں جنھوں نے امام صاحب کا علم زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا، اصول فقہ کی کتابیں لکھیں، مسائل کا نشر املاء کے ذریعہ کیا۔''

ہم کہتے ہیں کہ یہ الفاظ طلحہ بن محمد بن جعفر جیسے غیر ثقہ بدعتی معتزلی کے حوالے سے منقول ہیں۔[2] اور اس غیر ثقہ معتزلی سے ان الفاظ کو نقل کرنے والا علی بن محسن ابو القاسم تنوخی ایک رافضی اور غیر معتبر شخص ہے۔[3]

مصنف انوار نے یہی بات دوسرے انداز میں آگے چل کر (ص: ۱۸۲) بھی نقل کی ہے، البتہ یہ بات بڑی شہرت پذیر ہے کہ ابو یوسف نے امام صاحب کے علم کی نشر واشاعت کی مگر ہم عرض کر چکے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے علوم کی تدوین اور نشر واشاعت سے منع کر دیا تھا، دریں صورت سوال یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے علومِ امام صاحب کی تدوین اور نشر واشاعت کیوں کی؟ خصوصاً اس صورت میں کہ امام صاحب نے ابو یوسف کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"لا ترو عني شيئا. لا تكتب عني كل ما تسمعه."

''میرے علوم کی تدوین اور نشر واشاعت مت کرو۔'' (كما مر مفصلاً)

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف نے اگر فی الواقع علومِ امام صاحب کی تدوین اور نشر واشاعت کی تو امام صاحب کے حکم کی خلاف ورزی کی، ظاہر ہے کہ یہ چیز امام ابو یوسف کے حق میں باعث مدح ہونے کے بجائے باعث قدح ہے۔ اس جگہ مصنف انوار نے امام ابو یوسف کے سترہ سال قاضی القضاۃ رہنے کو امام ابو یوسف کی بہت بڑی فضیلت قرار دیا ہے اور بحوالۂ ابن عبدالبر دعویٰ کیا ہے کہ امام ابو یوسف کا حکم شرق وغرب میں چلتا تھا مگر یہ بتلایا جا چکا ہے کہ اوّلاً امام صاحب نے بالصراحت فرمایا ہے کہ امام ابو یوسف زبانی اور تحریری دونوں طرح سے اپنی اختراعی باتیں میری طرف منسوب کر دیا کرتے تھے، یعنی موصوف کذاب ہیں۔ نیز امام صاحب کے اس فرمان کی تصدیق دوسرے اہل علم نے بھی کی ہے۔ ثانیاً: امام ابو یوسف بزعم خویش یہ کہتے پھرتے تھے کہ مجھے امام صاحب سے کوئی سروکار نہیں حتی کہ موصوف امام صاحب سے روایت کرنے کے بھی روا دار نظر نہیں آتے تو دوسری طرف علومِ امام صاحب کی اشاعت وترویج کیوں کرنے لگے؟

ابو یوسف نے ابن ابی لیلیٰ کے فتویٰ پر عدالت میں فیصلہ کیا:

مصنف انوار نے کہا:

''قاضی ہونے کے زمانہ میں ایک بار خلیفہ وقت ہادی کے ایک باغ پر کسی نے ان کی عدالت میں دعوی دائر کر دیا، بظاہر بادشاہ وقت کا پہلو زبردست تھا مگر واقعہ اس کے خلاف تھا، خلیفہ نے پوچھا تو جواب دیا کہ مدّعی کی درخواست

[1] لسان الميزان (٤/ ١٢٣)　[2] خطيب (١٤/ ٢٤٥، ٢٤٦)　[3] لسان (٤/ ٢٥٢)

ہے کہ امیر المؤمنین کی حلفیہ شہادت لی جائے، خلیفہ نے کہا کیا مدعی کو اس مطالبہ کا حق ہے؟ ابو یوسف نے کہا کہ ابن ابی لیلیٰ کے مطابق اس کا مطالبہ حق ہے، خلیفہ نے کہا کہ اس صورت میں اس کو باغ دے دو، یہ ابو یوسف کی ایک تدبیر تھی، یعنی یہ ایک حیلہ سازی تھی۔"[1]

روایت مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ ابو یوسف کو انصاف قائم کرنے کے لیے مذہب ابن ابی لیلیٰ کا سہارا لینا پڑا، مذہب ابی حنیفہ مفید ثابت نہیں ہوا، نیز یہ کہ اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف حیلہ سازی کرتے رہتے تھے مگر اس کی سند کے راوی ابو العلاء محمد بن علی واسطی ہیں۔[2] اور انھیں کوثری نے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔[3] اس معنی کی ایک دوسری روایت قاضی وکیع محمد بن خلف (متوفی ۳۰۶ھ) سے کوثری نے نقل کی ہے مگر اس کی سند میں یحییٰ بن عبد الصمد منکر الحدیث ہے۔[4] اور اس سے اس روایت کے ناقل ابراہیم بن ابی عثمان مجہول ہیں، ان کا حال ہم کو معلوم نہیں ہو سکا، اور وکیع بھی لین ہیں۔[5] خلفاء اور امراء کی خوشنودی ورضا کو ملحوظ رکھنے والے امام ابو یوسف نے بھلا کس طرح خلیفہ کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ کر دیا؟ پہلے اس واقعہ کی صحت کا ثبوت مطلوب ہے، پھر سوال مذکور کا جواب مطلوب ہے۔

کیا ابو یوسف علمِ تفسیر ومغازی کے بھی بہت ماہر تھے؟

مصنف انوار نے کہا:

"ہلال بن یحییٰ کا قول ہے کہ ابو یوسف تفسیر، مغازی اور ایامِ عرب کے حافظ تھے، فقہ ان کے علوم میں اقل العلوم تھی، ایک بار امام ابوحنیفہ نے اپنے شاگردوں کی بابت کہا کہ یہ چھتیس مرد ہیں، ان میں سے اٹھارہ عہدۂ قضا کی اہلیت رکھتے ہیں، چند فتوی دینے کی، دو قاضیوں کو پڑھا سکتے ہیں یعنی ابو یوسف وزفر۔"[6]

ہم کہتے ہیں کہ اس روایت کے ناقل ہلال بن یحییٰ کی بابت اہل علم کی تصریح یہ ہے کہ "لا يجوز الاحتجاج به"[7] نیز ہلال سے یہ روایت بکر عمی نے نقل کی ہے۔[8] ان کا تذکرہ اگرچہ جواہر المضیہ وغیرہ میں موجود ہے مگر کسی نے اس ان کی توثیق نہیں کی، نیز چھتیس شاگردوں سے متعلق امام صاحب سے مروی بات پر گزشتہ صفحات میں بھی تفصیل گزر چکی ہے۔

امام ابو یوسف کا غیر معمولی علمی شغف اور امام صاحب سے خصوصی استفادہ

مصنف انوار کے مندرجہ ذیل بیان کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے:

"امام ابو یوسف امام صاحب کے علوم کے اتنے گرویدہ تھے کہ خود ہی بیان کیا کہ ایک دفعہ میرے بیٹے کا انتقال ہوا تو میں نے اس وقت بھی امام صاحب کی مجلس سے غیر حاضری پسند نہیں کی بلکہ اپنے احباب اور پڑوسیوں ہی کو تجہیز

[1] مقدمه انوار (۱/ ۱۷۲ و ۱/ ۹۰)　[2] خطیب (۱٤/ ۲٤۹)
[3] تانیب (ص: ۱٤۷) ولسان المیزان (٥/ ۲۹٦، ۲۹۷) وخطیب (۳/ ۹٥ تا ۹۹)
[4] لسان (٦/ ۲٦۹)　[5] لسان المیزان.
[6] مقدمه انوار (۱/ ۱۷٤)　[7] لسان المیزان (٦/ ۲۰۲) وکتاب المجروحین لابن حبان (۳/ ٤٥)
[8] خطیب (۱٤/ ۲٤٦)

وتکفین کی خدمت پر مامور کر دیا، اس ڈر سے کہ امام صاحب کے علمی ارشادات وفیوض سے محروم نہ ہو جاؤں اور اس کی حسرت وافسوس میرے دل میں ہمیشہ رہے۔"[1]

اس روایت پر گفتگو گزر چکی ہے، مناقب ابی حنیفہ للموفق (۲/ ۲۱۵) میں یہ روایت درج ذیل سند سے مذکور ہے۔

"وبه قال: أخبرنا محمد بن قدامة سمعت شجاع بن مخلد سمعت أبا يوسف."

اور "وبه قال: أخبرنا" میں "قال" کی ضمیر کا مرجع حارثی کذاب ہے، ظاہر ہے کہ کذاب کی جعلی روایت کو معتبر کہنا دیانت داری نہیں مگر مذکورہ بالا اس مکذوبہ روایت کی تائید کرتے ہوئے مصنف انوار فرماتے ہیں:

"امام ابو یوسف کا یہ ارشاد مبالغہ نہیں کیونکہ امام صاحب کے انتقال کے بعد بعض اوقات بڑی حسرت سے فرماتے تھے، کاش امام صاحب کی علمی صحبت مجھے مل جاتی اور میں ان سے اپنے علمی اشکال حل کر لیتا، خواہ مجھے ایک مجلس پر آدھی دولت قربان کرنی پڑتی۔"

مصنف انوار کی عبارت میں جو روایت مذکور ہے وہ موفق (۲/۴۲) میں درج ذیل سند سے منقول ہے:

"وبهذا الإسناد قال: قال أبو يوسف."

اور "بهذا الأسناد" میں درج ذیل سند کی طرف اشارہ ہے:

"وبه قال: حدثنا أحمد بن أبي صالح البلخي سمعت يعقوب بن إسحاق حدثني عمرو بن محمد الأزدي أنبأ الأصمعي عن أبي يوسف."[2]

اور "وبه قال: حدثنا" میں "قال" کی ضمیر کا مرجع حارثی کذاب ہے اور اس کی جعلی سند کے بعض رواۃ غیر معروف اور بعض غیر متعین ہونے کے سبب بمنزلۂ مجہول ہیں۔

نیز یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ابو یوسف نے اپنے تمام ساتھیوں سمیت امام صاحب کو مخاطب کر کے کہا تھا: "بلدتك الغربة وذهب عقلك." (آپ بلید وبے عقل ہو گئے ہیں) نیز ابو یوسف سے یہ بھی مروی ہے:

"من نظر في الرأي ولم يل القضاء فقد خسر الدنيا والآخرة."[3]

"جو آدمی رائے سے اشتغال رکھنے کے باوجود قاضی نہ بنے اس کی دنیا وآخرت دونوں برباد ہے۔"

یہ معلوم ہے کہ امام صاحب فقیہ اہل الرای ہونے کے باوجود قاضی نہیں بنے تھے، امام ابو یوسف سے مروی روایت مذکورہ کی روشنی میں اس معاملہ کو دیکھیے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ امام صاحب نے کتب مناقب ابی حنیفہ میں مندرج روایات کے مطابق حکومت کی طرف سے عہدۂ قضا کی پیش کش کو رد کر دیا اور جان دینی گوارا کر لی مگر قاضی نہیں بنے، دوسری طرف ابو یوسف سے مروی ہے کہ جو فقیہ اہل الرای ہو کر قاضی نہ بنے اس کی دنیا وآخرت دونوں خراب ہو گئی۔ (نعوذ باللہ من ذلک) نیز موصوف امام ابو یوسف امام صاحب سے اظہار بیزاری بھی کیا کرتے تھے (کمامر) اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ امام صاحب نے امام ابو یوسف کو کذاب کہا ہے، یہ وصف ایسا ہے جو سارے اوصافِ حمیدہ کو بے اثر وبے فائدہ بنانے والا ہونے کے ساتھ مہلک وخطرناک ہے۔

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ٦٢، ١٠٢، ١٧٥)　[2] موفق (٢/ ٤٢)　[3] خطيب (١٤/ ٢٤٩)

بے نظیر حافظہ:

مصنف انوار نے مذکورہ بالا باتوں کے بعد امام ابن الجوزی پر نیش زنی کرتے ہوئے ان کی طرف منسوب کر کے فرمایا:

''علامہ ابن الجوزی نے باوجود اپنی شدت و عصبیت خاصہ کے امام ابو یوسف کو قوتِ حفظ کے اعتبار سے ان سو افراد میں شمار کیا ہے جو امت کے مخصوص بے نظیر صاحب حفظ ہوئے ہیں۔''[1]

مگر مصنف انوار کی ایک مستدل روایت اس جگہ خصوصی توجہ کی مستحق ہے وہ یہ ہے:

''حسن فرماتے ہیں کہ میں ابو یوسف کے صبر و تحمل پر بڑی حیرت کرتا تھا، وہ اپنے تلامذہ واصحاب سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے قدرت ہوتی کہ اپنے دل کی ساری باتیں تمھارے دل میں اتار دوں تو مجھے ایسا کرنے میں بڑی خوشی ہوتی۔''[2]

مصنف انوار نے اپنی مستدل روایت کا ایک حصہ حذف کر دیا ہے، ناظرین کرام اس کا محذوف حصہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

"وسمعته يقول: مرضت مرضا نسيت فيه كل ما كنت أحفظه حتى القرآن، ولم أنس الفقه، لأن علمي بما سوى الفقه علم حفظ، وعلمي بالفقه علم هداية كرجل غاب عن بلده مدة ثم قدم أفتراه يغيب عن طريق منزله؟"[3]

''حسن نے کہا کہ میں نے ابو یوسف کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک مرتبہ میں اس طرح بیمار پڑا کہ میری قوت حافظہ نیست و نابود ہو گئی، اس مرض کے سبب میرا یہ حال ہوا کہ مجھے جو علوم حفظ تھے سب بھول گئے حتی کہ قرآن مجید بھی بھول گیا، مجھے صرف علم فقہ یاد رہ گیا کیونکہ فقہ کے علاوہ میں نے جتنے علوم حفظ کیے تھے وہ محض حفظ ہی حفظ تھا، جو اس بیماری میں کافور ہو گئے، البتہ میں نے فقہ کو علم ہدایت کے طور پر حاصل کیا تھا، اس لیے یہ علم محفوظ رہا، جس طرح کہ کوئی آدمی اپنے شہر سے ایک عرصہ کے لیے غائب ہو جائے پھر واپس آئے تو اپنے گھر کے راستوں کو نہیں بھولتا۔''

مصنف انوار کی مستدل روایت کا محذوف حصہ ناظرین نے ملاحظہ کر لیا، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابو یوسف کا بے نظیر حافظہ ایک بیماری کے سبب اس طرح رخصت ہو گیا کہ قرآن مجید بھی انھیں یاد نہیں رہ گیا اور نہ احادیث نبویہ ہی یاد رہ گئیں، صرف فقہ یاد رہی، یعنی ابو یوسف کے وہ سارے علوم و فنون باستثناء علمِ فقہ سوء حفظ کی نذر ہو گئے جن کی بابت مصنف انوار نے بڑے فخر کے ساتھ کہا ہے:

''ہلال بن یحییٰ بصری کا قول ہے کہ ابو یوسف تفسیر، مغازی اور ایام العرب کے حافظ تھے، ان کے علوم متعارفہ میں سے ایک فقہ بھی تھا۔ بروایت ذہبی یحییٰ بن خالد کا قول ہے کہ ہمارے یہاں ابو یوسف تشریف لائے جبکہ بہ نسبت دوسرے علوم کے ان کا فقہی امتیاز نمایاں نہ تھا، حالانکہ اس وقت بھی ان کی فقہ زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پہنچ چکی تھی۔ ابن ابی العوام نے بواسطہ طحاوی ابن معین کا قول نقل کیا کہ اصحاب الرائے میں امام

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٧٥ بحوالہ أخبار الحفاظ قلمي نسخۂ ظاهريه دمشق)

[2] مقدمہ انوار (١/ ١٧٨)　　[3] مناقب أبي حنيفة وصاحبيه للذهبي (ص: ٤٤)

ابو یوسف سے زیادہ اثبت فی الحدیث اور ان سے بڑا حافظِ حدیث اور زیادہ صحت کے ساتھ حدیث کی روایت کرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔"[1]

مصنف انوار کی مندرجہ بالا باتوں کا حاصل اگرچہ یہی ہے کہ امام ابو یوسف بہت سے علوم کے حافظ و ماہر تھے، مگر

أوّلاً: مصنف انوار ہی کی مستدل ایک روایت سے ثابت ہے کہ امام ابو یوسف ایک بیماری میں مبتلا ہوکر ایسی خرابی حافظہ کے شکار ہوئے کہ فقہ کے علاوہ جملہ علوم وفنون بھول گئے حتی کہ قرآن مجید بھی۔

ثانیاً: امام ابو یوسف کی مذکورہ بالا خوبی کا موازنہ اس بات سے کیجیے کہ امام صاحب نے اپنے علوم وفنون کی تدوین اورنشر واشاعت سے اگرچہ اپنے تمام تلامذہ کو عموماً اور امام ابو یوسف کو خصوصاً مخاطب کر کے منع کر دیا تھا، نیز اپنے بیان کردہ علوم کو مجموعۂ اغلاط قرار دیا تھا مگر امام صاحب کے اس حکم کے خلاف بدعوئ مصنفِ انوار امام ابو یوسف نے علومِ امام صاحب کی تدوین اورنشر واشاعت کر ڈالی۔

ثالثاً: امام صاحب کے ممنوع الکتابۃ والروایۃ قرار دیے ہوئے علوم کی تدوین واشاعت کی جو خدمت امام ابو یوسف نے انجام دی اس خدمت کی قیمت و اہمیت صرف اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ حکم امام صاحب کے خلاف انجام پذیر ہوئی ہے۔ (وسيأتي التفصيل)

رابعاً: روایت مذکورہ کا مدارعلیہ راوی ہلال بن یحییٰ بصری سخت ضعیف ہے۔ (کما مر)

امام ابو یوسف کے حج کا واقعہ:

مصنف انوار اس عنوان کے تحت رقمطراز ہیں:

"امام حدیث حسن بن زیاد نے بیان کیا کہ وہ ایک دفعہ ابو یوسف کے ساتھ حج کو گئے، راستہ میں وہ علیل ہو گئے، ہم بئر میمون پر اتر گئے، حضرت سفیان بن عیینہ عیادت کو آئے، امام ابو یوسف نے، جو عاشق حدیث تھے، ہم سے فرمایا: ابومحمد (ابن عیینہ) سے حدیثیں سن لو، انھوں نے اشارہ پا کر چالیس حدیثیں سنائیں، جب سفیان چلے گئے تو فرمایا: لو مجھ سے پھر سن کر ان حدیثوں کو محفوظ کر لو، اور باوجود اپنی کبرسنی، ضعف، حالت سفر اور بیماری کے وہ سب حدیثیں اپنی یاد سے ہمارے سامنے دہرا دیں، اس واقعہ سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضرت ابو یوسف کی وفات کبیر سن میں ہوئی کیونکہ پچاس پچپن سال کے آدمی کو کبیر السن نہیں کہا جاتا۔"[2]

ہم کہتے ہیں کہ اولاً یہ روایت موفق وغیرہ نے نقل کر رکھی ہے۔[3] مگر اس کے بنیادی راوی امام حسن بن زیاد کذاب اور وضاع ہیں۔ (کما سيأتي) اور حسن مذکور سے یہ روایت مکرم بن احمد نے نقل کی ہے جن کی بابت یہ تفصیل گزری کہ ان کی نقل کردہ ساری روایات جو بسلسلہ مناقب ابی حنیفہ ہیں مکذوبہ وموضوعہ ہیں۔ دریں صورت مکرم کی بیان کردہ سند بھی قابلِ غور ہے، اور وہ سند یہ ہے:

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۶)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۵، ۱۷۶) نیز ملاحظہ ہو: حسن التقاضي بحوالہ صيمري.

[3] موفق (۲/ ۲۳۵)

”أنا علي بن محمد أنبأ محمد بن منصور الأسدي أنبأ نمر بن جدار أنبأ الحسن بن زياد اللؤلؤي.“

اس سند کا راوی علی بن محمد غیر متعین ہونے کے سبب بمنزلۂ مجہول ہے، اس نام کے کتنے رواۃ کولسان المیز ان ومیزان الاعتدال میں مجروح کہا گیا ہے، اور محمد بن منصور اسدی ونمر بن جدار کا حال بھی ہم کومعلوم نہیں۔

نیز موفق (۲/ ۲۳۵) میں اس روایت میں ”فرد علينا من حفظه الأربعين حديثا على سنده ومتنه وعلته وشغله“ کے الفاظ ہیں، اور کردری (۲/ ۱۳۹) میں ”حدثنا بالأربعين حديثا بسنده ومتنه حفظا“ کے الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہوا کہ ابو یوسف نے امام سفیان کی بیان کردہ چالیس حدیثوں کو ان کی سند ومتن کے ساتھ اپنی بیماری وشغل کے باوجود اپنے حفظ سے بیان کر دیا مگر اخبار ابی حنیفہ للصیمری (ص:۹۴) میں اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ”فرد علينا الأربعين حديثا حفظا على سنده وضعفه وعلته وشغله بسفره“ اس کا مطلب وہی ہے جو مصنف انوار نے بتلایا ہے، اب سوال یہ ہے کہ مصنف انوار کی ان ممدوح کتابوں میں درج شدہ ایک ہی روایت کے اندر تصحیف وتحریف کے ذریعہ جو مختلف معانی پیدا کر دیے گئے ہیں اس کا کیا حل ہے؟ اس مشکل کو حل کیے بغیر مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ ”اس واقعہ سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضرت ابو یوسف کی وفات کبیر سن میں ہوئی کیونکہ پچاس پچپن سال کے آدمی کو کبیر السن نہیں کہا جاتا۔“ تو مصنف انوار کیا سمجھتے ہیں کہ جس سفر حج میں یہ واقعہ پیش آیا ہے وہ ۱۶۳/ ۱۶۸ھ کا واقعہ ہے؟ اس روایت میں تو اس سفر حج کا زمانہ متعین نہیں، پھر یہ تعیین مصنف انوار نے کہاں سے کی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ مصنف انوار کا الحاق واضافہ ہے اگر اس واقعہ کو ۱۸۱ھ کا واقعہ مانیے تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس وقت موصوف کی عمر اڑسٹھ سال تھی اور جب ابو یوسف کی وفات ۱۸۱/ ۱۸۲ھ میں ہوئی تو کیا ۱۱۳ھ میں پیدا ہونے والے ابو یوسف کی عمر اس وقت کبر سنی کی حد میں نہیں داخل تھی، یعنی کیا انہتر سال کی عمر کا آدمی کبیر السن نہیں کہلا سکتا؟

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب روایت مذکورہ باعتبار سند مکذوبہ ہے تو اسے معتبر وصحیح کہہ کر دلیل بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ امام ابو یوسف اور کسی بھی حنفی المذہب فقیہ کی طرف نظرِ التفات بھی ڈالنے کے روادار نہیں تھے، چہ جائیکہ کسی حنفی فقیہ کی درخواست پر چالیس احادیث سنا دیں، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کی عیادت کو آئیں، دریں صورت روایت مذکورہ کا یہ مضمون کیا معنی رکھتا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ موسمِ حج میں امام ابو یوسف کی عیادت کے لیے آئے اور ان کی درخواست پر انھوں نے چالیس احادیث سنائیں؟

ذکرِ محدث

ابومعاویہ محمد بن خازم کوفی

مصنف انوار نے کہا:

''موفق میں حسن بن ابی مالک سے نقل کیا ہے کہ ہم لوگ محدث ابومعاویہ کے پاس جاتے تھے تاکہ حجاج بن ارطاۃ کی احادیثِ فقہیہ حاصل کریں تو وہ ہم سے فرماتے تھے کہ کیا تمھارے پاس ابویوسف قاضی نہیں ہیں؟ ہم کہتے کہ ہیں، وہ فرماتے کہ تم لوگ بھی عجیب ہو، ابو یوسف کو چھوڑ کر میرے پاس آئے ہو، ہم لوگ حجاج بن ارطاۃ کے پاس جاتے تھے جس وقت وہ املائے حدیث کراتے تھے تو ابویوسف سب یاد کر لیتے تھے، پھر جب ان کی مجلس سے نکل آتے تھے تو ابویوسف کے حافظہ میں سے وہ سب حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔''[1]

أولاً: یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ابومعاویہ امام ابویوسف کے جلیل القدر استاذ وشیخ الحدیث ہیں مگر اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ درسگاہِ حجاج بن ارطاۃ میں ابویوسف اور ابومعاویہ محمد بن خازم کوفی (مولود ۱۱۳ھ ومتوفی ۱۹۵ھ) ایک ساتھ پڑھتے تھے، اور جس طرح اہل علم نے امام ابویوسف کا سال ولادت ۱۱۳ھ بتلایا ہے اسی طرح ابومعاویہ کا بھی۔[2] اور مصنف انوار وکوثری نے اگرچہ اپنی منصوبہ بند تدبیر کے ذریعہ امام ابویوسف کا سال ولادت ۱۱۳ھ کے بجائے ۹۳ھ ثابت کرنے کی کوشش کر رکھی ہے مگر محمد بن خازم کی بابت ایسی کوشش نہیں کی، اس کا سبب صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ سمجھ نہیں سکے کہ محمد بن خازم کا سال ولادت ۱۱۳ھ میں ہونا تحریک کوثری کے لیے مضر ہے، ورنہ کوئی بھی چیز کوثری وارا کین تحریک کوثری کو کسی بھی اقدام سے مانع نہیں ہوسکتی، بہر حال مصنف انوار وکوثری کی مندرجہ بالا مستدل روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام ابویوسف وابومعاویہ درسگاہِ حجاج میں ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے، اب ناظرین کرام خود سوچ سکتے ہیں کہ ۱۱۳ھ میں پیدا ہونے والے ابومعاویہ کس عمر میں ابویوسف کے ساتھ درسگاہِ حجاج میں پڑھتے ہوں گے؟

ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ بقول ابن تغری ابو یوسف نے ۱۳۰ھ کے بعد پڑھنا شروع کیا تھا، امام ابومعاویہ کے استاذ امام سفیان ۱۲۳ھ میں بعمر سولہ سال امام زہری کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ ''وما رأیت طالبا لهذا الأمر أصغر سنا منه''[3] یعنی ان سے زیادہ کم عمر طالبِ علوم حدیث میں نے نہیں دیکھا۔ مصنف انوار نے لکھا کہ امام محمد چودہ سال کی عمر میں درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے۔[4] اگر مصنف انوار کی اس بات کو صحیح مان کر کہا جائے کہ امام محمد ہی کی

---

❶ مقدمه انوار (ص: ۱۷٦) وحسن التقاضي (ص: ١٤) وغیره　❷ تاریخ خطیب ترجمه محمد بن خازم.

❸ خطیب (۹/ ۱۷٦)　❹ مقدمه انوار (۱/ ۱۹۲)

عمر میں امام ابو یوسف وابومعاویہ بھی درسگاہِ حجاج میں داخل ہوئے تو لازم آئے گا کہ ۱۲۷ھ میں بھی یہ دونوں حضرات درسگاہِ حجاج میں زیرِ تعلیم تھے، اور یہ چیز مجلس تدوین کی فرضی کہانی کی تکذیب کے لیے بہت کافی ہے جس کی بابت مصنف انوار کا دعوی یہ ہے کہ اس کی تاسیس ۱۲۰ھ میں ہوئی اور اس کے زمانۂ تاسیس ہی سے اس کے ایک رکن امام ابو یوسف بھی رہے جو ابو یوسف ۱۲۷ھ میں درسگاہِ حجاج کے طالب علم ہوں اور اس کے زمانہ بعد بھی درسگاہ سفیان بن عیینہ میں پڑھتے رہے ہوں، وہ ۱۲۰ھ میں فرضی مجلس تدوین کے رکن مجتہد، محدث وفقیہ کی حیثیت سے کیسے منتخب کیے جا سکے ہوں گے؟

ثانیاً: روایت مذکورہ کو امام ابو معاویہ سے دو آدمیوں حسن بن ابی مالک وعباس بن الولید نے نقل کیا ہے مگر نہ جانے کیوں مصنف انوار نے صرف حسن کو اس کا راوی ظاہر کیا؟ ان دونوں حضرات سے اس روایت کا ناقل محمد بن شجاع مشہور عالم کذاب ہے اور اس کذاب سے اس روایت کا ناقل عبدالوہاب بن محمد غیر معروف ہے، اور اس غیر معروف سے یہ روایت مکرم بن احمد نے نقل کی جن کی کتاب مناقب ابی حنیفہ مکذوب ہے۔❶ ایسی مکذوبہ روایت کو صحیح ومعتبر کہہ کر نقل کرنا کون سی دیانت داری ہے؟

ثالثاً: مصنف انوار کے استاذ کوثری نے ''لمحات النظر'' میں کہا ہے کہ امام زفر وابو یوسف کے بالمقابل حجاج مناظرہ سے بھاگتے تھے (کمامر) اور یہاں فرما رہے ہیں کہ امام ابو یوسف درسگاہِ حجاج میں پڑھتے تھے، ظاہر ہے کہ کوثری کی اس بات سے امام زفر وابو یوسف کے استاذ حجاج کی توہین ہوتی ہے، جسے کوثری نے فخر کے ساتھ بیان کر رکھا ہے لیکن اگر اس سے کمتر کوئی ایسی بات امام زفر وابو یوسف کے دوسرے استاذ امام ابوحنیفہ کی بابت کہہ دی جائے جس میں کوثری امام صاحب کی توہین محسوس کر لیں تو فوراً آسمان سر پر اٹھا لیں۔ اس تفریق کی وجہ کیا ہے؟

رابعاً: اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو یوسف جید الحفظ تھے، مگر یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار کی ایک مستدل روایت کے مطابق ایک بیماری کے سبب امام ابو یوسف کی اس خوبی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

خامساً: انھیں ابومعاویہ سے مصنف انوار نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ مجلسِ تدوین کے رکن شریک جہل وحسد کی وجہ سے امام صاحب سے دشمنی رکھتے تھے۔❷ ابو معاویہ کا یہ بیان کیا معنی رکھتا ہے؟ مجلس تدوین کے جس رکن کا یہ حال ہے وہ امام صاحب کے ساتھ تدوین کا کام کیسے کرتے تھے؟

سادسًا: غیر معمولی حافظہ اگر غیر ثقہ راوی کو میسر ہو تو اس سے کوئی معنوی فائدہ نہیں ہو سکتا، امام ابو یوسف کی بابت ائمہ جرح وتعدیل خصوصاً امام ابوحنیفہ کے اقوالِ جرح ہم نقل کر آئے ہیں۔ ناظرین کرام ان کی روشنی میں امام ابو یوسف کا علمی مقام متعین کریں۔

ہارون رشید کی زبانی مدحِ ابی یوسف:

مصنف انوار نے کہا:

''علامہ موفق نے اپنی سند سے یحییٰ بن آدم سے نقل کیا کہ ہارون رشید سے، جو خود بھی بڑے عالم تھے، کہا گیا کہ آپ نے ابو یوسف کو ان کے علم ومرتبہ سے زیادہ بلند کر دیا اور بہت اونچے مقام پر فائز کر دیا، اس کی وجہ کیا ہے؟

❶ ملاحظہ ہو: موفق (۲/ ۲۳۵)　❷ مقدمہ انوار (۱/ ۷۴)

خلیفہ ہارون نے جواب دیا کہ میں ان کو خوب جانتا ہوں اور کافی تجربہ کے بعد ایسا کیا ہے، واللہ میں نے جس علمی مسئلہ میں بھی ان کی جانچ کی اس میں ان کو کامل ہی پایا، ہمارے ان کے حدیثی مذاکرات بھی طویل طویل ہوتے تھے، ہم لکھتے تھے وہ بغیر لکھے یاد رکھتے تھے، پھر جب مجلس سے اٹھتے تھے تو ان کے پاس محدثین ورواۃ جمع ہو جاتے تھے اور وہ اپنے پاس کی لکھی ہوئی احادیث ان کی یادداشت سے صحیح کر لیا کرتے تھے، اور فقہ میں تو وہ ایسے درجہ پر پہنچے ہیں کہ ان تک کوئی دوسرا ان کے طبقہ کا پہنچا ہی نہیں، بڑے بڑے اہل علم ان کے سامنے چھوٹے ہیں۔ ان سب کمالاتِ علمی کے ساتھ عملی طور سے مذہبی استقامت اور دینی پرہیزگاری کا اعلیٰ نمونہ ہیں، اب ان جیسا کوئی لاکر مجھے دکھاؤ۔ خلیفہ ہارون نے واقعی امام ابو یوسف کے خاص خاص کمالات بہت موزوں طور پر جمع کر دیے۔"❶

اپنی مستدل روایت میں مصنف انوار کی تحریف:

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے مذکورہ بالا روایت کی نقل میں اپنی عادت کے مطابق تحریف وتصرف سے کام لیا ہے، خاص طور سے خط کشیدہ الفاظ یعنی "ہمارے ان کے حدیثی مذاکرات بھی طویل طویل ہوتے تھے،" موصوف مصنف انوار نے اپنی طرف سے ایجاد کر کے لکھے ہیں اور وہاں سے اصل عبارت اڑا دی ہیں، حالانکہ اس روایتِ طویلہ کے یہی الفاظ سب سے زیادہ اہم ہیں۔ موفق کے اصل الفاظ یہ ہیں: "كان يختلف معنا في الحديث."❷

"ہارون رشید نے کہا کہ امام ابو یوسف ہمارے ساتھ علم حدیث پڑھنے کے سلسلے میں اساتذۂ حدیث کی درسگاہوں میں جایا کرتے تھے۔"

یہی بات موفق کے تلخیص کار کردری نے اس طرح لکھی ہے:

"كان يطلب الحديث معنا."❸

"ہارون نے کہا کہ امام ابو یوسف ہمارے ساتھ علم حدیث حاصل کیا کرتے تھے۔"

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اصل عبارت کی جگہ پر یہ لکھ دیا ہے کہ "ہمارے ان کے یعنی ہارون وابی یوسف کے حدیثی مذاکرات بھی طویل طویل ہوتے تھے۔" اس تحریف کو مصنف انوار نے اس لیے ضروری سمجھا کہ روایت کے اصل الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ امام ابو یوسف خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ تحصیل علم کیا کرتے تھے اور اہل علم کے مابین یہ بات معلوم ومعروف ہے کہ ہارون رشید کی ولادت ۱۴۹/ ۱۵۰ھ میں ہوئی تھی۔❹ جس کا لازمی مطلب اس روایت کے مطابق یہ ہوا کہ ۱۴۹/ ۱۵۰ھ میں پیدا ہونے والے ہارون رشید کے ساتھ ابو یوسف حدیث پڑھتے تھے، اگر فرض کیا جائے کہ صرف دس گیارہ سال کی عمر میں ہارون پڑھنے لگا تو لازم آتا ہے کہ ۱۶۰ھ میں بھی امام ابو یوسف درسگاہ حدیث میں زیر تعلیم تھے، یعنی وفات امام صاحب کے دس سال بعد بھی مصنف انوار کی مستدل روایت سے امام ابو یوسف کا طالب علم ہونا ثابت ہوتا ہے، پھر موصوف

❶ مقدمه انوار (۱/ ۱۷٦) ❷ موفق (۲/ ۲۳۲)
❸ كردرى (۲/ ۱۳۸) ❹ عام كتب تاريخ.

۱۲۰ھ میں امام صاحب کی مسند نشینی کے وقت فارغ التحصیل محدث وفقیہ ومجتہد کی حیثیت سے رکن مجلس تدوین منتخب کئے جانے کے لائق کیونکر ہو گئے تھے؟ اسی بات کے پیش نظر مصنف انوار نے بذریعہ تحریف اپنی مستدل مندرجہ بالا روایت کا ایسا مطلب ظاہر کیا کہ انوار الباری کے سادہ لوح ناظرین کو شبہ بھی نہ ہو سکے کہ اس روایت میں مصنف انوار نے تحریف کر رکھی ہے۔ اگرچہ روایت مذکورہ مکذوبہ ہے مگر اس کے مضمون کی تائید کوثری کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابویوسف نے ۱۴۲/۱۴۳ھ میں پیدا ہونے والے امام اسد بن الفرات سے بھی تحصیل علم کیا۔ ظاہر ہے کہ ۱۴۲/۱۴۳ھ میں پیدا ہونے والے اسد بن الفرات ۱۶۰ھ کے بعد ہی پڑھانے کے لائق ہوئے ہوں گے، خصوصاً جبکہ وہ تقریباً تیس سال کی عمر میں واردِ بغداد وکوفہ ہوئے تھے، صرف یہی بات یہ سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ مصنف انوار اپنے دعاوی میں کتنے سچے ہیں؟

دربارِ ہارون میں امام ابویوسف کی اس قدر پذیرائی کی جو وجہ روایت مذکورہ میں منقول ہے اسے مصنف انوار نے قبول کر لیا مگر ان روایات پر موصوف بہت برہم ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ بذریعہ حیلہ خلفاء اور امراء کے موافق مزاج فتوی دینے کے سبب خلفاء وامراء کے یہاں موصوف کی پذیرائی ہوئی۔[1] جس سے صاف ظاہر ہے کہ روایات کے ردوقبول میں موصوف کا معیار اپنی پسند وناپسند ہے۔ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی زیر بحث روایت کو موفق نے درج ذیل سند سے نقل کیا ہے:

"وبه قال: حدثنا محمد بن الحسن أنبأنا إسحاق بن أبي إسرائيل سمعت يحيى بن آدم."[2]

اس سند کے راوی یحییٰ واسحاق ثقہ ہیں مگر اسحاق سے اس کے ناقل محمد بن الحسن غیر متعین ہونے کے سبب بمنزلۂ مجہول ہیں، اور محمد سے اس کے ناقل کون ہیں؟ اس کی تعیین کا دارومدار "وبه قال" میں "ہ" اور "قال" کے اندر کی ضمیر کے مرجع کی تعیین پر ہے اور یہ تعیین روایت مذکورہ سے چند روایات پہلے موفق کے قول "وبه إلى أبي محمد الحارثي" کے ذریعہ ہوتی ہے، یعنی محمد سے روایت مذکورہ حارثی نے نقل کی ہے جو مشہور عالم کذاب ہے۔ (کما مر) دریں صورت اسے خالص علمی وتحقیقی نقطۂ نظر سے صحیح قرار دے کر حجت ماننا کیا معنی رکھتا ہے؟

ایک طرف معاملہ یہ ہے کہ مصنف انوار نے امام ابویوسف کی مدح میں ہارون کی طرف مکذوب طور پر منقول روایت مذکورہ کو دلیل بنا رکھا ہے، دوسری طرف یہ معاملہ ہے کہ ہارون رشید نے اپنے استاذ امام دار الہجرۃ امام مالک کی خدمت میں پہنچ کر ابویوسف کی طرف اشارہ کر کے اگرچہ دو تین بار عرض کیا کہ یہ قاضی ابویوسف ہیں مگر امام ابویوسف کی طرف امام مالک نے نظر التفات بھی نہیں ڈالی، پھر ابویوسف نے امام مالک سے بعض مسائل پوچھے تو امام مالک نے نہایت بے رخی کے ساتھ ابویوسف کے سوالات کے جواب دینے سے انکار کرتے ہوئے ظاہر کر دیا کہ تم جیسے باطل پرست لوگوں سے علمی مسائل پر گفتگو مجھے گوارا نہیں۔ امام ابویوسف کے ساتھ امام مالک کے اس طرز عمل پر ہارون نے ابویوسف کے وہ فضائل بیان نہیں کیے جو مصنف انوار نے اپنی دلیل بنائی ہوئی مکذوبہ روایت کے ذریعہ بیان کر رکھے ہیں۔

مذکورہ بالا روایت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابویوسف کو ناقابل التفات اور باطل پرست قرار دینے میں ہارون بھی امام مالک کے موافق تھا یا کم از کم وہ امام ابویوسف پر امام مالک کی طرف سے ہونے والے ردّ وقدح کی مدافعت کرنے سے عاجز و

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۷)　[2] موفق (۲/ ۲۳۲)

قاصر تھا، بھلا امام مالک کے اس ردوقدح کے جواب کی جرأت ہارون کیسے کرتا جبکہ امام ابو یوسف کی بابت امام ابوحنیفہ فرما چکے تھے کہ "يقول علي ما لا أقول" نیز امام مالک کی طرح امام سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، شریک، ابن المبارک، یزید بن ہارون اور دوسرے کتنے اہل علم ابو یوسف پر سخت جرح وقدح کرتے تھے۔ (کما مر)

داود بن رشید کی مدحِ ابی یوسف

مذکورہ بالا مکذوبہ روایت کو دلیل وحجت بنانے کے بعد مصنف انوار نے درج ذیل مکذوبہ روایت نقل کی:

''داود بن رشید کا قول ہے کہ اگر امام اعظم کا کوئی شاگرد بھی امام ابو یوسف کے سوا نہ ہوتا تو یہی فخر ان کے لیے کافی تھا۔''

ہم کہتے ہیں کہ موفق وغیرہ نے روایت مذکورہ بالا کی سند اس طرح بیان کی ہے:

"وبه قال: سمعت سهل بن المتوكل سمعت داود بن رشيد ..إلخ"[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ داود سے اسے سہل بن متوکل نے نقل کیا ہے مگر سہل مذکور کا ذکر کتب رجال میں نہیں ملتا، یعنی موصوف مجہول ہیں لیکن اس سے بڑی بات یہ ہے کہ سہل سے اسے نقل کرنے والا حارثی کذاب ہے کیونکہ "به" میں "ہ" کی ضمیر کا مرجع یہی حارثی ہے، دریں صورت روایت مذکورہ کو دلیل وحجت بنانا کسی مدعی تحقیق کے لیے کیونکر درست ہے؟ اس کے بعد مصنف انوار نے ہلال بصری اور یحییٰ بن خالد کے حوالے سے مدح ابی یوسف میں ایک ایک قول نقل کیا ہے جن پر تبصرہ گزر چکا ہے، پھر موصوف نے ابن ابی العوام سے بحوالۂ ابن معین توثیق ابی یوسف نقل کی جس پر گفتگو آگے آرہی ہے، پھر مصنف انوار نے مدح ابی یوسف کے ساتھ مدح کوثری کرنی ضروری سمجھی۔

مصنف انوار کی مدح کتبِ کوثری:

چنانچہ مصنف انوار نے کہا:

''علامہ کوثری نے حسن التقاضی میں امام موصوف کے علمی وعملی کمالات وواقعات کا بہترین مرقع پیش کیا ہے جو ہر حنفی عالم کو حرز جان بنانا چاہیے، کوثری صاحب کی تمام تصانیف اعلیٰ علمی جواہر ونوادر کا ذخیرہ اور حقائق و واقعات کا بے مثل خزینہ ہیں۔''[2]

مصنف انوار کی مذکور بالا بات کی حقیقت ناظرین کرام کو معلوم ہو چکی ہے کہ مسخ حقائق میں یہی کوثری صاحب مصنف انوار کے اصل امام واستاذ ہیں، اس پر ہم کو زیادہ نہیں کہنا کیونکہ کوثری کا مستقل تعارف بھی ہم کو کرانا ہے۔

مصنف انوار کی بعض تضاد بیانیوں کا اعادہ:

مصنف انوار نے بعنوان ''شیوخ فقہ وحدیث'' کہا:

''امام ابو یوسف نے احکام قضا میں زیادہ تر قاضی ابن ابی لیلیٰ سے استفادہ کیا اور فقہ وحدیث میں امام اعظم سے کلی استفادہ کیا، رات دن امام صاحب ہی کی خدمت میں گزارتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ میں انتیس سال برابر امام

[1] موفق (٢/ ٢٣٢)
[2] مقدمہ انوار (١/ ١٧٦، ١٧٧)

صاحب کی خدمت میں رہا کہ صبح کی نماز ہمیشہ ان کے ساتھ پڑھی، دوسری روایت صیمری کی ہے کہ سترہ سال امام صاحب کے ساتھ اس طرح گزارے کہ بجز حالت مرض عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں ان ہی کے پاس حاضر رہا۔"[1]

مصنف انوار کے مندرجہ بالا دعاوی کے بارے میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ آپس میں متعارض ہونے کے ساتھ ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہیں۔

قاضی بننے میں امام صاحب سے ابو یوسف کی مخالفت:

مصنف انوار مدعی ہیں کہ "امام صاحب نے قید و بند اور ہلاک ہونا گوارا کر لیا مگر قاضی بننا گوارا نہیں کیا۔"[2] ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے اس دعوی کے مطابق ابو یوسف نے اس معاملہ میں امام صاحب کی مخالفت کی حتی کہ بطور تعریض امام ابو یوسف نے یہ بھی فرمایا:

"من نظر في الرأي ولم يل القضاء فقد خسر الدنيا والآخرة."[3]

"فقیہ اہل الرای ہونے کے باوجود بھی جو شخص قاضی نہیں بنا اس نے اپنی دنیا و آخرت دونوں خراب کی۔"

مصنف انوار بتلائیں کہ "قاضی القضاۃ" ابو یوسف کا یہ فیصلہ امام صاحب پر منطبق ہوگا یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتلائیں کہ قاضی القضاۃ ابو یوسف کے اس فیصلہ سے امام صاحب کے موقف کی تغلیط ہوتی ہے یا نہیں؟ صاف ظاہر ہے کہ قاضی القضاۃ ابو یوسف نے عملاً اور قولاً دونوں طریق پر امام صاحب کے موقف کی تغلیط کی ہے، دریں صورت قاضی القضاۃ ابو یوسف پر مصنف انوار کا یہ فتوی چسپاں ہوتا ہے یا نہیں کہ "جو شخص یہ سمجھے کہ کسی معاملہ میں امام صاحب سے خطا سرزد ہوگئی اور صواب موقف امام صاحب کے خلاف ہے وہ جو پایہ جانور سے بھی زیادہ گمراہ اور نئے دین کا موجد ہے۔"[4] اور قاضی القضاۃ ابو یوسف ہی نے نہیں بلکہ مجلس تدوین کے متعدد اراکین نے بھی عملی طور پر قاضی بن کر امام صاحب کی مخالفت کی، مثلاً محمد بن حسن شیبانی، حسن بن زیاد، شریک، حماد بن ابی حنیفہ، حماد بن دلیل، نوح بن ابی مریم، نوح بن دراج، مندل، عمرو بن میمون، عافیہ بن یزید، قاسم بن معین، اسد بن عمر، حفص بن غیاث، علی بن ظبیان، حفص بن عبدالرحمٰن بلخی، ہشام بن یوسف وغیرہم۔

مصنف انوار نے کہا ہے کہ "امام صاحب نے فرمایا کہ جھوٹا وکذاب آدمی قاضی بنائے جانے کے لائق نہیں۔"[5]

اور امام صاحب نے امام ابو یوسف کو کذاب قرار دیا ہے جس کی تفصیل گزر چکی ہے، یہاں سوال یہ ہے کہ جب بقول مصنف انوار امام صاحب نے فرمایا کہ جھوٹا آدمی قاضی بنائے جانے کے لائق نہیں تو امام صاحب نے خود ہی جن ابو یوسف کو جھوٹا قرار دیا انھیں قاضی ہی نہیں قاضی القضاۃ بنانا کیونکر درست تھا؟ ابو یوسف کے بعد ابوالبختری وہب بن وہب کو بھی قاضی القضاۃ بنایا گیا تھا، وہ بھی کذاب اور وضاع تھا۔[6] صرف یہی نہیں بلکہ مصنف انوار نے جن لوگوں کو اراکین مجلس تدوین قرار دیا

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٧٧)
[2] مقدمہ انوار (١/ ١٤٧، ١٤٨)
[3] خطیب (١٤/ ٢٤٩)
[4] مقدمہ انوار (١/ ١٦٨)
[5] مقدمہ انوار (١/ ١٤٧، ١٤٨)
[6] خطیب ومیزان الاعتدال.

ہے ان میں کئی ایک کذاب تھے اور بایں ہمہ قاضی بنائے گئے تھے۔ مروی ہے کہ امام صاحب نے ابو یوسف کو جو طویل نصیحت کی تھی اس میں انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا: "لا تکن طمّاعا ولا کذابا." [1] (تم کذاب اور لالچی مت رہو) نیز اسی وصیت نامہ میں یہ بھی ہے: "وإياك والكذب بين يديه." [2] (اپنے آپ کو کذب سے بچاؤ) نیز امام صاحب سے مروی ہے:

"قال: لداود الطائي أنت تتخلى للعبادة، وقال لأبي يوسف: أنت تميل إلى الدنيا، ولا أقول إن أبا يوسف مجنون، ولو قلت ذلك لم يقبل مني ولكنه رجل صارع الدنيا فصرعته." [3]

''امام صاحب نے داود طائی سے کہا کہ تم عبادت گزاری کے لیے خلوت نشین ہو جاؤ گے اور ابو یوسف سے کہا کہ تم دنیا پرستی میں منہمک ہو جاؤ گے، میں یہ نہیں کہوں گا کہ ابو یوسف دیوانہ ومجنون ہو جائیں گے کیونکہ اگر میں یہ کہوں تو کوئی مانے گا نہیں لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ ابو یوسف کو دنیا مغلوب ومقہور بنا لے گی۔''

مذکورہ بالا باتیں ان کتب مناقب ابی حنیفہ میں مندرج ہیں جن کی روایات کو مصنف انوار نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بناتے چلے جاتے ہیں، دریں صورت یہ بتلایا جائے کہ امام صاحب نے ان کتابوں کے مطابق جو یہ کہا ہے کہ ابو یوسف دنیا کے پیچھے دیوانے ہو جائیں گے اور دنیا ان کو مغلوب کرے گی تو اس کا کیا معنی ومطلب ہے؟

مصنف انوار کی نظر میں اساتذۂ ابی یوسف پر تنقید کرنے والے متعصب وقلیل العلم ہیں:

اس جگہ پہنچ کر مصنف انوار نے بعض اساتذۂ ابی یوسف کا ذکر کر کے کہا:

''علامہ کوثری نے اس سے زیادہ اساتذۂ ابی یوسف کے نام تحریر کیے ہیں اور یہ بھی تنبیہ کی ہے کہ بعض ناقدین رواۃ حدیث نے اپنی قلتِ علم اور کمی ادراک اجتہاد یا تعصب وغیرہ سے اور بعض نے کسی غلط فہمی سے ان میں سے بعض اکابر شیوخ پر نقد وجرح بھی کی ہے جو بوجوہِ مذکورہ قابل اعتنا نہیں۔'' [4]

ہم اس سلسلے میں طویل گفتگو سے بچنے کے لیے صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ ابو یوسف کے سب سے زیادہ عظیم استاذ امام ابوحنیفہ ہیں، اور یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ امام صاحب نے بذات خود اپنے اوپر نقد وجرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''میری بیان کردہ عام علمی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں، نیز میری باتیں نا قابل روایت ونالائق نوشت ہیں۔'' ابو یوسف کے جلیل القدر استاذ امام صاحب نے اپنے اوپر جو اتنی سخت تنقید وتجریح کی ہے تو کیا نعوذ باللہ ان پر بھی وہی بات منطبق ہوتی ہے جو کوثری کے حوالے سے مصنف انور نے اپنی مذکورہ بالا عبارت میں اساتذۂ ابی یوسف پر نقد وجرح کرنے والوں کی بابت لکھی ہے؟ نیز جن کتب مناقب ابی حنیفہ کی روایات کو مصنف انوار نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بناتے چلے جاتے ہیں ان میں مذکور ہے:

"وكان الذين يناصبونه ويتكلمون فيه ابن أبي ليلى، وابن شبرمة، والثوري، وشريك، وجماعة، يخالفونه ويطلبون به الشين." [5]

---

[1] موفق (۲/ ۱۱۸) کردری.
[2] موفق (۲/ ۲۱۲)
[3] موفق (۱/ ۱۸۲) وخطیب (۱۴/ ۲۴۸)
[4] مقدمه انوار (۱/ ۱۷۷)
[5] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۷، ۸) وموفق (۱/ ۷۱، ۷۲) وعام كتب مناقب أبي حنيفة.

''ابن ابی لیلیٰ وابن شبرمہ وسفیان ثوری وشریک اوراہل علم کا پورا ایک گروہ امام صاحب پر نقد وجرح کرتا، ان سے عداوت ومخالفت رکھتا اورانھیں معیوب قرار دیتا تھا۔''

معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف کے استاذ خاص امام صاحب پر نقد وجرح کرنے والوں میں امام ابو یوسف کے دوسرے استاذ ابن ابی لیلیٰ بھی ہیں جن کی بابت مصنف انوار خود رقمطراز ہیں کہ ''ابو یوسف نے کہا کہ مجھے دنیا کی کوئی مجلس امام ابوحنیفہ اورابن ابی لیلیٰ کی مجلسِ علمی سے زیادہ محبوب نہ تھی۔'' [1] اورجس طرح امام صاحب پرابو یوسف کے محبوب استاذ ابن ابی لیلیٰ نقد ونظر کرتے تھے اسی طرح ابن ابی لیلیٰ پر امام صاحب بھی نقد ونظر کیا کرتے تھے۔ یہ بات بھی کتب مناقب ابی حنیفہ میں بہت تفصیل کے ساتھ موجود ہے اوپر مندرج روایت میں کہا گیا ہے کہ ابو یوسف کے استاذ خاص امام صاحب پر نقد ونظر کرنے والوں میں قاضی شریک بھی تھے، اورقاضی شریک کومصنف انوار نے فرضی مجلس تدوین کا رکن کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ شریک جہل وحسد سے امام صاحب کے ساتھ دشمنی رکھتے تھے۔ [2] یہاں سوال یہ ہے کہ مجلس تدوین کے رکن شریک پر بھی مصنف انوار وکوثری کا وہ فتوی عائد ہوتا ہے یا نہیں جوانھوں نے اساتذۂ ابی یوسف نقد وجرح کرنے والوں پر لگا رکھا ہے؟

مصنف انوار کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ امام صاحب پر نقد وجرح کرنے کے سبب امام صاحب کے استاذ امام اوزاعی اور ثوری کے مذاہب مٹ گئے۔امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے امام عبداللہ نے اپنے باپ امام احمد سے نقل کیا ہے:

"قال مسكين: لم يسمع الأوزاعي في أبي حنيفة إلا عابه." [3]

''امام اوزاعی کے سامنے جب بھی امام صاحب کا ذکر آیا تو اوزاعی نے امام صاحب پر تنقید وتجریح کی۔''

امام ابومعاویہ سے مروی ہے:

"ما زال سفيان عندنا كبيرا حتى تناول أبا حنيفة فهجرناه ورفضناه." [4]

''ہمارے نزدیک سفیان ثوری بڑے مانے جاتے تھے مگر انھوں نے جب امام صاحب پر نقد وجرح کی تو ہم نے انھیں ترک کر دیا۔''

اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام ثوری امام صاحب پر نقد کرتے تھے، امام ثوری کے بارے میں مصنف انوار کیا فرماتے ہیں؟

گزشتہ صفحات میں امام صاحب پر نقد وجرح کرنے والے متعدد اراکین مجلس تدوین کے احوال جرح وتعدیل مذکور ہو چکے ہیں، مثلاً ابومطیع بلخی، [5] ابن المبارک، عبداللہ بن ادریس، داود طائی، وکیع، یحییٰ قطان وغیرہ، ان کی بابت مصنف انوار کیا فرماتے ہیں؟ امام مالک وشافعی واحمد بن حنبل اوراس طرح کے سینکڑوں اہل علم نے امام صاحب پر نقد وجرح کیا ہے جس کی تفصیل آرہی ہے، ان سب کی بابت مصنف انوار کیا فرمائیں گے؟ حد یہ ہے کہ ابو یوسف نے بذات خود بھی امام صاحب پر نقد وجرح کیا ہے۔

(کما مر) امام ابو یوسف کے استاذ ابن ابی لیلیٰ پر امام صاحب کے علاوہ امام صاحب کے استاذ امام شعبہ نے یہ نقد وجرح کیا ہے:

[1] مقدمه انوار (١/ ١٧٧)	[2] مقدمه انوار (١/ ١٧٤)	[3] الضعفاء للعقيلي (٣/ ٣٣٤)
[4] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٦٨)	[5] اللمحات .

"ما رأيت أسوأ من حفظه من حفظا."[1] فرضی مجلس تدوین کے رکن یحییٰ قطان نے کہا: "سيء الحفظ جدا"[2] ان حضرت کی بابت مصنف انوار کا کیا فتوی ہے؟ ابن ابی لیلیٰ اور امام صاحب کے بعد اساتذۂ ابی یوسف کی فہرست میں مصنف انوار وکوثری نے ابان بن ابی عیاش کو سرفہرست ذکر کیا ہے اور ابان کو امام صاحب کے استاذ شعبہ نے کذاب کہا، نیز کہا کہ گدھے کا پیشاب پینا اور زنا کاری کرنا میرے نزدیک ابان سے روایت کرنے کے بالمقابل زیادہ محبوب ہے۔ امام احمد بن حنبل وابن معین ابان کے کذاب ہونے پر متفق تھے، اور مجلس تدوین کے اراکین میں سے یحییٰ قطان ووکیع وغیرہ نے موصوف کو مجروح قرار دیا ہے۔[3] اور ابان امام صاحب کے بھی استاذ تھے، دریں صورت ان سارے حضرات پر مصنف انوار کا فتوی مذکورہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

جابر جعفی امام صاحب کے استاذ اور امام ابو یوسف کے استاذ الاساتذہ تھے۔[4] اور جابر جعفی کو امام صاحب نے کذاب کہا ہے۔ زیادہ تفصیل میں پڑے بغیر ہم اس جگہ صرف دو اساتذۂ ابو یوسف پر امام صاحب کے نقد ونظر کا ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے۔ ملاحظہ ہو۔

امام ابو یوسف کے استاذ امام المغازی محمد بن اسحاق پر امام ابوحنیفہ کی تنقید وتجریح:

گزشتہ صفحات میں یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ مصنف انوار وکوثری نے یہ دعوی کرنے کے باوجود کہ امام ابو یوسف صحبتِ ابی حنیفہ چھوڑ کر باپ بیٹے کے جنازہ میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے، کوثری نے بالصراحت یہ دعویٰ کیا ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ چھوڑ کر ایک عرصہ تک امام ابو یوسف امام المغازی محمد بن اسحاق سے پڑھتے رہے۔ انھیں امام المغازی کی بابت کوثری کا ارشاد ہے:

"وكان ابن إسحاق غير مرضي أيضا عند أبي حنيفة.[5] لا لوم على أبي حنيفة في عدم اطمينان إلى علم ابن إسحاق في المغازي فلا مانع من أن يكون غير مرضي عند أبي حنيفة."[6]

اس عبارت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ امام صاحب نے امام ابو یوسف کے استاذ ابن اسحاق پر نقد وجرح کیا، دریں صورت امام صاحب پر مصنف انوار وکوثری کا کیا فتویٰ ہے؟

امام ابو یوسف کے استاذ حجاج بن ارطاۃ پر کوثری کی تنقید وتجریح:

مصنف انوار وکوثری نے ابو یوسف کے اساتذہ کی فہرست میں حجاج بن ارطاۃ کو بھی شامل کیا ہے، اور حجاج کی بابت کوثری کی یہ تصریح ہے:

"يتكلم النقاد في حديثه كما ذكرناه في الإشفاق على أحكام الطلاق، وكان من رجالات العرب، وكان يسير على الناس، ويكثر الوقوع في الناس على طريق رقبة بن مصقلة، ومن يذكرهما ويجعل كلامهما في عداد جرح أهل الفن لم يتذوّق شيئا من علم

[1] تهذيب التهذيب.
[2] تهذيب التهذيب.
[3] تهذيب التهذيب وميزان الاعتدال.
[4] الخراج لأبي يوسف (ص: ١٣٩)
[5] حسن التقاضي (ص: ٢٤١)
[6] تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٣٨)

الجرح والتعديل المدون في كتب النقاد.‘‘ [1]

’’ناقدین فن نے حجاج کو مجروح قرار دیا ہے جس کی تفصیل ہم نے ”الإشفاق على أحكام الطلاق“ میں بیان کی ہے، یہ شخص رقبہ بن مصقلہ کی طرح لوگوں پر ظلم ڈھاتا اوران کی عزت کے پیچھے پڑا رہتا تھا، ان دونوں کے کلام کو جو شخص علمائے فن کی حیثیت دے وہ علم وتعدیل کے مزہ سے نا آشنا ہے..الخ۔‘‘

حاصل یہ کہ کوثری نے حجاج کو مجروح قرار دیا اورنقل کیا کہ ناقدین فن بھی انھیں مجروح کہتے ہیں، جس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ کوثری اپنے بیانات کی روشنی میں مدارج اجتہاد سے نا آشنا، قلیل العلم ومتعصب وغیرہ قرار پائے، اورظاہر ہے کہ جو شخص بقول خویش متعصب اورقلیل العلم ہونے کے باوجود علمی موضوع پر بحث کرے گا اور بزعم خویش صاحب علم وفضل بنے گا وہ علم وفن کے ساتھ ظلم وستم ڈھائے گا۔

امام ابو یوسف کا تعلیمی وتدریسی شغف:

مصنف انوار نے کہا:

’’امام ابو یوسف باوجویکہ علم وفضل کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے، دنیوی وجاہت کا بھی طرۂ امتیاز اوج پر تھا، خلفائے عباسیہ کا جاہ وجلال ،عظمت ورعب دنیا پر چھایا تھا لیکن دربار خلافت کے وزراء کی توامام ابو یوسف کے سامنے کیا حیثیت ہوتی خود خلیفہ ہارون امام صاحب کا بہت ادب واحترام کرتا تھا۔‘‘ [2]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کی مذکورہ بالا صدق مقالی کی حقیقت درج ذیل روایت سے ہوتی ہے:

’’علی بن عمرو قرظی سے منقول ہے کہ قاضی ابو یوسف نے ایک ذمی کافر کے مسلمان قاتل کو قصاص میں قتل کیے جانے کا فیصلہ مذہبِ اہلحدیث کے خلاف حنفی مذہب کے مطابق کر دیا، اس پر کھلی عدالت میں ایک شاعر کی طرف سے قاضی موصوف کوایک تحریر چند اشعار پر مشتمل پیش کی گئی جس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ تمام علماء وشعراء وغیرہ کو قاضی کے اس فیصلہ پر بطور احتجاج رنج وغم منانا چاہیے، قاضی ابو یوسف نے یہ کاغذ خدمتِ خلیفہ میں پیش کر کے داد چاہی اوراپنی جان کے خطرہ میں ہونے کا احساس ظاہر کیا، خلیفہ نے الٹ کر قاضی سے کہا کہ کسی حیلہ کے ذریعہ اپنے اس فیصلہ کو بدل دیجیے، چنانچہ قاضی موصوف نے ایسا ہی کیا۔‘‘ [3]

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے یہ روایت حسن التقاضی میں نقل کی اوراس پر کوئی کلام نہیں کیا، اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ ایک طرف عوام وخواص سبھی لوگ امام ابو یوسف کے علم وفضل کا کوئی وزن محسوس نہیں کرتے تھے ورنہ ان کے عدالتی فیصلے کو قابلِ مذمت ونفرت اورنالائق عمل نہیں قرار دیا جاتا، دوسری طرح خلیفہ وامراء بھی موصوف امام ابو یوسف کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ حسب موقع اپنے فقہی مسلک اورعدالتی فیصلوں میں ترمیم کرلیا کرتے ہیں، اسی بنا پر خلیفہ نے رائے عامہ اورخود اپنے خیال کا لحاظ رکھتے ہوئے امام ابو یوسف کوحکم دیا کہ حنفی مذہب کے مطابق اپنے کیے ہوئے فیصلے کو بدل کر مسلک اہل حدیث

---

[1] تانيب (ص: ١٥٥)　　[2] مقدمه انوار (١/ ١٧٧)

[3] خطيب (١٤/ ٣٥٣، ٣٥٤) وموفق (٢/ ٢٢٢، ٢٢٣) وحسن التقاضي (ص: ٦٦) وأخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٩٩)

کے مطابق کرو، تیسری طرف اس روایت سے عوام وخواص میں حنفی مذہب کی عظمت ومقبولیت اورفقہائے حنفیہ خصوصاً قاضی القضاۃ ابو یوسف کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ قاضی القضاۃ بنا دینے کے باوجود بھی حنفی مذہب کے مطابق کیے ہوئے اپنے فیصلہ کو قاضی القضاۃ امام ابو یوسف نے بدل دیا اور وہ بھی محض اس لیے کہ عوام وخلیفہ کی یہی خواہش تھی۔ ہم کو تعجب ہے کہ مصنف انوار نے روایت مذکورہ بالا کو دلیل بنا کر یہ کیوں نہیں بتلایا کہ حنفی فقہاء خصوصاً قاضی القضاۃ ابو یوسف کے علم وفضل اور دنیاوی عظمت کا یہ حال تھا کہ خواص وعوام سبھی ان کے علم ومذہب کے مطابق کیے ہوئے فیصلوں کو مردود ونا قابل اعتماد سمجھتے تھے۔

درج ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس خلیفہ نے امام ابو یوسف کو قاضی بنایا تھا اس کے دربار میں کس طرح کے لوگوں پر انعام واکرام کی بارش ہوتی تھی:

''ایک بار ایک کذاب آدمی ایک جوتا لے کر خلیفہ مہدی کے پاس پہنچا اوراس نے کہا یہ جوتا رسول اللہ ﷺ کا استعمال کردہ ہے، میں آپ کی خدمت میں اسے بطور ہدیہ لایا ہوں، خلیفہ نے جوتے کو بوسہ دیا اورآنکھوں سے لگالیا اور اس شخص کو دس ہزار روپے انعام دلائے، حالانکہ اسے معلوم تھا کہ یہ شخص جھوٹا ہے، یعنی اس کذاب کو سزا دینے کے بجائے ظاہری طور پر سیاسی مصلحت کے پیش نظر خلیفہ نے اس کو عزت واحترام بخشا اورانعام واکرام سے نوازا، اسی طرح ایک جھوٹے نے یہ حدیث بھی گھڑ کر سنائی کہ کبوتر بازی جائز ہے، مہدی اگرچہ جانتا تھا کہ یہ حدیث وضعی ہے مگر اسے بھی اس نے دس ہزار انعام دلایا۔''[1]

واقدی کا اجمالی تذکرہ:

اسی طرح محمد بن عمر واقدی کی بھی خلفا عباسیہ کے یہاں بڑی پذیرائی تھی اورانھیں بھی قضا وغیرہ کے اہم منصب پر فائز کیا گیا تھا، آپ کے بھی بہت سے فضائل بیان کیے گئے ہیں، بایں ہمہ انھیں اہل علم نے غیر ثقہ حتی کہ متروک وکذاب کہا ہے۔[2] نیز منصبِ خلافت پر نہایت ہی خراب قسم کے لوگ بھی فائز ہوا کرتے رہے ہیں۔ حاصل یہ کہ دنیاوی جاہ وجلال کا حصول دوسری چیز ہے اور میدان علم کی عظمت اور جاہ وجلال دوسری چیز ہے، یہ ضروری نہیں کہ جسے دنیاوی منصب ومنزلت حاصل ہو وہ اہل علم کے نقطۂ نظر سے بھی عظیم المرتبت ہو، قاضی القضاۃ ہونے کے اعتبار سے ابو البختری کی بھی دنیاوی عظمت ومنزلت تھی، مگر اہل علم کے نزدیک موصوف ایک کذاب اور وضاع کی حیثیت سے معروف ہیں۔

دربارِ خلافت میں قاضی ابو یوسف کے استقبال کی کیفیت:

مصنف انوار نے لکھا:

''امام صاحب (ابو یوسف) قصرِ شاہی میں نہ صرف یہ کہ بے روک ٹوک ہر وقت جا سکتے تھے بلکہ اپنے گھوڑے پر سوار ہی خلیفہ کے دربارِ خاص تک جایا کرتے تھے اورخلیفہ دربار خاص کا پردہ ہٹا کر خود کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے امام صاحب کا استقبال کرتا اور پہلے خود سلام کرتا اور اوراسی طرح ہمیشہ ہوتا، کتب تاریخ میں ایک عربی شعر کا ذکر

---

[1] البداية والنهاية (۱۰/ ۱۵۳ واقعات ۱٦۹هـ) وكتب موضوعات.

[2] خطيب (۳/ ۳ تا ۲۰)

بھی آتا ہے، جسے ہارون امام موصوف کی آمد پر بصد اظہار مسرت پڑھا کرتا تھا، آج کے حالات میں کون یقین کرے گا کہ ہمارے دین کے پیشواؤں کی ایسی آن بان بھی رہی ہے، پھر کتب تاریخ میں ایسے غلط و بے اصل جھوٹے راویوں کے چلائے ہوئے قصے بھی لکھے گئے ہیں جن کی وجہ سے بڑوں بڑوں کی صحیح پوزیشن نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ امام ابو یوسف کے قبولِ عہدۂ قضا کو ان کی دنیا طلبی سے تعبیر کیا گیا اور ایسے قصے بھی گھڑے گئے کہ امام صاحب نے خدانخواستہ خلفاء کی رضا جوئی اور انعامات کی خاطر شرعی مسائل بتلائے، ہمارے اہل مناقب نے بھی بے تحقیق ایسے چند واقعات نقل کر دیے جن سے امام صاحب کی ذہانت وذکاوت و وسعت علمی ثابت ہو۔"[1]

مصنف انوار کی مذکور بالا عبارت کو پڑھنے والے سادہ لوح عوام سمجھتے ہوں گے کہ جھوٹے راویوں کے چلائے ہوئے قصوں اور بے تحقیق غیر مستند واقعات کی نقل پر بڑی شدت سے اظہار برہمی کرنے والے اور خالص علمی ودینی وتحقیقی نقطۂ نظر سے صرف صحیح ومعتبر باتوں کے لکھنے کے دعویدار مصنف انوار کی مذکورہ بالا بات بالکل صحیح ومعتبر ہوگی مگر مصنف انوار کی مذکورہ بالا بات ایک ایسی مکذوبہ روایت سے ماخوذ ہے جس کا مکذوب ہونا بہت واضح اور روشن ہے حتی کہ خود اس کے مشتملات بھی اس کے مکذوب ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ موفق فرماتے ہیں:

"حكي عن عبد الله بن المبارك أنه قال: خرجت حاجا فرفعت على أبي يوسف..."

میں حج کرنے کے لیے نکلا تو ابو یوسف سے میری ملاقات ہوئی، ابو یوسف نے مجھ سے اپنی معاشی تنگی اور مفلسی کا شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ میرے پڑوس میں ایک مالدار آدمی مجھے اپنے کاروبار کا وکیل (ایجنٹ) بنانا چاہتا ہے، کیا میں یہ ملازمت کرلوں؟ میں نے کہا کہ صبر کے ساتھ علمی کام کرتے رہو، تمہاری علمی خدمات ضائع نہیں ہوں گی، جب میں ابو یوسف کے پاس سے اٹھنے لگا تو میرا دامن ان کے ایک گندے اور بوسیدہ مٹی کے کوزے سے پھنس گیا جس سے یہ کوزہ ٹوٹ گیا اور ابو یوسف کا حال دگرگوں ہونے لگا، میں نے وجہ پوچھی تو موصوف نے کہا کہ یہی کوزہ میرے اور میری والدہ کے لیے پانی پینے اور وضو کرنے کے کام آتا تھا، اب ہمارے پاس یہ بھی نہ رہا، میں نے اپنے پاس سے چند دینار نکال کر ابو یوسف کو دیے، پھر جب حج سے واپس ہوتے ہوئے کوفہ آیا تو معلوم ہوا کہ موصوف ایک لاکھ تیس ہزار درہم مشاہرہ پر قاضی القضاۃ مقرر کر دیے گئے ہیں، اور ان کے مالدار پڑوسی کا گھر ابو یوسف کا اصطبل بن چکا ہے اور انھیں ہارون کے دربار میں اتنی بلند منزلت حاصل ہو چکی ہے کہ موصوف اپنے خچر پر سوار ہونے کی حالت میں دار الخلافہ میں داخل ہوجاتے ہیں اور دار الخلافہ کا پردہ اٹھا دیا جاتا ہے جس میں موصوف بحالت سواری داخل ہوجاتے ہیں اور ہارون ہی موصوف کو پہلے سلام کرتا ہے اور انھیں دیکھ کر ان کی شان میں مدحیہ شعر پڑھتا ہے حتی کہ موصوف نے ہارون کے بعض خاص سپہ سالار کی شہادت بھی رد کر دی جس کی شکایت سالار نے خلیفہ سے کی تو خلیفہ نے ابو یوسف کو ملامت کی جس کے جواب میں ابو یوسف نے کہا کہ سالار مذکور نے اپنے آپ کو آپ کا غلام ظاہر کیا، اگر وہ اپنی بات میں سچا ہے تو غلام کی شہادت آقا کے حق میں مردود ہوتی

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٧٧، ١٧٨)

ہے اور اگر جھوٹا ہے تو جھوٹے کی شہادت بھی مردود ہے، اسی دن سے یہ سالار ابو یوسف کی شکایت کرنے لگا حتی کہ ہارون موصوف پر خفا رہنے لگا، وہ جب بھی ابو یوسف کو دیکھتا چیں بجبیں ہو جاتا، ابو یوسف نے اس بات کا احساس کر کے خلیفہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی لیکن اللہ تعالیٰ نے ابو یوسف سے ہارون کی برہمی دور کرنے کا ایک سبب یہ پیدا کر دیا کہ خلیفہ کا ایک قریبی ہاشمی رشتہ دار بہت سارے مال چھوڑ کر مر گیا اور ایک شخص کو وصی بنا کر کہہ گیا کہ ان اموال میں فلاں شخص کے مشورہ کے بغیر تصرف مت کرنا مگر بعد میں یہ مشکل پیش آ گئی کہ وصی اور مشیر میں سے کس کو اصل وصی مانا جائے؟ خلیفہ نے اپنے وزیر یحییٰ بن خالد کو حکم دیا کہ فقہاء کو بلا لائے، وزیر نے عرض کیا کہ کن فقہاء کو بلاؤں؟ خلیفہ نے کہا کہ شریک وابوالبختری اور ابو یوسف کو بھی، خلیفہ نے ابو یوسف کا نام استخفاف کے ساتھ لیا، وزیر ان حضرات کو لے کر آیا اور اس نے ان کے سامنے قصہ بیان کر کے مسئلہ پوچھا، سب سے پہلے شریک سے یہ مسئلہ پوچھا گیا انھوں نے جواب دیا کہ وصیت کرنے والے سے اصل بات دریافت کی جائے، وزیر نے ہنس کر کہا کہ اس کی نماز جنازہ ہم پڑھ چکے، اب تو قیامت ہی کے دن اس سے مسئلہ پوچھا جا سکتا ہے، شریک کو ندامت ہوئی، اب یہ مسئلہ ابوالبختر ی سے پوچھا گیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ مسئلہ کافی مشکل ہے موصوف اپنی پیشانی ملتے رہے اور مسئلہ بتلانے میں کمزور پڑتے تھے، آخر وہ نہیں بتلا سکے تو امام ابو یوسف سے پوچھا گیا انھوں نے دونوں کو وصی قرار دیا اور مسئلہ کی پوری وضاحت کر دی، خلیفہ شریک کی بات پر ہنس پڑا اور اس نے وزیر سے کہا کہ سب سے پہلے تم نے ابو یوسف ہی سے مسئلہ کیوں نہ پوچھ لیا کہ ہم اس ہنسی سے محفوظ رہتے، یہ بات پھیلے گی تو ہماری رسوائی ہو گی، وزیر نے کہا کہ آپ نے امام ابو یوسف کا نام آخر میں لیا تھا، اس لیے میں نے بھی ان سے آخر میں مسئلہ پوچھا، خلیفہ نے کہا مجھے موصوف سے بددل بنا دیا گیا تھا، پھر خلیفہ پہلے سے زیادہ امام ابو یوسف کو ماننے لگا۔ موفق نے کہا کہ اس روایت کا مختصر ذکر بابِ ثالث میں آ چکا ہے۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ ناظرین کرام سردست اس روایت طویلہ کی ہم معنی ایک دوسری روایت بھی ملاحظہ فرماتے چلیں، کردری اور موفق نے نقل کیا ہے:

"خالد بن صبیح نے کہا کہ میں ابو یوسف کے پاس ایک مرتبہ گیا، میں نے مشکل مسائل جمع کر رکھے تھے کہ اپنے اصحاب سے یعنی فقہائے اہل الرای سے پوچھوں گا، جب میں بغداد پہنچا تو وہاں ابو یوسف سے ملاقات ہوگئی، میں نے موصوف سے کہا کہ آپ کوفہ سے بغداد کس لیے آئے ہیں؟ موصوف نے کہا عنقریب میں اس کی وجہ آپ کو بتلاؤں گا، میں وہاں ابو یوسف کے پاس حج کا سفر شروع ہونے تک رہا، ان مسائل مشکلہ کے بارے میں ان سے تبادلہ خیال کرتا رہا، وہ ان کی تشریح کرتے رہے جب میں حج کو جانے لگا تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ میں کوفہ سے بغداد اس لیے آیا ہوں کہ تنگ دستی کا شکار ہوں، میرے عیال زیادہ ہیں، میرا خیال ہے کہ بعض حکام کی نوکری کر لوں تاکہ روزی میں کشادگی ہو، اس سلسلے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ میں نے کہا کہ ابو یوسف! جب تم مجھ سے

[1] موفق (٢/ ٢٣٩ تا ٢٤١) و کردری (٢/ ١٤٢ تا ١٤٤)

مشورہ چاہتے ہوتو خیر خواہی ضروری ہے، اگر تم نے اللہ کے لیے علم حاصل کیا ہے تو صبر سے کام لو، اگر تم فی الواقع صحیح النیۃ اور مخلص ہو گے تو اللہ تمھارے لیے دروازۂ رزق کھول دے گا، اور اگر دنیا طلبی کے لیے تم نے تحصیل علم کیا ہے تو اتنا پڑھ لکھ کر تم اتنی معمولی سی نوکری پر راضی مت بنو، میں نے موصوف ابو یوسف کو دوسو درہم دے کر کہا کہ حج سے میری واپس تک اس رقم سے کام بنانا، واپسی پر میں باقی ماندہ رقم میں سے اپنے وطن تک کا سفرِ خرچ بچا کر سب تمھیں دے دوں گا، اس طرح میں نے ابو یوسف کو نوکری کرنے سے باز رکھا مگر واپسی پر ابھی میں دیہات میں تھا کہ خبر ملی کہ ابو یوسف قاضی القضاۃ بنا دیے گئے، پھر جب میں بغداد پہنچا تو انھوں نے میرا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے خیر خواہی کی تھی۔'' [1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ دونوں روایتوں کا مضمون بعض امور میں مختلف ہونے کے باوجود بعض دوسرے اہم معاملات میں متحد ہے، دونوں کی دونوں روایات بے سند ہیں، ان میں سے ایک کو مصنف انوار نے حجت بنا رکھا ہے مگر دونوں روایتیں اس مضمون میں متفق ہیں کہ قاضی القضاۃ بنائے جانے سے پہلے امام ابو یوسف کی معاشی حالت بے حد خراب تھی اور وہ اس سے نجات پانے کے لیے نوکری کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، حالانکہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ قاضی القضاۃ بننے سے پہلے موصوف ایک زمانہ تک بغداد کے قاضی کے رہ چکے تھے۔ وفاتِ امام صاحب کے سولہ سال بعد ۱۶۶ھ میں موصوف کو خلیفہ مہدی نے بغداد کے صرف مشرقی بازو کا قاضی مقرر کیا تھا، پھر مہدی کے انتقال کے بعد بھی ہادی کے عہد خلافت میں موصوف بغداد کے قاضی رہے اور جب ہادی کا بھی ۱۷۰ھ میں انتقال ہوگیا تو ہارون رشید نے بھی اس عہدہ پر موصوف کو برقرار رکھا، پھر ۱۷۱ھ کے بعد موصوف کو ہارون نے قاضی القضاۃ بنایا۔ [2]

مصنف انوار کی مستدل روایت کا مفاد یہ ہے کہ قاضی القضاۃ بننے سے پہلے ابو یوسف کہیں ملازم نہیں تھے اور بہت تنگدست تھے مگر امر واقع اس کے خلاف ہے، اور صرف اتنی ہی چیز مصنف انوار کی تکذیب کے لیے کافی ہے۔ خود مصنف انوار کی ممدوح کتابوں میں مندرج ایک روایت سے اس کی تکذیب ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''امام ابو یوسف نے کہا کہ مہدی کے زمانے میں میں کوفہ میں رہا کرتا تھا، میں تنگ دست تھا اس لیے اپنے سسرال کی ایک لکڑی فروخت کر کے میں نے اپنا کام چلانا چاہا، اس پر میری ساس نے اظہار ناراضگی کیا جس سے مجھے غیرت آئی، اس لیے میں بغداد گیا اور وزیر سے ملا، وزیر نے مجھ سے نماز خوف کی بابت مسئلہ دریافت کیا، میں نے بتلایا تو وہ مجھے خلیفہ مہدی کے پاس لے گیا، اس نے بھی نماز خوف کا مسئلہ پوچھا میں نے جواب دیا، اس پر خلیفہ نے مجھے شرقی بغداد کا قاضی بنا دیا اور مجھے دس ہزار درہم دیے، مہدی مر گیا تو میں ہادی کے ساتھ بھی رہا، اس کے بعد ہارون کے ساتھ رہا، ہارون نے مجھے قاضی القضاۃ بنا دیا۔'' [3]

یہ روایت مصنف انوار کی مستدل روایت کے معارض ہے مگر معلوم نہیں کیا بات ہے کہ اسے دلیل وحجت بنانے کے بجائے

---

[1] موفق (۲/ ۲۳۳) وکردری (۲/ ۱۳۸) [2] الخطط للمقريزي (٤/ ١٨١)

[3] موفق (۲/ ۱۳۹) وکردری وغیرہ.

موصوف نے اس کے معارض ایسی روایت کو حجت بنایا جس کا لازمی مطلب ہوتا ہے کہ ہارون رشید کے زمانے یعنی ۱۷۰ھ کے بعد امام ابو یوسف بیک وقت قاضی القضاۃ بنا دیے گئے تھے، اس لحاظ سے موصوف کی مدت قضا بارہ سال سے بھی کم ہوتی ہے، حالانکہ مصنف انوار کا دعوی ہے کہ یہ مدت سترہ سال تھی۔ (کمامر) ظاہر ہے کہ مصنف انوار کی یہ دو باتیں متعارض ومضطرب ہیں اور ایک دوسری کی تکذیب کے لیے کفایت بھی کرتی ہیں۔

مصنف انوار کی مستدل مکذوبہ روایت کا مفاد یہ بھی ہے کہ مجلس تدوین کے رکن امام ابن المبارک اور خالد بن صبیح نے امام ابو یوسف کو ملازمت سے باز رہ کر صبر کے ساتھ خدمت دین کرنے کا مشورہ دیا تھا اور ملازمت کو دنیا طلبی اور خلافِ خلوص قرار دیا تھا مگر امام ابو یوسف نے ابن المبارک اور خالد کے مشوروں کے خلاف سرکاری نوکری کر کے ثابت کر دکھایا کہ انھوں نے علم اللہ کے لیے خلوص کے ساتھ نہیں بلکہ دنیا طلبی کی خاطر حاصل کیا تھا، اور وہ چیز انھیں حاصل ہوگئی۔ (نعوذ باللہ) ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ سرکاری یا غیر سرکاری ملازمت خصوصاً عہدۂ قضا کا دنیا طلبی ہونا کیوں ضرور سمجھ لیا گیا ہے؟ کیا امام صاحب اور ابو یوسف کے وہ تمام اساتذہ جو قاضی تھے سب طالبِ دنیا ہی تھے؟ کیا خدمتِ دین وملت کی نیت کے ساتھ قاضی بننا اور خلوص کے ساتھ یہ فریضہ انجام دینا تقوی اور دینداری کے خلاف ہے؟

مصنف انوار کی ممدوح کتابوں میں متعدد دوسری روایات بھی ایسی ہیں جن کا مفاد ہے کہ ہارون ہی نے پہلی بار امام ابو یوسف کو قاضی بنایا تھا مگر معلوم نہیں ان سے استدلال کر کے اور انھیں نقل کر کے مصنف انوار نے یہ دعویٰ کیوں نہیں کیا کہ ہارون نے ہی امام ابو یوسف کو قاضی بنایا؟

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار کی مستدل روایت میں یہ تصریح ہے کہ مجلس تدوین کے رکن قاضی شریک نے خلیفہ و وزیر کو مردہ آدمی سے بات کرنے کا مشورہ دیا تھا اور ابوالبختری جیسے کذاب کو بھی دربار خلافت میں فتوی کے لیے طلب کیا گیا تھا، ظاہر ہے کہ مصنف انوار نے اپنی مستدل روایت کے اس اہم حصہ کو محض اس لیے حذف وساقط کر دیا ہے کہ اس سے ان کی مفروضہ مجلس تدوین کی عصمت مآبی داغدار ہوتی ہے کہ اس مجلس کے اراکین میں اس طرح کے لوگ بھی موجود تھے، نیز ابوالبختری کا ذکر موصوف نے اس لیے نہیں آنے دیا کہ اس سے ظاہر ہو جاتا کہ دربار خلافت میں اس طرح کے کذابین کی بھی پذیرائی تھی، روایت میں ہے کہ ابو یوسف روز خچر پر سوار ہو کر خلیفہ کے پاس آتے مگر نہ جانے کیوں اس لفظ کو بدل کر مصنف انوار نے گھوڑا کر دیا ہے، نیز اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ پہلے امام ابو یوسف کو سلام کرتا تھا، حالانکہ حدیث میں حکم ہے کہ آنے والے کو پہلے سلام کرنا چاہیے۔[1] اس سے معلوم ہوا کہ خلیفہ اور قاضی القضاۃ ہمیشہ حکم شریعت کے خلاف سلام کرتے کراتے تھے۔

الغرض یہ روایت اپنے مکذوب ہونے پر بذات خود شاہد ہے۔ لطف یہ کہ موفق وکردری نے اس روایت کی چند سطروں کے بعد ہی ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ ۱۷۰ھ میں پیدا ہونے والے امین الرشید کو ہارون نے پانچ سال کی عمر میں اپنا ولی عہد بنایا تو امام ابو یوسف نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ خوشی کی بات ہے کہ معصوم بچہ ہمارا ولی عہد بنا، اس روایت کو مصنف انوار نے دلیل نہیں بنایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے موافق مزاج بات کرنے سے امام ابو یوسف کی پذیرائی ہوئی تھی۔

---

[1] متفق عليه.

مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں نے ان روایات کی نقل پر خطیب وابن خلکان وغیرہ کو مطعون کیا ہے جن کا مفاد ہے کہ حیلے بتلانے کے سبب امام ابو یوسف کو دربار خلافت میں پذیرائی ہوئی تھی، حالانکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اس سلسلے کی بعض روایات صحیح ہیں اور باقی روایات ان کی مؤید کی حیثیت رکھتی ہیں، خطیب وغیرہ نے فرداً فرداً ہر روایت کو خالص علمی و تحقیقی نقطۂ نظر سے صحیح ومعتبر کہہ کر نقل نہیں کیا بلکہ صرف نقل کی حد تک نقل کیا ہے، نیز دوسری روایات کی تائید میں نقل کیا ہے، اس کے برعکس انبارِ اکاذیب کو خالص علمی ودینی نقطۂ نظر سے صحیح کہہ کر نقل کرنے والے مصنف انوار کو ایسی بات کیونکر زیب دیتی ہے؟ نیز اس قسم کے حیلے کرنے کی اجازت فقہ حنفی میں عام لوگوں کو دی گئی ہے، لہٰذا اگر امام ابو یوسف نے بھی ایسا ہی کیا تو کیا تعجب ہے؟ حیرت ہے کہ جن سیوطی وسرخسی وسلفی وغیرہم کی نقل کردہ مکذوبہ روایات کو مصنف انوار نے پسند کر لیا ہے وہ حجت بن گئی ہیں اور جو ناپسند آئیں وہ قابل مذمت ہو گئی ہیں!!

کوثری کی مدح سرائی:

اس جگہ مصنف انوار نے اپنے استاذ وامام کوثری کی پھر مدح کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علامہ کوثری کو کہ حسن التقاضی میں ایسے واقعات کی تاریخی دلائل سے تغلیط کر دی ہے، اگرچہ امام ابو یوسف کے مجموعی حالات سے بھی ایسے قصے مشکوک معلوم ہوتے ہیں، یہاں یہ عرض کرنا تھا کہ امام موصوف اتنی مشغولیتوں کے ساتھ بھی آخر وقت تک درس وتعلیم کا کام کرتے تھے۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار اوران کے ہم مزاج استاذ علامہ کوثری نیز اس قسم کے دوسرے لوگوں کی حقیقت بیانی وصدق مقالی اور علمی وتحقیقی دیانت داری وامانت شعاری کا حال بہت کچھ واضح ہو چکا ہے اور باقی آئندہ واضح ہو جائے گا۔

امام ابو یوسف کے مجموعی حالات کو ان کے استاذِ خاص امام ابوحنیفہ سے زیادہ کون جان سکتا تھا؟ اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام صاحب نے موصوف ابو یوسف کو کذاب قرار دیا ہے کہ یہ اپنی لکھی ہوئی کتابوں میں میری طرف بڑی کثرت سے مکذوبہ باتیں منسوب کر دیا کرتے ہیں، جن امام ابو یوسف کا ان کے استاذِ خاص امام ابوحنیفہ کے حسب بیان مجموعی حال یہ ہو ان سے بھلا وہ باتیں کیونکر مستبعد ہیں جن کو مصنف انوار مشکوک بتلا رہے ہیں؟ اور صرف امام ابوحنیفہ ہی نہیں امام ابو یوسف کے حالات بتلانے میں امام ابوحنیفہ کی موافقت بہت سارے اہل علم نے کر رکھی ہے۔

مدحِ ابی یوسف میں حسن بن زیاد کی طرف مصنف انوار کی منسوب کردہ ایک کہانی:

مصنف انوار نے حسن بن زیاد لؤلؤی سے اس جگہ ایک روایت طویلہ نقل کی اور اس پر اپنا تبصرہ لکھا ہے۔ ناظرین کرام اس کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

> ''حسن بن زیاد نے کہا کہ میں تحصیل علم کے لیے امام زفر اور ابو یوسف کے پاس جاتا تھا، ابو یوسف زفر کے بالمقابل زیادہ باحوصلہ تھے، امام زفر کسی مشکل مسئلہ کو ایک بار سمجھانے کے بعد بار بار استفسار کرنے پر عاجز آ کر فرماتے: کم بخت تجھے کیا علم آئے گا کوئی پیشہ اختیار کر، مگر ابو یوسف کے سامنے وہی مشکل مسائل بار بار میں پوچھتا

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۸)

تو وہ جواب دیتے اور سمجھانے کی کوشش کرتے، حسن فرماتے ہیں کہ میں ان کے اس صبر وتحمل پر حیرت کرتا۔ وہ اپنے تلامذہ سے کہتے کہ اگر مجھے قدرت ہوتی کہ اپنے دل کی ساری باتیں تمھارے دلوں میں اتار دوں تو مجھے بڑی خوشی ہوتی، یہ واقعہ میں نے (مصنف انوار) نے اس لیے بھی ذکر کیا کہ آج کل کے طلبہ واساتذہ دونوں اس سے سبق حاصل کریں اور اپنی زندگی کے رخ بدلیں تا کہ ان کو بھی علم وحکمت کے وہی سابقہ انوار وبرکات حاصل ہوں۔"[1]

أوّلاً: مصنف انوار یہ بتلائیں کہ آج کل کے طلبہ واساتذہ امام زفر کے طریقہ پر عمل کریں یا ابو یوسف کے؟ دونوں چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن اور مصنف انوار کے ممدوح ہیں، کن کا طریقہ اختیار کیا جائے اور کن کا ترک کیا جائے؟

ثانیاً: جب مصنف انوار کی اس مستدل روایت کے مطابق حسن بن زیاد امام زفر وابو یوسف دونوں سے پڑھنے جاتے تھے تو مصنف انوار نے یہ کیوں نہیں بتلایا کہ ۱۱۰/ ۱۱۶ھ میں پیدا ہونے والے زفر اور ۱۱۳/ ۱۱۵ھ میں پیدا ہونے والے ابو یوسف سے ۱۱۵/ ۱۱۶ھ میں پیدا ہونے والے حسن بن زیاد کس زمانہ میں پڑھنے جاتے تھے؟ جس کے بعد موصوف حسن بن زیاد کس زمانہ میں فارغ ہو کر محدث وفقیہ ومجتہد بن کر اس چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن منتخب کیے جانے کے لائق ۱۲۰ھ میں امام صاحب کی مسند نشینی کے وقت ہو گئے تھے اور وہ بھی رکن مجلس منتخب ہو کر ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام تیس سال تک کرتے رہے تھے؟ نیز یہ کہ کس زمانے میں امام زفر وابو یوسف خود فارغ التحصیل ہو کر مسند نشین درس ہوئے تھے کہ ان کی درسگاہوں میں حسن بن زیاد اس زمانے میں پڑھنے کے لیے جانے لگے؟ ان الجھنوں کو دور کرنے کی بجائے مصنف انوار کا آج کل کے اساتذہ وطلبہ کو مذکورہ بالا قسم کا مشورہ دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا مصنف انوار سمجھتے ہیں کہ آج کل کے اساتذہ وطلبہ انوار الباری کی ان حیرت انگیز باتوں کا مطلب آسانی سے سمجھ جائیں گے کہ ایک طرف حسن بن زیاد کو ان اراکین مجلس تدوین میں شمار کیا جا رہا ہے جو ۱۲۰ھ میں فقیہ ومجتہد بن کر مجلس کے رکن منتخب کیے گئے اور دوسری طرف یہ کہا جا رہا ہے کہ ۱۱۵ھ میں پیدا ہونے والے امام حسن ۱۱۶ھ میں پیدا ہونے والے زفر اور ۱۱۳/ ۱۱۵ھ میں پیدا ہونے والے ابو یوسف کی درسگاہوں میں پڑھنے کے لیے جب جاتے تھے تو ان کی کم فہمی وبلادت وکند ذہنی کو دیکھ کر امام زفر فرماتے تھے کہ تم پڑھنا لکھنا چھوڑ کر جاؤ کھیتی باڑی کا کام کرو، جو شخص ۱۱۶ھ میں پیدا ہونے والے زفر کی درسگاہ میں اس طرح پھٹکارا جاتا ہو وہ ۱۲۰ھ ہی میں محدث وفقیہ ومجتہد کیسے بن گیا تھا؟ اس طرح کے دسیوں سوال اس سلسلے میں وارد ہوتے ہیں، ان کا تشفی بخش جواب دیے بغیر مصنف انوار کی مذکورہ بالا سخن سازی کیا معنی رکھتی ہے؟

ثالثاً: سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ خالص علمی وتحقیقی نقطۂ نظر سے صرف صحیح ومعتبر باتیں لکھنے کے دعویدار مصنف انوار نے اپنی اس مستدل روایت کی سند بیان نہیں کی، ہم کو یہ روایت سند کے ساتھ نہیں مل سکی، البتہ یہ معلوم ہے کہ حسن بن زیاد بذات خود کذاب ہیں، لہٰذا ان کا بیان صحیح نہیں۔

مدح ابی یوسف میں ابراہیم بن جراح کی طرف منسوب ایک کہانی:

مذکورہ بالا اکاذیب کے بعد مصنف انوار نے کہا:

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۸)

''ابراہیم بن جراح کا بیان ہے کہ مرضِ موت میں ابو یوسف کی عیادت کے لیے حاضر تھا، اس وقت بھی علمی گفتگو تھی، کچھ دیر غشی رہی، افاقہ ہوا تو مجھ سے کہنے لگے کہ ابراہیم! رمی جمار سوار ہو کر افضل ہے یا پیدل؟...الخ۔''[1]

اس روایت کی سند میں ابن المغلس کذاب ہے۔[2] اور ابراہیم بن جراح بذات خود جہمی و مجروح تھا۔ ایسی مکذوبہ روایت کو حجت بنالینا کیا معنی رکھتا ہے؟

امام ابو یوسف کو کس سن وسال میں قاضی بنایا گیا؟

مؤرخین نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ ابو یوسف کو موسیٰ ہادی نے اپنی ولی عہدی کے زمانے ۱۶۶ھ میں اس وقت قاضی بنایا تھا جس وقت کہ وہ ایک فوجی مہم سر کرنے کے لیے اپنے باپ مہدی کے حکم سے جرجان جا رہا تھا۔[3] اور یہ معلوم ہے کہ ابو یوسف کی وفات ۱۸۱/ ۱۸۲ھ میں ہوئی، جس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ ابو یوسف کا زمانۂ قضا کل سولہ سال ہے، جیسا کہ ابو یوسف کے معاصر امام حسن زیادی نے کہا:

"ولي القضاء سنة ١٦٦ هـ أيام خرج موسى إلى جرجان فولي القضاء إلى أن مات."[4]

''موصوف ابو یوسف ۱۶۶ھ میں قاضی بنائے گئے اور اپنی وفات ۱۸۲ھ تک سولہ سال قاضی رہے۔''

مگر مصنف انوار کے استاذ کوثری نے ابو یوسف کے بیٹے کی زبانی ایک ایسی روایت نقل کی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ابو یوسف ۱۶۲ھ ہی میں قاضی بنا دیے گئے تھے، بلفظ دیگر ابو یوسف کل بیس سال قاضی رہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"عن الحسن بن حماد الحضرمي سجاد يقول سمعت يوسف يقول: وليت القضاء و ولي أبي من قبلي، و كان ولايتنا ثلاثين سنة."[5]

''میری اور میرے والد ابو یوسف دونوں کی مدت قضا کل تیس سال ہے۔''[6]

کوثری کی مستدل مندرجہ بالا روایت کا مفاد یہ ہے کہ ابو یوسف اور ان کے صاحبزادے کی مجموعی مدت قضا کم سے کم تیس سال ہے اور دونوں حضرات کی تیس سالہ مدت قضا کی ابتدا و انتہاء معلوم کرنے کے لیے کوثری کا یہ بیان ملحوظ رکھنا ہوگا:

''صاحب زادۂ ابو یوسف یعنی یوسف کی وفات ۱۹۲ھ میں ہوئی۔''[7]

مصنف انوار نے بھی یہی بات کہی ہے اور فرمایا ہے کہ وفات ابی یوسف کے بعد یعنی ۱۸۲ھ کے بعد ان کے صاحبزادے یوسف قاضی بنائے گئے تھے اور موصوف تا وفات قاضی رہے تھے۔[8] جس کا مطلب یہ ہوا کہ وفاتِ ابو یوسف سے لے کر اپنی وفات تک یعنی زیادہ سے زیادہ ۱۸۲ھ سے ۱۹۲ھ کل دس سال تک یوسف قاضی رہے، لہٰذا دونوں حضرات کی تیس سالہ مجموعہ

---

[1] مقدمہ انوار (ص: ۱۷۸) وحسن التقاضي (ص: ۱۹، ۲۰)   [2] صیمری (ص: ۹٤) وموفق (۲/ ۲۲۳)

[3] تاريخ طبري (۱۰/ ۷) والبداية والنهاية (۱۰/ ۱٤۹ واقعات ۱۹٦هـ) تاريخ خطيب (۱٤/ ۲٦۱، بروايت أبي حسان زيادی معاصر أبي يوسف)

[4] خطيب (۱٤/ ۲٦۱)   [5] حسن التقاضي (ص: ۷٥)

[6] نیز ملاحظہ ہو: مناقب أبي حنيفة وصاحبيه للذهبي (ص: ٤٦)

[7] حسن التقاضي (۱/ ۷٦)   [8] مقدمہ انوار (۱/ ۲۲۲)

مدتِ قضا سے یوسف کی دس سالہ مدت قضا خارج کیجیے تو بیس سال ابو یوسف کی مدت قضا متخرج ہوتی ہے، اور اس سے لازم آتا ہے کہ ابو یوسف ۱۶۲ھ ہی میں قاضی بنا دیے گئے تھے، حالانکہ ناظرین کرام دیکھ چکے ہیں کہ مصنف انوار وکوثری کے دعاوی سے لازم آتا ہے کہ ابو یوسف کی مدتِ قضا صرف سترہ سال تھی، نیز مصنف انوار کا ایک دعویٰ یہ ہے کہ ابو یوسف سترہ سال صرف قاضی القضاۃ رہے۔[1] ظاہر ہے کہ یہ بات بھی خلاف واقع ہونے کے ساتھ تضاد بیانی ہے کیونکہ مصنف انوار وکوثری کے متعدد بیانات کا حاصل یہ ہے کہ قاضی القضاۃ اور صرف قاضی ہونے کی مجموعی مدت سترہ سال ہے، دریں صورت دوسرے بیان میں یہ کہنا کہ امام ابو یوسف سترہ سال قاضی القضاۃ رہے کھلا ہوا تضاد ہے۔

واضح رہے کہ کوثری کے دعویٰ مذکورہ بالا یعنی ''ابو یوسف ویوسف کی مجموعی مدت قضا تیس سال ہے'' ایک مکذوبہ روایت پر قائم ہے کیونکہ کوثری نے یہ روایت ابن ابی العوام کی مکذوبہ کتاب سے بحوالۂ محمد بن جعفر نقل کی ہے اور دونوں کے مابین سند میں انقطاع بھی ہے، اور ابن ابی لیلیٰ کی پوری کتاب تین مجہول سلسلہ رواۃ سے مروی ہونے کے سبب مکذوب ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ ابو یوسف اگر چہ ۱۶۶ھ ہی میں قاضی بنا دیے گئے تھے مگر قاضی القضاۃ ہارون رشید کے خلیفہ ہونے کے بعد ہی یعنی ۱۷۰ھ کے بعد بنائے گئے۔[2] موفق وکردری کی نقل کردہ بعض روایات سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ ابو یوسف کو ہارون نے ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضاۃ بنایا۔[3] جس کا مطلب یہ ہوا کہ بارہ سال سے بھی کم عرصہ ابو یوسف قاضی القضاۃ رہے، مگر مصنف انوار فرماتے ہیں کہ موصوف سترہ سال قاضی القضاۃ رہے۔ آخر مصنف انوار کے ان متضاد دعاوی کے معتبر ہونے پر کون سا ثبوت ہے اور ان میں سے کون سا دعوی صحیح ہے؟

ہمارے نزدیک حقیقت امر صرف اس قدر ہے کہ ابو یوسف ۱۶۶ھ میں پہلی بار قاضی بنائے گئے اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضاۃ بنائے گئے۔ کوثری نے ایک روایت نقل کی ہے کہ مہدی کے زمانے میں ابو یوسف کا حال یہ تھا کہ ''فكان يقضي في كل شيء'' ابو یوسف ہر چیز کا فیصلہ کرتے مگر شریک ان کی چلنے نہیں دیتے تھے جس کی شکایت عافیہ وابو یوسف نے خلیفہ سے کی۔[4] مگر اس کی سند میں علی بن صالح غیر متعین ہونے کے سبب بمنزلۂ مجہول ہیں، اور اسی سند میں قاضی وکیع محمد بن خلف لین الروایۃ ہیں۔

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ابو یوسف نے باعتراف کوثری امام مالک کے شاگرد اسد بن الفرات سے مؤطا پڑھی تھی۔[5] اسی طرح امام محمد بن حسن شیبانی نے بھی امام مالک کے شاگرد اسد بن الفرات سے پڑھا ہے مگر امام صاحب امام مالک سے باقاعدہ نہیں پڑھ سکے ہیں جبکہ امام صاحب کے متعدد اساتذہ نے امام مالک سے پڑھا ہے، معلوم نہیں کون سی چیز امام مالک سے امام صاحب کے پڑھنے میں مانع ہوئی جبکہ امام صاحب امام مالک کا احترام بھی اس قدر کرتے تھے کہ باادب بچوں کی طرح امام مالک کی خدمت میں بیٹھا کرتے تھے؟ (كما مر وسيأتي)

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۱۷٤)　　[2] كتاب الخطط للمقريزى (ج: ٤)

[3] موفق (۲/ ۲۲۸، ۲۲۹) وكردرى وغيره.　　[4] حسن التقاضي (ص: ۷۵)

[5] تعليق الكوثري على الانتقاء (ص: ۱۵) ومدارك للقاضي عياض (۳/ ۲۹۱)

امام ابو یوسف کے تلامذہ:

مذکورہ بالاعنوان کے تحت مصنف انوار نے بحوالۂ کوثری امام ابو یوسف کے متعدد تلامذہ کا ذکر کیا ہے، ان میں متعدد حضرات مفروضہ مجلس تدوین فقہ کے اراکین بھی ہیں، مثلاً حسن بن زیاد لؤلؤی، حماد بن دلیل، فضیل بن عیاض، محمد، وکیع بن الجراح وغیرہ۔ ❶

مگر مصنف انوار نے یہ نہیں بتلایا کہ مجلس تدوین کے یہ اراکین وفات ابی حنیفہ کے بعد درسگاہِ ابی یوسف میں زیرِ تعلیم رہ کر شاگردِ ابی یوسف بنے تھے یا وفات ابی حنیفہ سے پہلے حیاتِ ابی حنیفہ ہی میں یہ حضرات امام ابو یوسف سے پڑھتے تھے، اگر یہ حضرات حیاتِ ابی حنیفہ میں درسگاہِ ابی یوسف میں پڑھتے تھے تو اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ امام ابو یوسف وفات ابی حنیفہ سے پہلے درسگاہ علم وفن قائم کر کے درس وتدریس کا کام کرنے لگے تھے اور مذکورہ بالا اراکین مجلس تدوین بھی درسگاہِ ابی یوسف میں پڑھتے تھے حالانکہ امام صاحب کی سرپرستی میں بدعوئ مصنف انوار سارے اراکین مجلس تدوین از ۱۲۰ تا ۱۵۰ھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے تھے تو مصنف انوار یہ وضاحت فرمائیں کہ امام صاحب کی سرپرستی میں تدوین فقہ کا کاروبار چھوڑ کر یہ حضرات کس وقت اور کیوں درسگاہ ابی یوسف میں پڑھتے تھے؟ خصوصاً اس صورت میں کہ مصنف انوار کی متدل روایت کے مطابق امام صاحب کی زندگی میں امام ابو یوسف نے اپنی درسگاہ ایک بار قائم کر لی تو امام صاحب پر یہ بات بہت گراں گزری اور انھوں نے ایسی تدبیر اختیار کی کہ امام ابو یوسف نے پڑھانے کا خیال ترک کر دیا اور دوبارہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں پڑھنا شروع کر دیا۔ نیز مصنف انوار کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ امام محمد درسگاہِ ابی حنیفہ میں ۱۴۶ھ میں پڑھنے آئے اور وہ وفاتِ ابی حنیفہ تک درسگاہِ ابی حنیفہ میں پڑھتے رہے اور وفاتِ ابی حنیفہ کے بعد درسگاہِ ابی یوسف میں پڑھنے لگے۔

الغرض مصنف انوار کو اپنے دعاوی پر قائم رہتے ہوئے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ وفات ابی حنیفہ سے پہلے مذکورہ بالا تلامذۂ ابی یوسف کس زمانے میں درسگاہِ ابی یوسف میں پڑھنے آئے؟ اگر وفات ابی حنیفہ کے بعد آئے تو یہ بتلائیں کہ وفات ابی حنیفہ کے بعد طالب علم کی حیثیت سے درسگاہ ابی یوسف میں زیرِ تعلیم رہنے کے باوجود ۱۲۰ھ میں یہ لوگ جمیع علوم وفنون کے ماہر ومجتہد بن کر کس طرح اراکین مجلس تدوین بنے؟ اور اگر وفات ابی حنیفہ سے پہلے یہ لوگ درسگاہ ابی یوسف میں پڑھتے رہے تو اس کا ثبوت دینے کے ساتھ معارضات کا جواب دیں۔

امام ابو یوسف سے امام احمد کا تلمذ:

مصنف انوار نے بڑے فخر ومسرت سے کہا:

''علامہ کوثری نے تلامذۂ ابی یوسف میں بہت سے لوگوں کے نام تحریر فرما دیے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں، امام احمد بن حنبل۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میرے سب سے پہلے استاذ حدیث امام ابو یوسف ہیں اور ان سے میں نے تین سال ان کے پاس رہ کر تین قماطیر (المماریاں) علم کی لکھی ہیں۔'' ❷

---

❶ ملاحظہ ہو: مقدمه انوار (۱/ ۱۷۸، ۱۷۹)

❷ ملاحظہ ہو: مقدمه انوار (۱/ ۱۷۸) مع حاشیه (۱/ ۱۴۳) تذکره امام أحمد (۱/ ۱۸۲) وغیره

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے امام احمد کی پوری بات نقل نہیں کی کیونکہ وہ فرماتے ہیں:

"أول من كتبت عنه الحديث أبو يوسف وأنا لا أحدث عنه."[1]

"حضرت امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اگرچہ سب سے پہلے میں نے ابو یوسف سے حدیث پڑھی مگر میں ان سے روایت وتحدیث نہیں کرتا ہوں۔"

مطلب یہ ہے کہ امام احمد کے نزدیک ابو یوسف متروک ہیں۔ حلیۃ الاولیاء (۹/ ۱۸۵) میں ہے کہ امام احمد کتبِ محمد بن حسن اورعلوم ابی یوسف و ابی حنیفہ سے اشتغال کو ناپسند کرتے تھے یعنی امام احمد ان کتابوں کو پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچے کہ ابو یوسف ومحمد کی کتابوں سے اشتغال درست نہیں ہے، بلفظ دیگر امام احمد ان کی کتابوں کو معتبر و قابل اعتماد نہیں سمجھتے تھے۔ امام احمد کا یہ قول ترجمۂ اسد بن عمرو البجلی میں منقول ہے کہ "أصحاب أبي حنيفة لا ينبغي أن يروىٰ عنهم شيء."[2] یعنی تلامذہ امام صاحب سے کوئی بھی روایت کرنی مناسب نہیں۔[3]

اس سے معلوم ہوا کہ مصنف انوار نے ابو یوسف کی بابت امام احمد کا قول نقل کرنے میں دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ تاریخ خطیب (۱۴/ ۲۵۹، ۲۶۰) میں یہ بھی منقول ہے کہ امام احمد نے فرمایا: "أبو يوسف صدوق، ولكن أصحاب أبي حنيفة لا ينبغي أن يروىٰ عنهم شيء" یعنی ابو یوسف صدوق ہیں مگر اصحابِ ابی حنیفہ سے روایت کرنی مناسب نہیں۔

مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ امام احمد نے ابو یوسف سے تین سال میں تین قماطیر کتابیں لکھیں اور قماطیر کا معنی موصوف نے "الماریاں" بتلایا تو واضح رہے کہ اس لفظ کا عام معنی "جزو داں" ہے یعنی وہ جھولا جس میں کتابیں رکھی جائیں۔ تاریخ خطیب (۱۳/ ۳۰۸) میں ہے کہ خلیفہ کے پاس قمطر لے کر داخل ہوئے مگر قمطر کا معنی الماری ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خلیفہ کے پاس لوگ الماریاں لیے پھرتے تھے۔ مصنف انوار نے یہ بات بھی پوری نقل نہیں کی پوری بات اس طرح ہے:

"كتبت عن أبي يوسف ومحمد ثلاثة قماطير، فقلت له: كان ينظر فيها، قال: ربما كان ينظر فيها، وكان أكثر نظره في كتب الواقدي."[4]

"امام احمد نے کہا کہ میں نے ابو یوسف ومحمد سے تین قماطیر کتابیں لکھیں، راوی نے پوچھا کیا ان کتابوں کو امام احمد دیکھتے بھی تھے؟ فرمایا کہ کبھی کبھار دیکھ لیتے تھے ورنہ موصوف زیادہ تر واقدی کی کتابیں دیکھتے تھے۔"[5]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنی مستدل روایت کی پوری بات نقل نہیں کی جس کا سبب یہ ہے کہ مصنف انوار اگر امام احمد کی بات نقل کرنے میں حذف واسقاط سے کام نہ لیتے اور پوری کی پوری عبارت من وعن نقل کر دیتے تو ناظرین پر یہ راز فاش ہو جاتا کہ امام احمد کے نزدیک ابو یوسف ومحمد کی کتابوں کی کتنی قدر و قیمت تھی؟ یعنی ان کی قدر و قیمت واقدی کی کتابوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی، حالانکہ امام احمد اپنے شاگرد خاص حنبل بن اسحاق کو کاتبِ واقدی امام ابن سعد کے پاس کتب واقدی نقل کرنے کے لیے بھیجتے اور وہ ہر ہفتہ دو جلدیں نقل کر کے لاتے۔[6] اور واقدی کے پاس ابو یوسف ومحمد کے

[1] خطیب (١٤/ ٢٥٩)
[2] خطیب (٧/ ١٧)
[3] نیز ملاحظہ ہو: الضعفاء للعقيلي (٣/ ١٦٥)
[4] خطیب (٣/ ١٥)
[5] نیز ملاحظہ ہو: التنكيل ترجمة أحمد بن حنبل (١/ ١٦٥، ١٦٦)
[6] خطیب (٣/ ١٥)

مقابلے میں کہیں زیادہ کتابیں تھیں یعنی چھ سو قماطیر۔❶ ظاہر ہے کہ چھ سو قماطیر اور محض تین عدد قماطیر میں بہت فرق ہے۔ واقدی نے صرف ایک ہی ہفتہ میں غزوۂ احد سے متعلق بیس جلدوں میں ایک ضخیم ترین کتاب لکھ دی❷ اور تاریخ برامکہ پر سو جلدیں لکھ دی تھیں۔ بایں ہمہ فرماتے ہیں کہ ان کتابوں میں سے کہیں زیادہ علوم وفنون میرے گوشۂ دماغ میں محفوظ ہیں۔

واقدی کو سورۂ جمعہ بھی حفظ نہیں تھی:

اس کے باوجود واقدی کو ٹھیک سے قرآن مجید یاد نہیں تھا حتی کہ وہ نماز جمعہ کی امامت سے اسی لیے بھاگتے تھے کہ انھیں سورۂ جمعہ یاد نہیں تھی، خلیفہ مامون نے بڑی محنت کر کے انھیں دو پہر تک میں آدھی سورۂ جمعہ یاد کرائی مگر جب نصف آخر یاد کرانے لگا تو موصوف واقدی یاد کیا ہوا نصف اول بھول گئے۔❸ ان تفاصیل سے معلوم ہوا کہ واقدی، ابو یوسف اور محمد سے کہیں زیادہ صاحب علم وصاحب تصانیف تھے اوران کی کتابوں سے امام احمد کو ابو یوسف ومحمد کی کتابوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ دلچسپی تھی، بایں ہمہ واقدی میدان علم میں کذاب، وضاع اور جھوٹے راوی کی حیثیت رکھتے ہیں، حالانکہ خلفاء کے یہاں ان کی بھی بڑی پذیرائی ہوتی تھی، خلفاء کے ہاں کسی کی پذیرائی کو علمی برتری کی دلیل علم سے تہی لوگ ہی سمجھتے ہوں گے۔ امام احمد ایک مشہور کذاب یعقوب بن الولید مدینی کی کتابیں بھی لکھتے اور ساتھ ہی ساتھ فرماتے تھے: ”كان من الكذابين، وكان يضع الحديث، وكان يكذب“❹ اس کے باوجود بھی اگر مصنف انوار حقیقت نہ سمجھ سکیں تو کیا کیا جائے؟

درسگاہِ مالکی میں حاضرین کی ترتیب:

ابو یوسف کے استاذ اسد بن الفرات نے اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ درسگاہِ امام مالک میں پہلے مدینہ کے طلبہ کو حاضر ہونے کی اجازت ملتی تھی، ان کے بعد مصری طلبہ کو۔ پھر ان کے بعد دوسروں کو یعنی کوفی طلبہ، مثلاً محمد بن حسن شیبانی وغیرہ کا نمبر درسگاہِ مالکی میں حاضری کے لیے بہت بعد میں آتا تھا۔❺

امام مالک سے ابو یوسف کا شوقِ استفادہ:

اسد ہی نے اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ جب میں عراق پہنچا تو میں نے ابو یوسف کی درسگاہ میں محمد بن حسن کو پڑھتے ہوئے پایا اور جب ابو یوسف کوئی مسئلہ پڑھاتے تھے تو کہتے تھے کہ کاش مجھے اس مسئلہ میں امام مالک کا قول معلوم ہوسکتا! ابو یوسف کی اس تمنا کو میں پوری کرتا۔❻

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ کے انتقال کے بعد بھی ابو یوسف علومِ امام مالک کے محتاج تھے، اور چہل رکنی مجلس تدوین کے رکنِ خاص محمد بن حسن درسگاہِ ابی یوسف میں ایک طالب علم تھے اور جو آدمی وفات ابی حنیفہ کے بعد بھی محض ایک طالب علم ہو وہ وفات ابی حنیفہ سے تیس سال پہلے فقیہ ومجتہد کی حیثیت سے کس طرح چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن بن سکا ہوگا؟

---

❶ خطیب (٣/ ٦)　❷ خطیب (٣/ ٧)　❸ خطیب (٣/ ٧)

❹ خطیب (١٤/ ٢٦٦)　❺ مدارك (٣/ ٢٩٢)　❻ مدارك (٣/ ٢٩٣)

وفاتِ مالک پر اہل عراق خصوصًا اہل کوفہ کا غم وسوگ:

اسد ہی نے اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ جس زمانہ میں میں کوفہ میں تھا امام مالک کی خبر مرگ پہنچی، ان کی خبر مرگ سے پورا عراق سوگوار ہو گیا، تمام درسگاہوں سے مالک، مالک، إنا لله وإنا إليه راجعون کی دلدوز وجان سوز آوازیں ابھرنے لگیں، اہل عراق کے اس سوز وگداز واجتماعی طور پر امام مالک کی موت پر سوگ وغم کو دیکھ کر میں نے مرگِ مالک کا ردعمل محمد بن حسن پر بھی دیکھنا چاہا، لہٰذا میں نے ان سے کہا:

"ماكثرة ذكركم لمالك على أنه يخالفكم كثيرا؟"

''آپ لوگ امام مالک کا اس قدر سوگ کیوں منا رہے ہیں جبکہ وہ آپ لوگوں کی مخالفت بڑی کثرت سے کرتے تھے؟''

میری اس بات کے جواب میں امام محمد شیبانی نے کیا خوب جواب دیا:

"اسكت كان والله أمير المؤمنين في الآثار."[1] ''بخدا وہ احادیث کے علوم میں امیر المؤمنین تھے۔''

اس بات سے متاثر ہو کر اسد بن فرات نے عراقیوں کے مذہب کو خیر باد کہا اور مالکی مذہب کی طرف دوبارہ منتقل ہو گئے۔ ناظرین نے امام مالک کی وفات کا ردعمل عراق میں ملاحظہ کر لیا، آگے چل کر معلوم ہو گا کہ امام ابوحنیفہ کی وفات کا عالمِ اسلام پر کیا ردعمل ہوا تھا؟

اسد کی نظر میں مالکی وحنفی مذہب کا فرق:

اسد سے کسی نے پوچھا کہ اہل مدینہ کے مذہب ومسلک پر عمل کیا جائے یا اہل عراق کے؟ اسد نے جواب دیا کہ اگر اللہ کی مرضی اور آخرت کی بھلائی چاہتے ہو تو اہل مدینہ کا مذہب اختیار کرو اور اگر صرف دنیا طلبی مقصود ہو تو مذہب حنفی کی پابندی کرو۔[2]

ظاہر ہے کہ مصنف انوار مدارک کی مذکورہ روایات کو صحیح ومعتبر مان کر حنفی مذہب پر مالکی مذہب کو فوقیت دینے کے روادار نہیں، پھر یہ توقع کیونکر کی جا سکتی ہے کہ دوسرے لوگ احناف کی گھڑی ہوئی ان خانہ ساز وضعی روایات وافسانوی حکایات کو صحیح ومعتبر مان لیں گے جن کو محض اس لیے ایجاد ووضع کیا گیا ہے کہ دوسرے مذاہب وائمہ پر حنفی مذہب وحنفی ائمہ کی برتری وفضیلت ثابت کی جا سکے؟

مصنف انوار کی مدحِ بشر مریسی:

تلامذۂ ابی یوسف میں سے ایک حنفی فقیہ بشر بن غیاث مریسی کی مدح سرائی کرتے ہوئے مصنف انوار نے کہا:

''مشہور فقیہ تھے، نقض دارمی سے ان کے علو مرتبت علمی کا پتہ چلتا ہے، ان کی بہت سی علمی تصانیف اور ابو یوسف سے روایاتِ کثیرہ ہیں، اہل زہد وورع میں سے تھے، مسئلہ خلق قرآن میں معتزلہ کی طرف میلان ہو گیا تھا، اگرچہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی مراد مابین الدفتین تھی۔ علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ (۱/ ۲۵۶) میں ان کو مرجی کہا ہے اور بھی کچھ چیزیں ان کی طرف منسوب ہوئیں۔ واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہیں؟''[3]

---

[1] مدارك (۳/ ۲۹۵)
[2] مدارك (۳/ ۳۰٦)
[3] مقدمه انوار (۱/ ۱۷۸، ۱۷۹ مع حواشي)

مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں عجیب انداز سے بشر کا تعارف کرانے کی کوشش کی ہے، انھوں نے بشر کے تفقہ اور علم وفضل، زہد وورع کو خوب نمایاں کرنا چاہا ہے مگر بشر کے اوپر ائمہ جرح وتعدیل کے جو سخت کلمات جرح ہیں ان کی اہمیت گھٹانے کے لیے کہہ دیا کہ ''واللہ اعلم کہاں تک صحیح ہیں؟'' نیز نہایت پالیسی آمیز لہجے میں فرمایا کہ ان کا میلان مسئلہ قرآن میں معتزلہ کی طرف ہوگیا تھا، پھر اس کی تاویل بھی کرنی چاہی اور بحوالۂ ابن تیمیہ ان کے مرجی ہونے کا قول اس انداز میں نقل کیا گویا ان کا مرجی ہونا مشکوک ہے۔

بشر مریسی کا تعارف:

علمی متانت اور دیانتداری کے ساتھ نقض دارمی کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ بشر مریسی ایک جہمی اور مرجی، ضال ومضل اور سخت متعصب ہونے کے ساتھ تضاد بیانی میں بالکل کوثری اور مصنف انوار کے مثل تھا، چنانچہ نقض دارمی کی تصریحات یہ ہیں کہ مصنف انوار کے متعدد ممدوحین، مثلاً ابن شجاع، حسن بن زیاد وغیرہ جیسے لوگوں کے اقاویل کو اس جہمی نے ایک کتابی شکل میں بالکل اس طرح مرتب کیا جس طرح مصنف انوار ''انوار الباری'' کو انور شاہ اور اپنے دیگر اسلاف کے مجموعۂ افادات کے نام سے شائع کر رہے ہیں، اس شخص نے حنفیوں کے ان اکابر اماموں کے اقاویل کی ترتیب اس طرح دی ہے کہ اس سے حنفیوں کے اکابر اماموں کی علمی شان نمایاں ہوکر سامنے آجاتی ہے۔ اس جہمی شخص نے عام جہمیوں کی طرح بڑی جرأت سے یہ دعوی کیا ہے کہ جو شخص قرآن کو غیر مخلوق کہے وہ کافر ہے۔ نقض دارمی میں بشر جہمی سے مخاطب ہوکر کہا گیا ہے:

> ''بشر مریسی کے قول کے مطابق امام ابوحنیفہ ودیگر احناف کافر قرار پائے، فادعيت أن من قال: القرآن غير مخلوق فقد جاء بالكفر عياناً.[1] یعنی تمہارا دعوی ہے کہ جو شخص قرآن کو غیر مخلوق کہے وہ کافر ہے۔''[2]

مصنف انوار کا کہنا ہے کہ امام صاحب قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے، اسی طرح ان کے عام تلامذہ بھی لیکن بشر کا جو فتوی اوپر نقض دارمی میں منقول ہے اس کے مطابق نعوذ باللہ امام صاحب اور ان کے تلامذہ کافر قرار پاتے ہیں، آخر نقض دارمی کی کس عبارت سے بشر کے علومرتبت کا پتہ لگتا ہے؟ اسے مصنف انوار ذرا نقل تو کریں!

بشر مریسی کے فتوی سے مصنف انوار مشرک قرار پاتے ہیں:

اسی نقض دارمی (ص: ٦٣) میں ہے کہ مصنف انوار کے حنفی امام بشر مریسی نے یہ بھی کہا کہ جو شخص اس فرمان نبوی کہ ''إن الله يترآى لعباده المؤمنين يوم القيامة في غير صورته. الحديث[3] کے صحیح ہونے کا اقرار کرے وہ مشرک ہے، اور ظاہر ہے کہ مصنف انوار اور ان کے دیوبندی اساتذہ بھی اس روایت کو صحیح مانتے ہیں، لہٰذا جس کتاب سے بدعویٰ کوثری ومصنف انوار بشر کے علومرتبت علمی کا پتہ چلتا ہے اس سے مصنف انوار کے مشرک ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔

---

[1] نقض دارمي (ص: ٩٤)

[2] نیز ملاحظہ ہو: نقض دارمي (ص: ١١٢، ١١٣)

[3] صحيحين.

بشر مریسی کے فتوی سے تمام اہل تقلید مصنف انوار وغیرہ فعلِ حرام کے مرتکب ثابت ہوتے ہیں:

اسی نقض دارمی (ص: ۱۴۴) میں بشر کا یہ فتوی منقول ہے کہ تقلید حرام ومحرم ہے، نقض دارمی کی تصریح کے مطابق تمام دیوبندی لوگ فعلِ حرام کے مرتکب ہیں کیونکہ دارالعلوم دیوبند کے بانی تک مقلد تھے، نیز علامہ انور شاہ وغیرہ سب مقلد تھے۔ مصنف انوار کو بشر کے اس فرمان عالی میں کوئی فقاہت وعلو مرتبت علمی نظر نہیں آئی، وہ تقلید پرستی کو اپنا شعار بنانے کے باوجود تقلید کو حرام کہنے والے بشر مریسی کی شان میں فرماتے ہیں کہ نقض دارمی سے ان کا علو مرتبت علمی ظاہر ہے، اس موقع کی مناسبت سے تقلید پرست احناف کو خطاب کرتے ہوئے نقض دارمی میں کہا گیا ہے کہ جب بشر مریسی کے نزدیک تقلید حرام ہے تو تم لوگ امام ابوحنیفہ وابو یوسف کی تقلید کیوں کرتے ہو؟ [1]

بشر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اکذب المحدثین کہا:

اس نقض دارمی میں جہمیوں کا یہ عقیدہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اکذب المحدثین تھے، ظاہر ہے کہ یہ بات بھی مصنف انوار کے نزدیک مریسی کے فقیہ وعلو مرتبت کی دلیل ہے، اسی طرح حضرت امیر معاویہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما پر بھی اتہام بازی کی گئی ہے۔ [2] نعوذ باللّٰہ من فضائح التقلید!

نقض دارمی (ص: ۱۳۸) میں بشر کا یہ اصول بتلایا گیا ہے کہ جو چیزیں انھیں پسند ہوں وہ مقبول ورنہ مردود ہیں، ناظرین کرام دیکھتے آرہے ہیں کہ کوثری اور ارکان تحریک کوثری خصوصاً مصنف انوار کا بھی یہی اصول ہے۔

بشر مریسی کی بابت امام ابن تیمیہ کی عبارت نقل کرنے میں مصنف انوار کی خیانت:

ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار اہل علم کی عبارتیں نقل کرنے میں تحریف اور خیانت کرتے رہتے ہیں، چنانچہ بشر کی مدح سرائی کے ضمن میں انھوں نے امام ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ بشر مرجی تھے، حالانکہ امام ابن تیمیہ نے یہ کہا ہے:

"بشر المريسي كان من المرجئة، ولم يكن من المعتزلة، بل كان من كبائر الجهمية." [3]

''بشر مرجی تھا معتزلی نہیں تھا بلکہ یہ شخص کبار جہمیہ میں سے تھا۔''

امام ابن تیمیہ نے جہمیہ کو صفاتِ الٰہی کی نفی میں معتزلہ سے زیادہ غالی بتلایا ہے، مصنف انوار نے مریسی کی بابت امام ابن تیمیہ کی پوری بات نقل کرنے میں معلوم نہیں کس مصلحت کی بنا پر خیانت کی ہے؟ شاید اس لیے کہ بشر کے عیوب ظاہر نہ ہو سکیں کیونکہ اگر بشر کا صرف مرجی ہونا ہی ظاہر ہو سکے تو یہ کوئی زیادہ قبیح بات نہیں۔ امام ابوحنیفہ کو بھی ابن تیمیہ نے مرجیہ میں شمار کیا ہے۔ کما سیأتي۔

امام عجلی نے کہا ہے کہ ''میں نے اس شخص یعنی بشر مریسی کو دیکھا ہے وہ ایک فاسق آدمی ہے۔'' فن رجال کے ماہر امام ابوزرعہ رازی نے کہا: ''وہ زندیق ہے۔'' خلیفہ وقت ہارون نے کہا: ''وہ عذاب قبر، منکر نکیر، وجود جنت وجہنم، میزان وصراط کا منکر ہے، اسی لیے وہ سید الفقہاء بھی ہے۔'' یعنی جہمیوں کے سید الفقہاء اسی قسم کے عقائد وخیالات رکھتے ہیں!!

---

[1] نقض دارمي (ص: ١٤٥)　[2] نقض دارمي (ص: ١٣٢ تا ١٣٣)　[3] منهاج السنة (١/ ٢٥٦)

بشر کی ماں نے امام شافعی سے کہا۔ ''یہ زندیق ہے۔'' اس نے امام شافعی کے سامنے قرعہ کے جواز میں حدیث نبوی سن کر کہا کہ ''قرعہ قمار ہے۔'' امام یزید بن ہارون نے کہا کہ بشر مرتد، زندیق اور حلال الدم ہے۔ شبابہ بن سوار، ہاشم بن قاسم، ابوالنضر ودیگر فقہاء کا متفقہ فتوی تھا کہ بشر کافر جاحد اور مستحق قتل ہے۔[1] یہ سب باتیں باسانید صحیحہ ثابت ہیں مگر مصنف انوار کو ان میں محض اس لیے شک ہے کہ بشر حنفی فقیہ تھا، کسی حنفی فقیہ کو مصنف انوار مجروح ماننے کے لیے تیار نظر نہیں آتے۔

مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ بشر کے قرآن کو مخلوق کہنے کا مقصود ما بین الدفتین تھا، وہ کوثری کا فرمودہ ہے، اور یہ بات کوثری ومصنف انوار کی سازش سے مشہور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ بشر کے زیغ وضلال کی اہمیت گھٹائی جا سکے، اور اس فقیہ کو تمام عیوب سے محفوظ بتلایا جا سکے، اسی لیے اس کا بھی پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے کہ بشر اہل ورع وزہد میں سے تھا، حالانکہ اس دعویٰ پر کوئی ثبوت نہیں۔ اگرچہ زہد وورع میں امام ابوحنیفہ کے معتزلی استاذ عمرو بن عبید کو بڑی شہرت تھی، بایں ہمہ وہ کذاب ووضاع تھے، لیکن بشر کے صاحب زہد وورع ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ مصنف انوار نے اپنے استاذ کوثری کی تقلید میں اس بات کا پروپیگنڈہ بھی کیا ہے کہ ابو یوسف کی تنبیہ سے بشر کی شاید کچھ اصلاح ہوگئی۔ اس دعوی کے ثبوت میں یہ روایت پیش کی گئی کہ امام احمد نے فرمایا:

''میں اس مجلس میں موجود تھا جب بشر کو ابو یوسف کے حکم سے پاؤں سے کھینچ کر نکالا گیا، پھر میں نے اگلے روز دیکھا کہ آئے۔''

روایت مذکورہ کوثری نے ابن ابی العوام کی کتاب سے نقل کی ہے جس کا ساقط الاعتبار ہونا واضح ہو چکا ہے، کوثری نے یہ بھی کہا ہے کہ ''امام شافعی بغداد آئے تو بشر کے یہاں مہمان ہوئے۔''[2] حالانکہ اسی موقع پر والدۂ بشر نے امام شافعی سے کہا تھا کہ اس زندیق کو سمجھا دیجیے کہ اپنی خرافات سے توبہ کرے لیکن امام شافعی کے سمجھانے کا اس شخص پر کوئی اثر نہیں ہوا۔[3]

امام صاحب سے بشر کا رشتۂ تلمذ:

بعض احناف نے بشر کو امام صاحب کا شاگرد کہا ہے[4] مگر چونکہ ولادتِ بشر ۱۴۸/ ۱۴۹ھ میں اور وفات ۲۱۸/ ۲۱۹ھ میں بعمر ستر سال ہوئی، اس لیے امام صاحب سے موصوف کا رشتۂ تلمذ محال ہے مگر اس طرح کی محال باتوں کو امر واقع ماننے والے مصنف انوار نے معلوم نہیں کیوں بشر کو بھی مجلس تدوین کا رکن قرار نہیں دیا؟

امام ابو یوسف کے حسنِ کلام کا تذکرہ

مصنف انوار نے کہا:

''حارثی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ ابو یوسف جب کسی مسئلہ پر کلام کرتے تو سننے والے ان کی دقتِ کلام سے متحیر ہو جاتے۔''[5]

ہم کہتے ہیں کہ حارثی کذاب ہے، پھر اس کی روایت کو دلیل بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ نیز دقتِ کلام کا وصف کذاب ومتروک ہونے کے منافی نہیں ہے۔

[1] خطیب ولسان ومیزان وغیرہ.　[2] حسن التقاضي (ص: ۱۹)
[3] خطیب ترجمة بشر.　[4] فوائد البهية.　[5] مقدمه انوار (۱/ ۱۸۰)

امام ابو یوسف سے امام شافعی کا رشتۂ تلمذ:

مصنف انوار نے تلامذۂ ابی یوسف کی فہرست میں امام شافعی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ امام شافعی بواسطہ امام محمد شیبانی امام ابو یوسف کے شاگرد تھے، ابو یوسف سے امام شافعی کا لقا نہیں تھا مگر ہم کہتے ہیں کہ امام شافعی امام ابو یوسف کے تیس سال سے بھی زیادہ معاصر رہ چکے تھے، پھر کون سی چیز مانع تھی کہ مصنف انوار نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ امام شافعی شاگرد ابی یوسف ہیں جبکہ امام صاحب کو جن صحابہ کی چند سالہ معاصرت حاصل ہے ان سے امام صاحب کی ملاقات و روایت پر مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کی بہت بڑی دلیل یہی ہے کہ امام صاحب ان صحابہ کے معاصر تھے؟ اس جگہ مصنف انوار نے کہا ہے:

''ابو یوسف کے بجائے یوسف سمتی استاذ شافعی تھے، ہم اس موضوع پر آگے چل کر مفصل گفتگو کریں گے۔''

امام صاحب بالواسطہ حارث اعور کے شاگرد تھے اور ابو یوسف بالواسطہ جابر جعفی کے شاگرد تھے، حارث وجابر کو امام صاحب نے اور مصنف انوار نے مجروح قرار دیا ہے، اسی طرح ابو یوسف کو بھی امام صاحب نے مجروح قرار دیا ہے، پھر اگر ابو یوسف امام شافعی کے استاذ الاستاذ ہیں تو انھیں مجروح ماننے میں کون سی چیز مانع ہے؟

تنبیہ:

اس جگہ مصنف انوار نے کہا کہ ''امام اعظم نے ابو یوسف کو أعلم اہل الارض کہا۔'' اور ہم بتلا آئے ہیں کہ یہ جملہ اس روایت کا ٹکڑا ہے جسے مصنف انوار (۱/۱۷۴) نقل کر آئے ہیں کہ ''یہ جوان اگر مر گیا تو زمین کا سب سے بڑا عالم اٹھ جائے گا۔'' اور یہ کہا جا چکا ہے کہ یہ روایت ساقط ہے۔

ذکر ابی یوسف سے پہلے منہ کو اشنان وگرم پانی سے دھونا مصنف انوار کے نزدیک ضروری ہے:

مصنف انوار نے ایک طویل روایت نقل کی جس کا خلاصہ یہ ہے:

''حافظ علی بن جعد ایک دن درس دے رہے تھے، آپ نے ''أخبرنا'' کہا تھا کہ ایک شخص بول پڑا، حضرت الاستاذ نے ابو یوسف کی تحقیر محسوس کی اور بارعب لہجہ میں فرمایا کہ ابو یوسف کا ذکر مبارک کرو تو پہلے منہ کو اشنان وگرم پانی سے دھولو۔''[1]

أوّلاً: مصنف انوار پہلے یہ فرمائیں کہ انھوں نے ذکر ابی یوسف کا انوار الباری میں جو بار بار اعادہ کیا ہے تو انھوں نے ہر مرتبہ اپنے منہ کو اشنان اور گرم پانی سے دھویا ہے یا نہیں؟

ثانیاً: اس روایت کی سند میں قاضی ابو محمد عبداللہ بن محمد اسدی ساقط الاعتبار ہے۔[2] پھر اسے دلیل بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟

اس جگہ مصنف انوار نے اپنی اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ امام اعمش نے امام ابو یوسف کی حدیث بریرہ کی شرح معانی پر ''أنتم الأطباء ونحن الصيادلة'' کہا۔[3] ہم اس روایت کا ساقط الاعتبار ہونا واضح کر آئے ہیں، اور اس موضوع پر مفصل

---

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۹) وحسن التقاضي (ص: ۳۰)

❷ أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۹۵) وعام كتب مناقب أبي حنيفة. ❸ مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۹)

گفتگو آگے آرہی ہے۔ اس جگہ مصنف انوار نے جو یہ کہا کہ ''بقول ابن معین ابو یوسف صاحب حدیث وسنت تھے'' اس کی حقیقت بیان ہوچکی ہے۔ مصنف انوار نے کہا:

''عبداللہ بن داود خریبی کا قول ہے کہ ابو یوسف تمام فقہی مسائل پر ایسا عبور رکھتے ہیں کہ وہ سب ان کے سامنے کفِ دست کی طرح ہیں۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت حافظ ذہبی نے ابن الثلجی سے نقل کی ہے۔[2] اور ابن الثلجی محمد بن شجاع بلخی کذاب ہے، کذاب کی بات کیونکر معتبر ہے؟

مصنف انوار نے کہا:

''عمرو بن محمد ناقد جو اہل رائے محدثین سے تعصب رکھتے تھے، فرماتے تھے کہ میں اصحاب رائے میں سے کسی سے روایت حدیث پسند نہیں کرتا مگر ابو یوسف سے کیونکہ وہ صاحب سنت تھے۔''

ہم کہتے ہیں کہ امام عمرو بن محمد ناقد پر نیشن زنی کرتے ہوئے ان کے قول کو حجت بنانے والے مصنف انوار کو کیا یہ بات معلوم نہیں ہے کہ صاحب سنت ہونا کذاب وغیر ثقہ ہونے کے منافی نہیں ہے؟ اور کسی راوی سے کسی محدث کا روایت کرنا اس کے ثقہ ہونے کو مستلزم نہیں ہے الا یہ کہ محدث مذکور صرف ثقہ ہی سے روایت کرتا ہو، دریں صورت یہ کہا جائے گا کہ اس محدث کے نقطۂ نظر سے راویٔ مذکور ثقہ ہوسکتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسروں کے نزدیک وہ مجروح نہ ہو، مثلاً امام ابو یوسف سے اگرچہ بعض محدثین نے روایت کی مگر امام ابوحنیفہ وابن المبارک وغیرہ نے انھیں کذاب اور عام اہل علم نے متروک کہا اور یہ ثابت نہیں کہ امام عمرو الناقد صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔

حافظ ابن حبان نے کہا:

"كان أبو بشر أحمد بن محمد الفقيه من أصلب أهل زمانه في السنة، وأذبهم عنها، وأقمعهم لمن خالفها، وكان مع هذا يضع الحديث، و قد وضع في فضائل قزوين أربعين حديثا، كان يقول إني أحتسب في ذلك."[3]

''ابو بشر احمد بن محمد اپنے زمانے میں سب سے زیادہ سنت کے حامی اور مخالفینِ سنت کا قلع قمع کرنے والے تھے، اس کے باوجود وضاع تھے، انھوں نے صرف فضیلتِ قزوین میں چالیس احادیث وضع کیں اور کہتے تھے کہ میں وضع حدیث کا کام کار ثواب سمجھ کر کرتا ہوں۔''

غلامِ خلیل احمد بن محمد بن غالب وضاع تھا مگر اتنا عابد وزاہد تھا کہ اس کی موت پر بغداد کے بازار بند ہوگئے اور حکومت نے اس کی تحسین کی۔[4]

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۰) [2] مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ٤٠) وحسن التقاضي.

[3] المجروحين (١/ ١٤٣ تا ١٥١) والموضوعات لابن الجوزي (١/ ٤١)

[4] الموضوعات لابن الجوزي (١/ ٤٠)

مصنف انوار نے کہا:

''محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ ابو یوسف قاضی القضاۃ ہوجانے کے بعد بھی ہر روز دوسو رکعات نماز پڑھا کرتے تھے۔''❶

ہم کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ کی سند میں احمد بن عطیہ المعروف بابن المغلس ہے۔❷ ظاہر ہے کہ ابن المغلس کذاب ہے تو اس کی روایت کیونکر معتبر ہوسکتی ہے؟

ابو یوسف کی توثیق ابن المدینی:

مصنف انوار نے کہا:

''علی بن المدینی نے فرمایا کہ ۱۸۰ھ میں امام ابو یوسف بصرہ آئے، ہم ان کی خدمت میں جایا کرتے تھے، ان کا طریقہ تھا کہ دس احادیث روایت کرتے، پھر دس فقہی آرا، اس عرصہ میں مجھے ایک روایت میں منفرد معلوم ہوئے جو ہشام بن عروہ سے روایت کی اور وہ صدوق تھے، علامہ کوثری نے اس مقام پر تحریر کیا کہ جو شخص تلخیص الحبیر (ص: ۲۴۹) وسنن بیہقی (۶/ ۶۱) کا مطالعہ کرے گا وہ جان لے گا کہ اس حدیث میں بھی وہ منفرد نہیں کیونکہ متابع موجود ہے۔''❸

ہم کہتے ہیں کہ امام ابن المدینی کے حوالے سے مصنف انوار نے جو بات اوپر لکھی ہے وہ ایسی روایت سے ماخوذ ہے جس میں صراحت ہے کہ امام ابن المدینی نے کہا کہ ۱۷۶ھ میں امام ابو یوسف پہلی بار ہمارے یہاں بصرہ آئے تو ان سے ہم لوگ ملنے نہیں آتے تھے مگر اس کے چار سال بعد ۱۸۰ھ میں جب موصوف دوبارہ آئے تو ہم ان کے پاس آنے لگے۔ اس کا حاصل مطلب ہم عرض کر آئے ہیں کہ اہل بصرہ بشمول ابن المدینی ۱۷۶ھ میں امام ابو یوسف کو حنفی المذہب سمجھنے کے سبب موصوف سے ملنے نہیں آتے تھے لیکن اس کے بعد ۱۸۰ھ میں امام ابو یوسف کی اختیار کردہ پالیسی کی بنا پر اہل بصرہ میں یہ شہرت ہوگئی تھی کہ امام ابو یوسف مذہب اہل حدیث کی طرف میلان ورجحان رکھنے لگے ہیں، اس لیے اہل بصرہ بشمول ابن المدینی ابو یوسف کے پاس آنے لگے، یہ مستبعد نہیں کہ بصرہ میں اہل حدیث اور اہل الرای دونوں کو خوش رکھنے کے لیے امام ابو یوسف باری باری ایسی احادیث صحیحہ اور ایسی فقہی باتیں دس دس کی تعداد میں بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہوں جن پر کسی فریق کو انگشت نمائی کا موقع نہ مل سکے۔ اس سے امام ابو یوسف پر امام ابوحنیفہ، ابن المبارک، یزید بن ہارون، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ وغیرہم سے مروی جرحیں بے اثر نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ مستبعد نہیں کہ غیر ثقہ مجروح راوی سو دوسو احادیث صحیحہ اہتمام کر کے لوگوں کے سامنے اس طرح بیان کردے کہ ان میں بعض لوگوں کو کسی طرح کی غلطی سرزد ہونے کا احساس نہ ہوسکے۔

مصنف انوار نے تقلید کوثری میں جو یہ کہا ہے کہ ابو یوسف کی روایت کردہ جس حدیث کی بابت ابن مدینی نے یہ کہا کہ اس کی نقل میں ابو یوسف منفرد ہیں اس کی متابعت کی گئی ہے، اور جو شخص تلخیص الحبیر وسنن بیہقی دیکھے گا وہ جان لے گا کہ اس حدیث میں بھی امام ابو یوسف منفرد نہیں ہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ تلخیص الحبیر مطبوعہ اثریہ پاکستان (۱۹۶۴ء، ۱۳۹۴) کتاب البیوع (۳/ ۴۳) میں روایت مذکورہ کو بحوالہ بیہقی ابو یوسف کی سند سے نقل کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ بیہقی نے کہا: "يقال: إن أبا يوسف تفرد به، وليس كذلك، ثم أخرجه من طريق الزبيري المدني القاضي عن هشام نحوه"

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۰)　❷ خطیب (۱۴/ ۲۵۵) وعام کتب رجال.　❸ مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۰)

اس کا حاصل یہ ہے کہ بقول بیہقی روایت مذکورہ کی نقل میں ابو یوسف منفرد نہیں ہیں بلکہ ان کی متابعت زبیری مدنی قاضی نے کی ہے، ہمارے خیال سے بیہقی کی جو بات تلخیص الحبیر میں نقل کی گئی ہے وہ موصوف کی کتاب معرفۃ السنن سے یا الخلافیات سے نقل کی گئی ہوگی، یہ بات سنن بیہقی میں موجود نہیں۔ البتہ سنن بیہقی میں یہ حدیث ابو یوسف سے اس طرح مروی ہے:

"ثنا هشام بن عروة عن أبيه أن عبد الله بن جعفر أتى الزبير بن العوام فقال: إني اشتريت كذا وكذا، وإن عليا يريد أن يأتي أمير المؤمنين عثمان، يعني فيسئله أن يحجر علي فيه، فقال الزبير: أنا شريكه في البيع، وأتى عثمان فذكر ذلك له، فقال عثمان: كيف أحجر على رجل في بيع شريكه فيه الزبير؟"[1]

''ہم سے ہشام بن عروہ نے اپنے باپ کے حوالے سے بیان کیا کہ عبداللہ بن جعفر زبیر بن عوام کے پاس آکر بولے کہ میں نے فلاں فلاں طرح جائیداد خرید لی ہے مگر علی بن ابی طالب حضرت عثمان سے مل کر میری اس بیع پر بندش لگوانا چاہتے ہیں، حضرت زبیر نے کہا کہ میں آپ کے اس سودا میں شریک ہو جاتا ہوں، پھر زبیر نے آکر عثمان سے پوری بات کہی، حضرت عثمان نے کہا کہ میں ایسی بیع پر کیونکر بندش لگا سکتا ہوں جس میں زبیر شریک ہوں؟''

روایت مذکورہ کو حافظ خطیب نے نقل کیا ہے، اس میں صراحت ہے کہ امام احمد بن حنبل نے صاف طور پر فرمایا: "إنا لم نسمع هذا الأمر إلا من حديث أبي يوسف القاضي"[2] یعنی یہ حدیث ہم نے صرف ابو یوسف قاضی سے سنی ہے۔ مطلب یہ کہ ابو یوسف کے علاوہ کسی دوسرے نے اسے بیان نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن المدینی اور امام احمد بن حنبل یہ بیان کرنے پر متفق ہیں کہ حدیث مذکور کی نقل میں ابو یوسف منفرد ہیں، اس کے برعکس بیہقی مدعی ہیں کہ ابو یوسف منفرد نہیں بلکہ ان کا متابع موجود ہے۔ اپنے اس دعوی کے ثبوت میں بیہقی نے جو دلیل پیش کی وہ مندرجہ ذیل روایت ہے:

"قال علي بن عثام حدثني محمد بن القاسم الطلحي عن الزبير بن المديني قاضيهم عن هشام بن عروة عن أبيه أن عبد الله بن جعفر اشترى أرضا بستمائة ألف درهم، قال: فهم علي وعثمان أن يحجرا عليه، قال: فلقيت الزبير فقال: ما اشترى أحد بيعا أرخص مما اشتريت، قال: فذكر له عبد الله الحجر، قال: لو أن عندي مالا لشاركتك، فقال: إني أقرضك نصف المال، قال: فإني شريكك، قال: فأتاهما علي وعثمان، وهما يتراوضان، قال: وما تراوضان؟ فذكرا له الحجر على عبد الله بن جعفر، فقال أتحجران على رجل أنا شريكه؟ قالا: لا لعمري، قال: فإني شريكه فتركه."[3]

''علی بن عثام نے کہا کہ مجھ سے محمد بن قاسم طلحی نے قاضی زبیری المدینی کے حوالے سے بیان کیا، انھوں نے ہشام کے حوالے سے اور ہشام نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ عبداللہ بن جعفر نے چھ لاکھ درہم میں ایک زمین خریدی تو حضرت علی وعثمان نے ان کی اس خرید پر بندش لگانی چاہی، یہ صورت حال دیکھ کر عبداللہ بن جعفر نے

---

[1] سنن البيهقي (٦/ ٦١)
[2] خطيب (١٤/ ٢٤٢، ٢٤)
[3] سنن البيهقي (٦/ ٦٦)

زبیر بن عوام سے جا کر کہا کہ میں نے اس طرح سے ایک زمین خریدی ہے، زبیر نے کہا کہ تمہارے علاوہ اتنی سستی زمین تو کسی دوسرے نے کبھی خریدی ہی نہیں، عبداللہ بن جعفر نے اپنی اس خرید پر علی وعثمان کی طرف سے لگائی جانے والے بندش کے خطرہ کا ذکر کیا، یہ سن کر زبیر نے کہا کہ اگر میرے پاس پیسے ہوتے تو میں تمہاری اس بیع میں شریک یعنی ساجھے دار بن جاتا، عبداللہ بن جعفر نے کہا کہ میں بطور قرض آپ کی طرف سے آدھی قیمت ادا کر کے آپ کو اس بیع کا ساجھے دار بنا رہا رہوں، اتنے میں حضرت علی وعثمان آگئے دونوں باہم مباحثہ کر رہے تھے، زبیر کے پوچھنے پر دونوں بولے کہ عبداللہ بن جعفر کی اس خرید پر ہم لوگ بندش لگانا چاہتے ہیں، زبیر نے کہا کہ جس بیع میں میں ساجھے دار ہوں کیا اس پر آپ لوگ بندش لگائیں گے؟ دونوں حضرات نے کہا کہ نہیں، حضرت زبیر نے کہا کہ میں اس بیع میں عبداللہ کا ساجھے دار ہوں، لہٰذا بندش نہیں لگائی گئی۔''

ناظرین کرام ابو یوسف وزبیری کی بیان کردہ روایتوں کو بغور ملاحظہ فرمائیں، دونوں کے مضمون میں واضح فرق موجود ہے، ابو یوسف والی روایت میں ہے کہ حضرت علی نے حضرت عثمان سے مل کر بیع مذکور پر بندش لگوانا چاہی تھی مگر اس میں اس کا کوئی بھی ذکر نہیں کہ حضرت عثمان حضرت علی کی یہ بات ماننے پر آمادہ تھے۔ حضرت علی کے اس ارادے کا تذکرہ عبداللہ نے زبیر سے کیا تو زبیر بذات خود بیعِ مذکور میں ساجھے دار بن گئے تا کہ بندش نہ لگ سکے، پھر حضرت عثمان کے پاس زبیر آئے یا زبیر کے پاس عثمان آئے تو زبیر نے بتلایا کہ بیع مذکور میں میں ساجھے دار ہوں، کیا پھر بھی اس پر آپ بندش لگائیں گے؟ تو عثمان نے کہا کہ نہیں۔ اس کے برعکس زبیری والی روایت کا مضمون یہ ہے کہ بیع مذکور پر بندش لگانے کے ارادہ پر حضرت علی وعثمان دونوں متفق تھے اور دونوں کے دونوں اسی مقصد سے عبداللہ کے پاس آئے تھے، مگر دونوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس بیع میں زبیر بھی شریک ہیں تو دونوں نے بندش کا قصہ ختم کر دیا۔

مگر اس سے قطع نظر چونکہ بندش کے معاملے پر دونوں حضرات کے بیانات متفق ہیں اگر چہ مضمون کے سیاق مختلف ہیں، اس لیے ہم مان لیتے ہیں کہ دونوں کی روایتوں میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے لیکن زبیری والی روایت کا حال یہ ہے کہ ہشام بن عروہ (متوفی ۱۴۵/ ۱۴۶ھ) سے اسے نقل کرنے والے زبیری، زبیر بن المدینی جنھیں روایت مذکورہ کی سند میں قاضی کہا گیا ہے وہ زبیر بن بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیر بن العوام الاسدی الزبیری قاضی مکہ (مولود ۱۷۲/۱۷۳ھ ومتوفی ۲۵۶ھ) ہیں۔ موصوف وفاتِ ہشام بن عروہ کے زمانہ بعد ۱۷۲/۱۷۳ھ میں پیدا ہوئے تھے ظاہر ہے کہ ہشام سے موصوف کا سماع ولقاء نہیں ہو سکا، انھوں نے حدیث مذکور ہشام سے عنعنہ کے ساتھ نقل بھی کی ہے جس میں تصریح سماع نہیں۔ یہ بالکل واضح بات ہے کہ زبیر نے حدیث مذکور براہ راست ہشام سے نہیں سنی ہے بلکہ کسی اور سے سنی ہے جس کا ذکر زبیر نے اپنے بیان میں نہیں کیا۔ تلاش بسیار کے باوجود بھی ہم کو کہیں یہ صراحت نہیں مل سکی کہ زبیر نے ہشام سے مروی روایت مذکورہ کو کس راوی سے سنا؟ ہم کو کتب رجال میں امام ابو یوسف سے زبیر کے سماع کا تذکرہ نہیں مل سکا کہ ہم یہ فرض کر لیں کہ انھیں ابو یوسف سے زبیر نے حدیث مذکور سنی یعنی یہ فرض کرنے میں کہ روایت مذکورہ کو زبیر نے ابو یوسف سے سنا اور ابو یوسف نے اسے ہشام سے نقل کیا یہ چیز مانع ہے کہ ابو یوسف سے زبیر کا لقا وسماع ثابت نہیں ہے۔ ۱۷۲/۱۷۳ھ میں پیدا ہونے والے زبیر

کی عمر ۱۸۱/۱۸۲ھ میں فوت ہونے والے ابو یوسف کی وفات کے وقت ظاہر ہے آٹھ نو سال تھی بلکہ بقول ہیثم بن عدی ابو یوسف ۱۷۲ھ میں فوت ہوئے جب کہ زبیر یا تو پیدا نہیں ہوئے تھے یا دودھ پیتے بچے تھے۔ اور یہ معلوم ہے کہ زبیر اپنے وطن مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں پلے بڑھے تھے، بڑی عمر میں موصوف بغداد وارد ہوئے تھے۔ دریں صورت ابو یوسف سے موصوف کا سماع مستبعد ہے، بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے اسے تسلیم نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ زبیر نے ابو یوسف کے کسی شاگرد سے روایت مذکورہ سنی ہو، بہر حال جو صورت بھی ہو کسی حال میں بھی ہشام بن عروہ سے روایت مذکورہ کی نقل میں زبیر کو ابو یوسف کا متابع نہیں کہا جا سکتا، دریں صورت امام ابن المدینی واحمد کا یہ فرمان اپنی جگہ پر برقرار رہتا ہے کہ ہشام بن عروہ سے روایت مذکورہ کی نقل میں ابو یوسف منفرد ہیں کیونکہ زبیر والی روایت میں زبیر وہشام کے مابین انقطاع ہے، اس انقطاع کی خانہ پری خواہ درمیان میں ابو یوسف کو واسطہ مان کر کیجیے یا کسی بھی شخص کو واسطہ مانیے اس سے ابو یوسف کا تفرد برقرار رہتا ہے، اس لیے کہ کسی فرضی مجہول واسطہ کو متابع نہیں قرار دیا جا سکتا۔

ویسے ظن غالب یہی ہے کہ زبیر نے روایت مذکورہ ابو یوسف کے کسی شاگرد سے سنی ہوگی جس نے ابو یوسف کی بیان کردہ سند کے ساتھ اسے زبیر سے نقل کیا ہوگا اور زبیر نے اسے ہشام اور اپنے درمیان کے دو واسطوں کو حذف کر کے بیان کر دیا ہوگا، یہ اس صورت میں ہے کہ یہ بات ثابت ہو کہ زبیر نے فی الواقع روایت مذکورہ کو ہشام بن عروہ کی سند سے بیان کیا ہے ورنہ سنن بیہقی میں زبیر سے روایت مذکورہ کا ناقل محمد بن قاسم طلحی کو ظاہر کیا گیا ہے جن کا حال ہم کو کتب رجال میں نہیں مل سکا، اس لیے زبیر کا روایت مذکورہ کو نقل کرنا ہی غیر ثابت ہے الا یہ کہ زبیر کی کتاب النسب میں یہ روایت موجود ہو یا کسی دوسرے موثق طریق پر زبیر سے یہ روایت منقول ہو، علی بن مدینی اور امام احمد زبیر کے معاصر تھے، اس کے باوجود دونوں حضرات روایت مذکورہ کی نقل میں ابو یوسف کو منفرد بتلاتے ہیں جس کا سبب صرف یہ ہے کہ روایتِ زبیر کو دونوں حضرات روایتِ ابی یوسف کی متابع نہیں مانتے، یہ کہنا کہ دونوں حضرات کو روایتِ زبیر کی خبر نہیں تھی بے معنی ہے کیونکہ اگر بالفرض دونوں کو اس کی خبر نہ بھی ہو تو اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہے کہ روایتِ زبیر کو روایت ابی یوسف کا متابع نہیں کہہ سکتے۔ علاوہ ازیں ایک معاملہ یہ ہے کہ زبیر کو اگرچہ عام اہل علم نے ثقہ کہا ہے مگر امام احمد بن علی سلیمانی نے اسے وضاع اور منکر الحدیث کہا ہے، چنانچہ متعدد کتب رجال میں صراحت ہے:

"قال أحمد بن علي السليماني في كتاب الضعفاء له: كان منكر الحديث، وهذا جرح مردود، ولعله استنكر إكثاره عن الضعفاء مثل محمد بن الحسن بن الزباله وعمر بن أبي بكر الموئلي وعامر بن صالح الزبيري وغيرهم، فإن في كتابه النسب عن هؤلاء أشياء كثيرة منكرة."[1]

''موصوف زبیر بن بکار کو احمد بن علی سلیمانی نے منکر الحدیث کہا ہے، موصوف پر یہ جرح مردود ہے، ہوسکتا ہے کہ سلیمانی نے ضعیف رواۃ سے زبیر کی بکثرت روایت کے سبب زبیر کو منکر الحدیث کہا ہو، مثلاً موصوف محمد بن حسن بن زبالہ، عمرو بن ابی بکر موئلی اور عامر بن صالح زبیری وغیرہ سے اپنی کتاب النسب میں بہت ساری منکر روایات نقل کیے ہوئے ہیں۔''

[1] تهذيب التهذيب (٣/ ٣١٣)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ زبیر موصوف کو منکر الحدیث قرار دیا جانا اگر چہ اہل علم کو تسلیم نہیں ہے مگر یہ تسلیم ہے کہ موصوف ضعیف رواۃ سے بکثرت روایت کرتے تھے حتی کہ سلیمانی نے موصوف کو وضاع وکذاب رواۃ میں بھی شمار کیا ہے۔❶

ہم بہرحال اس معاملہ میں سلیمانی کے ہم نوا نہیں ہیں لیکن یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ زبیری موصوف ضعیف رواۃ سے بکثرت روایت کرتے تھے، یہ بھی معلوم ہے کہ ۱۷۲/۱۷۳ھ میں پیدا ہونے والے زبیر موصوف کی ولادت ان کے اپنے وطن مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور موصوف بڑی عمر والا ہونے کے بعد ہی عراق خصوصًا بغداد وارد ہوئے تھے، ۱۸۱/ ۱۸۲ھ میں فوت ہونے والے ابو یوسف قاضی کی وفات کے وقت زبیری کی عمر آٹھ نو سال ہوگی اور یہ مستبعد ہے کہ زبیری نے اس عمر میں ابو یوسف قاضی سے روایت مذکورہ کو براہ راست سنا ہو۔ظن غالب ہے کہ زبیری وہشام کے مابین علی الترتیب دو واسطے زبیری نے ساقط کر دیے ہیں، ایک ابو یوسف کو اور دوسرے ابو یوسف سے سن کر جس راوی نے یہ حدیث بیان کی کیونکہ ابو یوسف سے زبیر کا سماع ثابت نہیں ہے۔

ایک دوسرے زبیر زبیر بن خبیب بن ثابت ہیں مگر وہ قاضی ہیں نہ ثقہ ہیں۔❷ نیز زبیر کے نام کے متعدد رواۃ ہیں مگر وہ سند مذکور میں واقع شدہ زبیر مدینی قاضی نہیں ہیں، پھر موصوف کو ابو یوسف کا متابع کیسے کہا جا سکتا ہے جبکہ اوّلاً ہشام سے روایت مذکورہ کی نقل میں زبیر ابو یوسف کی متابعت نہیں کر رہے کیونکہ ہشام سے ان کا سماع ہی نہیں ہے۔

ثانیاً: زبیر کی روایت کا مضمون ابو یوسف کے مضمون سے مختلف ہے، متابعت جب مانی جا سکتی کہ زبیر ہشام سے براہ راست روایت کرتے اور ابو یوسف کے مضمون سے موصوف کا مضمون مختلف نہ ہوتا، اس لیے امام ابن مدینی واحمد بن حنبل کی یہ بات اپنی جگہ پر برقرار ہے کہ روایت مذکورہ کی نقل میں ابو یوسف منفرد ہیں۔

امام ابوعبید قاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں کہا ہے:

"عن عفان عن حماد بن زيد عن هشام بن حسان عن ابن سيرين قال: قال عثمان لعلي: ألا تأخذ على يدي ابن أخيك يعني عبد الله بن جعفر وتحجر عليه؟ اشترى سبخة بستين ألف درهم ما يسرني أنها لي بنعلي."❸

''عفان بن مسلم نے حماد بن زید سے اور حماد نے ہشام بن حسان سے اور ہشام نے ابن سیرین سے یہ روایت نقل کی کہ حضرت عثمان نے حضرت علی سے عبداللہ بن جعفر کی بیع مذکور پر بندش لگانے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ انھوں نے ایسی زمین ساٹھ ہزار درہم میں خریدی ہے جسے میں اپنے جوتے کے دام پر بھی لینا پسند نہیں کرتا۔''

مذکورہ بالا حدیث کی سند صحیح ہے جس کو امام محمد بن سیرین (متوفی ۱۱۰ھ) نے روایت کیا ہے اور ان سے اس حدیث کے راوی ہشام بن حسان ازدی قردوسی بصری (متوفی ۱۴۷/ ۱۴۸ھ) ہیں جو ابن سیرین کے خاص شاگردوں میں سے ثقہ ہیں۔❹

---

❶ ميزان الاعتدال (١/ ٣٠٨) ❷ ميزان الاعتدال (١/ ٣٠٨) ولسان الميزان (٢/ ٤٧١) وخطيب (٨/ ٤٦٦)

❸ تلخيص الحبير بحواله كتاب الأموال (٣/ ٤٤، ٤٥)

❹ تهذيب التهذيب (١١/ ٣٤ تا ٣٧) وحلية الأولياء وعام كتب رجال.

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ ہشام بن حسان کی نقل کردہ روایت کا مضمون اس روایت کے مضمون سے مختلف ہے جس کو ابو یوسف قاضی اور زبیر بن بکار نے ہشام بن عروہ سے نقل کیا ہے، دراصل حدیث مذکور انھیں ہشام بن حسان سے مروی ہے جو ہشام بن عروہ کے معاصر بھی تھے مگر ابو یوسف قاضی نے حسب عادت تصرف وتصحیف وتحریف کر کے ہشام بن حسان کو ہشام بن عروہ عن ابیہ بنا دیا اور مضمون روایت میں بھی تحریف کر ڈالی۔

ہشام بن حسان والی روایت سے صاف ظاہر ہے کہ عبداللہ بن جعفر کی خرید پر بندش لگانے کا مشورہ حضرت علی کو حضرت عثمان نے از راہ خلوص وخیر خواہی دیا تھا کہ جو زمین پرانے اور بوسیدہ جوتے کے بدلے بھی خریدی جانے کے لائق نہیں اسے ساٹھ ہزار درہم میں خریدنا خریدار کے حق میں اچھا نہیں ہے، اور چونکہ سودا کرنے والے حضرت علی کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر ہیں، اس لیے اس کا ضرر خود حضرت علی کو بھی پہنچ سکتا ہے۔ ہشام بن حسان والی روایت میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ حضرت علی نے حضرت عثمان کے مشورہ کی موافقت کی یا مخالفت کی، نہ اس میں اس کا ذکر ہے کہ بیع مذکور پر بندش لگانے کی کوشش کو ناکام بنانے کے لیے حضرت علی کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر نے دوڑ دھوپ کر کے حضرت زبیر بن عوام کو اپنا موافق وحامی بنانے میں کامیابی حاصل کی، جس سے حضرت علی کی اسکیم فیل ہوگئی، لیکن ابو یوسف نے روایت مذکورہ کے مضمون کو الٹ کر اس طرح بیان کر دیا۔ حضرت علی نے عبداللہ بن جعفر کی خریداری پر حضرت عثمان کے تعاون سے بندش لگانے کی کوشش کی جسے عبداللہ بن جعفر نے پسند نہیں کیا، اس لیے انھوں نے حضرت علی کی کوشش کو ناکام بنانے کے لیے حضرت زبیر کا تعاون حاصل کیا جنھوں نے چھ لاکھ درہم میں بھی اس سودا کو بہت سستا بتلایا جس کو حضرت عثمان بوسیدہ جوتے کے بدلے بھی خریدنا پسند نہیں کرتے تھے، آخر حضرت علی وعثمان کو اپنے مقصد میں ناکامی اور زبیر وعبداللہ بن جعفر کو کامیابی حاصل ہوئی، اس قصہ کے ذریعہ صحابہ کے مابین مذکورہ بالا قسم کی آویزش کے اثبات کے ساتھ یہ اثبات کرنا بھی مقصود ہوسکتا ہے کہ مسائل وفتاویٰ میں جس طرح کے حیلے میں کیا کرتا ہوں اس طرح کے حیلے صحابہ خصوصاً حضرت زبیر وعبداللہ بن جعفر بھی کیا کرتے تھے۔ نعوذ باللّٰہ من ذلك

ممکن ہے کہ خلیفہ یا اربابِ حکومت اور اغنیاء میں سے کسی کو خوش کرنے کے لیے امام ابو یوسف کو اس طرح کی کارروائی کرنے کی ضرورت رہی ہو، اس لیے صحابہ مذکورین کی طرف موصوف نے یہ قصہ منسوب کر دیا، آخر حضرت امام ابوحنیفہ نے یہ فرمایا ہے کہ ابو یوسف میری طرف جھوٹی باتیں منسوب کر کے بیان کرتے اور لکھا کرتے ہیں۔ ابو یوسف میں جو عادت حیاتِ ابی حنیفہ میں پڑ چکی تھی وہ قاضی بننے کے بعد بھی قائم تھی۔ معجم الادباء (ارشاد الاریب) کے ترجمہ ابواسحاق فزاری میں منقول ہے کہ ہارون رشید نے امام فزاری سے کہا کہ سنا ہے کہ آپ سواد کوفہ کو حرام کہتے ہیں؟ امام فزاری نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھوٹی بات میری طرف ابو یوسف نے منسوب کر کے بیان کر دی ہے۔ اس تفصیل سے فن حدیث میں امام ابن مدینی اور احمد بن حنبل کی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے اور کوثری وارکان تحریک کوثری کی علمی بے مائیگی بھی ظاہر ہوتی ہے، وہ بہر قیمت اپنے گروہ کے اماموں کی حمایت کرنے کو اپنا فریضہ بنائے ہوئے ہیں۔

بیہقی نے جو یہ کہا کہ اس حدیث کی نقل میں ابو یوسف کی متابعت کی گئی ہے، وہ تفصیل مذکور کے مطابق غیر صحیح ہے، البتہ ہمارے خیال سے بیہقی کے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ نفسِ بندش کے معاملہ میں ابو یوسف کی بیان کردہ روایت کی معنوی

متابعت موجود ہے، بیہقی کا مقصد پورے مضمون روایت میں متابعت کا اثبات نہیں ہے۔امام شافعی نے ابو یوسف والی روایت کو نقل کر کے محمد بن حسن پر اعتراض کیا ہے کہ امام صاحب کا مسلک آپ کے استاذ ابو یوسف کی نقل کردہ حدیث کے خلاف ہے۔[1]
سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے:

"قال أبوحنيفة: لا يحجر على الحر العاقل البالغ السفيه، وتصرفه في ماله جائز، وإن كان مبذرا مفسدا، يتلف ماله فيما لا غرض فيه ولا مصلحة."[2]

''امام صاحب کا فتوی یہ ہے کہ بیوقوف، عاقل و بالغ ،آزاد پر بندش لگانی جائز نہیں، اپنے مال میں اس احمق بالغ کا تصرف جائز ہے، خواہ اس نے فضول خرچی وغلط کام میں تصرف کیا ہو جس میں یہ بلافائدہ وبلامقصد اس کا مال ضائع وبرباد ہی کیوں نہ ہو رہا ہو۔

مصنف انوار امام صاحب کے فتاوی کو احادیث نبویہ کے درجہ میں مانتے ہیں۔ (کمامر) امام صاحب کے مذکورہ بالا فتوی کے خلاف امام ابو یوسف کی بیان کردہ زیر بحث حدیث کی بابت مصنف انوار کیا فرماتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے دعوی کے مطابق امام صاحب کا مذکورہ بالا فتوی امام صاحب کی چہل رکنی تدوین کے ذریعہ تمام ارکان مجلس تدوین بشمول امام ابو یوسف کے متفقہ فیصلہ کے بعد امام ابو یوسف نے بقلم خود قلم بند کیا ہوگا، پھر اپنے تحریر کردہ اس فتوی کے خلاف امام ابو یوسف نے مذکورہ بالا روایت بیان کی اور مذہب امام صاحب سے انحراف کر کے اسی روایت کے مطابق خود بھی فتوی دیا، آخر اس میں کیا ماجرا ہے؟

امام ابن المدینی کی بات کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ سفر بصرہ کے موقع پر امام ابو یوسف اپنی بیان کردہ احادیث میں سے ایک میں منفرد نظر آتے ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ موصوف دوسری روایات کی نقل میں منفرد نہیں ہیں۔

کیا ابو یوسف ہر نماز کے بعد امام صاحب کے لیے دعا کرتے تھے؟

مصنف انوار نے کہا:

''قلائد العقیان میں ابو یوسف سے منقول ہے کہ میں نے کوئی نماز نہیں پڑھی جس کے بعد امام اعظم کے حق میں دعا واستغفار نہ کی ہو۔[3]

ہم کہتے ہیں کہ ''امام اعظم'' کے لفظ کے بغیر یہ روایت خطیب (۱۳/ ۳۴۰) میں منقول ہے مگر اس کی سند میں احمد بن محمد بن سعید المعروف بابن عقدہ کذاب ہے اور یہی روایت موفق (۲/ ۲۳۷) میں حارثی کذاب سے مروی ہے۔ مگر سعادت مندی کا تقاضا بہرحال یہ ہے کہ شاگرد اپنے اساتذہ خاص کر اپنے خصوصی استاذ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہے، یہ مستبعد نہیں کہ ابو یوسف امام صاحب جیسے شفیق استاذ کے حق میں دعا کرتے ہوں مگر امام صاحب نے انھیں اپنے فقہی مذہب کی ترویج واشاعت سے منع کر دیا تھا لیکن مشہور ہے کہ انھوں نے مذہب ابی حنیفہ کی اشاعت کی ہے، اس سلسلے میں ایک روایت عام کتب

[1] كتاب الأم.
[2] هداية، فقه حنفى، كتاب الحجر، مطبوع رشيديه دهلى (۳/ ۳۳۷) وبناية شرح هداية للعيني (۳/ ۷۸۸ تا ۷۹۰) وعام كتب فقه.
[3] مقدمه انوار (۱/ ۱۸۰)

مناقب میں بھی منقول ہے۔[1] مگر جب امام صاحب کو شکایت تھی کہ ابو یوسف کتابوں میں ان کی طرف غلط باتیں منسوب کر دیا کرتے ہیں تو وفات امام صاحب کے بعد انھوں نے کیا کیا ہوگا۔

مدحِ ابی یوسف علی بن صالح کی زبانی:

مصنف انوار نے کہا:

''علی بن صالح جب کبھی ابو یوسف سے روایت کرتے تو انھیں ''أفقه الفقهاء، قاضي القضاة، سید العلماء'' کہتے۔''[2]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کی مذکورہ بالا مستدل روایت جس علی بن صالح سے مروی ہے وہ غیر متعین اور مجہول ہیں۔ نیز یہ روایت کردری (۲/ ۱۷۷) میں بلا سند مذکور ہے۔

مدحِ ابی یوسف... بشر بن ولید کی زبانی:

مصنف انوار نے کہا:

''محدث بشر بن ولید کے سامنے ایک شاگرد نے ابو یوسف کا نام بغیر القاب کے لیا تو اس کو تنبیہ فرمائی...الخ۔''[3]

ہم کہتے ہیں کہ بشر بن الولید بذات خود مجروح ہیں۔[4] اور ان سے مروی یہ روایت غیر مستند ہے۔

امام نسائی کی توثیقِ ابی یوسف:

مصنف انوار نے کہا:

''امام نسائی نے بھی جو نقد رجال میں بہت متشدد تھے امام ابو یوسف کی توثیق کی ہے۔''[5]

ہم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ جو بقول مصنف انوار نہایت اعتدال پسند اور متوسط امام تھے، وہ امام ابو یوسف کو غیر صدوق وغیر ثقہ اور کذاب قرار دیتے تھے۔ اسی طرح بدعویٰ مصنف انوار امام ابن المبارک بہت معتدل تھے، نیز مجلس تدوین کے رکن بھی تھے، اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام ابن المبارک امام ابو یوسف کو کذاب ومتروک قرار دیتے حتی کہ فرماتے تھے کہ ابو یوسف کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں، نیز یہ کہ خلفاء اور امراء کی رضا جوئی کے لیے ابو یوسف حرام کے حلال ہونے کے حیلے بتلاتے تھے۔

اسی طرح بدعویٰ مصنف انوار قاضی شریک بھی معتدل واہل ہوا پر سخت گیر تھے، نیز مجلس تدوین کے رکن بھی، موصوف بھی امام ابو یوسف کو مردود الشہادۃ اور متروک بتلاتے تھے، اسی طرح امام وکیع، عبداللہ بن ادریس اور محمد بن حسن وغیرہم نے بھی امام ابو یوسف کو مجروح قرار دیا ہے، بھلا ان حضرات کے بالمقابل امام نسائی اور ان جیسے لوگوں کی مصنف انوار کے نزدیک کیا حیثیت ہے؟

اسی طرح امام یحییٰ بن سعید بقول مصنف انوار امام نقد رجال اور مجلس تدوین فقہ حنفی کے رکن رکین تھے، نیز رواۃ کی تنقید

---

[1] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۹۲) وعام كتب مناقب.　[2] مقدمه انوار (۱/ ۱۸۰)

[3] مقدمه انوار (۱/ ۱۸۰)　[4] ميزان الاعتدال.　[5] ملاحظہ ہو: مقدمه انوار (۱/ ۱۸۰)

وتجریح میں اس قدر باکمال تھے کہ ائمہ حدیث کا قول تھا کہ جس کو یحییٰ قطان چھوڑ دیں گے اس کو ہم بھی چھوڑ دیں گے۔[1] انھوں نے ابو یوسف کو متروک قرار دیا، اسی طرح ابن مہدی نے بھی انھیں متروک قرار دیا۔ اور ائمہ حدیث کا فرمان یہ بھی ہے کہ یحییٰ وابن مہدی جس کی تجریح پر متفق ہوں وہ مجروح ہے، اور بقول ابن عبدالبر ابن معین کے علاوہ سبھی اہلحدیث ابو یوسف کو مجروح قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح بقول طبری اہلحدیث کی جماعت انھیں مجروح مانتی ہے، اورحقیقت یہ ہے کہ ابن معین بھی امام ابو یوسف کو مجروح مانتے ہیں۔ (کما مر تفصیلہ)

دریں صورت مصنف انوار نے امام نسائی کے قول کو کیسے حجت بنا لیا؟ تعجب ہے کہ مصنف انوار نے متقدمین اہل فن خصوصاً امام ابوحنیفہ، قطان، ابن المبارک، شریک، وکیع اور عبداللہ بن ادریس وغیرہم کے قول کو چھوڑ کر امام نسائی پر اعتماد کرلیا، حالانکہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ احناف پر محدثین نے ناانصافی دوسری صدی کے بعد شروع کی اور ناظرین کو معلوم ہے کہ یحییٰ وابن مہدی دوسری صدی کے بعد کے نہیں بلکہ دوسری صدی ہی کے ہیں۔

توثیق ابی یوسف سے متعلق احمد شجری کا بیان:

مصنف انوار نے کہا:

''احمد بن کامل شجری نے کہا کہ ابن معین، احمد اور ابن المدینی نے بالاتفاق ابو یوسف کو ثقہ قرار دیا ہے، یہ تینوں امام بخاری کے کبار شیوخ میں تھے۔''

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کے استاذ کوثری نے احمد بن کامل شجری کو ساقط الاعتبار اورفن جرح وتعدیل میں غیر معتبر اور غیر مقبول قرار دیا ہے۔[2] پھر مصنف انوار وکوثری نے ابو یوسف کی توثیق کی خاطر کیوں ابن کامل پر اعتبار کرلیا جبکہ ابن کامل متاخر آدمی بھی ہیں؟ احمد بن کامل شجری سے لے کر مذکورہ بالا حضرات تک کی سندوں کو صحیح ثابت کیے بغیر ان کی طرف منسوب باتوں کو دلیل بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ البتہ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ دوسرے طریق سے یہ ثابت ہے کہ مذکورہ بالا حضرات نے ابو یوسف کو صدوق کہا ہے جو متروک ہونے کے خلاف نہیں، اور ابو یوسف پر امام ابوحنیفہ وابن مہدی وقطان وغیرہ کی متفق علیہ جرح کے بالمقابل دوسروں کی توثیق کا کیا وزن؟ جبکہ ''الجرح مقدم علی التعدیل'' ایک امر مسلم ہے۔

مصنف انوار نے فخر کے ساتھ کہا ''شیخ ابن حبان نے کتاب الثقات میں انھیں شیخ متقن کہا ہے۔''[3]

ہم کہتے ہیں کہ ابو یوسف کو شیخ متقن کہنے کے ساتھ امام ابن حبان نے یہ بھی کہا ہے کہ امام ابو یوسف امام ابوحنیفہ کے وضع کردہ فقہی مسلک پر نہیں چلتے تھے۔[4] مگر مصنف انوار نے ابن حبان کی بات پوری نقل نہیں کی کیونکہ پوری بات سے ابو یوسف کے حنفی ہونے کا دعویٰ مصنف انوار ہی معرض خطر میں پڑتا ہے، چونکہ مصنف انوار نے قول ابن حبان کو دلیل بنایا ہے لہٰذا امام ابو یوسف کو حنفی کہنا ترک کردیں۔ ہم ابن حبان کے قول مذکور پر بحث کر چکے ہیں۔

---

[1] مقدمہ انوار (٦/ ٢٠٨ تذکرہ یحیی)
[2] تانیب (ص: ٤٣) وترحیب التنکیل (ص: ٥١)
[3] مقدمہ انوار (١/ ١٨٠)
[4] لسان المیزان.

امام ابو یوسف کی جرح بخاری پر مصنف انوار کی برہمی:

مصنف انوار اس کے بعد بڑی شان سے فرماتے ہیں:

''مگر اس کے باوجود حیرت اس پر بالکل نہ کیجیے کہ امام بخاری اپنے استاذ الاساتذہ امام ابو یوسف کو بھی متروک فرما گئے، آپ نے دیکھا کہ امام بخاری جن بزرگوں کے اقوال سے جا بجا اپنی کتاب الضعفاء وغیرہ میں استدلال کرتے ہیں وہ سب تو امام موصوف کو ثقہ فرما گئے۔ ثقہ وہ ہے جس کی حدیث لینی چاہیے مگر امام بخاری کا فیصلہ ہے کہ وہ متروک الحدیث تھے جس کی احادیث لوگوں نے ترک کیں، معلوم نہیں اس بارے میں وہ کن بزرگوں سے متاثر ہوئے، شاید وہ شیخ حمیدی وغیرہ ہوں جن کی وجہ سے انھوں نے امام اعظم وغیرہ سے بھی سوءظن اختیار کر لیا تھا، مگر شیخ حمیدی کا قول تو وہ ساری کتاب الضعفاء میں کہیں بطور سند ذکر نہیں کرتے، غرض یہ معمہ ہمارے لیے ابھی تک ''کس نکشود و نکشاید'' ہی کے مرحلہ میں ہے ''ولعل الله يحدث بعد ذلك أمرا.''[1]

ہم کہتے ہیں کہ اپنے کذاب و مجروح اساتذہ جابر جعفی وعمرو بن عبید کو امام ابوحنیفہ کذاب و مجروح فرما گئے ہیں اور اپنے استاذ الاستاذہ اعور کو بھی امام صاحب نے مجروح قرار دیا ہے، اور انھیں امام صاحب نے ابو یوسف کو بھی کذاب کہا ہے اور امام بخاری نے بھی امام صاحب کے اس قول کو نقل کیا ہے، اس لیے امام صاحب نیز یحییٰ قطان و ابن مہدی اور دوسرے اہل علم کی پیروی میں امام بخاری نے بھی ابو یوسف کو اگر متروک کہہ دیا تو اس میں واقعی حیرت کی کوئی بات نہیں۔ مصنف انوار فرمائیں کہ امام صاحب کی پیروی بھی کوئی بری چیز ہے کہ اس سے حیرت ہو جبکہ بقول مصنف انوار امام صاحب کے فرامین احادیث مرفوعہ کے درجہ میں ہیں؟

مصنف انوار نے کہا:

''امام بخاری جن بزرگوں کے اقوال سے جابجا اپنی کتاب الضعفاء وغیرہ میں استدلال کرتے ہیں وہ سب تو امام ابو یوسف کو ثقہ فرما گئے۔''

ہم کہتے ہیں کہ امام بخاری نے مصنف انوار جیسے لوگوں کا خیال رکھتے ہوئے امام ابو یوسف کے کذاب ہونے کی شہادت امام ابوحنیفہ کے قول سے پیش کی ہے، نیز امام بخاری جن بزرگوں کے اقوال سے اپنی کتابوں میں استدلال کرتے ہیں وہ سب کیا معنی ان کے عشر عشیر نے بھی امام ابو یوسف کو ثقہ نہیں کہا۔ مصنف انوار اور ان کے معاونین میں اگر علمی دیانتداری ہے تو ان سب بزرگوں سے امام ابو یوسف کی توثیق بسند صحیح وخالی از تعارض ثابت کریں جن کے اقوال سے امام بخاری استدلال کرتے ہیں، امام بخاری جن بزرگوں کے اقوال سے اپنی کتابوں میں استدلال کرتے ہیں ان کی تعداد سینکڑوں ہے، ان سینکڑوں حضرات میں سے صرف سو پچاس بلکہ دس پانچ ہی سے امام ابو یوسف کا ثقہ ہونا مصنف انوار ثابت کر دیں تو ہم سمجھیں کہ مصنف انوار بعض اوقات سچ بھی بول دیا کرتے ہیں۔

---

[1] ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (١/ ١٨٠، ١٨١)

یہ بات معلوم ہے کہ امام بخاری جن بزرگوں کے اقوال سے کتاب الضعفاء وغیرہ میں استدلال کرتے ہیں ان میں سے امام یحییٰ قطان اورعبدالرحمٰن بن مہدی بھی ہیں اوران دونوں ہی بزرگوں کا یہ فیصلہ امام بخاری نے امام ابو یوسف کی بابت نقل کیا ہے کہ "تركه يحيى وابن مهدي وغيرهما"[1] مگر افسوس کہ اتنی واضح وروشن اورظاہر وباہر حقیقت دیکھنے سے بھی مصنف انوارمحروم ہیں اوراس کے باوجود امام بخاری کے خلاف اتنی جارحانہ وزہرآمیز تنقید فرما رہے ہیں!

امام بخاری کےقول: "تركه يحيى وابن مهدي وغيرهما" سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یحییٰ وابن مہدی کے علاوہ دوسرے اہل علم نے بھی موصوف کو متروک قرار دیا ہے، اورہم عرض کرآئے ہیں کہ امام احمد وابن معین نے بھی موصوف کو متروک کہا ہے، اور امام احمد وابن معین کے اقوال سے بھی امام بخاری استدلال کرتے ہیں، اسی طرح دوسرے ائمہ جرح وتعدیل، مثلاً ابن المبارک وشریک ووکیع وعبداللہ بن ادریس وغیرہ کے اقوال کی تفصیل گزرچکی ہے جس سے مصنف انوار کی دیانت داری زیادہ واضح ہوگئی ہے۔

مصنف انوار کے ممدوح سخاوی نے کہا:

"قال البخاري: إنما روينا ذلك ولم نقله من عند أنفسنا"[2]

''ہم نے کسی پر تجریح اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ اسے دوسروں سے نقل کیا ہے۔''

چنانچہ امام بخاری نے ابو یوسف کی بابت امام صاحب کا بھی وہ فرمان نقل کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابو یوسف کذاب ہیں۔

مصنف انوار بڑے محققانہ اندار میں ابو یوسف کو ثقہ کہہ کر فرماتے ہیں کہ ثقہ وہ ہے جس کی حدیث لینی چاہیے مگر وہ اپنی مفروضہ مجلس تدوین کے رکن خاص امام یحییٰ بن سعید کو سمجھانے نہیں گئے کہ جب ابو یوسف ثقہ تھے تو آپ نے انھیں متروک کیوں قرار دے دیا؟ اورنہ امام ابوحنیفہ ہی کو سمجھانے گئے کہ جب ابو یوسف ثقہ تو آپ انھیں "يقول علي ما لم أقل" کیوں کہتے ہیں؟ اگر ابن معین کے نزدیک ابو یوسف فی الواقع ثقہ تھے تو ابن معین نے انھیں "لا يكتب حديثه"[3] کیوں کہا؟ محض اسی لیے نا کہ ان کے نزدیک تحقیق کے بعد یہ حقیقت واضح ہوگئی تھی کہ ابو یوسف متروک قرار دیے جانے کے لائق ہیں؟

مصنف انوار کی بدحواسی:

مصنف انوار نہایت معصومیت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ''معلوم نہیں امام بخاری اس بارے میں کس سے متاثر ہوئے؟ شاید وہ شیخ حمیدی وغیرہ ہوں'' حالانکہ امام بخاری نے صاف طور پر سے بتلا دیا ہے کہ ابو یوسف کو امام ابوحنیفہ نے "يقول علي ما لم أقل" کہا اور یحییٰ وابن مہدی وغیرہما نے متروک قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود مصنف انوار کے دماغ پر امام حمیدی کا بھوت سوار ہے اور بدحواس ہوکر فرماتے ہیں کہ شاید امام بخاری نے حمیدی سے متاثر ہوکر ابو یوسف کو متروک کہا ہے، کیا مدعی تحقیق کو اسی طرح بدحواس ہونا چاہیے؟ کیا مصنف انوار کی اس بات کو افتراء پردازی نہیں کہہ سکتے کہ امام بخاری نے ابو یوسف کے متروک ہونے پر امام ابن مہدی ویحییٰ کے فیصلے نقل کیے مگر موصوف فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں اس بارے میں وہ کن بزرگوں

---

[1] كتاب الضعفاء (ص: ٣٨)   [2] الإعلان بالتوبيخ (ص: ٥٢ بحواله تاريخ خطيب)

[3] خطيب (١٤/ ٢٥٨)

سے متاثر ہوئے شاید شیخ حمیدی ہوں۔ جب مصنف انوار کا ایک طرف یہ بھی دعوی ہے کہ کتاب الضعفاء میں امام بخاری نے کہیں بھی حمیدی کا قول بطور سند نہیں پیش کیا۔[1] تو دوسری طرف یہ دعویٰ کیسے کر دیا کہ شاید امام بخاری ابو یوسف کو متروک قرار دینے میں حمیدی سے متاثر ہوئے ہوں؟

مصنف انوار کے اس دعویٰ کی تردید کہ ''کتاب الضعفاء'' میں امام بخاری نے حمیدی کا قول نقل نہیں کیا:

لطف یہ کہ امام بخاری نے کتاب الضعفاء (ص:۳۱) میں فرمایا: ''محمد بن سليمان... كان الحميدي يتكلم فيه'' صفحہ (۲۴) پر کہا: ''عبدالمجيد ... كان الحميدي يتكلم فيه'' صفحہ (۳۲) پر کہا: ''عمر بن عبد الرحمن السليماني ... كان الحميدي يتكلم فيه.''

اگر اس تفصیل کے بعد بھی کسی کو مصنف انوار کے حواس باختہ ہونے میں شبہ ہو تو تعجب ہے، ہم آگے چل کر مصنف انوار کے اس خیال کی حقیقت واضح کریں گے کہ امام بخاری امام حمیدی سے متاثر ہو کر امام ابوحنیفہ سے سوءظن رکھتے تھے۔

ناظرین کرام نے ملاحظہ فرما لیا کہ مصنف انوار نے ابو یوسف کو امام بخاری کے متروک قرار دینے پر جو یہ کہا ہے کہ ''غرض یہ معمہ ہمارے لیے تو ابھی تک ''کس نکشود نکشاید'' ہی کے مرحلہ میں ہے'' وہ صرف قصور فہم کا نتیجہ یا بے علمی کا ثمرہ ہے کیونکہ ابو یوسف کا متروک ہونا کوئی معمہ نہیں ہے بلکہ نہایت واضح و روشن حقیقت ہے مگر ؎

گر نہ بنید بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

اس تفصیل کے بعد ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ شاید مصنف انوار کو ہوش آ جائے اور ''لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا.'' کے مطابق کوئی خوشگوار صورت حال ظاہر ہو۔

تنبیہ:

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ امام صاحب نے اپنے بیان کردہ علم کو خالص رائے وقیاس قرار دیا، پھر اسے مجموعۂ اغلاط بھی بتلایا اور اپنی بیان کردہ باتوں کی تحدیث وروایت، نشر واشاعت، نوشت وکتابت سے منع فرمایا، نیز اپنے تلامذہ کو حدیث کے بجائے رائے کے ساتھ اشتغال رکھنے کا تاکیدی حکم دیا، پھر یہ بہت مستبعد ہے کہ امام صاحب نے بذات خود حدیث کی کوئی کتاب لکھی ہو یا بذریعہ املا اپنے تلامذہ سے لکھوائی ہو یا اپنی مرویات کو لکھنے کی اجازت اپنے تلامذہ اور معتقدین کو دی ہو۔ نیز یہ بھی مستبعد ہے کہ امام صاحب کے مذکورہ بالا فرامین کی ان کے ہم مذہب تلامذہ نے خلاف ورزی کی ہو جس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب نے نہ تو بذات خود حدیث کی کوئی کتاب لکھی لکھوائی نہ ان کے تلامذہ نے ان کی بیان کردہ حدیثوں پر مشتمل کوئی کتاب لکھی، لہٰذا جن مسانید اور کتب آثار کو امام صاحب یا ان کے تلامذہ کی طرف منسوب کر کے کہا جاتا ہے کہ یہ امام صاحب کی روایت کردہ احادیث کا مجموعہ ہیں، وہ محض ساقط الاعتبار بات ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے آئندہ صفحات کا مطالعہ کرنا چاہیے، اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ واقدی، کلبی، مقاتل بن سلیمان خراسانی، جہم بن صفوان، ابن کرام، ابن خراش،

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۱۸۱)

ابراہیم بن سیار نظام، جاحظ وغیرہ نے بزعم خویش نہایت علمی، تحقیقی، کامیاب اور بہتر کتابیں بہت بڑی تعداد میں لکھیں جن کو وہ خود اوران کے معتقدین ومریدین ومقلدین نہایت بلند پایہ اورعمدہ ومعتبر وقابل مدح وثنا قرار دیتے ہیں مگر عام اہل علم حتی کہ مصنف انوار اور عام اراکین تحریک کوثری کی نظر میں یہ کتابیں اوران کے مصنفین جیسے کچھ ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو یوسف اوران کے دوسرے ہم مسلک لوگوں نے اپنے نقطۂ نظر وخیال کے مطابق جو کتابیں خالص علمی وتحقیقی ودینی خدمت کے نام پر لکھ کر یہ سمجھا ہو کہ ان میں صرف صحیح اورمعتبر باتیں ہی لکھی گئی ہیں ان کا دوسروں کی نظر میں بھی اسی طرح ہونا ضروری نہیں ہے، آخر مصنف انوار کے ممدوح افغانی رکن تحریک کوثری ناقل ہیں کہ امام صاحب کی لکھوائی ہوئی کتاب السیر کو دیکھ کر امام صاحب کے استاذ اوزاعی نے فرمایا کہ اس کتاب کا لکھنے لکھوانے والا علوم سیر ومغازی سے بالکل ناواقف وناآشنا ہے۔ ❶

نیز مصنف انوار کے ہم مذہب مصنف کشف الظنون نے لکھا ہے کہ امام اوزاعی کے رد میں امام محمد شیبانی کی لکھی ہوئی کتاب امام اوزاعی نے دیکھی تو فرمایا کہ اس کتاب میں مذکور بعض احادیث وآثار کو چھوڑ کر سب باتیں مجموعۂ اکاذیب ہیں۔ نیز ابن خسرو وخوارزمی نے بزعم خویش مسند ابی حنیفہ کتاب خالص علمی ودینی وتحقیقی نقطۂ نظر سے لکھی تھی مگر بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ودیگر اہل علم یہ کتابیں مجموعۂ اکاذیب ہیں، لہٰذا کتب امام ابو یوسف ودیگر ائمہ احناف کے فضائل ومناقب میں مصنف انوار اوراراکین تحریک کوثری کی لکھی ہوئی باتوں کا مطالعہ کرتے وقت مذکورہ بالا باتوں کوملحوظ رکھنا چاہیے۔خصوصاً امام حمدویہ محمد بن ابان سے مروی یہ بات ضرور ملحوظ رکھنی چاہیے کہ امام اہل الرای خالد بن صبیح کوان کی درسگاہ میں امام ابو یوسف کی کتابیں پڑھتے دیکھ کر اسلم بن ابی سلمہ نے کہا کہ اس سے اچھا یہ تھا کہ تم لوگ گیت گاتے۔ ❷ اس روایت پر مفصل بحث کے ذریعہ بتلایا جا چکا ہے کہ صحیح ہے۔ ❸

❶ مقدمه الرد على سير الأوزاعي (ص: ٢) ❷ لسان الميزان (٢/ ٣٧٨ ترجمه خالد بن صبيح خراساني)
❸ ملاحظہ ہو:اللمحات.

مؤلفاتِ ابی یوسف

کتاب الآثار:

مصنف انوار نے ''مؤلفاتِ امام ابو یوسف'' کے عنوان کے تحت لکھا:

''امام صاحب کی تالیفات کتب تاریخ ومناقب میں بہت بڑی تعداد میں مذکور ہیں مگر ہم تک ان میں سے بہت کم پہنچی ہیں، مثلاً کتاب الآثار ادلۂ فقہ میں نہایت قیمتی ذخیرہ ہے جس کا اکثر حصہ امام اعظم سے مروی ہے، حضرت مولانا العلام ابولوفاء صاحب افغانی دامت مآثرہم کے حواشی قیمہ نے اس کو بہت زیادہ مفید بنا دیا ہے، یہ کتاب مدارس عربیہ کے درس حدیث کا جزو ہونا چاہیے ورنہ کم سے کم زائد مطالعہ میں لازمی ہونی چاہیے۔ ادارہ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے اس کے علاوہ امام صاحب موصوف کا ایک مسند بھی ہے مگر وہ ہم تک نہیں پہنچا۔''[1]

اپنی مندرجہ بالا عبارت میں مصنف انوار نے امام ابو یوسف کے لیے ''امام صاحب'' کا لفظ دومرتبہ استعمال کیا ہے اور بتلایا ہے کہ امام ابو یوسف کی تصنیف کردہ کتابوں میں سے ایک ''کتاب الآثار'' اور دوسری ''مسند'' ہے۔ اس جگہ دونوں کتابوں کو مصنف انوار نے امام ابو یوسف کی تصنیف قرار دیا ہے، نیز ایک دوسری جگہ ''امام علی بن مسہر'' کے ذیلی عنوان کے تحت تلامذۂ امام ابوحنیفہ کی تصانیف کا ذکر چھیڑتے ہوئے مصنف انوار نے کہا:

''حافظ قرشی نے کہا کہ جن لوگوں نے امام ابو یوسف کے امالی روایت کیے ان کی شمار نہیں ہوسکتی۔''[2]

اپنے مذکورہ بالا فصیح وسلیس جملہ کو لکھنے کے بعد فوراً مصنف انوار امام اعظم کی کتاب الآثار کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''ان کی ہی یعنی امام ابو یوسف کی تالیفات میں سے کتاب الآثار بھی ہے جس کو امام صاحب نے روایت کیا ہے اور اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ اور کتاب الرد علی سیر الاوزاعی وغیرہ ہیں۔''[3]

مصنف انوار کی مندرجہ بالا عبارت بھی بہت زیادہ فصیح وسلیس ہے، اور اس کا حاصل بھی یہ ہے کہ کتاب الآثار امام ابو یوسف کی تصنیف کردہ کتاب ہے، یعنی موصوف مصنف انوار کی مذکورہ بالا عبارتوں کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ انھوں نے کتاب الآثار اور ''مسند'' کو امام ابو یوسف کی تصنیف کردہ کتابوں میں سے قرار دیا ہے مگر اپنی مذکورہ بالا باتوں کو لکھنے سے پہلے مصنف انوار یہ بھی لکھ آئے ہیں:

---

[1] مقدمه انوار (١/ ١٨١) ضخامت صفحات ٢٦٨، مطبوعه مصر.

[2] مقدمه انوار (١/ ٢٦) [3] مقدمه انوار (١/ ٢٧)

''امام اعظم نے باوجود اس قدر علم وفضل وتفوق کے برسوں کی چھان بین اور تفحص کے بعد کتاب الآثار تالیف کی جس کو امام صاحب نے بتصریح امام موفق مکی چالیس ہزار احادیث سے منتخب کیا تھا، اور آپ سے آپ کے تلامذہ کبار امام زفر، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام حسن بن زیاد وغیرہم محدثین وفقہاء نے اس کو روایت کیا۔[1] غرض یہ کہ امام صاحب کی کتاب الآثار علم حدیث کی سب سے پہلی تصنیف ہے جس میں امام صاحب نے احادیث صحاح اور اقوال صحابہ وتابعین ترتیبِ فقہی پر جمع کیے۔''[2]

مصنف انوار کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کتاب الآثار کو امام صاحب کی تصنیف کردہ کتابوں میں سے قرار دیا ہے، یعنی مصنف انوار نے اپنے متعدد بیانات میں کتاب الآثار کو امام ابوحنیفہ کی تصنیف بتلایا اور تضاد بیانی کرتے ہوئے دوسرے کئی بیانوں میں اسی کتاب کو امام ابو یوسف کی تصنیف بتلایا۔ افسوس یہ ہے کہ بکثرت متعارض ومتضاد باتیں خالص علمی وتحقیقی خدمت کے نام پر لکھنے والے مصنف انوار اور ان کے ثنا خواں مریدین ذرہ برابر بھی اس بات کا احساس نہیں رکھتے کہ متضاد ومتعارض عبارتوں سے بھری ہوئی کتاب کو خالص علمی وتحقیقی ودینی خدمت قرار دینا علم وتحقیق اور دین کے ساتھ تمسخر واستہزاء اور تلاعب ہے، جس کتاب کا تصنیف ابی حنیفہ ہونا ثابت ہے نہ تصنیف ابی یوسف، اسے تضاد بیانی کرتے ہوئے مکرر سہ کرر کہیں تصنیف ابی حنیفہ کہنا اور کہیں تصنیف ابی یوسف کہنا اور اس کا نام خالص علمی ودینی وتحقیقی خدمت لکھنا اور یہ دعوی کرنا کہ ہم نے صرف معتدل وصحیح معتبر باتیں لکھی ہیں علم وتحقیق ودین کے ساتھ تلاعب نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اپنی ان مکرر سہ کرر تضاد بیانیوں کے ساتھ مصنف انوار نے ایک جگہ ''امام صاحب کی کتاب الآثار اور مسانید'' کے عنوان کے تحت لکھا:

''اس سے پہلے (یعنی مؤطا امام مالک کی تصنیف سے پہلے) امام صاحب کی کتاب الآثار امام ابو یوسف، امام محمد، امام حسن بن زیاد اور امام حماد بن الامام الاعظم نے امام صاحب سے مسانید کو بھی روایت کیا ہے اور یہ سب بلا واسطہ امام صاحب کے تلامذہ بلکہ اخص تلامذہ میں سے ہیں اور بظاہر ان سب کی کتبِ آثار ومسانید امام صاحب کی زندگی میں تیار ہوگئی تھیں۔''[3]

مصنف انوار کی لکھی ہوئی مندرجہ بالا فصیح وسلیس عبارت کا مطلب سمجھنا ہمارے لیے کافی مشکل ہے، جس عنوان کے تحت مصنف انوار نے یہ عبارت لکھی ہے، یعنی امام صاحب کی کتاب الآثار اور مسانید اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ''کتاب الآثار اور مسانید'' امام صاحب کی تالیف کردہ کتابوں میں سے ہیں اور یہی بات عنوانِ مذکور کے تحت لکھی ہوئی موصوف کی اس عبارت سے بھی مستفاد ہوتی ہے کہ ''اس سے پہلے امام صاحب کی کتاب الآثار امام ابو یوسف وغیرہ نے امام صاحب سے مسانید کو بھی روایت کیا ہے۔'' مصنف انوار کی یہ عبارت فصاحت وبلاغت وسلاست میں لاثانی ہونے میں بالکل اس طرح معلوم ہوتی ہے جس طرح مصنف جواہر المضیہ نے ایک مکذوبہ بات لکھتے ہوئے کہا ہے:

''امام صاحب کا ایک مکتوب پورے عربی ادب پر بھاری ہے۔''[4]

---

[1] مقدمه انوار (١/ ٢٥)		[2] مقدمه انوار (١/ ٢٦)
[3] مقدمه انوار (١/ ١٢)		[4] جواهر المضية (١/ ٤١٢)

مصنف انوار کا یہ فصیح جملہ پورے اردو ادب پر بھاری ہے، اس فصیح جملہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مصنف انوار کتاب الآثار اور مسانید کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیے ہوئے ہیں اور جس عنوان کے تحت موصوف نے یہ عبارت لکھی ہے اس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے مگر اسی سانس میں مصنف انوار نے دوسرا سلیس و فصیح جملہ یہ بھی فرمایا ہے:

''اور بظاہر ان سب کی یعنی تلامذۂ امام صاحب کی کتب آثار و مسانید امام صاحب کی زندگی میں تیار ہو گئی تھیں۔''

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف انوار یہ بتلانا چاہیے ہیں کہ کتاب الآثار و مسانید امام صاحب کے تلامذہ ابو یوسف و محمد وغیرہ کی تصنیف کی ہوئی ہیں، یعنی مصنف انوار نے ایک ہی سانس میں ان کتابوں کا تصنیف ابی حنیفہ ہونا ظاہر کر کے اس کے بالکل معارض یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ یہ کتابیں امام صاحب کے تلامذہ کی تصنیف کردہ ہیں، یعنی کتاب الآثار کو متفرق طور پر کہیں تصنیف ابی حنیفہ اور کہیں تصنیف ابی یوسف قرار دے کر جو تضاد بیانی مصنف انوار نے کر رکھی ہے اس کو مذکورہ بالا اپنے ایک ہی بیان میں جمع کر دیا ہے اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ساتویں صدی میں لکھی جانے والی کتاب مسند خوارزمی کو بھی موصوف نے تصنیف ابی حنیفہ قرار دیا ہے۔ كما مر في اللمحات (١/ ٦٦ تا ٦٨) نیز مسانید ابی حنیفہ و کتب آثار کے نام سے مختلف زمانوں میں امام صاحب کے بعد لکھی جانے والی جن کتابوں کا ذکر عقود الجمان میں ہے انھیں بھی مصنف انوار حقیقی طور پر تصنیفِ امام صاحب مانتے ہیں۔[1] اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں:

''اس سلسلے میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بعض ممتاز اہل علم نے امام محمد کی کتاب الآثار کو بھی امام اعظم کی تصنیف قرار دیا ہے اور شاید امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کے بارے میں بھی یہی خیال ہو مگر ہمارے ناقص خیال میں ابھی تک اس کی صحیح توجیہ نہیں آئی کیونکہ اول تو متقدمین علماء نے ان کو امام صاحب کی تصنیفات میں شمار نہیں کیا، دوسرے یہ کہ ان میں روایت کرنے والے امام محمد و امام ابو یوسف ہیں امام صاحب سے، جس سے ظاہر ہے کہ مؤلف و مصنف بھی یہی ہیں۔''[2]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مکرر سہ کرر تضاد بیانی کرتے ہوئے کتاب الآثار کو کہیں بالجزم تصنیف ابی حنیفہ قرار دینے والے اور کہیں اس کو قطعیت کے ساتھ تصنیف ابی یوسف قرار دینے والے مصنف انوار اپنی مذکورہ بالا عبارت میں کیا فرما رہے ہیں؟ یہاں مصنف انوار نے یہ کہا کہ بعض ممتاز اہل علم اگرچہ کتاب الآثار کو تصنیفِ امام ابی حنیفہ کہتے ہیں مگر ہم اس کتاب کو تصنیف ابی حنیفہ اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ ہماری سمجھ ہی میں اصل معاملہ نہیں آ رہا ہے، اور اپنی ناسمجھی کے باوجود موصوف اسی سانس میں یہ فیصلہ بھی فرما رہے ہیں کہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ کتاب الآثار کے مصنف ابو یوسف و محمد ہیں، ہم اس سلسلے میں ایک اور جگہ گفتگو کر کے مصنف انوار کی ان کارستانیوں کی طرف اشارہ کر آئے ہیں۔[3]

مصنف انوار کی ان متعارض و متضاد اور مضطرب باتوں کو دیکھ کر کوئی سلیم الطبع آدمی یہ نہیں سمجھ سکتا کہ مصنف انوار اس معاملہ میں درحقیقت کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کتاب الآثار و مسند کو امام صاحب کی تصانیف میں سے قرار دینا چاہتے ہیں یا تصانیف ابی یوسف میں سے، البتہ چودھویں صدی میں جس کتاب الآثار کو تصنیف ابی یوسف کہہ کر دائرۃ المعارف کے محقق مولانا ابو الوفاء

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٢٨)　[2] مقدمہ انوار (١/ ١٢٦)　[3] اللمحات (١/ ٦٦، ٦٧)

افغانی نے اپنے استاذ کوثری کی معاونت ومساعدت سے شائع کیا ہے اس کو امام ابو یوسف سے روایت کرنے والا صرف ایک شخص ان کے لڑکے یوسف بن ابی یوسف کو بتلایا گیا ہے اور ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ تجریح وتعدیل کے اعتبار سے موصوف یوسف مجہول الحال ہیں اوران مجہول الحال یوسف بن ابی یوسف سے روایت کرنے والے کا کوئی پتہ نہیں، اس لیے امام ابو یوسف کی طرف اس کا انتساب صحیح نہیں، اس سے قطع نظر چودھویں صدی میں اس کتاب کا انکشاف واظہار کرنے والے مولانا افغانی اور ان کے معاونین نے یہ نہیں بتلایا کہ اصول روایت ودرایت سے کتاب مذکور کس صحیح ومعتبر سند کے ساتھ امام ابو یوسف سے مروی ہے جس کی بنا پر اسے ان لوگوں کے ایجاد کردہ اکاذیب سے نہیں شمار کیا جا سکتا جو بقول مصنف انوار سفید کو سیاہ کر دکھانے کے لیے اکاذیب کو کارخیر سمجھ کر گھڑتے اور مسلمانوں میں پھیلاتے ہیں؟

بتصریح عقود الجمان مسند ابی یوسف ایک مجہول شخص کی تصنیف ہے:

مسند خوارزمی وعقود الجمان میں امام ابو یوسف کی طرف منسوب ایک مسند کا ذکر ہے،[1] اس کو بقول خوارزمی نسخۂ ابی یوسف بھی کہا جاتا ہے اور بتصریح عقود الجمان یہ مسند امام ابو یوسف کی تصنیف ہونے کے بجائے ''تخریج بعض المحد ثین'' ہے، یعنی کسی محدث نے امام صاحب کی طرف منسوب امام ابو یوسف کی روایت کردہ احادیث وآثار کو کتابی شکل دے دی ہے ورنہ یہ امام ابو یوسف کی تصنیف نہیں ہے، عقود الجمان کو عام احناف خصوصاً مصنف انوار بہت معتبر کتاب مانتے ہیں۔[2] اس میں تصریح ہے کہ مسند ابی یوسف کے نام سے پائی جانے والے کتاب تصنیف ابی یوسف نہیں بلکہ تصنیف بعض المحد ثین ہے اور یہ ''بعض المحد ثین'' صاحب مجہول ہیں، ان کا کوئی پتہ نہیں کہ ان شیاطین میں سے کون سے شیطان ہیں جن کی بابت حضرت ابن مسعود کی حدیث میں ہے کہ انسانی شکل میں یہ لوگ آ کر لوگوں کے سامنے احادیث بیان کریں گے اور جب ان کا حال چال معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی تو کچھ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ کون ہیں؟[3]

عقود الجمان کی مذکورہ بالا تصریح اراکین تحریک کوثری کے لیے ناقابل برداشت تھی اس لیے عقود الجمان کی اس تصریح پر مولانا ابو الوفاء افغانی نے یہ حاشیہ آرائی کی:

”قلت: ليس هو تخريج بعض المحدثين له، بل هو من رواية الإمام أبي يوسف وجمع الإمام بنفسه، و رواه عن الإمام أبي يوسف ابنه يوسف كما رواه عنه عمرو بن أبي عمرو أيضا.“[4]

''عقود الجمان کی اس تصریح کے خلاف میں (مولانا افغانی) یہ کہتا ہوں کہ مسند ابی یوسف بعض المحد ثین کی تخریج (تصنیف) نہیں ہے بلکہ یہ خود امام ابوحنیفہ کا مرتب کردہ ہے جس کو امام صاحب سے امام ابو یوسف نے صرف راوی کی حیثیت سے روایت کیا ہے اورامام ابو یوسف سے اس کو ان کے لڑکے یوسف بن ابی یوسف اور عمرو بن ابی عمرو نے روایت کیا ہے۔''

اپنے مذکورہ بالا بیان میں مولانا افغانی نے عقود الجمان کی تردید کرتے ہوئے بتلایا کہ مسند ابی یوسف کے نام سے پائی

---

[1] ملاحظہ ہو: عقود الجمان (ص: ۳۲۹، ۳۳۰) ومسند خوارزمي (۱/ ۷۵)

[2] ملاحظہ ہو: اللمحات۔ [3] اللمحات (۱/ ۵۲) [4] حاشيه عقود الجمان (ص: ۳۲۹)

جانے والی کتاب دراصل امام ابوحنیفہ کی مرتب کردہ کتاب ہے جس کو ابو یوسف نے راوی کی حیثیت سے روایت کر دیا ہے۔

ناظرین کرام مولانا افغانی کے اس بیان سے یہ سمجھتے ہوں گے کہ مولانا افغانی کتاب مذکور کو تصنیف ابی حنیفہ قرار دینے میں مصنف انوار کے متعارض بیانوں میں سے اس بیان کے موافق ہیں جس میں انھوں نے بھی کتاب مذکور کو تصنیف ابی حنیفہ بتلایا ہے مگر مولانا افغانی نے جس کتاب الآ ثار کو تصنیف ابی یوسف قرار دے کر اپنے تحشیہ وتعلیق سے مزین کیا ہے اس کے مقدمہ میں موصوف نے یہ صراحت فرمائی ہے:

”لم يصنف الإمام الأعظم كتابا في الأخبار والآثار كما صنف الإمام مالك الموطأ، إنما كان يملي فروع الفقه على تلاميذه ... إلخ.“ ❶

”امام صاحب نے آثار واحادیث کی کوئی بھی کتاب نہیں لکھی بلکہ وہ صرف فقہی مسائل کی املا اپنے تلامذہ کو کراتے تھے، فقہی مسائل کی املا کے دوران کسی موقع پر ضرورۃً کوئی حدیث واثر بھی بیان کر دیتے تھے، بنا بریں امام صاحب کی روایات کی تعداد قلیل ہے ورنہ وہ متقن اور کثیر الحفظ تھے، انھوں نے چار ہزار اساتذہ سے احادیث پڑھیں اور بقول یحییٰ بن نصر امام صاحب کے پاس ایک کمرہ بھر کتب حدیث موجود تھیں مگر وہ انھیں تھوڑی مقدار میں بیان کرتے تھے۔“

اپنے مذکورہ بالا بیان میں مولانا افغانی نے صراحت کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ امام صاحب نے حدیث کی کوئی کتاب تصنیف نہیں کی صرف فقہ کی املا کرائی تھی، یعنی تصنیف تو فقہ کی بھی کوئی کتاب امام صاحب نے نہیں کی اس کی صرف املا کرائی مگر حدیث کی املا کرائی نہ کسی کتاب کی تصنیف فرمائی۔

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے کہ مصنف انوار کے ممدوح مولانا افغانی صاحب نے بھی تضاد بیانیوں کے ذریعہ اپنی تردید وتکذیب کا سامان فراہم کر رکھا ہے۔ اراکین تحریک کوثری کی تحریروں کو دیکھ کر کوئی بھی شخص یہ پتہ نہیں لگا سکتا کہ ان لوگوں کا اصل موقف ومدعا کیا ہے؟

اپنے ایک بیان میں کتاب الآ ثار کو تصنیف ابی حنیفہ قرار دینے والے مولانا افغانی نے کتاب الآ ثار کو امام ابو یوسف کی تصنیف قرار دے کر اس پر حاشیہ ومقدمہ لکھا اور مقدمہ میں اس بات کی بھی صراحت کر دی کہ ابو یوسف کی یہی کتاب الآ ثار مسند ابی یوسف بھی ہے جس کو چونکہ امام صاحب سے دو آدمیوں یوسف بن ابی یوسف اور عمرو بن ابی عمرو نے روایت کیا ہے، اس لیے محض اس کا وہم ہو گیا کہ دو کتابیں الگ الگ ہیں، میرا خیال ہے کہ دو نام کی صرف یہ ایک کتاب ہے۔ ❷

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مولانا افغانی نے کتاب الآ ثار اور مسند دونوں کو ایک کتاب اور ابو یوسف کو اس کا مصنف قرار دیا ہے، اس کے برعکس مصنف انوار دونوں کو ابو یوسف کی دو کتابیں قرار دیے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مولانا افغانی کا اس کتاب پر حاشیہ بہت قیمتی ہے مگر مولانا افغانی کے ان قیمتی ارشادات کے خلاف مصنف انوار کچھ تیسری باتیں کرتے ہیں۔

حاصل یہ کہ مصنف انوار کی طرح مولانا افغانی نے بھی اپنے دو متعارض بیانات میں سے ایک میں کتاب الآ ثار یا کتاب

---

❶ مقدمه كتاب الآثار للأفغاني.　　❷ مقدمه كتاب الآثار.

المسند کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیا اور دوسرے میں ابو یوسف کی تصنیف قرار دیا۔ نیز موصوف نے یہ بھی بتلایا کہ ابو یوسف کی کتاب الآثار ہی مسند ابی یوسف بھی ہے جبکہ مصنف انوار کی رائے اس سے مختلف ہیں اور مصنف انوار اپنے اس مختلف بیان میں تضاد بیانی کے بھی مرتکب ہوئے ہیں۔

ان تمام باتوں سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ جس مسند ابی یوسف یا بلفظ دیگر ابو یوسف کی کتاب الآثار کو عقود الجمان میں بالصراحت بعض مجہول آدمیوں کی تصنیف بتلا کر اس کے تصنیف ابی یوسف ہونے کے خیال کی تردید کی گئی ہے اس کو چودھویں صدی میں تصنیف ابی یوسف قرار دینے کے جواز پر وہ کون سی معتبر دلیل قائم ہے جس کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بات ان لوگوں کے پھیلائے ہوئے اکاذیب میں سے نہیں ہے جو بقول مصنف انوار سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے جھوٹ کو کارخیر سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتے تھے؟

اس چودھویں صدی میں علم وتحقیق کے نام پر علم وتحقیق کی جوگت اراکین تحریک کوثری کر رہے ہیں، اس سے ان بعض ظریف لوگوں کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ "لا تقوم الساعة حتى يظهر العلم" (یعنی ظہور علم سے پہلے قیامت نہیں ہوگی) والی حدیث میں جس علم کے ظہور کو علامتِ قیامت قرار دیا گیا ہے اس علم سے مراد علم ابی حنیفہ ہے۔[1] بایں معنی کہ یہاں علم ابی حنیفہ سے مراد امام صاحب کی طرف منسوب کردہ علم ہے، ظاہر ہے کہ علامات قیامت میں سے کذب ودروغ کا ظہور بھی ہے، اور اس سے بڑھ کر جھوٹی بات کیا ہوسکتی ہے کہ جو لوگ ایک طرف یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب نے حدیث کی کوئی کتاب نہیں لکھی وہی لوگ دوسری طرف حدیث کی جعلی کتابوں کو تصنیف ابی حنیفہ قرار دیتے ہیں، پھر انھیں تصنیفِ ابی یوسف قرار دے کر شائع بھی کراتے ہیں اور خالص علمی ودینی وتحقیقی خدمت کے نام پر یہ سب کام کرتے ہیں؟!

اس سے قطع نظر جس مسند ابی یوسف یا کتاب الآثار لابی یوسف کو چودھویں صدی میں تصنیفِ ابی یوسف کہا جانے لگا ہے اور خدمت علم ودین کے نام پر مقدمہ وتحشیہ سے مزین کر کے بہت بڑے پیمانے پر اسے شائع بھی کر دیا گیا ہے، حالانکہ دسویں صدی کے مصنف عقود الجمان نے اسے بعض مجہول کی تصنیف قرار دیا ہے، اس کو امام ابو یوسف سے روایت کرنے والے صرف ایک صاحب یعنی صاحبزادۂ ابی یوسف بتلائے جاتے ہیں جو بذات خود مجہول الحال ہیں، اور یہ عجیب بات ہے کہ کتاب مذکور پر مقدمہ اور حاشیہ لکھنے والے مولانا افغانی نے ناشر کی حیثیت سے اخبار ابی حنیفہ للصیمری کے مقدمہ میں پوری صراحت سے مناقب ابی حنیفہ پر کتاب لکھنے والے شیخ العلامہ ابو یعقوب یوسف بن احمد بن یوسف المکی الصیدلانی (المعروف بابن الدخیل) کی بابت لکھا کہ "و من الأسف أني لم أجد ترجمته في كتب الرجال والطبقات"[2] مجھے ابن الدخیل کا ترجمہ کتب رجال وطبقات میں نہیں ملا مگر انھیں مولانا افغانی نے عقود الجمان کی مذکورہ بالا تصریح (یعنی کتاب الآثار یا مسند ابی یوسف کسی مجہول کی لکھی ہوئی ہے) کے باوجود نہ تو امام ابو یوسف سے کتاب مذکور کی روایت کرنے والے یوسف کا تعارف کرا کے ان کی توثیق ثابت کی نہ عمرو بن ابی عمرو کی اور نہ یوسف تک پہنچنے والی سند ہی بیان کی، دراصل اس کی سند ہی نہیں تو بیان کیا کریں؟ اس کے باوجود انھیں عقود الجمان کی تصریح مذکور تسلیم نہیں، البتہ عمرو بن ابی عمرو تک کی سند عقود الجمان ومسند خوارزمی

---

[1] اللمحات.

[2] مقدمه أخبار أبي حنيفة للصيمري.

میں مذکور ہے، دونوں کتابوں یعنی عقود الجمان ومسند خوارزمی کے بیان اس بات پر متفق ہیں کہ ابو یوسف سے روایت کنندہ عمرو بن ابی عمرو ہیں اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام ابو یوسف بذات خود مجروح ہیں مگر اس سے قطع نظر ہم عمرو بن ابی عمرو کے ترجمہ پر واقف نہیں ہو سکے۔

عمرو بن ابی عمرو سے روایت کنندہ ابوعروبہ حسین بن محمد بن مودود ابی معشر بن حماد سلمی حرانی (متوفی ۳۱۸ھ) کو ظاہر کیا گیا ہے، موصوف ثقہ وحافظ تھے۔ تذکرۃ الحفاظ (۲/۷۷۴، ۷۷۵) میں حافظ ابوعروبہ کے جد (دادا) کا نام ابومعشر مودود بن حماد سلمی ہے مگر عقود الجمان ومسند خوارزمی میں کہا گیا ہے کہ "أنا أبو عروبة الحراني عن جده عمرو بن أبي عمرو" اسے ابوعروبہ نے اپنے جد عمرو بن ابی عمرو سے روایت کیا ہے، ممکن ہے کہ عمرو بن ابی عمرو صاحب ابوعروبہ کے نانا ہوں، عربی زبان میں جد کا لفظ نانا اور دادا دونوں کے لیے آتا ہے، بہرحال ابوعروبہ کے جد موصوف کا حال ہم نہیں جان سکے۔ ابوعروبہ سے کتاب مذکور کا راوی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابہری (متوفی ۳۷۵ھ) کو ظاہر کیا گیا ہے جو ثقہ تھے۔[1] اور ابہری سے کتاب مذکور کا راوی ابومحمد حسن بن علی جوہری کو ظاہر کیا گیا ہے، یہ بھی ثقہ تھے، اور جوہری سے کتاب مذکور کا راوی قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی انصاری کو ظاہری کیا گیا ہے یہ بذات خود ثقہ تھے، ان سے روایت کرنے والوں نے کہا کہ "أخبرنا أبوبكر محمد بن عبدالباقي الأنصاري إجازةً" موصوف نے ہم کو کتاب مذکور کی روایت کرنے کی "اجازۃً" چھوٹ دی اور اجازۃً روایت کا مطلب یہ ہے کہ موصوف نے کتاب مذکور کو بذات خود مرتب ومدون کر رکھا تھا، وہی کتاب ان حضرات کو موصوف نے حوالے کر دی کہ اسے نقل کر کے اس کی روایت کر سکتے ہیں مگر حافظ ابن حجر نے ترجمہ حسین بن محمد بن خسرو میں یہ صراحت کی ہے:

"ومما يستنكر أنه نسب القاضي أبوبكر الأنصاري قاضي المارستان إلى أنه خرج مسنداً لأبي حنيفة من مروياته، ولم يصف أحد من الحفاظ القاضي المذكور أنه صنف في شيء من فنون الحديث شيئا، ولا خرج لنفسه، من فنون الحديث شيئا بل الموجود من مروياته تخريج من أخذ عنه كابن السمعاني وغيره."[2]

''ابن خسرو کی جن باتوں پر نکیر کی جاتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس شخص نے قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی کی طرف یہ بات منسوب کر دی ہے کہ انھوں نے مرویاتِ ابی حنیفہ کی تخریج مسند ابی حنیفہ کے نام سے کی ہے، حالانکہ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ قاضی موصوف نے فنون حدیث میں کسی قسم کی تصنیف یا تخریج کی تھی، آپ کی روایات ان کے تلامذہ کی تخریج سے منقول ومعروف ہیں۔''

اس تفصیل سے صاف ظاہر ہے کہ قاضی موصوف کی اپنی تخریج وتصنیف کردہ کوئی کتاب نہیں تھی، اور یہ چیز اس امر کو بھی مستلزم ہے کہ ان کے پاس کتاب الآثار لابی یوسف بھی ان کی لکھی ہوئی نہیں تھی، پھر تو واضح ہو گیا کہ قاضی موصوف کی طرف یہ بات غلط طور پر منسوب کر دی گئی ہے کہ ان سے کتاب مذکور لے کر ان کے تلامذہ نے اجازۃً روایت کی ہے، نیز خوارزمی ومصنف عقود الجمان سے لے کر قاضی مارستانی تک کی سند مظلم وتاریک ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام ابو یوسف کی کتاب

[1] الأنساب للسمعاني (۱/ ۱۰۳، ۱۰۴) [2] لسان الميزان (۲/ ۳۱۲، ۳۱۳)

الآثار یا بلفظ دیگر مسند ابی یوسف اس مسند خوارزمی میں بروایت عمرو بن ابی عمرو شامل ہے جس کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مجموعۂ اکاذیب قرار دیا ہے۔[1] اور شاہ ولی اللہ سے بہت پہلے جس ذات گرامی کی طرف ان مسانید کی مرویات کو منسوب کیا گیا ہے، یعنی امام صاحب انھوں نے اپنی مرویات کو مجموعۂ اغلاط واباطیل قرار دے کر ان کی تحدیث وروایت اور نشر واشاعت سب سے منع کیا ہے، یہ پورے کا پورا مجموعہ امام صاحب کے بقول مجموعۂ اغلاط ہے اور ان کے منع شدید کے خلاف مرتب ومدون کیا گیا ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ مولانا افغانی کی شائع کردہ کتاب الآثار لابی یوسف یا بلفظ دیگر مسند ابی یوسف میں کسی صحابی سے امام صاحب کے لقا وسماع کا کوئی ذکر نہیں، اس قسم کے اکاذیب بعد کی صدیوں کے آدمیوں کی طرف منسوب مسانید ابی حنیفہ میں مذکور ہیں۔ مصنف انوار مدعی ہیں کہ کتاب الآثار لابی یوسف پر تحشیۂ افغانی بہت مفید ہے، مگر اوّلاً اس تحشیہ میں مولانا افغانی نے یہ بنیادی بات نہیں بتلائی کہ کس معتبر سند سے کتاب مذکور کا تصنیفِ ابی یوسف ہونا ثابت ہے؟ نیز موصوف نے تضاد بیانی کرتے ہوئے جو ایک طرف کتاب مذکور کو تصنیف ابی حنیفہ اور دوسری طرف تصنیف ابی یوسف کہا، نیز یہ کہا کہ امام صاحب نے حدیث کی کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، اس کی کوئی توجیہ نہیں پیش کی، امام ابو یوسف کی طرف منسوب اس کتاب کی پہلی ہی روایت حدثنا يوسف بن أبي يوسف میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ "حدثنا يوسف بن أبي يوسف" کا قائل کون ہے؟ لیکن مولانا افغانی نے اس کا کوئی حل نہیں بتلایا، پھر مصنف انوار کی خواہش وتمنا کے مطابق جس دن یہ کتاب نصابِ درس میں شامل ہوگی، اس دن طلبہ واساتذہ میں اس مسئلہ پر جو نزاع کھڑا ہوگا اسے کس طرح حل کیا جائے گا؟

کتاب الآثار لابی یوسف کی پہلی روایت پر بحث:

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کتاب الآثار لابی یوسف یا بلفظ دیگر مسند ابی یوسف میں منقول مرویات امام صاحب ہی کی تصریح کے مطابق مجموعۂ اغلاط ہیں، اسی طرح دیگر کتب مسانید وکتب آثار میں منقول مرویاتِ امام صاحب کا بھی یہی حال ہے، اس سے قطع نظر امام ابو یوسف کی طرف منسوب کتاب الآثار یا بلفظ دیگر مسند ابی یوسف میں سب سے پہلے جس حدیث کی روایت کو امام صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کو امام صاحب نے اپنے استاذ ابوسفیان طریف بن شہاب (رواہ ابن سفیان أو ابن سعد) سعدی عطاردی اشل سے روایت کیا ہے، اور مصنف انوار کا پروپیگنڈہ یہ ہے کہ امام صاحب جو احادیث بیان کرتے ہیں ان کی سندیں صحیح ہوتی ہیں اور ان سندوں کا کوئی بھی راوی مجروح وساقط الاعتبار نہیں ہوتا حتی کہ اساتذۂ ابی یوسف کا بھی یہی حال ہے مگر ابوسفیان طریف بن شہاب کی بابت حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے:

"أجمعوا على أنه ضعيف الحديث."[2] (تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ طریف ضعیف الحدیث ہے۔)

چنانچہ کتب رجال میں پوری صراحت ہے کہ متعدد ائمہ فن اور علمائے جرح وتعدیل نے موصوف طریف کو متروک کہا ہے مگر مولانا افغانی نے اتنے مشہور متروک راوی کے متروک ہونے کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا، اور یہ معلوم ہے کہ کسی بھی راوی کے تعارف میں یہ چیز بہت اہمیت رکھتی ہے کہ اس کے ثقہ وغیر ثقہ ہونے کی تعیین کی جائے لیکن مولانا افغانی نے پوری کتاب میں اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دینے کی بجائے اس سے اعراض وانحراف سے کام لیا ہے حتی کہ جن رواۃ کا مجروح ہونا مسلّم ہے

[1] اللمحات.　[2] تهذيب التهذيب (٥/ ١٢)

ان کے بھی مجروح ہونے کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا، اس کے باوجود مولانا افغانی کا تحشیہ بقول مصنف انوار بہت زیادہ مفید ہے، دریں صورت کتاب مذکور پر تحشیۂ افغانی اس اعتبار سے بہت مفید وقیمتی ہوسکتا ہے کہ اس کے ذریعہ ترویجِ اکاذیب کی ایک بڑی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب الآثار لابی یوسف کی پہلی حدیث احناف کے بہت سے فقہی مسائل کے خلاف ہے:

واضح رہے کہ اہل علم کے حسبِ تصریح یہ حدیث بایں الفاظ ابوسفیان کے سبب ضعیف ہے، اور اس کے الفاظ حنفی مذہب کے کئی اہم فقہی مسائل وفتاوی پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ اس حدیث کا ایک لفظ یہ ہے ''والتکبیر تحریمها'' نماز کا تحریمہ اللّٰه أکبر ہے، کتاب الآثار محمد بن حسن (ص: ۲۱) میں ابراہیم نخعی کا یہ فتوی منقول ہے کہ جس نے بوقت تکبیر تحریمہ اللّٰه أکبر نہیں کہا اس کی نماز نہیں ہوگی۔[1] مگر حنفی مذہب میں اللہ اکبر کے بجائے فارسی زبان میں اللہ کے کسی بھی صفاتی نام سے تحریمہ باندھا جاسکتا ہے حتی کہ حسن بن زیاد نے کہا:

''سمعت أبا حنیفة یقول: لا بأس أن تفتح الصلٰوة بالفارسیة.''[2]

''فارسی میں تحریمہ باندھنے میں کوئی خرابی نہیں۔''

علاوہ ازیں اس حدیث کا یہ لفظ بتلاتا ہے کہ تکبیر تحریمہ نماز کا جزو ہے یعنی یہ رکن نماز ہے مگر حنفی مذہب میں تحریمہ رکن نماز نہیں بلکہ شرط ہے، اسی طرح اس حدیث میں یہ لفظ بھی ہے: ''والتسلیم تحلیلها'' اس کا مطلب یہ ہے کہ سلام پھیرے بغیر نماز مکمل نہیں ہوگی مگر حنفی مذہب میں اخراج ریاح یا کسی بھی منافیٔ نماز عمل سے نماز مکمل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اس حدیث کے الفاظ ''لا تجزي صلوة إلا بفاتحة الکتاب ومعها شيء'' سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص کی نماز خواہ وہ مقتدی ہو یا امام ومنفرد سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ تھوڑا سا اور قرآن مجید پڑھے بغیر صحیح نہیں ہوگی مگر حنفی مذہب میں صرف ایک اوسط درجہ کی آیت پڑھنے سے بھی نماز صحیح ہو جائے گی، سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں، نیز مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنا حنفی مذہب میں ممنوع ہے، حالانکہ اس حدیث کا یہ مفاد بھی ہے کہ مقتدی ہو خواہ مقتدا کسی کی نماز سورۂ فاتحہ اور ایک دوسری سورۃ پڑھے بغیر صحیح نہیں ہوگی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث کو حنفی لوگ امام ومنفرد کے ساتھ مخصوص مانتے اور مقتدی کو اس سے مستثنی قرار دیتے ہیں، حالانکہ اس حدیث کے راوی حضرت ابوسعید خدری کا فتوی یہ ہے کہ امام کے پیچھے بھی سورۂ فاتحہ پڑھو۔[3]

حنفی مذہب کا اصول ہے کہ اگر کسی حدیث کے راوی صحابی کا عمل اس کی روایت کردہ حدیث کے خلاف ہو تو وہ حدیث منسوخ اور اس کا عمل ناسخ ہے، دریں صورت اگر بالفرض اس حدیث کا مفہوم یہ ہو کہ سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ دوسری سورہ کا ملانا صرف امام ومنفرد کے لیے مخصوص ہے تو حنفی اصول سے یہ حدیث منسوخ ہوگئی اور اس کا ناسخ ابوسعید کا یہ فتوی ہوا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھو لیکن حنفی مذہب میں نہ تو اس حدیث مرفوع پر عمل ہے اور نہ ابوسعید کے فتوی پر، اس کے باوجود مصنف انوار کو اصول کا پابند اور ضابطہ پرست ہونے کا دعویٰ ہے!!

[1] نیز ملاحظہ ہو: کتاب الأم (۷/ ۱۵۲)   [2] الکامل لابن عدي (۳/ ۷۹)

[3] تاریخ کبیر (۲/ ۲۵۷، قسم دوم) وجزء القراءة

”کتاب الآثار“ کی تیسری روایت میں عمر بن خطاب کا یہ فتوی نقل کیا گیا ہے کہ کوئی نماز بغیر سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ تھوڑا سا کچھ اور ملائے نہیں ہوسکتی، نیز جزء القراءۃ للبخاری وبیہقی میں عمر بن خطاب کا یہ فتوی بھی منقول ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھو مگر حنفی مذہب حضرت عمر کے اس فتوی پر بھی عامل نہیں۔ روایت ودرایت کے اصول وضابطہ کے تحت ابوسفیان والی روایت کے الفاظ غیر صحیح ہیں جس کی تصریح امام بخاری نے کتاب الضعفاء وتاریخ کبیر اور دوسرے اہل علم نے مختلف کتابوں میں کردی ہے لیکن اس کے باوجود مصنف انوار کا دعوی یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ صرف وہی حدیثیں روایت کرتے تھے جو بالکل صحیح ہوتی تھیں، کیونکہ کمال تقویٰ وتورع کے سبب امام صاحب روایت حدیث سے احتراز کیا کرتے تھے مگر جب روایت کرتے تو صرف وہی حدیث جو بالکل صحیح ہو، مصنف انوار اصول حدیث کے مسلم قوانین وضوابط کی روشنی میں ہرگز ہرگز امام صاحب کی روایت کردہ اس حدیث کو صحیح الاسناد والمتن ثابت نہیں کر سکتے۔ حدیث مذکور میں ایک لفظ یہ بھی ہے کہ ”وفي كل ركعتين تسليم“ [1] ہر دو رکعت میں سلام پھیرنا یا تشہد پڑھنا ضروری ہے، حنفی مذہب میں اس پر بھی عمل نہیں ہے۔ ابویوسف کا عمل بھی اس حدیث کے خلاف ہی ہے، پھر وہ متبع حدیث کیونکر ہیں؟

کتاب الآثار لابی یوسف کی دوسری حدیث بھی حنفی مذہب کے خلاف ہے:

کتاب الآثار کی دوسری حدیث میں اس امر کی تصریح ہے کہ مندرجہ بالا حدیث مرفوع کا ہی مضمون ابوسعید سے موقوفاً یعنی ان کے فتوی کے طور پر بھی مروی ہے، اور ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت ابوسعید کا فتوی یہ ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ مگر مصنف انوار کے مذہب میں نہ تو اس مرفوع حدیث پر عمل ہے اور نہ موقوف پر، مولانا افغانی ومصنف انوار کا دعوی یہ ہے کہ امام صاحب وہ حدیثیں بیان کرتے تھے جن سے لوگوں کو فائدہ ہو، حالانکہ حدیث کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اسے معمول بہ بنایا جائے، اگر احناف کا یہ دعوی صحیح ہے کہ امام صاحب صرف صحیح احادیث ہی روایت کرتے تھے تو اپنی روایت کردہ احادیث صحیحہ کے خلاف دوسرے قسم کے فقہی مسائل امام صاحب کی طرف منسوب ہو کر احناف کے یہاں کیوں مقبول اور معمول بہ ہیں؟

کتاب الآثار لابی یوسف کی چوتھی حدیث بھی حنفی مذہب کے خلاف ہے:

اوپر کتاب الآثار کی تین روایتوں کا ذکر ہوا اور ان میں سے کسی ایک پر بھی امام صاحب کا عمل نہیں ہے، اسی طرح اس کی چوتھی روایت پر بھی امام صاحب کا عمل نہیں ہے کیونکہ حدیث مذکور میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ وضو کے وقت سر کا مسح تین بار کرتے تھے مگر حنفی مذہب میں سر کا مسح صرف ایک بار ہے اور وہ بھی صرف چوتھائی سر کا، اس حدیث پر بہت لمبی بحث ہے جس سے ہم صرف نظر کرتے ہیں۔ نیز کتاب الآثار کی بہت ساری روایات کا یہی حال ہے کہ ان پر امام صاحب کا عمل نہیں مگر اختصار کے پیش نظر ہم صرف انھیں چند نمونوں پر اکتفا کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ اس طرح کی بعض مثالیں آگے بھی ملیں گے۔

[1] المجروحين (١/ ٧) والكامل لابن عدى (٣/ ٨٣، مخطوطه)

اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ:

امام ابو یوسف کی طرف منسوب کتاب الآثار کے بعد مصنف انوار نے موصوف کی کتاب ''اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ'' کا ذکر کیا ہے جس پر امام شافعی نے کتاب الام (۷/ ۸۷ تا ۱۵۰) میں پوری تنقید کر کے حقیقت واضح کر دی ہے، شوق رکھنے والے لوگ کتاب الام کی طرف مراجعت کریں، ہم مختصر الفاظ میں اس کے متعلق مصنف انوار کی باتوں پر تبصرہ کریں گے۔

مصنف انوار نے کہا:

''یہ کتاب بھی ادارہ مذکورہ سے شائع ہوئی، اس میں امام ابو یوسف نے اپنے دونوں اساتذہ کے مختلف فیہ مسائل کو جمع کیا ہے اور دلائل سے اپنے اجتہاد کی روشنی میں کسی ایک قول کو ترجیح دی ہے، حاشیہ میں تحقیق رجال، تخریج احادیث وحل لغات وغیرہ کی گئی ہے۔'' ❶

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ ابن ابی لیلیٰ نے امام ابوحنیفہ سے کچھ فقہی مسائل میں اختلاف کیا ہے، ظاہر ہے کہ امام صاحب سے اختلاف کی وجہ صرف یہ ہے کہ امام ابن ابی لیلیٰ ان مسائل میں امام صاحب کو مخطی مانتے اور صواب ان کے خلاف سمجھتے تھے، اسی طرح اس کتاب میں امام ابو یوسف نے امام صاحب کی موافقت کے بجائے بہت سارے مسائل میں ابن ابی لیلیٰ کے قول ہی کو اختیار کیا ہے، اور مصنف انوار مدعی ہیں کہ جو شخص امام ابوحنیفہ کے کسی ایک قول کو غلط وخطا کہے وہ چوپایہ جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ اور نئے دین کا موجد ہے، دریں صورت مصنف انوار ابو یوسف وابن ابی لیلیٰ پر کون سا فتوی صادر فرماتے ہیں؟ نیز امام نخعی کے بہت سے فتاوی امام ابوحنیفہ کے فتاوی کے خلاف ہیں، امام نخعی پر مصنف انوار کا کیا فتوی ہے؟

کتاب الآثار کی طرح یہ کتاب بھی اس امر کی شاہد ہے کہ حنفی مذہب کی بنیاد اپنے اصل اصول پر نہیں قائم ہے کیونکہ احناف کا دعویٰ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ ابراہیم نخعی کے اقوال کو اپنے دین کا اصول بنائے ہوئے تھے مگر اس کتاب سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب نے امام نخعی کے بعض فرامین سے اختلاف کیا ہے، ہم تفصیل میں پڑے بغیر بعض مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

دیہات میں تکبیراتِ تشریق کے واجب ہونے کی بحث:

امام ابوحنیفہ کا مسلک ہے کہ ایام تشریق میں منفرد نماز پڑھنے والے مردوں، عورتوں نیز دیہاتیوں اور مسافروں پر تکبیر کہنا واجب نہیں ہے لیکن ابن ابی لیلیٰ ان سب پر بھی تکبیر واجب مانتے تھے، اور بقول ابو یوسف ابراہیم نخعی کا مسلک بھی امام ابن ابی لیلیٰ جیسا تھا، یعنی ان کا مسلک امام ابوحنیفہ کے خلاف تھا، اور عامر شعبی سے بھی یہ قول منقول ہے۔ ❷

روزہ دار کو سرمہ لگانا امام نخعی کے نزدیک مکروہ ہے:

ابن ابی لیلیٰ بحالت روزہ سرمہ لگانا مکروہ سمجھتے تھے، حاشیہ پر ابراہیم نخعی کا بھی یہی فتوی منقول ہے، مگر امام ابوحنیفہ امام نخعی کے خلاف یہ فرماتے ہیں کہ بحالت روزہ سرمہ لگانے میں کوئی کراہت نہیں۔ ❸

---

❶ مقدمه انوار الباري (۱/ ۱۸۱)

❷ اختلاف أبي حنيفة وابن أبي ليلى (ص: ۱۰۹، باب الصلوة) الجامع الكبير لمحمد (ص: ۱۳ باب التكبير في أيام التشريق)

❸ اختلاف أبي حنيفة وابن أبي ليلى (ص: ۱۳۱)

نیز یہ کتاب بتلاتی ہے کہ امام ابوحنیفہ سے ابویوسف نے بکثرت اختلاف کیا ہے اوران کے فقہی مسائل وفتاوی کو ابن ابی لیلیٰ کے مقابلہ میں غلط سمجھا ہے، ہر صاحب علم اس کتاب کی طرف مراجعت کر کے اصل حقیقت معلوم کر سکتا ہے۔ امام شافعی کی کتابوں میں جملہ کتب احناف پر بہترین انداز میں نقد ونظر اور تبصرہ کیا گیا ہے، ہم اس کتاب پر اس سے زیادہ لکھ کر مصنف اور محشی کی خامیوں کی نشاندہی میں زیادہ وقت نہیں لگانا چاہتے۔

الردّ علی سیر الاوزاعی:

مذکورہ بالا دونوں کتابوں کی مدح سرائی کے بعد مصنف انوار نے امام ابویوسف کی تیسری کتاب ''الردعلی سیر الاوزاعی'' کی ثنا خوانی کی ہے، اس کے ساتھ موصوف نے کتب امام محمد کا تعارف کراتے ہوئے کہا ہے:

''سیر صغیر امام محمد کی کتاب ہے، امام اوزاعی نے اس کو دیکھا تو تعریف کی مگر بطور طنز یہ بھی کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت؟ امام محمد نے یہ جملہ سنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی اور اس کو ساٹھ اجزاء میں مرتب کیا اور تیاری کے بعد اسے ایک خچر پر لاد کر خلیفہ ہارون رشید کے پاس لے جانے کا ارادہ کیا، خلیفہ کو خبر ہوئی تو اس نے از راہِ قدر دانی شہزادوں کو استقبال کے لیے بھیجا اور ان کو ہدایت کی کہ امام محمد سے اس کی سند حاصل کریں اور امام اوزاعی نے بھی اس محققانہ کتاب کی بہت تعریف فرمائی۔''[1]

مصنف انوار نے امام ابوحاتم کا امام جرح وتعدیل ہونا تسلیم کیا ہے۔[2] اور امام ابوحاتم نے فرمایا ہے:

"كتاب السير لمحمد أصله للواقدي، رواه محمد عن الواقدي فروى أصحاب محمد عن محمد عن الواقدي بعض أحاديث ورووا الباقي عن محمد عن مشائخ الواقدي وحذفوا الواقدي."[3]

''امام محمد کی کتاب السیر دراصل واقدی کی تصنیف کردہ ہے جس کو تلامذۂ محمد نے امام محمد کے نام سے روایت کر دیا اور واقدی کا نام حذف کر دیا۔''

امام ابوحاتم کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ کتاب السیر امام محمد کی نہیں بلکہ واقدی کی تصنیف ہے جس کو واقدی کے بجائے امام محمد کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے، اور واقدی کی کتاب السیر کی ضخامت کا حال یہ تھا کہ صرف غزوۂ احد پر سو جلدیں لکھی گئی تھیں۔[4] اور موصوف کی کل کتابیں ایک بار ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی گئیں تو ایک سو بیس وِقر تھیں۔[5] اور علامہ محمد طاہر فتنی حنفی نے کہا کہ "الوقر بكسر الواو الحمل، وأكثر ما يستعمل في حمل البغل والحمار"[6] وقر واو کے کسرہ کے ساتھ بوجھ کے معنی میں مستعمل ہے اور زیادہ تر اس کا استعمال خچر وگدھے کے بوجھ کے لیے ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ واقدی کی کتابیں ایک سو بیس خچروں پر لادی جاتی تھیں، اور یہ معلوم ہے کہ واقدی کی کتابیں زیادہ تر سیر کے موضوع پر تھیں، جس کا حاصل یہ ہوا کہ واقدی کی کتاب السیر کئی خچروں کا بوجھ تھی مگر اس کتاب میں سے امام محمد صرف ساٹھ جلدیں

[1] مقدمه انوار (١/ ٣٠٤) [2] مقدمه انوار (٢/ ٨١) [3] تعجيل المنفعة (ص: ٢٣٩)
[4] خطيب (٣/ ٧) [5] خطيب (٣/ ٥، ٦) [6] مجمع البحار (٣/ ٤٥٥)

حاصل کر سکے تھے جس کو ان کے معتقدین نے واقدی کے بجائے امام محمد بن حسن کے نام سے شائع کر دیا تھا، اس سے قطع نظر کہ تلامذہ امام محمد اپنی اس کارستانی میں کس حد تک حق بجانب تھے؟ واقدی کا کذاب وغیر ثقہ ہونا معروف ہے جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ امام محمد کے نام سے شائع ہونے والی کتاب السیر مجموعۂ اکاذیب ہے، اس سے بڑی بات یہ کہ واقدی کے بجائے امام محمد کے نام سے شائع کی جانے والی یہ کتاب السیر جس امام محمد کے نام سے شائع کی گئی ہے انھیں ان کے استاذ خاص امام ابو یوسف اور دوسرے اہل علم مثلاً امام یحییٰ بن معین وغیرہ نے کذاب قرار دیا ہے۔ (کما سیأتي) دریں صورت مصنف انوار کے ہم مذہب وہم مزاج مصنف کشف الظنون کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ ہو:

''امام محمد کی سیر صغیر کو دیکھ کر امام اوزاعی نے فرمایا کہ اہل عراق کو سیر ومغازی کے موضوع پر کتاب لکھنے کا سلیقہ نہیں کیونکہ یہ لوگ علم سیر اور تاریخ ومغازی سے واقف نہیں، غزوات نبویہ وغزوات صحابہ پہلے ملک شام میں ہوئے تھے، عراق میں غزوات کا سلسلہ بعد میں جاری ہوا، امام اوزاعی کی یہ بات سن کر امام محمد نے سیر کبیر لکھی جس کو دیکھ کو امام اوزاعی نے فرمایا کہ ''لولا ما ضمنه من الأحادیث لقلت إنه یضع العلم بنفسه'' اگر اس کتاب میں بعض احادیث نہ لکھی ہوتیں تو میں کہہ دیتا کہ امام محمد اپنی اختراع وایجاد اور وضع کردہ باتیں لکھا کرتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ امام اوزاعی نے امام محمد کی کتاب السیر کو اختراعی اور وضعی چیز یعنی مجموعۂ اکاذیب کہا، امام محمد کے نام سے شائع ہو جانے والی کتاب مذکور اگر امام اوزاعی نے اختراعی ووضعی یعنی مجموعۂ اکاذیب کہا ہو تو تعجب نہیں، اسی طرح امام محمد کی کتاب سیر صغیر کو دیکھ کر امام اوزاعی نے اگر یہ کہا ہو کہ اس کے لکھنے والے علوم سیر ومغازی سے ناواقف ہیں تو مستبعد نہیں مگر کشف الظنون والی بات کا اصل ماخذ ہم کو معلوم نہیں ہو سکا، اس مفہوم کی ایک بات بصیغۂ تمریض شرح سیر کبیر للسرخسی (۳/۱) میں ہے مگر ''إنه لیضع العلم بنفسه'' کے بعد بعض الفاظ ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اوزاعی نے کتاب مذکور کی مدح کی مگر چونکہ یہ الفاظ اپنے پہلے والے الفاظ کے معارض ہیں، نیز صیغۂ تمریض کے ساتھ ان کا ذکر کر کے خود امام سرخسی نے پوری بات کے ساقط الاعتبار ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے، اس لیے امام محمد کی سیر صغیر وکبیر کی بابت امام اوزاعی کے تبصرۂ مذکورہ کا انتساب صحیح نہیں، البتہ اتنی بات واضح ہے کہ واقدی کی کتاب السیر سے وہی باتیں منتخب اور اخذ کر کے امام محمد کے نام سے شائع کی گئی ہوں گی جو امام محمد اور امام صاحب کے موافق مذہب رہی ہوں گی، نیز اس میں کچھ باتیں اپنی بھی شامل کی گئی ہوں گی، اور جب امام صاحب نے اپنے بیان کردہ علوم کو خود ہی مجموعۂ اغلاط کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ میری طرف مکذوب باتیں منسوب کر کے لکھ دی جایا کرتی ہیں تو یہ مستبعد نہیں کہ امام اوزاعی نے کتاب مذکور کو مجموعۂ اکاذیب کہا ہو کیونکہ اس کا اصل ماخذ کتب واقدی ہیں جو مکذوب ہیں، نیز اس کا اصل ماخذ بدعوی مصنف انوار امام صاحب کے علوم ہیں جو بقول امام صاحب مجموعۂ اغلاط ہیں، ویسے امام اوزاعی کا علومِ امام صاحب کو مجموعۂ اغلاط قرار دینا ثابت ہے۔ (کما سیأتي)

اس سے قطع نظر امام محمد کی طرف منسوب کتاب سیر صغیر وکبیر سے متعلق خالص علمی ودینی خدمت کے نام پر لکھے گئے مصنف انوار کے مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ امام اوزاعی کے طنز مذکور کے جواب میں لکھی گئی کتاب السیر لمحمد کی امام اوزاعی نے تعریف کی، اور خلیفہ ہارون نے اس کی اتنی پذیرائی کی کہ جب اس نے سنا کہ کتاب مذکور خچر پر لاد کر دربار خلافت میں آرہی

ہے تو شاہزادوں کو اس کے استقبال کے لیے بھیجا اور امام محمد سے اس کی سند لینے کو کہا، معلوم نہیں کہ اس نے خود امام محمد سے اس کی سند حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس زمانہ میں شاہزادگان ہارون کتاب مذکور کی سند لینے اور اس کا استقبال کرنے کے لیے موجود تھے اس زمانے میں امام اوزاعی بھی اس کا مطالعہ کر کے اس کی تعریف کرنے کے لیے دنیا میں موجود تھے، اور یہ معروف ومعلوم ہے کہ امام اوزاعی بقول بعض ۱۵۰/ ۱۵۱ھ میں اور بقول بعض ۱۵۵/ ۱۵۶ھ اور بقول اکثر ۱۵۷ھ میں فوت ہوئے تھے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ امام اوزاعی ۱۵۷ھ میں یا اس سے پہلے فوت ہوئے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہارون رشید ۱۴۹/ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوا، یعنی وفات اوزاعی کے وقت ہارون کی عمر زیادہ سے زیادہ سات آٹھ سال تھی اور وہ وفات اوزاعی کے کم از کم تیرہ سال کے بعد ۱۷۰ھ میں خلیفہ ہوا، اور اس کا شاہزادہ مامون رشید ۱۷۰ھ میں اسی دن پیدا ہوا جس دن ہارون تخت پر بیٹھا اور دوسرا شاہزادہ امین محمد ۱۷۱ھ میں پیدا ہوا اور تیسرا شاہزادہ محمد مقیم اللہ ۱۸۰ھ میں پیدا ہوا اور چوتھا شاہزادہ قاسم ۱۷۳ھ میں پیدا ہوا، ۱۷۰ھ یا اس کے بعد پیدا ہونے والے یہ شاہ زادگانِ ہارون کس زمانے میں کتاب مذکور کا استقبال کرنے اور اس کی سند لینے کے لائق ہوئے ہوں گے؟ اگر فرض کیجیے کہ ۱۸۵ھ کے لگ بھگ یہ لوگ اس لائق ہو گئے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۸۵ھ کے لگ بھگ یہ کتاب تیار ہو کر دربار خلافت میں آئی تھی جس کے لگ بھگ تیس سال پہلے امام اوزاعی فوت ہو چکے تھے۔ مصنف انوار کے بیان کے مطابق اس کا مطلب یہ ہوا کہ اپنی وفات کے عرصہ بعد زندہ ہو کر امام اوزاعی کتاب مذکور کا مطالعہ کرنے چلے آئے تھے، پھر انھیں احساس ہوا کہ عراقی لوگ علوم مغازی وسیر کے بہت ماہر ہیں ورنہ اس کتاب کو دیکھنے سے پہلے امام اوزاعی سمجھتے تھے کہ عراقی لوگ علوم مغازی سے نا آشنا ہیں۔

ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کے مزاعم کے مطابق متعدد صحابہ اپنی وفات کے بعد امام صاحب کی ملاقات کے لیے آیا کرتے تھے، نیز والدۂ امام صاحب نے ولادتِ امام جعفر سے پہلے امام جعفر سے شادی کر لی تھی، نیز اس طرح کی اور بھی بہت ساری باتیں ہوا کرتی تھیں۔ مصنف انوار کے بیان مذکور سے صاف ظاہر ہے کہ وفاتِ اوزاعی کے زمانہ بعد کتاب مذکور تیار ہوئی یا پھر اپنے مذکورہ بالا قول کی روشنی میں مصنف انوار ہی بتلائیں کہ زمانہ خلافتِ ہارون میں یعنی ۱۷۰ھ کے بعد تیار ہونے والی کتاب سیر کبیر کا مطالعہ ۱۵۷ھ میں یا اس سے پہلے فوت ہونے والے امام اوزاعی نے کیسے کیا؟

اس سے قطع نظر مصنف انوار کے ممدوح مولانا ابو الوفاء افغانی نے کہا:

> ”فن سیر میں قدیم ترین تصانیف میں سے امام ابوحنیفہ کی کتاب السیر ہے، جس کو انھوں نے اپنے تلامذہ ابو یوسف، زفر، اسد بن عمرو، حسن بن زیاد لؤلؤی، حفص بن غیاث، محمد بن حسن شیبانی، عافیہ بن یزید اور اپنے لڑکے حماد وغیرہ کے ذریعہ املا کرایا تھا۔ ان تلامذۂ ابی حنیفہ میں سے ایک نے کتاب مذکور امام صاحب سے روایت کی اور ان میں کچھ اضافے بھی کیے، پھر اسے مرتب ومہذب کیا، اور ہر ایک کی مرتب کردہ یہ کتاب اپنے مرتب کرنے والے کی طرف منسوب ہو گئی، حسن بن زیاد کی طرف کتاب السیر نام کی کتاب منسوب ہوئی اور محمد کی طرف سیر صغیر منسوب ہوئی، کہا گیا ہے کہ سیر صغیر امام اوزاعی کے ہاتھ میں آئی تو اسے دیکھ کر انھوں نے کہا کہ یہ کس کی تصنیف ہے؟ جواب دیا گیا کہ محمد بن حسن عراقی کی، اس پر امام اوزاعی نے فرمایا کہ اس فن پر اہل عراق کو کتاب لکھنے کا سلیقہ

کہاں سے آیا جبکہ انھیں علم سیر سے واقفیت ہی نہیں؟ غزوات نبویہ وغزوات صحابہ شام وحجاز میں ہوئے تھے، عراق میں نہیں ہوئے تھے، امام اوزاعی کی یہ بات امام محمد کو معلوم ہوئی تو انھیں غصہ آیا اور انھوں نے یہ کتاب یعنی الردعلی سیر الاوزاعی لکھی۔"[1]

أوّلاً: ہم کہتے ہیں کہ جس سیر کبیر کے حوالے سے مولانا افغانی نے مذکورہ بالا بات لکھی ہے اسی میں اس صفحہ پر لکھا ہے کہ امام محمد نے امام ابویوسف کو بالصراحت کذاب قرار دیا تھا، نیز ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اپنے مذکورہ بالا بیان میں مولانا افغانی نے "الردعلی سیر الاوزاعی" کو امام محمد کی تصنیف بتلایا ہے اور کہا ہے کہ اس کو امام محمد نے امام اوزاعی کے طنز مذکور کے جواب میں لکھا ہے مگر دوسری طرف مولانا افغانی نے کتاب مذکور امام ابویوسف کی تصنیف قرار دے کر اپنے لکھے ہوئے مقدمہ اورتحشیہ کے ساتھ شائع کیا اور فرمایا:

"امام ابوحنیفہ کی کتاب السیر کی تردید میں امام اوزاعی نے کتاب لکھی جن کی خبر امام صاحب کے شاگرد امام ابویوسف کو ہوئی تو انھوں نے اس کے جواب میں "الردعلی سیر الاوزاعی" لکھی۔ استاذ کوثری نے کہا کہ امام محمد کی تصنیف کردہ کتابوں میں سے ایک کتاب سیر صغیر ہے جس کو انھوں نے امام صاحب سے روایت کیا ہے، امام اوزاعی نے سیر ابی حنیفہ کی تردید کی کوشش کی جس کا جواب امام ابویوسف نے لکھا اور امام محمد نے سیر کبیر بھی لکھی جس میں انھوں نے بھی امام اوزاعی کا جواب دیا، نیز بہت سے دوسرے احکام بھی انھوں نے اس کتاب یعنی سیر کبیر میں بیان کیے۔"

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مولانا افغانی کے بیانات میں واضح طور پر تضاد موجود ہے، ایک طرف انھوں نے الردعلی سیر الاوزاعی کو امام محمد کی تصنیف قرار دیا ہے مگر دوسری طرف اسے امام ابویوسف کی کتاب قرار دے کر اپنے تقدمہ وتحشیہ کے ساتھ شائع کیا ہے، تیسری طرف اپنے استاذ کوثری سے یہ نقل کیا ہے کہ امام محمد کی سیر صغیر کے رد میں لکھی ہوئی امام اوزاعی کی کتاب کا جواب امام ابویوسف نے بنام "الردعلی سیر الاوزاعی" لکھا اور امام محمد نے اپنی کتاب سیر کبیر میں امام اوزاعی کی کتاب مذکور کا جواب لکھا۔ اس سے قطع نظر دوسروں کو غیر معتبر باتیں لکھنے پر مطعون کرنے والے مصنف انوار اوران کے ممدوح مولانا افغانی نے یہ نہیں بتلایا کہ خالص علمی ودینی نقطۂ نظر سے ان کی یہ بات کس معتبر دلیل پر قائم ہے جس کی وجہ سے اسے ان لوگوں کے اختراع کردہ اکاذیب میں سے قرار نہیں دیا جاسکتا جو جھوٹ کو کار خیر سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتے ہیں؟ ناظرین کرام مصنف انوار اوران کے ممدوح مولانا افغانی کے اکاذیبِ متعارضہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصنف انوار کے مندرجہ ذیل بیان کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

"امام اوزاعی نے اپنی کتاب مسائل الجہاد میں امام اعظم کی کتاب الجہاد کے بعض مسائل پر اعتراض کیا تھا، ان مسائل پر امام ابویوسف نے دونوں کے مسائل جمع کر کے ہر ایک کی دلیل بیان کی اور پھر محاکمہ کیا ہے یعنی کتاب وسنت کی روشنی میں کسی ایک کو ترجیح دی ہے۔ ادارۂ مذکورہ (دائرۃ المعارف حیدرآباد) ہی سے ۱۳۵۷ھ میں مفید حواشی کے ساتھ مصر میں شائع ہوچکی ہے، ضخامت ۱۳۰ صفحات، مطبوعہ مصر۔"[2]

---

[1] مقدمه الرد على سير الأوزاعي لأبي يوسف (ص: ۲، ۳ بحواله شرح السير الكبير للسرخسي)

[2] مقدمه انوار (۱/ ۱۸۱)

اپنے مذکورہ بالا بیان میں مصنف انوار نے الرد علی سیر الاوزاعی کو امام ابو یوسف کی تصنیف بتلاتے ہوئے سببِ تصنیف یہ بتلایا کہ امام اوزاعی نے امام صاحب کی کتاب الجہاد کا جو رد لکھا تھا اسی کا جواب امام ابو یوسف نے بنام الرد علی سیر الاوزاعی لکھا، اپنی اس بات کے ساتھ کتاب مذکور کے تحشیہ وتقدمۂ افغانی کی مدح وستائش کر کے مصنف انوار نے فرمادیا کہ حواشی مذکورہ مفید ہیں، گویا اس کے تحشیہ نگار مولانا افغانی نے مذکورہ بالا قسم کی جو متناقض ومتضاد باتیں لکھی ہیں ان کو بھی مصنف انوار نے صحیح قرار دے دیا، یہ بات بہرحال مستبعد ہے اور مکذوب بھی کہ امام صاحب کی املا کرائی ہوئی جو سیر صغیر امام محمد نے لکھی تھی اس پر امام اوزاعی نے وہ تبصرہ کیا ہو جس کو مولانا افغانی نے امام اوزاعی کی طرف منسوب کر رکھا ہے، کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ صرف اسی ملک کے لوگوں کو مغازی وسیر کا علم ہو جہاں غزوات نبویہ وغزوات صحابہ ہوتے ہوں۔

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق بدعویٰ مولانا افغانی امام اوزاعی نے امام صاحب اوران کے ہم مذہب تلامذہ کو علوم سیر ومغازی سے نا آشنا بتلایا ہے، اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ مصنف انوار نے امام اوزاعی کو استاذ ابی حنیفہ کہا ہے، اس اعتبار سے امام اوزاعی امام محمد وابو یوسف کے استاذ الاستاذ بھی ہیں، نیز امام محمد امام اوزاعی کے شاگرد بھی ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ استاذ اپنے شاگردوں کے مبلغ علم اور مجروح یا معتبر ہونے کا علم زیادہ رکھتا ہے، اور مصنف انوار کا فرمان ہے کہ مرتبہ استاذ کا بڑا ہوتا ہے، اس لیے امام صاحب، امام محمد اور ابو یوسف کے علوم مغازی پر جو تبصرہ مولانا افغانی نے صحیح ومعتبر قرار دے کر نقل کیا ہے اس کی بابت مصنف انوار کیا فرماتے ہیں؟

بہرحال امام اوزاعی نے اگر امام صاحب کی طرف منسوب کتاب السیر کو مجموعۂ اغلاط قرار دیا ہو تو وہ امام صاحب کے اپنے اس فرمان کے عین مطابق ہے کہ میری بیان کردہ علمی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں۔ مولانا افغانی نے امام صاحب کے ماہر علوم مغازی ہونے پر جو دلیل دی ہے کہ انھوں نے امام عامر جیسے ماہر علم مغازی سے علوم مغازی پڑھے تھے، اس کی حقیقت واضح ہو چکی ہے اور بتلایا جا چکا ہے کہ خود مصنف انوار ومولانا افغانی کے اصول سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب امام شعبی سے کوئی لفظ نہیں پڑھ سکے تھے، اس سے قطع نظر امام صاحب نے اگرچہ اپنی بیان کردہ تمام علمی وفقہی باتوں کو مجموعۂ اغلاط قرار دیا ہے جن میں علوم سیر ومغازی بھی ہیں امام صاحب کی بیان کردہ باتوں میں سے مغازی وسیر سے متعلق پینتیس مسائل کو امام اوزاعی نے اپنی کتاب السیر میں فی الواقع مجموعۂ اغلاط بتلایا ہے، اور نہایت مختصر الفاظ میں ان کا احادیث نبویہ کے خلاف ہونا ثابت کیا ہے، معلوم نہیں کہ مسائل مذکورہ فی الواقع امام صاحب کے بیان کردہ تھے یا کہ امام صاحب کی طرف ان کا انتساب غلط طور پر کر دیا گیا تھا کیونکہ امام صاحب کو بہرحال یہ شکوہ رہا کرتا تھا کہ میرے کذاب تلامذہ میری طرف جھوٹی باتیں منسوب کر کے بیان کر دیا کرتے ہیں۔

امام صاحب کی طرف منسوب ان پینتیس مسائل پر امام اوزاعی کی تنقید وتردید کا علم امام ابو یوسف کو ہوا تو انھوں نے اپنے نقطۂ نظر سے امام اوزاعی کی تردید میں "الرد علی سیر الأوزاعي" لکھی، مگر امام ابو یوسف کی کتابِ مذکور پر ایک تردید امام شافعی نے پوری تحقیق سے لکھ کر اس کی حقیقت واضح کر دی ہے۔[1] امام ابو یوسف کی کتاب الرد علی سیر الاوزاعی پر جس تحشیۂ افغانی کی مصنف انوار نے مدح سرائی کی ہے اسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام اہل الرای خصوصاً اراکین تحریک کوثری کی طرح

[1] الأم (٧/ ٣٠٣ تا ٣٣٥)

مولانا افغانی نے بھی اپنے خالص علمی ودینی وتحقیقی نقطۂ نظر سے تقدمہ وتحشیہ لکھا ہے، اور محدثین کے مابین جس چیز کو علمی ودینی وتحقیقی نقطۂ نظر کہا جاتا ہے اس سے سراسر اعراض وانحراف کیا ہے۔ نقطۂ نظر کا یہ اختلاف مولانا افغانی کو اس بات سے مانع ہوا کہ وہ حقائق کی چھان بین اور تحقیق سے کام لے کر حق وصواب کو سمجھنے اور اس کی حمایت کرنے کی کوشش کریں۔

دار الحرب میں مال غنیمت کی تقسیم کے مسئلہ پر بحث:

امام ابو یوسف کی کتاب مذکور میں سب سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے:

"قال أبوحنيفة: إذا غنم جند من المسلمين غنيمة في أرض العدو من المشركين فلا يقتسمونها حتى يخرجوها إلى دار الإسلام ويحرزوها."[1]

''امام صاحب نے فرمایا کہ مسلمانوں کے جس لشکر کو بھی دار الحرب میں مال غنیمت حاصل ہو اس کو وہ دار الاسلام میں لائے بغیر اور محفوظ جگہ رکھے بغیر تقسیم نہیں کر سکتے۔''

امام صاحب کے مذکورہ بالا فتوی سے واضح طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ دار الاسلام میں لا کر محفوظ کر دینے سے پہلے مال غنیمت کی تقسیم مطلقاً جائز نہیں ہے، امام صاحب کے اس فرمان سے اشارۃً بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ دار الاسلام میں لانے سے پہلے کسی صورت میں مال غنیمت کی تقسیم جائز ہے مگر عام اہل علم کو یہ بات معلوم تھی کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ جتنے بھی غزواتِ نبویہ ہوئے ان میں حاصل شدہ اموالِ غنیمت کی تقسیم دار الاسلام میں لانے سے پہلے کر دی گئی تھی، اور غزوات نبویہ کے بعد بھی زمانہ تک مسلمانوں میں یہی دستور تھا، بنا بریں دستور نبوی وسنت خلفاء کے خلاف امام صاحب کے اس حیرت انگیز اور نئے فتوی کے رد میں امام اوزاعی نے لکھا:

"لم يقفل رسول الله ﷺ من غزوة أصاب فيها مغنما إلا خمسه، وقسمه قبل أن يقفل من ذلك، غزوة بني المصطلق وهوازن ويوم حنين وخيبر، وتزوج رسول الله ﷺ بخيبر حين افتتحها صفية، وقتل كنانة، وأعطى أخته دحية، ثم لم يزل المسلمون على ذلك بعده."

''جتنے غزوات نبویہ میں اموال غنیمت حاصل ہوئے ان میں واپس ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے انھیں تقسیم کر دیا، مثلاً غزوہ بنومصطلق وہوازن وحنین وخیبر۔ خیبر ہی میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے حصہ کی لونڈی حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے شادی کی اور ان کی بہن دحیہ کلبی کو دی، اور اسی طریق پر مسلمان قتلِ ولید بن یزید تک یعنی ۱۲۶ھ تک عامل تھے۔ دور فاروقی وعثمانی سب میں اسی دستور پر عمل رہا۔''

امام اوزاعی کی مندرجہ بالا بات سے ثابت ہوتا تھا کہ امام صاحب کا فتوی مذکورہ دور نبوی سے لے کر قتل یزید بن ولید تک اجماعِ اہل اسلام اور دستور نبوی وسنت خلفاء کے خلاف ہے، کیونکہ دور نبوی سے لے کر قتل ولید تک حاصل شدہ اموال غنیمت کو دار الاسلام میں واپسی سے پہلے تقسیم کر دیا جاتا تھا، جو اس بات کو مستلزم ہے کہ دار الاسلام میں اموال غنیمت کو لا کر محفوظ کرنے سے پہلے ان کی تقسیم کر دی جایا کرتی تھی۔ امام اوزاعی کا رد لکھنے کے لیے بیٹھنے والے امام ابو یوسف اور ان کے معاونین اہل

[1] الرد علی سیر الأوزاعي (ص: ٥) و الأم (٧/ ٣٣٣)

الرای کے پاس امام اوزاعی کے اس بیان کے خلاف کوئی بھی جواب نہیں تھا مگر موصوف نے اہل الرای کی عادت کے مطابق تاویل وسخن سازی کا راستہ اختیار کرتے ہوئے مندرجہ ذیل بات کہی:

"أما غزوة بني المصطلق فإن رسول اللهﷺ افتتح بلادهم، وظهر عليهم فصارت بلادهم دار الإسلام، و بعث الوليد بن عقبة يأخذ صدقاتهم، وعلى هذه الحال كانت خيبر حين افتتحها صارت دار الإسلام وعاملهم على النخل، وعلى هذا كانت حنين وهوازن، ولم يقسم في حنين إلا بعد منصرفه عن الطائف حين سأله الناس، وهم بالجعرانة أن يقسمه بينهم، فإذا ظهر الإمام على دار، وأثخن أهلها فيجري حكمه عليها فلا بأس أن يقسم الغنيمة فيها قبل أن يخرج، وهذا قول أبي حنيفة أيضا، وإن كان مغيرا فيها لم يظهر عليها ولم يجر حكمه فإنا نكره أن يقسم فيها غنيمة أو فيئا."[1]

"غزوہ بنومصطلق میں رسول اللہ ﷺ فتح یاب ہو گئے تھے، اس لیے سرزمین بنی مصطلق دارالاسلام بن گئی تھی، چنانچہ وہاں کا صدقہ وصول کرنے کے لیے ولید بن عقبہ کو بھیجا گیا تھا، یہی حال خیبر کا بھی تھا اور حنین وہوازن کا بھی، لہٰذا جب کسی سرزمین پر امام غالب آجائے اور وہاں کے باشندوں کو مغلوب کر دے اور اس کا حکم وہاں چلنے لگے تو وہاں سے واپس ہونے سے پہلے مالِ غنیمت کو تقسیم کیا جا سکتا ہے، یہ بھی امام ابوحنیفہ کا فتوی ہے، البتہ صرف حملہ کیا گیا اور فتح حاصل نہیں ہوئی اور حکم نہیں چلا تو واپسی سے پہلے ہم تقسیمِ غنیمت کو مکروہ سمجھتے ہیں، اس لیے کہ مالِ غنیمت کو محفوظ نہیں کیا گیا... إلی أن قال: بایں ہمہ اگر امام چاہے تو دارالحرب میں مالِ غنیمت کی تقسیم کر سکتا ہے۔"

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام صاحب کا مطلقاً یہ فتوی تھا کہ کسی بھی جگہ سے حاصل شدہ مالِ غنیمت کی تقسیم اسے دارالاسلام میں لا کر محفوظ کیے بغیر نہیں ہو سکتی مگر جب اس پر امام اوزاعی نے تنقید مذکور لکھی تو یہ تاویل کی گئی کہ غزوات مذکورہ میں حاصل شدہ اموالِ غنیمت کو دارالاسلام میں لا کر محفوظ کرنے سے پہلے غزوات مذکورہ کی جائے وقوع پر اس لیے تقسیم کر دیا گیا کہ مفتوح ہو کر یہ مقامات دارالاسلام بن گئے تھے، اور جن جگہوں سے مالِ غنیمت حاصل ہو وہ مفتوح ہو کر دارالاسلام بن جائیں تو وہاں تقسیمِ غنیمت ہو سکتی ہے، حالانکہ امام صاحب کی طرف منسوب عبارت سے اگر وہ بات ظاہر ہوتی جس کا ذکر تنقیدِ اوزاعی کے بعد امام ابو یوسف نے کیا تو اس کے خلاف رد لکھنے کی ضرورت امام اوزاعی خود ہی محسوس نہیں کرتے کیونکہ جو ملک مفتوح ہو کر دارالاسلام بن جائے وہاں فی الواقع تقسیمِ غنیمت کر سکتے ہیں مگر یہاں مسئلہ ہے دارالحرب میں تقسیم کا، امام اوزاعی کے جواب میں امام ابو یوسف کی مذکورہ بالا باتوں کا جائزہ لیتے ہوئے امام شافعی نے فرمایا:

"القول ما قال الأوزاعي، وما احتج به عن رسول اللهﷺ معروف عند أهل المغازي لا يختلفون في أن رسول اللهﷺ قسم غير مغنم في بلاد الحرب فأما ما احتج به أبو يوسف..."[2]

"بات امام اوزاعی ہی کی صحیح ہے، امام اوزاعی نے اپنے موقف پر جس دستور نبوی سے استدلال کیا ہے وہ اہل

---

[1] الرد على سير الأوزاعي (ص: ٣ تا ٥) و الأم (٧/ ٣٣٣، ٣٣٤)

[2] الأم (٧/ ٣٣٥)

مغازی کے یہاں معروف ہے، اہل مغازی کا اس میں اختلاف نہیں کہ کئی مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دار الحرب میں تقسیمِ غنیمت کی، اور امام ابو یوسف نے جو یہ کہا ہے کہ بنو المصطلق پر غلبۂ نبوی حاصل ہونے کے سبب سرزمین بنو مصطلق دار الاسلام بن گئی تھی تو اس سلسلے میں صرف اتنی بات ثابت ہے کہ ان پر نبی ﷺ نے اچانک حملہ کر کے قتل کیا اور انھیں گرفتار کیا اور ان کے اموال پر قبضہ کر لیا تھا اور انھیں کے ملک میں مال غنیمت کی تقسیم کر ڈالی تھی، یہ واقعہ ۵ھ میں پیش آیا تھا اور اس کے زمانہ بعد وہ لوگ مسلمان ہوئے تھے، ان کے یہاں صدقہ وصول کرنے کے لیے آپ نے ولید بن عقبہ کو ۱۰ھ میں یعنی غزوۂ مصطلق کے پانچ سال بعد بھیجا تھا ورنہ جس وقت رسول اللہ ﷺ سرزمین بنو مصطلق سے واپس ہوئے تھے اس وقت وہ دار الحرب ہی تھا۔ اور خیبر کا حال بھی یہی تھا کہ وہ دار الاسلام نہیں ہوا تھا بلکہ وہاں کوئی بھی مسلمان نہیں تھا اور وہاں کے باشندوں سے مصالحت ہوئی تھی۔ کسی بھی غزوہ یا سریہ کا وہ معاملہ نہیں تھا جو امام ابو یوسف نے بتلایا ہے اور اگر بات اسی طرح ہے جس طرح امام ابو یوسف نے کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی دار الحرب میں مال غنیمت کو تقسیم نہیں کیا اس کے باوجود موصوف نے جو یہ فتوی خود دیا اور امام صاحب کی طرف منسوب کیا کہ امام چاہے تو دار الحرب میں تقسیم مال غنیمت کر سکتا ہے تو اپنے اس طرز عمل سے موصوف امام ابو یوسف خود اس خرابی میں گرفتار ہو گئے جس کو انھوں نے دوسروں کے لیے معیوب سمجھا یعنی جو چیز حدیث سے ثابت نہیں اس پر موصوف عمل پیرا ہو گئے۔“

امام شافعی کی مذکورہ بالا عبارت سے امام ابو یوسف کا طریق تحقیق ظاہر ہو گیا، اس سلسلے میں زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، اپنی اسی عبارت میں امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ امام اوزاعی کا یہ دعوی کہ دور فاروقی وعثمانی میں دار الحرب میں غنیمت تقسیم ہو جایا کرتی تھی صرف ثقہ رواۃ سے مروی ہونے کی صورت میں مقبول ہو سکتا ہے، لہٰذا بتلایا جائے کہ یہ حدیث کس سے مروی و مذکور ہے اور کون اس کا شاہد اور راوی ہے؟ پھر امام ابو یوسف نے اپنی تائید میں درج ذیل روایت نقل کی:

”حدثنا مجالد بن سعيد عن الشعبي عن عمر أنه كتب إلى سعد بن أبي وقاص..الخ.“[1]

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ کو میں کمک بھیج رہا ہوں، ان میں سے جو لوگ تدفین مقتولین سے پہلے تمھارے پاس پہنچ جائیں انھیں مال غنیمت میں شریک کرو، امام ابو یوسف نے کہا کہ مال غنیمت کو دار الحرب میں محفوظ نہیں کیا گیا تھا، اس لیے حضرت عمر نے یہ حکم دیا۔“

امام شافعی نے اوّلاً بتلایا کہ امام اوزاعی کی کہی ہوئی بات ثابت ومعروف اور مشہور ہے اور بزعم خویش مجالد والی جو روایت اپنے موافق سمجھ کر امام ابو یوسف نے نقل کی ہے وہ اگر ثابت نہ ہو تو اپنی معیوب قرار دی ہوئی خرابی میں وہ خود گرفتار ہو گئے، یعنی موصوف دوسرے سے ثقات رواۃ کی روایت کردہ احادیث طلب کرتے ہیں اور خود غیر ثقات کی روایت حجت میں پیش کرتے ہیں، اور اگر روایتِ مجالد ثابت ہو تو وہ امام ابو یوسف کے موافق ہونے کے بجائے مخالف ہے، نیز اپنی باتوں میں ابو یوسف تضاد بیانی کے بھی مرتکب ہوئے ہیں۔[2] اس سلسلے میں امام ابو یوسف نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت بھی نقل کی کہ غزوہ بدر کا مالِ

[1] الرد على سير الأوزاعي (ص: ٥، ٦)
[2] الأم (٧/ ٣٣٥)

غنیمت مدینہ منورہ واپس ہو کر تقسیم کیا گیا۔[1] حالانکہ اس کی سند میں حسن بن عمارہ کذاب ومتروک ہے۔(کمامر)

امام شافعی کی باتوں سے امام ابو یوسف کی بھرپور تردید ہو جاتی ہے، ان کی پیش کردہ روایتِ مجالد کا حال یہ ہے کہ مجالد بذات خود ساقط الاعتبار ہیں اور امام عامر شعبی کا لقاء وسماع حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نہیں، یعنی مجالد کے ساقط الاعتبار ہونے کے ساتھ روایت مذکورہ منقطع السند بھی ہے، امام ابو یوسف کو کیسے معلوم ہوا کہ عام شعبی وحضرت عمر کے درمیان کا محذوف راوی ثقہ ہے جبکہ وہ مجہول ہے؟ مجہول کی روایت کیسے معتبر ہے جبکہ ثقہ راوی زید بن عیاش کو مجہول قرار دے کر ان کی بیان کردہ حدیث کو امام ابوحنیفہ نے مردود کہہ دیا؟ پھر جب صرف ثقہ رواۃ سے مروی روایت ہی اصول ابی یوسف کے اعتبار سے مقبول ہے تو مرسل ومنقطع روایت کی سند میں ساقط ومحذوف راوی یقیناً مجہول ہوتا ہے لہٰذا مجہول راوی سے مروی یعنی مرسل ومنقطع روایت کیونکر مقبول ہوئی؟ امام ابو یوسف کو کیسے معلوم ہوا کہ مرسل ومنقطع روایت کی سند سے محذوف راوی ثقہ ہوتا ہے؟

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جن احادیث کی طرف امام اوزاعی نے اشارہ کیا ہے وہ اگرچہ اہل علم کے مابین معروف ومشہور اور ثابت ہیں مگر بقول عمر بن خطاب اہل الرای احادیث کے حفظ وضبط سے عاجز وقاصر ہوتے ہیں، اس لیے ان احادیث مشہورہ پر واقف نہ ہونے کے سبب موصوف مطالبہ کرتے ہیں کہ ثقہ راوی سے ان کا مروی ہونا ثابت کیا جائے لیکن خود اپنی تائید میں سمجھ کر اپنے خلاف دلالت کرنے والی جو حدیث موصوف نے پیش کی وہ بذات خود ساقط الاعتبار ہے، بتلایئے کہ یہ کونسا طریق تنقید ہے؟ الرد علی سیر الاوزاعی کے حاشیہ نگار مولانا افغانی کا حال یہ ہے کہ بقول مصنف ''فقہ الامام الاوزاعی'' کتاب الام ہی سے انھوں نے امام ابو یوسف کی کتاب مذکور کو نقل کر کے حاشیہ آرائی کے ساتھ شائع کیا مگر کتاب مذکور پر جو نقد امام شافعی نے فرمایا ہے اس کی طرف مولانا افغانی نے اشارۃ بھی نہیں فرمایا۔[2] صرف اسی بات سے مولانا افغانی کی دیانت داری اورتحشیہ نگاری کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

الرد علی سیر الاوزاعی پر مولانا افغانی کی حاشیہ آرائی کی ایک مثال:

جہاں امام ابو یوسف نے کہا کہ غزوات نبویہ ہونے والی جن جگہوں پر مال غنیمت کی تقسیم ہوگئی تھی وہ مفتوح ہو جانے کے سبب دار الاسلام بن گئیں تھیں وہاں مولانا افغانی نے یہ حاشیہ آرائی کی:

''مقاماتِ مذکورہ پر مسلمانوں کے غالب وفاتح اور غیر مسلمین کے مغلوب ومقہور ہو جانے کی بنا پر ان جگہوں کے دار الاسلام ہو جانے میں شک نہیں کیا جا سکتا، اور بنو مصطلق پر ولید بن عقبہ کا حاکم بنا کر بھیجا جانا سیرت ابن اسحاق میں صراحت سے مذکور ہے جس کو ابن اسحاق نے یزید بن رومان سے نقل کیا ہے، اور جو یہ بات کہی گئی ہے کہ فتح مکہ کے وقت ولید بچے تھے وہ صحیح نہیں، بیہقی نے جو یہ روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر اہل مکہ اپنے بچوں کو خدمت نبوی میں لائے جن کے سروں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا اور دعائیں دیں ان بچوں میں ولید بھی تھے، مگر ولید کو چونکہ والدۂ ولید نے خلوق (ایک طرح کی خوشبو) لگا دی تھی، اس لیے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں چھوا وہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں ابوموسیٰ ہمدانی مجہول راوی ہیں اور یہ حدیث مضطرب ومنکر بھی ہے جیسا کہ ترکمانی نے جوہر النقی میں کہا ہے، ابن عبدالبر نے بحوالۂ امام بخاری نقل کیا کہ روایت مذکورہ صحیح نہیں۔ ابن عبدالبر نے کہا کہ جو زمانہ

---

[1] الرد علی سیر الأوزاعي (ص: ۸، ۹)　　[2] فقه الإمام الأوزاعي (۱/ ۸۱)

نبوی میں عامل صدقہ بنا کر بھیجا جائے اس کا فتح مکہ کے موقع پر بچہ ہونا ناممکن ہے، روایت مذکورہ کے فاسد ہونے پر اہل سیر کی ذکر کردہ یہ بات دال ہے کہ ولید اوران کے بھائی عمارہ (اپنی بہن) کلثوم کو ہجرت سے باز رکھنے کے لیے نکلے تھے۔ابن عبدالبر نے استیعاب میں کہا کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ولید کو بنی مصطلق کا صدقہ وصول کرنے بھیجا گیا تھا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ﴿أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا﴾ والی آیت حضرت علی وولید کی بابت نازل ہوئی، مستدرک میں مصعب زبیری سے مروی ہے کہ زمانہ نبوی میں ولید مرد ہو چکے تھے۔"[1]

مولانا افغانی کے اس لمبے چوڑے حاشیہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے بڑی تحقیق وانصاف پسندی کے ساتھ حاشیہ آرائی کی ہے۔ یہ معلوم ہے کہ محض کسی دار الحرب پر اچانک حملہ کر کے وہاں کے باشندوں کو مغلوب ومقید کر لینے سے وہ دار الحرب دارالاسلام میں تبدیل نہیں ہو جاتا جب تک کہ اس پر اسلامی حکومت قائم کر کے وہاں باقاعدہ مسلم حاکم نہ مقرر کر دیا جائے اس خیال سے مولانا افغانی نے یہ کہنے کے ساتھ کہ بنومصطلق پر مسلمانوں کے غلبہ کی وجہ سے ملک بنومصطلق دارالاسلام بن گیا تھا یہ دعوی بھی کیا کہ ان پر ولید بن عقبہ کو حاکم مقرر کر دیا گیا تھا۔ فریق ثانی کو بھی اس اس میں اختلاف نہیں ہے کہ ولید کو صدقہ بنی مصطلق وصول کرنے کے لیے نبی ﷺ نے بھیجا تھا مگر ان کا کہنا یہ ہے کہ غزوہ بنی مصطلق ختم ہوتے ہی فوراً اسی وقت انھیں بنومصطلق کا حاکم مقرر کیا گیا تھا نہ وصولی صدقہ کے لیے بھیجا گیا تھا بلکہ موصوف کو غزوہ بنومصطلق کے عرصہ کے بعد صدقہ بنومصطلق کا عامل بنایا گیا تھا۔ جتنی روایات مولانا افغانی نے نقل کی ہیں ان میں سے کسی سے بھی اس بات کی نفی نہیں ہوتی کہ غزوہ بنومصطلق کے عرصہ بعد ولید کو صدقہ بنومصطلق وصول کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

امام شافعی کی اس بات کی طرف مولانا افغانی نے کوئی توجہ نہیں دی کہ ولید کو ۱۰ھ میں صدقہ بنی مصطلق کے لیے بھیجا گیا تھا، امام شافعی کی اس بات کو رد کر کے اگر مولانا افغانی یہ ثابت کر دیے کہ غزوہ بنومصطلق کے فوراً ہی بعد وہاں پر کوئی صحابی حاکم فرمان نبوی سے مقرر ہو گیا تھا اور وہاں اسلامی حکومت وقانون جاری ہو گیا تھا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب کہے جا سکتے تھے۔ یہ معروف بات ہے کہ غزوہ بنومصطلق ۵/ ۶ھ میں پیش آیا اور حضرت خالد بن ولید اس غزوہ کے عرصہ بعد یعنی غزوہ خیبر کے بعد ۷/ ھ میں مسلمان ہوئے اور انھیں کو نبی ﷺ نے بنومصطلق کے پاس اس وقت بھیجا تھا جبکہ ولید بنومصطلق کے ہاں عامل صدقہ بنا کر بھیجا گیا تھا، حضرت خالد کا غزوہ خیبر کے بعد ۷/ ۸ھ میں اسلام لانا اسانید صحیحہ سے ثابت ہے، پھر یہاں نزاع اس میں ہے کہ دارالحرب میں تقسیم غنیمت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ نزاع اس میں نہیں ہے کہ جو ملک مفتوح ہو کر دارالاسلام بن گیا اس میں تقسیم غنیمت جائز ہے یا ناجائز؟

مولانا افغانی صاحب نے اپنی مندرجہ بالا بات میں ابوموسیٰ مجہول کی روایت کو مردود قرار دیا ہے مگر وہ بذات خود مجہولین وکذابین کی روایات کو بکثرت حجت بنائے ہوئے ہیں، کیا یہی طریق عدل وانصاف ہے؟ امام ابو یوسف سے کتاب الآثار کا راوی ان کے جس صاحبزادے یوسف کو قرار دے کر ان کی روایت کردہ کتاب الآثار کو موصوف نے امام ابو یوسف کی تصنیف قرار دیا ہے جبکہ یوسف تک اس کی پہنچنے والی سند بھی مظلم وتاریک اورساقط الاعتبار ہے یہ کون سی تحقیقی خدمت ہے؟

---

[1] ملخص از حواشي أفغاني على الرد على سير الأوزاعي (ص: ٢، ٣)

اختصار کے پیشِ نظر مولانا افغانی کے حواشی الرد علی سیر الاوزاعی سے متعلق صرف اتنی بات پر ہی ہم اکتفا کرتے ہیں مگر غزوات نبویہ سے متعلق بعض احکام نبویہ کے ساتھ امام صاحب کے طرز عمل کا ذکر نہ کرنا اس لیے مناسب سمجھتے ہیں کہ ناظرین کرام فیصلہ کر سکیں کہ مصنف انوار کا یہ دعوی کتنا صحیح ہے کہ علمائے احناف علوم مغازی سے بھی بہت زیادہ واقف تھے؟ اگرچہ مصنف انوار کے اس دعویٰ کی حقیقت امام صاحب سے مروی اس فرمان سے ظاہر ہے کہ ہمارا اشتغال جس چیز کے ساتھ ہے وہ خاص رائے وقیاس ہے۔

تذکرۂ غزوۂ خیبر...کیا مذبوح گدھے کا گوشت نجس ہے؟

غزوات نبویہ میں غزوہ خیبر کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اسے قرآن مجید نے فتح قریب سے تعبیر کیا ہے۔ اس غزوہ کے موقع پر صحابہ نے گدھوں کو ذبح کر لیا اور ان کا گوشت پکا کر کھانا چاہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إن اللّٰہ ورسولہ ینھیانکم عن لحوم الحمر الأھلیة فإنھا رجس أو نجس"[1] ''اللہ ورسول تم کو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں کیونکہ یہ رجس یا نجس ہیں۔''

غزوہ خیبر سے متعلق یہ حدیث نبوی اہل علم کے مابین بہت زیادہ مشہور ومعروف ہے، ماہر مغازی کو اس سے ناواقف نہیں رہنا چاہیے۔ اس حدیث کا مفاد یہ ہے کہ گدھوں یا دوسرے حرام جانوروں کو خواہ مسلمان ہی باقاعدہ ذبح کریں مگر ان کے گوشت وپوست نجس وناپاک ہیں کیونکہ گدھوں کے جس گوشت کو نبی ﷺ نے رجس ونجس کہا ہے وہ صحابہ کے ذبح کردہ تھے۔

ظاہر ہے کہ جو اہل علم اس حدیث سے واقف ہوں گے وہ اس کے خلاف کوئی فتوی نہیں دے سکتے کیونکہ کوئی صاحب علم جان بوجھ کر کسی فرمان نبوی کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ مگر امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ سور کے علاوہ جس جانور کو بھی بسم اللہ کہہ کر ذبح کر دیا جائے اس کے گوشت وپوست سب پاک ہو جاتے ہیں اور بلا دباغت ان کی جائے نماز تک بنا کر ان پر نماز پڑھنی اور ان کے ڈول میں پانی بھر کر وضو کرنا درست ہے یعنی کتے کو اگر بسم اللہ کہہ کر ذبح کر دیا گیا پھر اس کے چمڑے کا کرتا پائجامہ پہن سکتے اور اسی لباس اسی چمڑے کے ڈول میں پانی لے کر غسل ووضو کر کے اسی چمڑے کی جائے نماز پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ امام صاحب غزوہ خیبر سے متعلق اس مشہور ومعروف حدیث سے واقف نہیں تھے کہ مسلمانوں کے ذبح کردہ گدھوں کا گوشت ناپاک ہے ورنہ وہ کتے جیسے ناپاک ونجس جانور کے بارے میں یہ فتوی نہیں دیتے کہ اگر اسے ذبح کر دیا گیا تو اس کا گوشت وپوست سب پاک ہو گیا۔ اور یہ چیز خلاف تفقہ بھی ہے کہ اس فرمان نبوی کی موجودگی میں (یعنی باقاعدہ ذبح کردہ گدھے کا گوشت ناپاک ہے) یہ فتوی دیا جائے کہ مذبوح گدھے کا گوشت وپوست سب پاک اور قابل استعمال ہے البتہ اسے کھایا نہیں جا سکتا۔

بٹائی پر کھیتی کے مسئلہ پر بحث:

اسی طرح جنگ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے وہاں سے حاصل شدہ اراضی اور کھیتوں کو بٹائی پر لگا دیا۔ یہ چیز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے لیکن امام صاحب اراضی کو بٹائی پر دینا ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اگر امام صاحب علوم مغازی سے

[1] صحیح مسلم (۲/ ۱۵۰) وصحیح البخاري، کتاب غزوہ خیبر، باب لحوم الحمر (۲/ ۶۰۴) الأنسیة (۲/ ۸۳۰) وعام کتب أحادیث.

متعلق ان ثابت شدہ احادیث وآثار سے واقف ہوتے کہ رسول اللہ ﷺ وجملہ مسلمان بٹائی پرکھیتی کراتے تھے تو وہ اس کے خلاف فتوی دینے کی زحمت نہ اٹھاتے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ امام صاحب کے تلامذہ اور ارباب دیوبند بھی امام صاحب کے اس فتوی پرعمل نہیں کرتے۔

وقف کے مسئلہ پر بحث:

جنگ خیبر ہی کے موقع پر حاصل شدہ اراضی کو حضرت عمر بن خطاب نے وقف کر دیا تھا اور یہ چیز عوام وخواص میں معروف ومشہور ہے مگر امام ابوحنیفہ وقف کو جائز وصحیح نہیں مانتے۔ اگر امام صاحب علوم مغازی سے متعلق اس مشہور حدیث سے واقف ہوتے کہ خیبر کی مفتوحہ زمین کا ایک حصہ جو عمر کو ملا تھا اسے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے وقف کر دیا تھا تو وہ وقف کو ناجائز نہیں کہتے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ارباب دیوبند بھی امام صاحب کے اس فرمان کو نہیں مانتے۔ ہلال الرائی حنفی کی کتاب الوقف میں امام صاحب کے اس موقف کی تردید کی گئی ہے۔

اندازے سے پھلوں کا عشر لینے کا مسئلہ:

غزوہ خیبر ہی کے موقع پر کھجوروں کے پھلوں کے جن باغات پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا ان کے عشر کی وصولیابی کے لیے ''خرص'' (یعنی بلا ناپ وتول صرف تخمینہ وانداز کے ذریعہ مقدار معلوم کرنا) سے کام لینے کی ہدایت کی گئی مگر امام صاحب اس فرمان نبوی کے خلاف یہ فتوی دیتے ہیں کہ خرص سے عشر وصول کرنا جائز نہیں۔ اگر امام صاحب اس فرمان نبوی سے واقف ہوتے تو اس کے خلاف فتوی صادر نہ کرتے۔ مفصل بحث التعلیق الممجد میں موجود ہے۔

آزاد کردہ لونڈی سے نکاح کا مہر آزادی مقرر کر سکتے ہیں:

غزوہ خیبر ہی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے حصے کی لونڈی حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور مہر کے عوض ان کو آزادی دی مگر ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ آزاد ہونے کے بعد لونڈی خود مختار ہے خواہ نکاح کرے یا نہیں۔ اور آزادی عوض مہر نہیں بن سکتی۔ اگر ایسی صورت نکاح پر راضی بھی ہوگئی تو مہر علیحدہ سے مقرر کرنا ہوگا۔ امام صاحب کا یہ فتوی بھی اس امر کی دلیل ہے کہ موصوف غزوہ خیبر سے متعلق نکاح صفیہ رضی اللہ عنہا کے مشہور ومعروف واقعہ سے ناواقف تھے۔

قربانی کے اونٹوں کو اشعار یعنی کوہان کو زخم آلود کرنا:

تاریخ اسلام میں غزوہ حدیبیہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے، اس غزوہ کو قرآن مجید نے فتح مبین کے نام سے موسوم کیا ہے۔[1] اس غزوہ کو تاریخ اسلام میں صلح حدیبیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس غزوہ میں رسول اللہ ﷺ اپنے چودہ پندرہ سو جانباز صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کے ارادہ سے نکلے تھے اور باسانید صحیحہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر قربانی کے اونٹوں کا اشعار کیا تھا یعنی کوہان کے داہنی جانب شگاف کر کے اسے خون آلود کر دیا تھا۔[2]

---

[1] صحيح البخاري كتاب التفسير، تفسير سورة الفتح (٢/ ٧١٦، ٧١٧، جزو: ٢٠) عام كتب حديث وتفسير ومغازى وسير

[2] صحيح البخاري، كتاب المناسك (١/ ٢٢٩، ٢٣٠) و كتاب المغازي (٢/ ٥٩٨) وعام كتب سير ومغازى وكتب حديث.

عام اہل علم اس حدیث نبوی اور دوسری متعدد احادیث کی بنا پر اشعار کو سنت اور شعار اسلام قرار دیتے ہیں مگر امام ابوحنیفہ اس کے سنت وشعار اسلام ہونے کے منکر ہیں بلکہ اسے مکروہ وبدعت بھی کہتے ہیں۔ امام وکیع بن الجراح کو مصنف انوار فرضی چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دیے ہوئے ہیں وہ اشعار سے متعلق احادیث نبویہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اشعار سنت ہے مگر اہل الرای وابوحنیفہ اسے بدعت کہتے ہیں لیکن اہل الرای ہی کا مذہب بدعتی مذہب ہے، ان اہل بدعت کی طرف نظر التفات بھی نہ ڈالو، امام وکیع کی مجلس میں ایک حنفی المسلک شخص بول پڑا کہ ابراہیم نخعی سے بھی امام ابوحنیفہ جیسی بات منقول ہے اس پر بہت زیادہ برافروختہ ہوکر امام وکیع نے فرمایا کہ اس شخص کو جیل خانہ میں اس وقت تک محبوس ومقید رکھنا چاہیے جب تک کہ یہ تائب نہ ہو جائے۔[1]

اگر امام صاحب علوم مغازی کے ماہر ہوتے تو اتنے اہم معاملہ سے ناواقف نہ ہوتے۔ نیز اس سے مصنف انوار کے اس دعوی کی بھی تکذیب ہوتی ہے کہ امام وکیع مجلس تدوین فقہ کے رکن تھے کیونکہ جس مذہب کو وہ بدعتی مذہب سمجھتے تھے اور احادیث کے مقابلہ میں جس امام کا قول پیش کرنے پر موصوف اس قدر برہم و برافروختہ ہوئے اس مذہب کو فقہ کو مدون کرنے والے کسی فرضی مجلس تدوین کے وہ ہرگز رکن نہیں بن سکتے تھے۔

حاصل یہ کہ غزوہ حدیبیہ میں واقع شدہ اس عظیم الشان معاملہ سے بھی، جس کا تعلق فقہی باب سے ہے، امام صاحب واقف نہیں تھے حالانکہ امام صاحب کا موضوع خاص فقہ ہی تھا اور وہ فقیہ اہل الرای یا فقیہ اہل العراق کے نام سے مشہور ہیں۔ امام نخعی کی طرف اشعار کے مکروہ یا مثلہ ہونے کی نسبت صحیح نہیں ہے۔[2]

نماز خوف کی مشروعیت:

احناف کی عام کتب فقہ میں منقول ہے کہ امام ابو یوسف فرماتے تھے کہ نماز خوف وفات نبوی کے بعد امت کو پڑھنی جائز ہی نہیں ہے جب تک رسول اللہ ﷺ زندہ تھے تب تک ہی نماز خوف مشروع تھی حالانکہ وفات نبوی کے بعد عام صحابہ نماز خوف پڑھا کرتے تھے۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ امام ابو یوسف کا فرمان ہے کہ جو فتاوی میں دیتا ہوں وہ فتاوی امام صاحب بھی دیا کرتے تھے اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ امام صاحب بھی امام ابو یوسف کی طرح نماز خوف کی مشروعیت وفات نبوی تک کے لیے خاص مانتے تھے۔ معلوم نہیں کہ اس موقف پر کون سی دلیل ابو یوسف اور ان کے موافقین کے پاس تھی؟ البتہ وفات نبوی کے بعد مرتد ہو جانے والے بہت بڑے گروہ کا کہنا تھا کہ زکوۃ کی مشروعیت اور فرضیت وفات نبوی تک مخصوص تھی وفات نبوی کے بعد زکوۃ کی فرضیت ومشروعیت ختم ہوگئی۔ اس حیلہ وتدبیر سے اسلام کے سارے ہی احکام معطل ومنسوخ کیے جا سکتے ہیں۔

شہداء کی نماز جنازہ:

بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی نیز کسی بھی جہاد وغزوہ کے موقع پر عام شہداء کی نماز جنازہ پڑھنے کی فرضیت کا ثبوت نہیں ہے۔ بعض روایات سے زیادہ سے زیادہ شہداء کی نماز جنازہ

---

[1] جامع الترمذي أبواب الحج.　[2] التنكيل (ج: ٢ بحث اشعار)

پڑھنے کی اجازت یا استحباب ثابت ہوسکتا ہے مگر حنفی مذہب میں شہداء پر نماز جنازہ فرض ہے۔ اس موضوع پر مفصل بحث آگے آرہی ہے۔

ایک رکعت نماز خوف کی مشروعیت:

اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ صلوۃ الخوف کا مغازی سے بہت گہرا تعلق ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے:

"فرض اللّٰه الصلٰوة علی لسان نبیکم في الحضر أربعا وفي السفر رکعتین وفي الخوف رکعة." [1]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اللہ تعالی نے بحالت خوف صرف اقامت میں چار رکعت نماز فرض کی ہے اور بحالت سفر دو رکعت اور بحالت خوف صرف ایک رکعت۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف میں صرف ایک رکعت نماز فرض بتلائی ہے، لہٰذا صرف ایک رکعت پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ضجنان اور عسفان کے مابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کو نماز خوف پڑھائی تو ایک گروہ کو ایک رکعت اور دوسرے کو بھی ایک ہی رکعت پڑھائی، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعتیں ہوئیں اور ہر گروہ کی ایک ہی رکعت ہوئی۔ [2]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی حدیث نبوی مروی ہے۔ [3] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی بات منقول ہے۔

ان صحابہ کرام کے بیانات سے ثابت شدہ اس بات کے باوجود امام ابوحنیفہ ایک رکعت نماز خوف کی مشروعیت کے قائل نہیں ہیں، اگر امام صاحب موصوف علوم مغازی کے ایسے ماہر و واقف ہوتے جیسا کہ مصنف انوار مدعی ہیں تو ان احادیث سے موصوف ضرور واقف ہوتے اور ان احادیث سے واقفیت کی صورت میں بتقاضائے تفقہ امام صاحب ضرور ایک رکعت نماز خوف کی مشروعیت کے قائل ہوتے۔

متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز:

جب احادیث مذکورہ بالا کا حاصل یہ ہے کہ نماز خوف صرف ایک رکعت فرض ہے، اور یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت میں ایک نماز کی صرف ایک رکعت ایک گروہ کو پڑھائی اور دوسری رکعت دوسرے گروہ کو تو اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ دوسرے گروہ کو نماز پڑھاتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مفترض نہیں تھے کیونکہ پہلے گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر فرض کی ادائیگی سے سبکدوش ہو چکے تھے، اب آپ پر فرض نماز باقی نہیں تھی، لہٰذا دوسرے گروہ کو نماز پڑھاتے وقت آپ متنفل تھے۔ اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز صحیح ہو جاتی ہے، لیکن امام صاحب یہ بھی نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔

---

[1] مسلم و مسند أحمد (١/ ٢٣٧، ٣٥٥) وأبو داود ونسائي وابن ماجه وبيهقي (٤/ ١٣٥) وفي الباب عن أبي هريرة أيضا رواه أحمد.

[2] سنن الترمذي، تفسير سورة النساء، و سنن النسائي وأحمد وابن جرير وغيرهم.

[3] سنن أبي داود وغيره. نیز ملاحظہ ہو: المحلی لابن حزم (٤/ ٢٢٥، ٢٢٦)

اسی طرح کئی احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو رکعتیں ایک گروہ کو پڑھا کر سلام پھیر دیا اور دوسرے گروہ کو دوسرے تحریمہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھائیں، اسی طرح مغرب کی نماز ایک گروہ کو تین رکعت پڑھائی اور دوسرے گروہ کو بھی تین رکعت پڑھائی۔[1]

ان احادیث کا بھی حاصل یہی ہے کہ متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز صحیح ہوتی ہے مگر امام صاحب ان ساری احادیث سے مستخرج ہونے والے اس مسئلہ کو نہیں مانتے، اگر وہ مغازی سے متعلق ان احادیث سے واقف ہوتے تو ان کے خلاف دوسرا فقہی موقف اختیار نہیں کرتے۔

جمع بین الصلوتین:

متعدد احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ غزوہ تبوک اور دوسرے سفروں میں نبی ﷺ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء میں سے دو دو نمازوں کو ایک ہی وقت میں پڑھ لیا کرتے تھے، یعنی ظہر ہی کے وقت عصر کی نماز پڑھ لیتے تھے یا عصر کے وقت ظہر کی نماز ملا کر پڑھتے تھے، اسی طرح مغرب وعشاء میں بھی کرتے تھے۔[2] مگر امام صاحب مغازی سے متعلق ان احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ مسئلہ کے خلاف فرماتے ہیں کہ سفر جہاد ہو خواہ سفر تجارت کسی حالت میں بھی دو نمازوں کو جمع کر کے نہیں پڑھ سکتے، البتہ سفر حج میں مقام منیٰ وعرفات ومزدلفہ میں جمع بین الصلوتین کو امام صاحب بھی مشروع مانتے ہیں، اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ سفر حج اور سفر جہاد اور عام سفروں میں امام صاحب نے یہ تفریق کس بنیاد پر کی ہے؟

اس تفصیل کا حال بھی یہی ہے کہ غزوات میں جمع بین الصلوتین والی احادیث نبویہ سے امام صاحب واقف نہیں تھے ورنہ وہ ان کے خلاف دوسرا فقہی موقف اختیار کر کے احادیث نبویہ کی مخالفت کے مرتکب نہیں ہوتے۔ جہاد کا مقام وتقدس اور اس کا پر مشقت ہونا حج سے بڑھا ہوا ہے، حج میں اگر جمع بین الصلوتین جائز ہے تو از روئے قیاس بھی سفر جہاد میں جمع بین الصلوتین جائز ہونا چاہیے۔

تیمّم میں گھٹنوں تک مسح:

جنبی کے لیے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت سے متعلق حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث بہت شہرت رکھتی ہے اور اس حدیث کا تعلق بھی مغازی سے ہے کیونکہ بحالت جنابت حضرت عمار کے تیمّم کا واقعہ ایک سریہ میں پیش آیا تھا اور سریہ اس جنگ کو کہتے ہیں جو نبی ﷺ کے حکم سے صحابہ کرام نے لڑی ہو مگر بذات خود اس میں نبی ﷺ شریک نہ ہوئے ہوں۔ حضرت عمار کی صراحت ہے کہ ان کا واقعہ تیمّم ایک سریہ میں پیش آیا تھا۔[3] خود آیت تیمّم بھی ایک غزوہ نبویہ ہی میں نازل ہوئی تھی اور متعدد روایات کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیمّم سے متعلق آیت کا مطلب یہ بتلایا کہ صرف ایک بار زمین پر دونوں ہتھیلیاں مار کر چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کو گٹوں تک مسح کر لو۔[4] مگر علوم مغازی سے متعلق ان احادیث کے مضمون

---

❶ سنن أبي داود و حاكم و سنن دارقطني وبيهقي وغيره. ❷ عام كتب حديث ومغازي.

❸ رواه البخاري في صحيحه، باب التيمم للوجه والكفين (١ / ٤٨)

❹ عام كتب حديث نيز صحيح البخاري، كتاب التيمم. و سنن أبي داود مع عون المعبود وغيره.

کے بالکل خلاف امام ابوحنیفہ کا موقف وفتوی یہ ہے کہ تیمّم کے لیے زمین پر دومرتبہ ضرب لگائی جائے، ایک بار ضرب لگا کر چہرے کا مسح کیا جائے اور دوسری بار ضرب لگا کر ہاتھوں کو کہنیوں تک مسح کیا جائے یعنی ان احادیث نبویہ کی مخالفت امام صاحب نے دو معاملات میں کی ہے۔ اگر امام صاحب ان کثیر الاسانید احادیث صحیحہ سے، جو علوم مغازی ہی سے متعلق ہیں، واقف وباخبر ہوتے تو ان کے خلاف فقہی موقف اختیار نہ کرتے۔ علامہ شعرانی نے یہ بات بالکل بجا فرمائی ہے کہ امام صاحب کے زمانے میں علوم حدیث اگر مدون ہو گئے ہوتے تو دوسرے ائمہ کرام وفقہاء عظام کی طرح وہ بھی بکثرت احادیث نبویہ کی مخالفت سے محفوظ رہتے۔ (کما مر)

پانی میں ازخود مرجانے والی مچھلی کی حلت:

تاریخ اسلام میں غزوۂ سیف البحر کو بھی کافی شہرت حاصل ہے، اس غزوہ میں زاد راہ ختم ہوجانے کے سبب صحابہ کرام کو پریشانی ہوئی، سمندر سے ان صحابہ کو مری ہوئی ایک بھاری مچھلی عنبر (وہیل) ملی جسے صحابہ نے اٹھارہ روز تک خوب کھایا اور اس کے باقی ماندہ حصہ میں سے نبی ﷺ نے بھی کھایا۔[1] مگر امام صاحب علوم مغازی سے متعلق ان احادیث صحیحہ وصریحہ کے خلاف پانی میں ازخود مرجانے والی مچھلی کو کھانے سے منع کرتے ہیں، اگر امام صاحب ان احادیث سے باخبر ہوتے تو ان کے خلاف فتوی نہ دیتے۔

مال غنیمت میں گھوڑے کے حصہ پر بحث:

غزوۂ خیبر میں تمام غزوات کی طرح گھوڑ سواروں کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ مال غنیمت میں سے دیا گیا، مگر امام ابوحنیفہ نے اس حکم نبوی کے خلاف یہ فتوی دیا کہ گھوڑ سواروں کو صرف دوہرا حصہ ملے گا، امام صاحب کے تلامذہ نے امام صاحب کے اس فتوی کو رد کر دیا، امام صاحب کے اس فتوی سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مال غنیمت کی تقسیم سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے مشہور طرز عمل سے ناواقف تھے ورنہ اس کے خلاف فتوی نہ دیتے۔ تفصیلی بحث آگے آ رہی ہے۔

گھوڑے کے گوشت کے حلال ہونے پر بحث:

غزوۂ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں کے گوشت کے حلال ہونے کی پوری تصریح کر دی تھی مگر امام ابوحنیفہ اس فرمان نبوی کے خلاف گھوڑوں کے گوشت کو حرام وممنوع قرار دیتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مذبوح گدھے کے گوشت کو نجس کہا تو امام صاحب نے اسے طاہر وپاک قرار دیا اور گھوڑے کو حلال کہا تو اسے حرام قرار دے دیا۔ صحیح بخاری باب لحوم الخیل اور عام کتب حدیث میں حضرت جابر وغیرہ سے مروی ہے کہ "نهى النبي ﷺ يوم خيبر عن لحوم الحمر ورخص في لحوم الخيل" نبی ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقعے پر گدھوں کے گوشت کو ممنوع اور گھوڑوں کے گوشت کو حلال قرار دیا۔

حلال جانوروں کے پیشاب کے پاک ہونے پر بحث:

قبیلہ عنیین کا واقعہ بھی غزوات نبویہ سے متعلق ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا تھا۔ یہ بات

---

[1] صحيح البخاري، باب غزوة سيف البحر (۲/ ۶۲۵، ۲۲۶ و ۲/ ۸۲۶) وعام كتب حديث ومغازي وتواريخ.

اس امر کی دلیل ہے کہ اونٹ کا پیشاب پاک ہے مگر امام صاحب اونٹ کے پیشاب کو نجس مانتے ہیں۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ مذبوح گدھے کے گوشت کو اگر چہ رسول اللہ ﷺ نے نجس کہا مگر وہ امام صاحب کے نزدیک طاہر و پاک ہے لیکن اونٹ کے پیشاب کو اگر چہ رسول اللہ ﷺ نے پینے کی اجازت دی مگر امام صاحب نے اسے ناپاک کہا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مذبوح گدھے کا گوشت امام صاحب کے نزدیک پاک ہے لیکن ماءِ مستعمل ناپاک ہے بلکہ بقول مصنف انوار امام صاحب کو بذریعہ مکاشفہ ماء مستعمل میں گناہوں کی نجاست نظر آتی تھی، حالانکہ احادیث نبویہ کے مطابق ماءِ مستعمل پاک ہے۔ (كما سيأتي)

کافر مقتول کی لاش کی بیع کا مسئلہ:

غزوۂ خندق میں قتل ہو جانے والے بعض مشرکین کی لاش کو مشرکین نے قیمتاً خریدنا چاہا، نبی ﷺ نے اس کو ناجائز قرار دیا مگر امام صاحب مقتول مشرک کی لاش کو فروخت کرنا اور اس کے پیسے کا استعمال جائز بتلاتے ہیں۔[1]

نکاح متعہ:

یہ واضح بات ہے کہ غزوہ خیبر اور بعض دوسرے غزوات میں نکاح متعہ کی ممانعت کا اعلان حکم نبوی سے کر دیا گیا تھا۔ نکاح متعہ دراصل وقتی اور عارضی نکاح کو کہتے ہیں جو تھوڑے دنوں کے لیے کیا جاتا تھا۔ حنفی مذہب میں اگر چہ عارضی وقتی نکاح کو ممنوع کہا گیا ہے مگر نکاح حلالہ کو بالکل مباح و جائز کہا گیا ہے حالانکہ معنوی طور پر نکاح حلالہ بھی نکاح متعہ کے حکم میں ہے اور نکاح حلالہ سے احادیث نبویہ میں بالصراحت بھی منع کیا گیا ہے۔ اگر نکاح متعہ کی ممانعت سے متعلق احادیث پر دینی تفقہ وبصیرت حاصل کرنے کی پوری کوشش کی جائے اور اس کے مفاسد وفتن پر غور کیا جائے تو ان سے نکاح متعہ کے ہم معنی نکاح حلالہ کی قباحت وشناعت کی معرفت بھی حاصل ہو گی اور نکاح حلالہ کی ممنوعیت سے متعلق احادیث کو دیکھنے سے تو بالکل انشراح صدر ہی ہو جائے گا کہ نکاح حلالہ جائز نہیں ہو سکتا مگر علوم مغازی وسیر سے متعلق ان احادیث سے مستفاد ہونے والے مسئلہ مذکورہ کے خلاف بھی امام صاحب کا فتوی بتلاتا ہے کہ وہ ان احادیث سے پوری طرح واقف نہیں ہو سکے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں امام مالک کی طرف منسوب کر دیا گیا کہ نکاح متعہ حلال ہے جس پر بعض حنفی علماء نے بھی نکیر کی ہے امام مالک بھی نکاح متعہ کو باطل وممنوع کہتے تھے۔

خبر واحد کے حجت ہونے پر ایک دلیل:

غزوات وسرایا سے متعلق بہت ساری احادیث کا مفاد ہے کہ خبر واحد مطلقاً حجت ہے، اس جگہ ہم صرف اس بات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ غزوہ شام کے سلسلے میں اور وبا زدہ علاقے میں جانے کے مسئلہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں صحابہ کے مابین اختلاف ہو گیا تھا مگر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ خبر واحد سے یہ اختلاف رفع ہو گیا اور فریقین نے متفقہ طور پر اس خبر واحد کو قول فیصل مان لیا مگر حنفی مذہب میں خبر واحد مطلقاً حجت نہیں بلکہ اس کے حجت ہونے کے لیے مختلف قیود وشروط ہیں جو احناف کے اپنے ہی طرز عمل سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ (کما سیاتی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ سفر شام سے خبر واحد کا حجت ہونا

---

[1] كتاب الخراج لأبي يوسف (ص: ٢١٦)

ثابت ہے اس کو نہ مان کر مصنف انوار نے اسے عظمت فقہ کی دلیل بنا لیا ہے۔[1] حالانکہ اس سے ان اہل الرای کی فقہ کی عظمت نہیں ثابت ہوتی جن کی بابت قول فاروقی ہے کہ یہ اعداء سنت ہیں، احادیث کے حفظ وضبط سے عاجز ہونے کے سبب قیاس ورائے پر عمل کر کے خود گمراہ ہوتے اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔

مغازی سے متعلق بہت ساری احادیث وآثار کے خلاف مذہب حنفی میں فتاوی دیئے گئے ہیں مگر اختصار کے پیش نظر ہم صرف مذکورہ بالا مثالوں پر اکتفاء کررہے ہیں کیونکہ نمونہ کے لیے اتنی مثالیں کافی ہیں البتہ امام ابو یوسف کا طرز تحقیق ظاہر کرنے کے لیے ان کے بیان کردہ بعض مسائل پر بھی مختصر الفاظ میں نظر مناسب ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مرتد ہونے والی عورت کے قتل کا حکم:

بسند صحیح مروی ہے کہ فتح مکہ پر رسول اللہ ﷺ نے دو مرتد ہوجانے والی عورتوں کے قتل کا حکم دیا تھا۔[2] نیز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بسند حسن مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أيما امرأة ارتدت عن الاسلام فادعها فإن عادتها وإلا اضرب عنقها"[3]

''مرتد عورت سے توبہ کراؤ اگر توبہ کرے تو ٹھیک ہے ورنہ اسے قتل کر دو۔''[4]

اسی فرمان نبوی پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی عمل کرنا قوی وحسن سند سے ثابت ہے۔[5] حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عمل بھی اسی پر تھا۔[6] بحوالۂ ابن المنذر امام ابراہیم نخعی بھی مرتد عورت کو قتل کا حکم دیتے تھے۔[7] مگر غزوہ فتح مکہ کے موقع پر صادر ہونے والے اس حکم نبوی سے ناواقفیت کی وجہ سے امام صاحب کا عمل اس کے خلاف تھا حالانکہ اس حدیث نبوی پر خلفائے راشدین کا بھی عمل تھا اور ان امام نخعی کا بھی جن کو مصنف انوار نے مذہب حنفی کا مورث کہا ہے۔ امام ابو یوسف نے مرتد مرد کے قتل کروائے جانے کا فتوی دیتے ہوئے کہا کہ مرتد عورت کا حکم اس سے مختلف ہے کیونکہ:

"فأخذ بقول عبد الله بن عباس فإن أبا حنيفة حدثني عن عاصم بن أبي رزين عن ابن عباس قال لا يقتل النساء إذا هن ارتددن عن الإسلام."[8]

''اس معاملہ میں ہم ابن عباس کے فتوی پر عمل کرتے ہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ نے عاصم بن ابی رزین سے اور انھوں نے ابن عباس سے ایسا ہی قول نقل کیا ہے۔''

حالانکہ **أوّلاً**: حدیث نبوی وسنت خلفائے راشدین کے خلاف ابن عباس کی طرف منسوب قول پر عمل کرنا اور اس معاملہ میں مرد وعورت کے درمیان تفریق کرنا اور حد زنا وسرقہ وشراب وقذف میں تفریق نہ کرنا اصول وضابطہ کی بھی خلاف ورزی ہے اور اصول عدل وانصاف کی بھی مخالفت ہے۔ جہاد کے موقع پر عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور عبّاد وزہّاد کے قتل سے منع کیا گیا ہے تو

[1] اللمحات (١/ ٧٩ تا ٨١)
[2] سنن البيهقي (٨/ ٢٠٢) وفتح الباري (١٢/ ٢٤٠)
[3] فتح الباري (١٢/ ٢٤٠)
[4] نیز ملاحظہ ہو: مصنف عبد الرزاق (١٠/ ١٧٦)
[5] فتح الباري بحواله ابن المنذر و دارقطني وسنن البيهقي (٨/ ٢٠٤)
[6] سنن دار قطني (٢/ ٣٣٩) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا عمل وفتویٰ بھی اسی پر تھا۔ فتح الباري (١٢/ ٢٤٠)
[7] صحيح البخاري ومصنف عبد الرزاق (١٠/ ١٧٦) ومصنف ابن أبي شيبة (٢/ ١٣٧) وكتاب الآثار لأبي يوسف (ص: ١٦١)
[8] الخراج (ص: ١٩٦)

محض اس بنا پر کہ وہ مسلمانوں کے لیے ضرر رساں نہیں لیکن اگر ضرر رساں ثابت ہوں تو انھیں بھی قتل کیا جائے گا، اسی طرح اگر کافر عباد وزہاد چوری وشراب خوری وزنا کریں تو ان پر حد شرعی جاری ہوگی، جہاد میں عورت کو قتل کرنے سے اگر منع کیا گیا ہے تو بوڑھوں کو بھی قتل سے منع کیا گیا ہے لیکن بوڑھے اگر زنا کے مرتکب ہوں یا عورت ہی زنا کی مرتکب ہو تو اسے رجم کر دیا جائے گا۔ ارتداد زنا سے ہلکا جرم ہے کہ اس کی مرتکب عورت نہ قتل کی جائے مگر زنا کی مرتکب عورت کو بذریعہ سنگسار قتل کر دیا جائے۔

ثانیاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف امام ابو یوسف کا منسوب فتوی باعتبار سند صحیح نہیں ہے ہم عرض کر آئے ہیں کہ احناف واہل حدیث کے مابین اس موضوع پر مناظرہ کے وقت امام شافعی کے سامنے فریقین نے تسلیم واعتراف کر لیا تھا کہ باعتبار سند روایت مذکورہ مردود ہے۔[1] اس موقع پر فریق ثانی کے مناظر امام محمد شیبانی نے کہا تھا کہ امام ابو یوسف مرتد عورت کو قتل کیے جانے کا فتوی دیتے تھے، اس موقع پر امام شافعی نے فرمایا تھا کہ ”أرجو أن يكون له خير“[2] اگر امام ابو یوسف اس کے قائل تھے تو ان کے لیے امید خیر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو اس مسئلہ میں امام ابو یوسف کے دو اقوال تھے ایک مذہب حنفی کے مطابق دوسرا حدیث نبوی کے مطابق مگر مجلس مناظرہ میں امام شافعی کے سامنے اس بات کو امام ابو یوسف کی طرف منسوب کرنے والے امام محمد شیبانی کو امام ابو یوسف نے کذاب کہا ہے۔ (کما سیاتی) اس مناظرہ کی روداد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فریقین یعنی اہل الرای واہلحدیث کے علماء حاضرین امام صاحب کے ضعیف الحدیث ہونے پر متفق تھے۔ (کما مر)

ثالثاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب اس قول کے خلاف بسند صحیح یہ ثابت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس معاملہ پر حدیث نبوی ومذہب خلفائے راشدین کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے۔

جنگ میں غیر مسلم مقتول کے ”سلب“ کا مسئلہ:

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ غزوات کے موقع پر غیر مسلم کو قتل کرنے والے مجاہد کو غیر مسلم مقتول کے سلب یعنی اس کے جسم پر پائے جانے والے لباس وہتھیار دیے جانے کا حکم نبی ﷺ نے صادر کر رکھا تھا، غزوات سے متعلق اتنی مشہور ومعروف حدیث سے ناواقفیت کے سبب امام صاحب اوران کے اصحاب کا عمل اس کے خلاف تھا۔[3]

دار الحرب میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ:

امام ابو یوسف نے کہا:

”امام اوزاعی کا کہنا ہے کہ جتنے غزوات نبویہ وصحابہ ہوئے ان میں واپسی کے پہلے ہی اموال غنیمت کی تقسیم ہو جایا کرتی تھی اور بعد میں بھی۔ ایک زمانہ تک مسلمانوں میں اسی کا رواج رہا۔“[4]

امام اوزاعی کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم دار الحرب میں بھی ہوسکتی ہے جس کے رد میں امام ابو یوسف

---

[1] اللمحات (٣/ ١٥٥)　　[2] كتاب الأم (٦/ ١٦١)

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو كتاب الأم (٧/ ٣١٣ تا ٣١٥) اس میں امام ابو یوسف کی باتوں کا جائزہ بھی لیا گیا ہے جس سے امام ابو یوسف کے طرز تحقیق کا خصوصاً اور دیگر احناف کے طریق تحقیق کا عموماً اندازہ اچھی طرح ہوتا ہے۔

[4] الرد على سير الأوزاعي (ص: ٥، ٦)

کوئی ایسا معتبر ثبوت پیش نہیں کر سکے جس سے موقف اوزاعی کی تردید ہو سکے، اس کے باوجود احناف کا فتوی یہ ہے کہ دار الحرب میں تقسیم غنیمت مکروہ وممنوع ہے مگر خود ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ امیر چاہے تو دارالحرب میں تقسیم غنیمت کر بھی سکتا ہے۔ نیز امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

''جتنے بھی غزوات نبویہ میں واپسی سے پہلے تقسیم غنیمت ہوئی ان میں مفتوح ہونے کے سبب مفتوحہ ممالک دارالحرب کے بجائے دارالاسلام ہو گئے تھے اس لیے اوزاعی کا استدلال صحیح نہیں، اور یہ قولِ اوزاعی محتاج ثبوت ہے کہ عہد فاروقی وعثمانی میں دار الحرب میں تقسیم غنیمت ہو جاتی تھی، ایسا دعویٰ صرف ثقہ رجال کی سند سے مروی ہو تو مقبول ہے۔''[1]

اپنے مذکورہ بالا فرمان کے بعد امام ابو یوسف نے مندرجہ ذیل روایت نقل کی:

"حدثنا مجالد بن سعيد عن الشعبي عن عمر أنه كتب إلى سعد بن أبي وقاص أني قد أمد ذلك بقوم، فمن أتاك منهم قبل أن تتفقأ القتلى فأشركه في الغنيمة."[2]

''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں نے آپ کو فوجی کمک بھیجی ہے، کمک کے فوجیوں میں سے جو لوگ مقتولین کی تدفین سے پہلے پہنچ جائیں انھیں مال غنیمت میں حصہ دار بنایئے۔''

أوّلاً: امام شافعی نے تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ روایت مذکورہ موقف ابی یوسف واحناف کی تائید کے بجائے تردید کرتی ہے۔[3]

ثانیاً: روایت مذکورہ صحیح الاسناد نہیں حالانکہ اس کتاب میں امام ابو یوسف نے مکرر سہ کرر کہا ہے کہ حجت وہ روایت بنائی جا سکتی ہے جو صحیح الاسناد اور ثقہ رواۃ سے مروی ہو مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس روایت کے ناقل امام عامر شعبی کا حضرت عمر سے لقاء وسماع نہیں لہٰذا یہ روایت منقطع السند ہے، اس کے ساقط ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے مگر ''الرد علی سیر الاوزاعی'' کے محشی مولانا افغانی نے اس منقطع السند ساقط الاعتبار روایت کو بزعم خویش اپنے مذہب کی تائید میں سمجھ کر کہہ دیا کہ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے مگر مرسل ہمارے نزدیک حجت ہے حالانکہ حدیث مرسل کے حجت ہونے نہ ہونے کے مسئلہ پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔

مولانا افغانی نے اس روایت کے مرسل ہونے کا اگرچہ محققانہ جواب دے دیا مگر اس بات کا جواب نہیں دے سکے کہ اس کا دارومدار مجالد بن سعید جیسے مجروح راوی پر ہے۔ ایسے راوی کی روایت مقبول نہیں۔ امام یحییٰ بن سعید نے فرمایا کہ اگر تم مجالد کی روایت سے سیر کو لکھو تو گویا تم اکاذیب واباطیل لکھ رہے ہو۔ ابن معین نے انھیں "ضعيف ولا يحتج به" کہا۔ ابن حبان نے کہا: "لا يجوز الاحتجاج به"[4] اگر یہ روایت صحیح ہو تو ابو یوسف کے خلاف حجت ہوگی۔ مگر کمال فقاہت سے اس کو حنفی مذہب کی تائید میں پیش کر دیا گیا! کیا ثقہ رواۃ سے مروی روایتوں کا مطالبہ کرنے والوں کا یہی کام ہے کہ ضعیف سے ضعیف تر رواۃ کی روایات کو دلیل بنا لیں؟ مولانا افغانی نے کمال چالاکی سے مجالد بن سعید جیسے مجروح راوی حدیث کو ثقہ قرار دینے کی

---

[1] الرد على سير الأوزاعي. [2] الرد على سير الأوزاعي (ص: ٥، ٦)
[3] كتاب الأم (٧/ ٣٠٣، ٣٠٤) [4] تهذيب التهذيب (١٠/ ٤٠، ٤١)

کوشش کی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ائمہ جرح کی مندرجہ بالا تصریحات کے باوجود اسے ثقہ قرار دینے کی کوشش دیانتداروں کا کام نہیں ہوسکتا۔ مصنف انوار کا وہ دعویٰ کہا گیا کہ جسے امام یحییٰ بن سعید قطان ضعیف و مجروح ومتروک کہیں اسے ہم بھی متروک کہیں گے؟ کیونکہ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام یحییٰ نے مجالد کو کذاب ومجروح قرار دیا ہے۔

اس کے بعد ابو یوسف نے محمد بن اسحاق امام المغازی کی ایک روایت بحوالہ عبادۃ بن صامت نقل کی۔ یہ بھی حنفی مذہب کی مؤید ہونے کی بجائے اس کی مخالف ہے مگر بذریعہ تاویل اسے حنفی مذہب پر فٹ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز ازروئے اصول یہ روایت صحیح بھی نہیں ہے کیونکہ محمد بن اسحاق کا عبادہ سے لقاء نہیں لیکن افغانی صاحب نے حاشیہ پر اسے متصل ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔ اگر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوتے تو بھی یہ روایت حنفی مذہب کی مؤید نہیں بن سکتی چہ جائیکہ اس کا دارومدار مکحول پر ہے جو مدلّس ہے اور انھوں نے یہ روایت معنعن نقل کی ہے جو حجت نہیں۔ بہرحال یہ روایت کتاب الاموال لابی عبید (ص: ۳۱۵) کے حسب تفصیل حنفی مذہب کے خلاف ہے اس لیے اگر یہ حجت ہے تو حنفی مذہب کے خلاف حجت ہے اس کے موافق نہیں۔

امام ابو یوسف نے اس کے بعد یہ غیر معتبر روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مال غنیمت کی تقسیم مدینہ واپسی پر کی حالانکہ یہ روایت حسن بن عمارہ جیسے متروک وکذاب وکثیر الوہم والخطا راوی سے منقول ہے۔❶ اس کے برعکس امام شافعی نے نقل کیا ہے کہ بدر سے واپسی کے پہلے ہی اموال غنیمت کی تقسیم ہوئی تھی۔❷ لیکن امام ابو یوسف نے کہا کہ مدینہ میں تقسیم کا ثبوت یہ ہے کہ عثمان وطلحہ اس جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے مگر اس کے باوجود انھیں حصہ ملا تھا حالانکہ ان حضرات کو حصہ ملنا واپسی سے پہلے تقسیم کے منافی نہیں ہے۔ امام ابو یوسف کی یہ فقاہت قابل داد ہے کہ عثمان وطلحہ کا حصہ بدر کے مال غنیمت میں لگنا ان کے خیال میں اس امر کی دلیل ہے کہ تقسیم مدینہ میں واپسی پر ہوئی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے اپنے نامعلوم ''اشیاخ'' کے حوالہ سے زہری ومکحول کی یہ منقطع السند روایت نقل کی کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دار الحرب میں مال غنیمت کو تقسیم نہیں کیا۔'' حالانکہ جب اس روایت کی سند منقطع ہے اور ان کے وہ اشیاخ مجہول ہیں جن سے موصوف نے یہ روایت نقل کی ہے تو یہ روایت کیونکر صحیح ہوئی؟

فی الوقت اس کتاب کے متعلق اسی بات پر اکتفا کیا جا رہا ہے آگے بھی اس کا ذکر آئے گا اور اس سے پہلے بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

کتاب الخراج:

کتاب الردعلی سیر الاوزاعی کی مدح سرائی کے بعد مصنف انوار نے کہا:

''خلیفہ ہارون رشید کی طلب پر امام ابو یوسف نے یہ کتاب یعنی کتاب الخراج لکھی۔ اس کے مقدمہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ امام ابو یوسف حق بات کہنے میں کسی سے لچتے نہیں تھے۔ ان کے طبقہ میں کسی نے ایسی کتاب نہیں لکھی بلکہ یہ کہنے میں بھی مبالغہ نہیں کہ ایسی کتاب لکھی ہی نہیں گئی۔ اس باب میں دوسروں نے جو کتابیں لکھیں ان کے ساتھ موازنہ کرنے پر یہ بات بالکل واضح ہوگی۔''❸

---

❶ میزان الاعتدال.　❷ کتاب الأم (٦/ ٦٥) و (٧/ ٣٠٤، ٣٠٥)　❸ مقدمہ انوار (١/ ١٨١)

ہم کہتے ہیں کہ بزعم خویش تحقیقی نقطہ نظر سے انوار الباری لکھنے والے مصنف انوار نے اپنی مذکورہ بالا بات تقلید کوثری میں کہی ہے۔❶ یہ بہت واضح بات ہے کہ جب امام ابو یوسف نے بتصریح خویش یہ کتاب خلیفہ ہارون کی تعمیل فرمائش میں لکھی ہے۔❷ تو اسے زیادہ سے زیادہ معیاری طرز پر لکھنے کی کوشش کی ہو گی اور اس میں شک نہیں کہ مجموعی اعتبار سے کتاب مذکور ایک اچھی کتاب سے ہے مگر ایک یا متعدد اچھی کتابوں کی تصنیف سے موصوف کی بابت امام ابوحنیفہ، ابن المبارک، یزید بن ہارون، یحییٰ قطان، ابن مہدی اور دوسرے اہل علم کے اقوالِ جرح کی نفی نہیں ہوسکتی۔ نیز یہ بات گزر چکی ہے کہ درسگاہِ خالد بن صبیح میں امام ابو یوسف کی کتابوں کی پڑھائی دیکھ کر اسلم بن ابی سلمہ نے کہا تھا کہ اس سے اچھا یہ تھا کہ تم لوگ گیت گاتے۔ نیز فرضی مجلس تدوین کے رکن امام فضیل بن عیاض نے کہا کہ امام ابو یوسف کا علم کوئی علم ہی نہیں، نیز امام ابن معین نے فرمایا تھا کہ امام ابو یوسف علم حدیث سے آشنا نہیں۔

مقدمہ کتاب الخراج میں امام ابو یوسف نے ایک واعظ وناصح کی طرح سے خلیفہ کو تقویٰ شعاری، رعایا پروری، عدل گستری، اصول پرستی اور فکر آخرت کی تعلیم وتلقین کی ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے مندرجہ ذیل بہت عمدہ بات کہی تھی:

"إحياء السنن التي سنها القوم الصالحون أعظم موقعا، فإن إحياء السنن من الخير الذي يحيا ولا يموت... واستعانته بغير أهل الثقة والخير هلاك للعامة."❸

''جن سنتوں کو صالحین (مراد صحابہ وتابعین) نے رائج کر دیا ہے انھیں زندہ رکھنا عظیم اہمیت کا حامل ہے، یہ کام ان نیک کاموں میں سے ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا مرے گا نہیں، لیکن خلیفہ اگر غیر ثقہ اور بے خیر لوگوں کو اپنا معاون بنائے تو عوام تباہ و برباد ہو جائیں گے۔''

اپنے اس بیان کے ذریعہ امام ابو یوسف نے اسلاف کی قائم کردہ سنتوں کو زندہ کرنے اور زندہ رکھنے کی طرف خلیفہ کو توجہ دلاتے ہوئے یہ نصیحت بھی کی ہے کہ غیر ثقہ اور خیر سے محروم لوگوں کو سرکاری عہدے نہیں دینا چاہیے ورنہ رعیت تباہ ہو جائے گی مگر افسوس کہ ہارون اور اس کے بعد کے خلفاء نے امام ابو یوسف کی اس نصیحت پر عمل کرنے کے بجائے کذابین اور غیر ثقہ نیز سنتوں کے خلاف اقدام کرنے والوں کو شریک سلطنت بنایا۔ امام ابو یوسف کی متعدد کتابوں خصوصاً الرد علی سیر الاوزاعی پر جو تبصرہ ہم کر آئے ہیں ان سے ناظرین کرام اندازہ لگا سکتے ہیں کہ احادیث صحیحہ وسنن ثابتہ پر حنفی مذہب کے عمل کا کیا حال ہے؟ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو یوسف کے طرز عمل سے سنتوں کا احیاء ہوتا ہے یا پھر کیا ہوتا ہے؟

امام ابو یوسف نے خود ہی کتاب الخراج میں بعض احادیث نبویہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جہاد میں گھوڑ سوار کو تین حصے اموال غنیمت سے اور پیدل کو ایک حصہ ملے گا، اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں کہ ان احادیث کے بالمقابل فقیہ مقدم ابوحنیفہ گھوڑ سوار کو صرف دو حصے دینے کے قائل تھے، پھر موصوف امام ابو یوسف نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ جی چاہے تو ان احادیث پر عمل کرو اور جی چاہے تو فتوی ابی حنیفہ پر عمل کرو۔❹ یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جن احادیث وآثار کو امام ابو یوسف صحیح مانتے اور

---

❶ حسن التقاضي.　❷ كتاب الخراج (ص: ٣)　❸ الخراج (ص: ٦)

❹ الخراج (ص: ١٩، ٢٠) نیز ملاحظہ ہو: الرد على سير الأوزاعي (ص: ١٩، ٢٠ مع تعليق الأفغاني)

اسی کو اپنا مذہب بتلاتے ہیں اس کے خلاف عمل کرنے کی اجازت خلیفہ کو دیتے ہیں، یہ کون سا طریق عمل ہے؟
اس موضوع پر مفصل تحقیقی بحث آئندہ صفحات میں اپنے مقام پر آئے گی جس سے مزید حقیقت واضح ہو جائے گی۔

امام ابوعبید کی کتاب الاموال کا تذکرہ:

حافظ ابن حجر نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ ''امام ابوعبید قاسم بن سلام (مولود ۱۵۰ھ ومتوفی ۲۲۳/۲۲۴ھ) کی کتاب الاموال جو خراج وغیرہ ہی کے مسائل پر ہے اس باب میں سب سے اچھی اور عمدہ ہے'' [1] یہی بات تاریخ خطیب میں بحوالہ ابن درستویہ لکھی ہوئی ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ امام ابوعبید ثقہ وصدوق اور ابو یوسف سے علم وفضل میں کہیں بلند وبالا تر اور افضل اور اعلیٰ تھے۔ اسی طرح امام یحییٰ بن آدم (متوفی ۲۰۳ھ) نے بھی کتاب الخراج لکھی جو علم وفضل اور ثقہ ہونے کے اعتبار سے ابو یوسف پر بدرجہا فائق ہیں۔ دریں صورت چودھویں صدی میں بعض متعصب لوگوں کا یہ پروپیگنڈہ کیا وزن رکھتا ہے کہ ابو یوسف کی کتاب جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی؟ بھلا ابن درستویہ، خطیب، ابن حجر کی تصریحات کے مقابلہ میں موجودہ صدی کے تقلید پرستوں کی بات اہل علم کے یہاں کیونکر قابل پذیرائی ہوسکتی ہے؟

كتاب المخارج والحيل

مصنف انوار نے کہا:

''کتاب المخارج والحیل بھی ابو یوسف کی طرف منسوب ہے، اس کا قلمی نسخہ ''دار الکتب المصریہ'' میں اور مکتبہ آستانہ میں موجود ہے، اس کو جوزف مستشرق المانی نے امام محمد کے نام سے شائع کر دیا ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ جس طرح امام ابو یوسف کی کتاب کو جوزف المانی نے امام محمد کے نام سے شائع کر دیا ہے اسی طرح امام المغازی واقدی کی کتب مغازی کو بعض احناف نے امام محمد شیبانی کے نام سے شائع کر دیا اور اسے سیر کبیر کے ساتھ موسوم کر دیا۔ امام ابو یوسف کی طرف اس کی نسبت کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے مگر اس کتاب میں نکاح حلالہ کو نہ صرف یہ کہ حلال کیا گیا ہے بلکہ ایک وضعی روایت اس معنی کی لکھ دی گئی ہے کہ ایسا کرنے والے کو ثواب بھی ملے گا۔ [2] احادیث نبویہ میں ایسا کرنے والے کو ملعون کہا گیا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ اس کو زنا قرار دیتے اور حضرت ابوبکر صدیق وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم وغیرہم اس پر سخت نکیر فرماتے تھے۔ [3]

یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام ابن المبارک کتاب الحیل کے مصنف کو شیطان ودجال سے بھی زیادہ برا بتلاتے تھے، لطف یہ کہ اسی کتاب (ص: ۵۵) میں مرقوم ہے کہ کسی مطلقہ عورت سے دوسرے شخص نے شادی کر کے وطی کے بعد طلاق دے دی اور اس مطلقہ عورت نے پہلے شوہر سے اس شرط پر نکاح دوبارہ کیا کہ تم بعد وطی طلاق دے دو گے تو ایسا کرنے سے وہ عورت اپنے دوسرے شوہر کے لیے حلال نہ ہو گی۔ اس کتاب میں تحریر شدہ لطائف الحیل بہت دلچسپ ہیں۔ ان کا تذکرہ مناسب موقع پر آئے گا۔

[1] تهذيب (٨/ ٣١٦)　[2] كتاب الحيل في النكاح (ص: ٥٣، ٥٤)　[3] كتاب التحليل لابن تيمية.

امالی ابی یوسف:

مصنف انوار نے امام ابو یوسف کے امالی کا تذکرہ بھی بڑے فخر کے ساتھ کیا ہے اور بتلایا ہے کہ ان امالی کی روایت امام ابو یوسف سے ان کے شاگرد بشر بن الولید نے کی ہے۔ اور انھیں امالی کے بارے میں مصنف انوار کے استاذ علامہ انور نے کہا ہے کہ ''امام ابوحنیفہ کی مرویات کا مجموعہ اگر کسی کتاب کو کہا جا سکتا ہے تو امالی ابو یوسف نے اپنے زمانۂ قضا میں مرتب کرایا تھا۔''[1]

بقول استاذ مصنف انوار جس کتاب کو مجموعہ روایات ابی حنیفہ کہا جا سکتا ہے وہ امام صاحب کی وفات کے کئی سال بعد مرتب کی گئی ہے۔ پھر مصنف انوار کا یہ پروپیگنڈہ کیا معنی رکھتا ہے کہ امام صاحب کی کتب حدیث ومسانید وآثار امام صاحب کی زندگی ہی میں مؤطا امام مالک وغیرہ سے بہت پہلے مرتب ومدون ہوگئی تھیں؟ انھیں امالی کے بارے میں مصنف انوار نے کوثری کی تقلید میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ ضخیم کتاب تین سو جلدوں پر مشتمل تھی مگر دسویں صدی کی مشہور جنگ میں ضائع ہوگئی۔ اس پر مصنف انوار وکوثری کو افسوس بھی ہے اور افسوس ہم کو بھی ہے کیونکہ کتاب مذکور کے ذریعہ علوم امام صاحب وابی یوسف سے استفادہ کا ایک بہتر وسیلہ جاتا رہا، اور یقین کی حد تک ہمارا ظن غالب ہے کہ اگر کتاب مذکور اور اس طرح کی دوسری کتب ابی یوسف ومحمد مل جاتیں تو ان سے ناظرین کرام اور ہم پر یہ راز کھلتا اور اس زمانہ میں جس حنفی مذہب کو امام صاحب کا وضع کردہ مذہب کہا جاتا ہے وہ حنفی مذہب اس سے مختلف ہے جو مفقود و نایاب شدہ کتب مذکورہ میں مرقوم ہے۔

کتاب اختلاف ائمۃ الأمصار والجوامع وغیرہ:

اس جگہ مصنف انوار نے امام ابو یوسف کی بعض دیگر تصنیفات کا بھی ذکر کیا ہے، مثلاً اختلاف ائمۃ الامصار وغیرہ مگر افسوس کہ یہ کتابیں نایاب ہیں۔ مصنف انوار نے کہا کہ ''کتاب الجوامع امام ابو یوسف نے یحییٰ بن خالد برمکی کے لیے چالیس جلدوں میں لکھی۔''[2]

واقدی نے اس سے بھی زیادہ ضخیم کتابیں لکھیں تھیں، حافظ ابن کثیر نے ایک خواب کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یحییٰ برمکی کی مغفرت امام سفیان بن عیینہ کی دعاؤں سے ہوئی تھی۔[3] معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف کی اتنی ضخیم کتابوں کے بالمقابل ایک محدث کی دعا آخرت کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوئی۔

حنفی مذہب کی نشر واشاعت میں امام ابو یوسف کا کارنامہ:

اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ باعترافِ احناف علومِ امام صاحب کے ناشر امام ابو یوسف ہیں۔ مصنف انوار نے اس جگہ کہا:

> ''امام ابو یوسف نے علوم ابی حنیفہ کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلایا جیسا کہ خطیب نے بھی تنوخی سے اس کی تصریح نقل کی ہے۔''[4]

---

❶ فیض الباري (۱/ ۲۰۲)　❷ مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۲)

❸ البدایة والنهایة (۱۰/ ۲۰۵)　❹ مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۲)

ہم عرض کر آئے ہیں کہ امام صاحب نے امام ابو یوسف کو خصوصاً اور اپنے عام تلامذہ کو عموماً منع کر دیا تھا کہ میرے علوم کی نشر و اشاعت مت کرنا جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کی طرف منسوب کر کے مروج کیے جانے والے علوم امام صاحب کے حکم کی مخالفت میں نشر کیے گئے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام صاحب نے اپنے علوم کو مجموعہ اغلاط کہہ کر معاملہ صاف کر دیا ہے، البتہ مصنف انوار کی ذکر کردہ روایت مذکورہ طلحہ بن محمد الشاہد معتزلی سے مروی ہے جو غیر ثقہ اور سیٔ المذہب ہے۔ (کما مر)

کیا ابو یوسف نے امام شافعی سے پہلے کتابیں لکھیں؟

مصنف انوار فرماتے ہیں:

''امام ابو یوسف کی اولیت تصنیف اصول فقہ شافعی کے منافی نہیں بلکہ امام شافعی کا جو طریق مناقشہ سابقہ مسائل اصول پر ہے وہ خود اس امر کی بڑی دلیل ہے کہ ان کی اوّلیت صرف اپنے مذہب کے اعتبار سے ہے۔''

ہم کہتے ہیں کہ اس موضوع پر تفصیل بحث تذکرہ امام شافعی میں آئے گی۔

كتاب الرّد على مالك بن أنس:

مصنف انوار نے امام ابو یوسف کی ایک کتاب ''کتاب الرد علی مالک'' کا بھی ذکر کیا ہے۔[1]

اس موقع پر مصنف انوار نے امام ابو یوسف کے اس طرز عمل پر نکیر نہیں کی کہ دیکھو اپنے قابل فخر اساتذہ کے محترم استاذ کے خلاف کتاب لکھ کر امام ابو یوسف نے اپنے استاذ الاساتذہ کی شان میں گستاخی کی، حالانکہ امام بخاری اور دوسرے محدثین نے امام صاحب اور ائمہ احناف پر جو تنقیدیں لکھی ہیں ان پر مصنف انوار نے اس بنیاد پر بھی اظہار برہمی کیا ہے کہ دیکھو اپنے اساتذہ یا اساتذہ پر یہ لوگ تنقید کر رہے ہیں۔ ناظرین کرام مصنف انوار کا یہ جملہ ملاحظہ فرما آئے ہیں:

''مگر اس کے باوجود بھی حیرت اس پر بالکل نہ کیجیے کہ امام بخاری اپنے استاذ الاساتذہ امام ابو یوسف کو بھی متروک فرما گئے۔''[2]

لیکن افسوس کہ مصنف انوار نے اپنے اس اصول کو بھول کر امام مالک کے خلاف امام ابو یوسف کی لکھی ہوئی کتاب پر اس قسم کا تبصرہ نہیں کیا جو موصوف نے امام بخاری وغیرہ پر کیا ہے۔ یہ ہے موصوف کی اعتدال وانصاف پرستی! مصنف انوار کو شاید یہ معلوم نہیں کہ امام مالک کی طرف سے کتاب الرد علی مالک کا جواب بھی دیا گیا ہے، جس کی تفصیل تذکرۂ امام مالک میں آئے گی۔

کتب ابی یوسف سے امام ابویعلی کا اشتغال:

اس بات کی طرف اشارہ گزر چکا ہے کہ حافظ ابوعلی حسین بن علی نیساپوری نے اظہار دکھ کرتے ہوئے کہا تھا کہ حافظ ابویعلی احمد بن علی مثنی اگر بغداد میں بشر بن ولید کے یہاں کتب ابی یوسف لکھنے میں مشغول نہ ہو گئے ہوتے تو انھیں بصرہ کے محدث سلیمان بن حرب اور ابو ولید طیالسی سے سماع حدیث کا شرف حاصل ہو جاتا۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ سماع حدیث کے

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۲) [2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۰)

بالمقابل کتب ابی یوسف سے حافظ ابویعلی کا اشتغال حافظ ابوعلی کو پسند نہیں آیا تھا۔ حافظ ابوعلی کا یہ موقف امام ابن المبارک، شریک، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری وغیرہم متقدمین کے فرامین کے عین مطابق تھا، کتب ابی یوسف کو ان کے استاد امام ابوحنیفہ نے بھی مجموعۂ اکاذیب قرار دیا تھا، دریں صورت سماع حدیث کے بالمقابل کتب ابی یوسف کے لکھنے میں وقت صرف کرنا حافظ ابوعلی کو ناپسند لگا لیکن حافظ ابویعلی کی طرف سے یہ معذرت کی جاسکتی ہے کہ بہت سے ائمہ متقدمین کا یہ طریق کار رہا ہے کہ غیر ثقہ لوگوں کے علوم بھی پڑھے اور لکھے جائیں، نیز مخالفین کی تردید کے لیے مخالفین کی تحریر کردہ باتوں پر واقفیت ضروری ہے، اس لیے ان کی کتابوں کی نقل موجود ہونی چاہیے۔ ائمہ متقدمین سے اس مضمون کی روایات ہم نقل کر آئے ہیں۔

نیز یہ ایک عام بات ہے کہ بہت سے طلبہ میں اپنے مخالف مذہب لوگوں کے علوم وطرق استدلال وتخریج پر واقفیت حاصل کرنے کا غیر معمولی اور بے پناہ شوق ہوتا ہے، ان کے اساتذہ اور بڑے لوگ انھیں منع ہی کرتے رہ جاتے ہیں مگر وہ اپنے اس ذوق کی تسکین کے لیے اساتذہ اور بڑوں کی نظریں بچا کر مخالفین کے پاس پہنچ جایا کرتے ہیں، بقول امام ابن المبارک امام سفیان ثوری وغیرہ اپنے تلامذہ کو امام صاحب کے پاس جانے سے روکتے تھے، امام ابن المبارک کا کہنا ہے کہ اس کے باوجود بھی ہم درسگاہِ امام صاحب میں چلے جایا کرتے تھے۔ یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ امام ابن المبارک نے آخر میں امام صاحب کو ترک کر دیا تھا۔

جس زمانے میں امام ابویعلی بغداد میں بشر بن ولید کے یہاں کتب ابی یوسف لکھنے میں مشغول تھے اس وقت موصوف ایک نوعمر وناتجربہ کار طالب علم تھے، بتصریح حافظ ذہبی ۲۱۰ھ میں اپنے وطن موصل میں پیدا ہونے والے امام ابویعلی پندرہ سال کی عمر یعنی ۲۲۵ھ میں اپنے وطن موصل سے باہر نکلے اور اسی سال ۲۲۵ھ میں انھوں نے بغداد میں محدثین کرام سے سماع حدیث کیا۔[1]

اور یہ معلوم ہے کہ سلیمان بن حرب کا انتقال ۲۲۳ یا ۲۲۴ھ میں ہوگیا تھا۔[2] یعنی تحصیل علم کے لیے ابویعلی کے گھر سے نکلنے کے دو ایک سال پہلے ہی بصرہ میں سلیمان بن حرب انتقال کر گئے تھے، دریں صورت معلوم ہوا کہ حافظ ابوعلی کا یہ خیال وہم وخطا پر قائم ہے کہ حافظ ابویعلی بغداد میں اگر کتب ابی یوسف لکھنے میں مصروف نہ ہو جاتے تو بصرہ میں موصوف سلیمان وابوولید کو پالیتے کیونکہ جس زمانہ میں حافظ سلیمان کا بصرہ میں انتقال ہوا ہے اس زمانے میں ابویعلی بغداد میں کتب ابی یوسف کی نقل میں مشغول ہونے کے بجائے اپنے وطن موصل میں زیر تعلیم تھے، وفاتِ سلیمان کے سال دو سال بعد حافظ ابویعلی بغداد وارد ہوئے جو اس زمانے کا بہت بڑا علمی مرکز خصوصاً علم حدیث کا مرکز تھا، حافظ ابویعلی بغداد میں آکر محدثین بغداد کی درسگاہوں میں سماع حدیث کرنے لگے، انھوں نے ۲۲۵ھ ہی میں بغداد کے محدث امام احمد بن حاتم طویل وغیرہ سے سماع حدیث شروع کر دیا تھا۔[3]

اور وہاں کے دوسرے محدثین سے بھی پڑھتے تھے جس کا لازمی مطلب ہے کہ بغداد میں موصوف ابویعلی نے حدیث پڑھنے کے کام کو مقدم رکھا تھا اور ساتھ ہی ساتھ موصوف بشر بن ولید کے یہاں کتب ابی یوسف کی نقل بھی کیا کرتے تھے، اس لیے ابوعلی کا جو قول ابویعلی کی بابت مذکور ہے وہ اپنے ظاہر پر نہیں ہے اور سلیمان وابوالولید سے ابویعلی کے نہ مل سکنے کا تعلق سند عالی وسند نازل کے مسئلہ سے ہرگز نہیں ہے، کیونکہ سلیمان وابوالولید سے سماع کے بغیر ہی امام ابویعلی کو اتنی سند عالی حاصل تھی جتنی کہ دونوں سے سماع اور ملنے کی بدولت حاصل ہوتی بلکہ صرف اس امر واقع کا ذکر ہے کہ کتب ابی یوسف کے ساتھ اشتغال

---

[1] تذکرة الحفاظ (۲/ ۷۰۸)　[2] تهذيب التهذيب (٤/ ١٨٠)　[3] تذكرة الحفاظ ترجمة أبي يعلى.

کے سبب ابویعلی کوسلیمان وابوالولید سے ملاقات نہ ہوسکی۔ بایں ہمہ مصنف انوار نے کہا:

''ابوعلی کا قول ہے کہ ابویعلی بشر بن ولید کے پاس ٹھہر کر ابو یوسف کی کتابیں نقل کرنے میں مصروف نہ ہوتے تو بصرہ پہنچ کر سلیمان بن حرب اورابوالولید کوضرور پالیتے جس سے ان کی سند عالی ہو جاتی۔''[1]

حالانکہ ابوعلی کے بیان میں یہ بات نہیں ہے کہ دونوں سے ملنے کے سبب ابویعلی کی سند عالی ہو جاتی، یہ محض مصنف انوار کی اختراع ہے نیز امام ابن حبان نے کہا کہ ''بينه وبين النبي ﷺ ثلاثة أنفس''[2] یعنی امام ابویعلی و نبی ﷺ کے مابین صرف تین رواۃ کا واسطہ ہے۔ دریں صورت اگر امام ابویعلی کو دونوں حضرات (سلیمان بن حرب وابوالولید طیالسی) کا سماع میسر آجاتا تواس سماع سے ابویعلی کو جو سند حاصل ہوتی وہ ان کی حاصل شدہ سند سے زیادہ عالی سند نہیں ہوسکتی تھی، یعنی موصوف اور ذات نبوی کے مابین تین واسطوں کے بجائے دو واسطے نہیں ہو سکتے تھے، موصوف ابویعلی کو امام ابن معین ،شیبان بن فروخ، محمد بن منہال وغیرہ جیسے عالی الاسناد لوگوں کا تلمذ حاصل تھا۔

نیز امام ابویعلی (احمد بن علی بن مثنی تمیمی موصلی) ۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اور مصنف انوار نے کہا ہے کہ قرن دوم یعنی زمانہ تابعین ۱۷۰ھ پر ختم ہو گیا تھا۔[3] جب زمانہ تابعین بقول مصنف انوار ۱۷۰ھ ہی میں ختم ہو گیا تھا تواس کے چالیس سال بعد پیدا ہونے والے امام ابویعلی کا کسی تابعی سے لقا وسماع ظاہر ہے کہ ممکن نہیں تھا، پھر بالفرض انھیں سلیمان بن حرب وابوالولید طیالسی کا سماع حاصل ہو جاتا ہے تو ان کی سند کے اور زیادہ عالی ہونے کی کیا صورت تھی؟

یہ بیان ہو چکا ہے کہ ابویعلی کے موصل سے باہر نکلنے اور بغداد پہنچنے سے پہلے بصرہ میں سلیمان بن حرب فوت ہو گئے تھے، نیز ابوالولید ہشام بن عبدالملک طیالسی کا انتقال ۲۲۷ھ میں ہوا ہے۔[4] جس کا مطلب یہ ہے کہ بغداد میں ابویعلی کو پڑھتے ہوئے ابھی دوسال بھی مشکل سے ہوئے تھے کہ ابوالولید کا انتقال ہو گیا تھا، پھر جبکہ انھیں بصرہ جانے سے بغداد میں رہ کر پڑھنے سے زیادہ اونچی سند نہیں ہوسکتی تھی توانھیں بصرہ جانے کی کیا جلدی تھی؟ بہرحال ابوعلی کو یہ وہم ہو گیا کہ بغداد میں رہ کر ابویعلی کتب بشر بن ولید لکھنے میں مصروف نہ ہو گئے ہوتے توانھیں سلیمان بن حرب اورابوالولید کا لقا وسماع حاصل ہو جاتا، پھر اس کی بنیاد پر مصنف انوار کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ امام ابویوسف کی کتابیں بہت زیادہ تھیں کہ ان کے لکھنے میں مصروف ہونے کے سبب ابویعلی کوسلیمان وطیالسی کا سماع فوت ہو گیا، پھر اگر ایسا ہوا بھی تو اس سے کتب ابی یوسف کی اہمیت کا اندازہ امام صاحب کے اس فرمان سے کیجیے کہ ''يعقوب يقول علي ما لم أقل'' اس میں شک نہیں کہ کتب واقدی وکتب کلبی وجابر جعفی کی تعداد کتب ابی یوسف سے کہیں زیادہ تھی جن کو عام اہل علم نے مجموعۂ اکاذیب کہا ہے، بایں ہمہ مصنف انوار کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے:

''معلوم ہوا کہ امام ابویوسف کے علوم کی اس وقت بڑی شہرت تھی ورنہ علو سند کو ہر زمانہ میں بڑی اہمیت رہی ہے اورلوگ اس کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر ابویعلی جیسے مشہور محدث کبیر نے نقل کتب امام

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۲) [2] تذكرة الحفاظ (۲/ ۷۰۹)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸) [4] تهذيب التهذيب (۱۱/ ٤٧) و خلاصه تذهيب الكمال.

موصوف میں وقت صرف کر کے بتصریح ذہبی علوسند کی فضیلت کو نظر انداز کر دیا۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ علوم ابی یوسف سے کہیں زیادہ شہرت اس زمانہ میں علوم کلبی وواقدی وعمرو بن عبید وجابر جعفی وغیرہ کو حاصل تھی، اوراس میں شک نہیں کہ بتصریح اہل علم ان لوگوں کے شہرت یافتہ علوم مجموعۂ اکاذیب تھے، اسی طرح امام ابویوسف کے تحریر کردہ علومِ امام ابوحنیفہ بھی مجموعہ اکاذیب تھے، اوراس میں شک نہیں کہ علوسند کی بڑی اہمیت ہے مگر مصنف انوار نے اپنے مکذوبہ بالا بیان میں امام ابویعلی وذہبی کی طرف یہ منسوب کرنے میں غلط بیانی کی ہے کہ بتصریح ذہبی ابویعلی نے کتب ابویوسف کو لکھنے کی خاطر علوسند کی فضیلت نظر انداز کردی جیسا کہ ہماری پیش کردہ مذکورہ بالا تفصیل سے بہت زیادہ ظاہر ہے۔ دوسروں کی طرف اپنی منسوب کردہ بات کے ذریعہ مصنف انوار نے بلاوجہ کتب ابی یوسف کی فضیلت ظاہر کرنے کی محنت شاقہ برداشت کی۔

مصنف انوار کی فرضی چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن اورامام ابویوسف کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں:

"لا ينظر في كلامنا من يريد الله تعالى."[2]

''جو صحیح النیۃ اور مخلص ہوکر اللہ تعالی کی رضا مندی کا طالب ہوگا وہ ہمارے کلام مراد ہماری کتابوں کا دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا۔''

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام خالد بن صبیح حنفی نے فرمایا کہ وہ اہل الرای ہم حنفی لوگ ہی ہیں جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے کہ یہ لوگ اعدائے سنت ہیں، احادیث کے حفظ وضبط اور روایت سے عاجز ہونے کے سبب استعمال رائے وقیاس کرتے ہیں۔ اس کا لازمی مطلب ہے کہ امام محمد وابویوسف اوراس قسم کے دوسرے لوگوں کی کتابیں بقول خالد بن صبیح اس طرح کے قیاس ورائے پر مشتمل ہیں جو خلاف سنت ہیں، یہی وجہ ہے کہ کتب ابی یوسف کو درسگاہِ خالد بن صبیح میں پڑھتے پڑھاتے ہوئے دیکھ کر اسلم نے کہا تھا کہ اس سے بہتر تھا کہ گیت سے اشتغال رکھا جاتا۔ اس سے قطع نظر جب مجلس تدوین کے سرپرست امام ابوحنیفہ نے کتب ابی یوسف کو مجموعہ اکاذیب کہا ہے تو حافظ ذہبی وابویعلی کی طرف منسوب کر کے مصنف انوار کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ امام ابویعلی نے بتصریح ذہبی امام ابویوسف کی کتابوں کو لکھنے کی خاطر علوسند کی فضیلت نظر انداز کردی؟ البتہ ہم عرض کرآئے ہیں کہ بقول ابن معین محدثین کرام کذابین کی کتابیں اوران کے بیان کردہ علوم لکھ لیا کرتے تھے جس کے مختلف اسباب ہوا کرتے تھے، واقدی، کلبی، جابر جعفی، عمرو بن عبید وغیرہ جیسے کذابین کی کتابوں کو بھی تو محدثین نے نقل کیا تھا، پس اس تفصیل کے بعد حقیقت امر سمجھنے میں دشواری نہیں ہوگی۔

حافظ ابوعلی کے بیان میں اس امر کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ کتنے دنوں تک ابویعلی کتب ابی یوسف نقل کرنے میں مصروف رہے لیکن مصنف انوار نے کہا ہے کہ اس کام میں ابویعلی نے بہت زیادہ وقت صرف کیا ہے، اور امام احمد سے متعلق اپنے اس قول کو دہرایا ہے کہ انھوں نے تین سال میں ابویوسف کے پاس رہ کر تین المماریوں کے بقدر کتابیں لکھیں، حالانکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ روایت میں ''قماطر'' کا لفظ دیا ہوا ہے جس کا ترجمہ فاضل دیوبند و استاذ ادب دار العلوم دیوبند وندوۃ العلماء مولانا عبدالحفیظ بلیاوی نے مصباح اللغات میں بستہ و جزدان کیا ہے مگر مصنف انوار معلوم نہیں کیوں ہر ایک مشہور ومعروف بات سے

[1] مقدمه انوار (١/ ١٨٢)
[2] لسان الميزان (٥/ ١٢٢ ترجمة إمام محمد)

عدول وانحراف کرنے ہی کو تحقیق قرار دیتے ہیں؟ موصوف نے قاموس کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''قمطر'' وہ ہے جس میں کتابیں محفوظ کی جائیں، حالانکہ یہی بات منجد میں بھی لکھی ہے اور مصباح اللغات منجد کا اردو ترجمہ ہے، کیا جزدان یا بستہ ترجمہ کرنے سے قاموس کی تغلیط ہو جاتی ہے؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف انوار کے قابل فخر امام محمد شیبانی، امام مالک کی خدمت میں تین سال سے زیادہ رہے اور بڑی محنت وجانفشانی کے ساتھ ان کے علوم لکھنے اور سیکھنے کی کوشش کرتے رہے مگر ان طویل ایام میں ایک ہزار روایات بھی نہیں لکھ سکے۔ اس کے بعد مصنف انوار نے چند سطریں امام ابو یوسف کی کتابوں کی مدح میں لکھیں جن پر زیادہ کہنے کی حاجت نہیں ہماری مذکورہ بالا باتیں ہی کافی ہیں۔

کیا متنازع فیہ مسائل میں امام ابو یوسف کی آرا متوازن ہوتی تھیں؟

مصنف انوار نے کہا:

''اس وقت کے متنازع فیہ مسائل میں ابو یوسف کی آراء بہت ہی جچی، تلی، متوازن اور معتدل تھیں اور اس زمانہ کے فرق باطلہ کے زیغ والحاد کا امام موصوف نے بڑی حکمت ودانائی سے مقابلہ کیا، امام اعظم کے مناظرے اہل زیغ کے ساتھ مشہور ہیں، امام ابو یوسف چونکہ برسر اقتدار بھی تھے اور حکومت کے سب سے بڑے مذہبی عہدہ قاضی القضاۃ پر فائز تھے، پھر اپنی جلالت علمی وامتیازات خاصہ کے باعث خلفاءِ وقت سے بھی مرعوب ومتأثر ہونے والے نہیں تھے، اسی لیے ان کی خدمات اور نمایاں ہوئیں۔''[1]

ہم کہتے ہیں امام ابو یوسف نے امام صاحب کی بابت جو یہ فرمایا کہ ''ما تصنع به وقد مات جهميا؟'' امام صاحب کسی کام کے نہیں تھے وہ جہمی ہونے کی حالت میں فوت ہوئے۔ نیز یہ کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے، اس کی بابت مصنف انوار کیا فرمائیں گے؟ ابو یوسف کی طرف منسوب کن باتوں کو صحیح اور کن باتوں کو غلط مانا جائے؟ نیز ہم کہتے ہیں کہ متنازع فیہ مسائل میں امام ابو یوسف کے متوازن ومعتدل آرا کی حقیقت ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں بخوبی واضح کی جائے گی اور مصنف انوار کی مذکورہ بالا عبارت میں کیے گئے دوسرے دعاوی کی بھی حقیقت واضح کی جائے گی۔ ناظرین منتظر رہیں۔

امام ابو یوسف کی متوازن آرا کی کچھ مثالیں:

مصنف انوار نے کہا:

''خلیفہ ہارون رشید پر امام ابو یوسف کے اثرات کا کچھ ذکر ہو چکا ہے اور امام اعظم کے تذکرہ میں قضاۃ کے سلسلے میں بھی ان کے بے جھجک فیصلوں اور اہم اقدامات کا تذکرہ آچکا ہے، یہاں اہل زیغ کے بارے میں ان کے طرز فکر وطریق عمل کے ایک دو نمونے ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ برسر اقتدار حضرات میں سے کسی ایک کے صاحبزادے جہمی خیال کے ہو گئے تھے امام صاحب نے بلوا کر (۳۵) کوڑے لگوائے تاکہ اس کو تنبیہ ہو اور دوسروں کو حوصلہ نہ ہو۔

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۳)

۲۔ خلیفہ ہارون کے سامنے ایک زندیق پیش ہوا، خلیفہ نے امام ابو یوسف کو بلوایا تا کہ اسے دلائل سے قائل کریں، امام ابو یوسف پہنچے تو خلیفہ نے کہا کہ اس سے بات چیت کیجیے اور مناظرہ کر کے اس کی اصلاح کیجیے، فرمایا اگر اسلام کو صحیح طور سے مانے تو خیر ورنہ اس کا قصہ ختم کیجیے، ایسے ملحد زندیق مناظروں سے درست ہونے والے نہیں۔[1]

۳۔ ایک مرتبہ دشمنوں اور حاسدوں نے مشہور کر دیا کہ امام ابو یوسف خود ہی ''القرآن مخلوق'' کے قائل ہیں، امام صاحب کے خاص تعلق والے پہنچے اور عرض کیا کہ آپ ہم کو اس سے روکتے ہیں اور دوسروں کو اس طرف بتلاتے ہیں؟ امام ابو یوسف نے فرمایا کہ آپ لوگ بھی بڑے سادہ لوح ہیں کہ ان کی باتوں میں آ گئے وہ پاگل دیوانے تو خود پر جھوٹ بولتے ہیں، پھر مجھ پر جھوٹ لگانا ان کے لیے کیا مشکل ہے؟

۴۔ ایک دفعہ لوگوں نے آ کر کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ ایسے شخص کی شہادت بھی قبول کر لیتے ہیں جو کہے کہ اللہ کو واقعات کے ظہور سے قبل ان کا علم نہیں ہوتا، امام ابو یوسف نے فرمایا کہ یہ بالکل غلط ہے، ایسا شخص میرے سامنے آئے تو توبہ کراؤں، توبہ نہ کرے تو قتل کر دوں۔

۵۔ ایک بار امام ابو یوسف کے کسی ساتھی نے کہا کہ آپ کے بارے میں عام لوگ یہ شہرت دے رہے ہیں کہ آپ ایسے شخص کی شہادت قبول کر لیتے ہیں جو کسی تاویل کے ساتھ صحابہ کو سب وشتم کرتا ہو، فرمایا کہ افسوس میں تو ایسے شخص کو قید کر دوں اور تازیانوں کی سزا مقرر کروں یہاں تک کہ توبہ کرے۔[2]

سینکڑوں واقعات میں سے یہ چند واقعات ذکر ہوئے جو ایمان کو تازہ کرنے والے ہیں مگر یہاں گنجائش کم ہے اس لیے معذرت کی جاتی ہے مگر اتنا ضرور یاد رکھیے کہ یہ امام ابو یوسف اس ذات مکرم ابو حنیفہ کے تربت یافتہ اور تلمیذ خاص ہیں جو حسب تحقیق امام بخاری ''یری السيف في الأمة'' کا نظریہ رکھتے تھے۔[3]

خلیفہ ہارون پر امام ابو یوسف کے جن اثرات کا ذکر مصنف انوار اپنی مذکورہ بالا عبارت سے پہلے کر چکے ہیں اس کی حقیقت ناظرین کرام پر واضح ہو چکی ہے۔ امام ابو یوسف کی زندگی میں اور زندگی کے بعد شعراء تک نے سخت تنقیدی انداز میں اشعار کہے اور حکومت نے اس پر خاموشی اختیار کی، امام ابو حنیفہ کے خلاف مسئلہ وقف کے معاملہ میں ہلال رائی نے مستقل کتاب لکھی، حکومت نے اس پر بھی خاموشی اختیار کی، ابو یوسف نے امام صاحب کو جہمی اور معتقد خلق قرآن بتلایا اس پر بھی حکومت خاموش رہی، ہارون کے سامنے امام ابو یوسف کو اہل باطل قرار دیا گیا مگر ہارون خاموش رہا، امام ابو اسحاق فزاری نے ہارون کے سامنے امام ابو یوسف کی تکذیب کی مگر ہارون خاموش رہا۔ بعض کذابین نے کہا کہ ہم نے بہت ساری احادیث وضع کر کے مسلمانوں میں پھیلا دی ہیں، اس پر ہارون نے کہا کہ امام ابو اسحاق فزاری و ابن المبارک کے ہوتے ہوئے ان مکذوبہ روایات کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی، اس نے کسی اہل الرای فقیہ حتی کہ امام ابو یوسف کا نام نہیں لیا کہ یہ کھرا کھوٹا الگ کر دکھائیں گے، مال غنیمت میں گھوڑ سوار کو تین حصے دیے جانے کو امام ابو یوسف نے مذہب صحیح اور احادیث صحیحہ کے مطابق بتلایا مگر اس کے باوجود خلیفہ کو فتوی دیا کہ گھوڑ سوار کو مذہب ابی حنیفہ کے مطابق صرف دو حصے دینے پر اکتفا کر سکتے ہو۔[4] امام ابو یوسف کا یہ فیصلہ کیا معنی

[1] تاريخ خطيب ومناقب موفق. [2] حسن التقاضي. [3] مقدمه انوار (۱/ ۱۸۳) [4] الخراج (ص: ۱۹، ۲۰)

رکھتا ہے؟ یہ عدل و انصاف ہے یا بے انصافی ؟ ہم اس سلسلے میں زیادہ مثالوں کے ذریعہ کتاب کو ضخیم نہیں بنانا چاہتے ۔سعید بن سلم باہلی نے کہا ہے:

”قلت لقاضي القضاة أبي يوسف: سمعت أهل خراسان يقولون: إن أبا حنيفة جهمي مرجئ؟ قال لي: صدقوا، ويرى السيف أيضا، قلت له: فأين أنت منه؟ فقال: إنما كنا نأتيه يدرسنا الفقه، ولم نكن نقلده ديننا.“ ❶

”میں نے قاضی القضاۃ ابو یوسف سے کہا کہ اہل خراسان کہتے ہیں کہ امام صاحب جہمی و مرجی تھے؟ امام ابو یوسف نے کہا کہ اہل خراسان صحیح کہتے ہیں، وہ خروج کا نظریہ بھی رکھتے تھے،سعید بن مسلم نے کہا کہ امام صاحب کے ان نظریات کے معاملے میں آپ کا موقف کیا ہے؟ امام ابو یوسف نے کہا کہ ہم صرف امام صاحب سے فقہ پڑھنے جاتے تھے، ہم انھیں اپنے دین کا امام بنا کر ان کی تقلید نہیں کرتے تھے۔“

واضح رہے کہ شواہد و متابعات کے مطابق یہ ثابت ہے کہ امام صاحب کی بابت مندرجہ بالا بات امام ابو یوسف نے کہی ہے، امام صاحب کے بارے میں امام ابو یوسف کا یہ بیان انصاف ہے یا ناانصافی ہے؟

مصنف انوار نے جو پانچ نمونے امام ابو یوسف کے بے جھجک فیصلوں کے پیش کیے ہیں، ان کے بالمقابل ان متعدد روایات کا ذکر ہو چکا ہے جن کا مفاد ہے کہ امام ابو یوسف فیصلوں اور فتاوی میں خلفاء اور امراء کی رضا ملحوظ رکھا کرتے تھے، اس طرح کی روایات کو مصنف انوار نے مکذوبہ کہا ہے۔❷ مگر اپنی پیش کردہ روایات کو بطور نصوص کتاب وسنت نقل کیا ہے اور آخر میں کہہ دیا ہے کہ اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں، حالانکہ اس طرح کے ہزاروں مکذوبہ واقعات بھی مفید مطلب نہیں، پھر اس طرح کے مکذوبہ واقعات کا ایک سو کی تعداد کو پہنچنا بھی مشکل ہے، چہ جائیکہ سینکڑوں ہوں۔نمونے کے جو پانچ واقعات مصنف انوار نے ذکر کیے ان میں سے پہلا واقعہ حسن التقاضی (ص: ۳۶، ۳۷) میں ابن ابی العوام کی ساقط الاعتبار سند سے مروی ہے، تیسرے کی سند میں محمد بن شجاع کذاب اور محمد بن احمد دولابی مجروح ہے۔❸ چوتھا بھی ابن ابی العوام کی سند سے مروی ہے اور پانچویں کا بھی یہی حال ہے۔ اور امام صاحب کا فرمان نقل ہو چکا ہے کہ ابو یوسف کذاب ہیں اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ مصنف انوار ناقل ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا کہ کذاب قاضی بنائے جانے کے لائق نہیں، دریں صورت ناظرین ہی فیصلہ کریں کیونکہ ؂

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اس سے بھی بڑی بات یہ کہ جس حکومت کے خلاف خروج وبغاوت کی حمایت میں امام صاحب ہلاک کیے گئے اسی کی وفاداری میں امام ابو یوسف نے اپنی زندگی کے سولہ سترہ سال گزارے، اس طرح کہ امام صاحب کے نظریۂ خروج وبغاوت پر تنقیدیں بھی کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو فقیہ اہل الرای قاضی نہ بنے وہ خائب وخاسر ہے۔ حد یہ ہوگئی کہ امام ابو یوسف کے

---

❶ خطيب (۱۳/ ۳۸٦)　　❷ مقدمہ انوار (۱/ ۱۷۷)

❸ حسن التقاضي (ص: ۳٦، ۳۷) و لمحات النظر (ص: ۱۷)

قاضی القضاۃ رہنے کے زمانے میں امام الحنفیہ سلم بن سالم بلخی خراسانی (متوفی ۱۹۴ھ) حکومت کے خلاف بغاوت کی حمایت میں ہارون کے حکم سے بارہ بیڑیوں کے ساتھ مقید کیے گئے حتی کہ موصوف کو نماز پڑھنی بھی مشکل ہوگئی۔[1] ظاہر ہے کہ یہ کام بھی ابو یوسف کے فتوی وفیصلہ کے مطابق ہوگا کیونکہ بدعویٰ مصنف انوار امام ابو یوسف کا حکم مشرق ومغرب سب جگہ چلتا تھا، جیل خانے کی شدتیں سلم پر جاری رہیں مگر امام ابو یوسف نے نرمی کی سفارش بھی نہیں کی، چہ جائیکہ رہائی کی جدوجہد کرتے، البتہ امام ابومعاویہ الضریر محمد بن خازم نے رہائی کی سفارش ہارون سے کی جس پر ہارون ناراض بھی ہوا اوراس نے کہا کہ سلم آپ کے ہم مذہب نہیں، پھرآپ کیوں سفارش کرتے ہیں؟[2] ابو معاویہ کو اہل علم نے مرجی لکھا ہے، مطلب یہ ہے کہ موصوف پہلے مرجی نہیں تھے آخر میں مرجی ہو گئے تھے۔

ابن ندیم کذاب رافضی کی مدحِ ابی حنیفہ:

مصنف انوار نے کہا:

''امام اعظم کے علم سے بقول ابن ندیم مشرق ومغرب کی فضا معمور ومنور ہوگئی اور جن کی ایک عقل سارے عقلائے روزگار کے ہم پلہ سمجھی گئی، اگر وہ چاہتے تو اپنے علم وعقل کے زور سے دوسروں کو کس طرح نہ مجروح کر جاتے اورابن حزم کی طرح قلمی سیف وسنان کا استعمال دل کھول کر کرتے مگر وہ خوب جانتے تھے کہ بڑے اوراہل علم وتقوی تو ایک طرف معمولی درجہ کے مومن کی عزت بھی لائق صد احترام ہے، اسی لیے ان کی اور ان کے تمام اصحاب وتلامذہ کی غیر معمولی احتیاط ونزاہتِ لسان قابل تقلید ہے، دوسری طرف امام ابو یوسف اگر اپنے اقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تو اپنے مخالفین سے کیا کچھ انتقام نہیں لے سکتے تھے جورات ودن ان کو بدنام کرتے تھے۔''[3]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار اپنے دوسرے ہم مزاج لوگوں کی طرح روافض کو کذاب کہتے ہیں اوران کی بات کو دلیل وحجت بنانے پر نکیر کرتے ہیں اورابن ندیم ایک رافضی ہی ہے، پھراس کے بیان کو مصنف انوار نے کیوں معتبر قرار دے کر حجت بنا لیا ہے؟ یہ بیان ہوا کہ ابو یوسف نے امام صاحب پر ''یری السیف'' کا الزام لگایا ہے، مصنف انوار کی اس بات سے مذکورہ بالا عبارت کا موازنہ کیجیے۔

ابن ندیم رافضی کذاب کی قدحِ امام شافعی رحمہ اللہ:

اس رافضی نے محمد بن شجاع جیسے کذاب کے فقیہ ومتورع وغیرہ ہونے کا پروپیگنڈہ کرکے[4] اس کے حوالے سے امام شافعی کی تنقیص وتحقیر کرتے ہوئے کہا کہ ''یہ شخص (یعنی امام شافعی) پراگندہ بال وخستہ حال گویّوں کی شکل میں ہمارے پاس سے گزرا کرتا تھا۔''[5] اس رافضی کو امام شافعی کے بارے میں صرف ابن شجاع جیسے کذاب فقیہ کی تحقیر آمیز مکذوبہ بات نقل کرنے کو ملی، اسے یہ توفیق نہیں ہوئی کہ ان کی کسی علمی فضیلت کا ذکر کرے، اس رافضی نے یہ بھی کہا ہے کہ امام شافعی ایک غالی شیعہ تھے حتی کہ ایک باران سے کسی نے کہا کہ آپ نے فلاں مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی ہے امام شافعی نے جواب دیا کہ اگر یہ

---

[1] خطیب (۹/ ۱٤۱، ۱٤۲)　[2] خطیب (۹/ ۱٤۳) و المجروحین (۱/ ۳٤۱، ۳٤۲)
[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۳)　[4] فهرست (ص: ۱۲۹۱)　[5] فهرست ابن نديم (ص: ۲۹٤، ۲۹۵)

بات ثابت ہو جائے کہ میرا فتوی قولِ علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے تو میں اپنے فتوی کو خطا مان کر اس سے رجوع کر لوں گا اور احترامِ علی رضی اللہ عنہ میں اپنا چہرہ زمین پر رکھ دوں گا، ابن ندیم نے یہ بھی کہا کہ مجلس شافعی میں ایک بار ایک طالبی آ گیا تو انھوں نے سلسلۂ کلام بند کر کے کہا: گفتگو کرنے کے حقدار تو بس طالبی لوگ ہی ہیں، میں ایسی مجلس میں گفتگو نہیں کر سکتا جہاں کوئی طالبی ہو کیونکہ علمی فضیلت اور ریاست وسیاست انھیں کو حاصل ہے۔"[1]

حالانکہ اس رافضی کے دعاوی کی تکذیب صرف اس بات سے ہوتی ہے کہ امام شافعی نے اپنی کتاب الام میں ایک باب "اختلاف ابن مسعود وعلي" قائم کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعدد اقوال کی بابت فرمایا کہ "لسنا نقول به"[2] صرف یہی اتنی بات مصنف انوار کی تکذیب کے لیے کافی ہے، امام صاحب اوران کے تلامذہ نے تو تقلید پرستی سے منع کیا ہے مگر مصنف انوار نے اس کو اپنا فریضۂ زندگی بنا لیا ہے لیکن امام صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ میری بیان کردہ علمی وفقہی باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں ان پر توجہ دینے کی ضرورت مصنف انوار کو نہیں محسوس ہوتی۔

ایک طرف مصنف انوار فرماتے ہیں:

"اگر وہ (امام ابوحنیفہ) چاہتے تو اپنے علم وعقل کے زور پر دوسروں کو کس کس طرح مجروح نہ کر جاتے اور ابن حزم وغیرہ کی طرح قلمی سیف وسنان کا استعمال دل کھول کر کرتے۔" الخ

مگر دوسری طرف خود ہی فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنے استاذ جابر جعفی، طلق بن حبیب، عمرو بن عبید اور استاذ الاساتذہ حارث اعور وابوعیاش زرقی کو مجروح قرار دیا ہے، نیز امام صاحب نے جہم بن صفوان ومقاتل بن سلیمان کو بھی مجروح کہا ہے۔[3]

تیسری طرف مصنف انوار امام ابن حزم کو معرضِ طنز وتشنیع بناتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ وہ قلمی سیف وسنان بہت استعمال کرتے تھے، مصنف انوار کا مطلب یہ ہے کہ ابن حزم بلا وجہ لوگوں کو مجروح قرار دیتے تھے، یہاں خصوصیت سے امام ابن حزم پر ہی تشنیع کی ضرورت کیوں مصنف انوار نے محسوس کی؟ کیا رواۃ پر امام صاحب اوران کے تلامذہ نے جرح وتنقید نہیں کی ہے؟ کیا مصنف انوار کی ان باتوں میں تضاد نہیں ہے؟

مجروح رواۃ پر جرح ابی حنیفہ مصنف انوار کے نزدیک اچھی چیز ہے مگر جرح غیر احناف بری ہے:

ائمہ جرح وتعدیل پر تعریض کرنے والے مصنف انوار خود بھی اپنے مطلب کے مواقع پر اصول جرح کے مطابق رواۃ کو مجروح قرار دینے بیٹھ جاتے ہیں، امام ابوحنیفہ نے جابر جعفی کو اکذب الناس کہا، پھر اگر ابن حزم وغیرہ نے کذابین ووضاعین اور غیر ثقہ رواۃ ورجال پر اپنی صواب دید کے مطابق پورے خلوص کے ساتھ قلمی سیف وسنان کا استعمال کیا تو کیا جرم کیا؟ اگر یہ طریق کار غلط ہے تو حنفی فقیہوں نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور پوری آزادی کے ساتھ قلمی سیف وسنان کا استعمال کیا ہے، کہیں جابر جعفی کو مجروح کیا، کہیں عمرو بن عبید پر جرح کی، اور مصنف انوار کے استاذ خاص کوثری نے بہت سے متفق علیہ ثقہ ائمہ کو مجروح قرار دے ڈالا جس کے دفاع میں اہل حدیث کی طرف سے "التنكيل بما في تأنيب الخطيب من الأباطيل" جیسی کتاب لکھنی پڑی۔

---

[1] فهرست ابن نديم (ص: ٢٩٥)　　[2] كتاب الأم (٧/ ١٥١ تا ١٧٦)

[3] مقدمه انوار (١/ ١٢٧، ١٢٨)

کوثری نے اگر قلمی سیف وسنان کا استعمال کیا تو مصنف انوار کی نظر میں یہ فعل ممدوح ہو گیا اور ابن حزم کا مذموم ! مصنف انوار یہ بتلائیں کہ ان کے اس فیصلہ کی بنیاد کس معتدل اصول پر ہے؟ مصنف انوار جو بڑی شان سے یہ فرما رہے ہیں کہ حنفی فقیہوں نے دوسروں کو مجروح اس لیے نہیں کیا کہ وہ جانتے تھے کہ بڑے اور اہل علم وتقوی تو ایک طرف معمولی درجہ کے مومن کی عزت بھی لائق صد احترام ہے، تو کیا مصنف انوار سمجھتے ہیں کہ جن محدثین کرام حتی کہ اساتذۂ ابی حنیفہ نے اصول جرح کے مطابق رواۃ ورجال پر جرح کی، وہ مصنف انوار کے ذکر کردہ اس اصول سے ناواقف تھے؟ وہ احترام مسلم کے مسائل نہیں جانتے تھے؟ کیا احترام مسلم کا مطلب یہی ہے کہ کذابین، وضاعین، زنادقہ، ملحدین، غیر ثقہ وغیر عادل وغیر ضابط وسیء الحفظ اور غیر معتبر رواۃ کی بیان کردہ، خانہ ساز، غیر معتبر، وضعی وضعیف حدیثوں کو دین ومذہب کا اصول اور فقہی مسائل کی اساس بنایا جائے؟

مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ "اسی لیے (یعنی رواۃ پر عدم جرح کے سبب) امام صاحب اور ان کے اصحاب وتلامذہ کی غیر معمولی احتیاط ونزاہتِ لسان قابل تقلید ہے" تو واضح رہے کہ بدعوئ مصنف انوار امام صاحب اور ان کے مفروضہ مجلس تدوین کے اراکین بھی بہت سے مجروح رواۃ پر جرح کرتے تھے، دریں صورت ان کی بابت مصنف انوار کا کیا فتوی ہے؟ اور جب امام صاحب اور ان کے اصحاب اپنی تقلید سے روکتے تھے اور امام صاحب اپنی کسی بھی بات کی ترویج واشاعت کو ممنوع قرار دیتے تھے تو پھر امور مذکورہ میں ان کی تقلید کیونکر درست ہوئی؟

مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ "امام ابو یوسف اگر اپنے اقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تو اپنے مخالفین سے کیا کچھ انتقام نہ لے سکتے تھے جو رات ودن ان کو بدنام کرتے تھے۔"[1] تو ہم پوچھتے ہیں کہ امام ابو یوسف نے کیا اپنے اقتدار سے جائز فائدہ اٹھا کر بلا جذبہ انتقام امام صاحب پر "یری السیف" کا الزام لگایا ہے؟ نیز ہم کہتے ہیں کہ امام ابو یوسف کو دن ورات بدنام کرنے والے مخالفین میں سے کسی کا نام مصنف انوار نے بتلا کر یہ نہیں ثابت کیا کہ فلاں صحیح ومعتبر سند سے منقول ہے کہ امام ابو یوسف کو ان کے مخالفین سے فلاں شخص بدنام کرتا تھا، کیا امام ابو یوسف کے شفیق وخیر خواہ مربی واستاذ امام ابوحنیفہ کو امام ابو یوسف کے ان مخالفین میں شمار کیا جا سکتا ہے جو موصوف کو دن ورات بدنام کرتے تھے؟ جنھوں نے فرمایا ہے:

"يعقوب يقول علي ما لم أقل، ويحكم كم تكذبون علي في هذه الكتب؟"

یا کہ مصنف انوار کی فرضی مجلس تدوین کے جلیل القدر اراکین امام ابو یوسف کے وہ مخالفین تھے جو موصوف کو دن ورات بدنام کرتے تھے مثلاً امام ابن المبارک، قاضی شریک، وکیع، عبداللہ بن ادریس، فضیل بن عیاض، محمد بن حسن شیبانی وغیرہم۔ مصنف انوار یہ کیوں نہیں بتلاتے کہ امام محمد بن حسن شیبانی امام ابو یوسف کی نماز جنازہ میں کیوں شریک نہیں ہوئے؟ اور امام ابن معین کو تو مصنف انوار نے حنفی المسلک کہا ہے انھوں نے امام ابو یوسف کو متروک اور علم حدیث سے ناآشنا آخر کیوں بتلایا ہے؟ اسی طرح امام سعید بن منصور اور دوسرے اہل علم نے امام ابو یوسف کو بے علم کہا ہے، امام سعید بن منصور سے منقول ہے:

[1] مقدمه انوار (١/ ١٨٤)

"رأيت النبي ﷺ في النوم فقلت يا رسول الله ألزم أبا يوسف أو هشيما؟ قال: هشيما."[1]

''میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو دیکھا تو آپ سے پوچھا کہ ابو یوسف کی صحبت اختیار کروں یا ہشیم کی؟ آپ نے فرمایا ہشیم کی۔''

مصنف انوار یہ بتلائیں کہ مذکورہ بالا روایت کا کیا مطلب ہے؟ مذکورہ بالا تفصیل کو دیکھنے کے بعد کوئی ہوشمند آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ امام ابو یوسف چاہتے تو اپنے اقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے مخالفین سے انتقام لے سکتے تھے؟ کیا امام صاحب اور اراکین مجلس تدوین امام ابو یوسف کے مخالفین تھے اور انھوں نے اپنے اقتدار سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انتقام لینے کے لیے امام ابو یوسف کو مجروح قرار دیا؟ کیا امام ابو یوسف میں اتنی طاقت تھی یا اتنا اقتدار بھی تھا کہ وہ مذکورہ بالا حضرات سے انتقام لیتے؟

امام صاحب کی زندگی میں حنفی مذہب کے مقبول ہونے پر بحث:

مصنف انوار نے اس کا بڑا پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ امام صاحب اور امام ابو یوسف کے زمانے میں حنفی مذہب کو عالم اسلام میں بڑی مقبولیت حاصل تھی۔ موصوف کے اس پروپیگنڈہ کی حقیقت مندرجہ ذیل تفصیل سے ظاہر ہو گی جو تاریخ قضاۃ مصر میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

''اسماعیل بن الیسع الکوفی حنفی المسلک تھے، ۱۶۴ھ میں مصر کے قاضی بنا دیے گئے، اہل مصر حنفی مذہب سے آشنا نہیں تھے، انھیں حنفی مذہب بہت ناپسند آیا اور انھوں نے اسے معیوب سمجھا، مذہب حنفی میں اوقاف کو لغو سمجھا جاتا ہے، یہ چیز اہل مصر پر گراں گزری۔ قاضی اسماعیل سے پوچھا گیا کہ کسی پر الزام لواطت لگانے پر کیا سزا دی جائے؟ موصوف نے کہا کہ جس پر الزام لگایا گیا ہے وہ الزام لگانے والے پر وہی کلمہ الزام دہرا دے۔ امام لیث بن سعد نے خلیفہ مہدی سے کہہ کر قاضی اسماعیل کو معزول کرا دیا، امام لیث بن سعد نے اسماعیل سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر و عمر و عثمان و علی وطلحہ و زبیر اور سارے صحابہ رضی اللہ عنہم وقف کرتے کراتے تھے پھر کون ہے جس کی متابعت میں تم وقف کو باطل قرار دے رہے ہوں؟ امام لیث نے خلیفہ کو لکھا تھا کہ "إنك وليتنا رجلا يكيد السنة بين أظهرنا" آپ کا مقرر کردہ قاضی سنت نبویہ کے ساتھ چال بازی و مکر سازی سے کام لیتا ہے، بہر حال موصوف ۱۶۷ھ میں معزول کر دیے گئے۔ "إنه حدث أحكاما لا نعرفها" قاضی موصوف نے بہت سے ایسے احکام جاری کیے جن سے اہل مصر آشنا نہیں تھے۔''[2]

مذکورہ بالا تفصیل سے ظاہر ہے کہ امام صاحب کی وفات کے عرصہ بعد تک بھی مصر جیسے اسلامی ملک کے لوگ حنفی مذہب سے آشنا نہیں تھے اور حنفی قاضی کے کارناموں سے انہوں نے یہ جانا کہ حنفی مذہب میں سنت نبویہ کے ساتھ مکر سازی کی جاتی

---

[1] خطیب (۱۴/ ۹۳) و تهذيب التهذيب (۱۱/ ٦٣)

[2] تاريخ قضاة مصر (ص: ۳۷۰ تا ۳۷۳) وحسن المحاضرة (۲/ ۱۱۷، ۱۱۸) ورفع الإصر عن قضاة مصر.

ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ محمد بن عبداللہ انصاری کو بصرہ کا قاضی محض ان کے حنفی ہونے کے سبب نہیں بنایا گیا۔ واضح رہے کہ اسماعیل کو مصر سے معزول کرانے والے امام لیث بن سعد کو احناف نے حنفی المذہب قرار دیا ہے۔[1] صرف مذکورہ بالا تفصیل سے ہی اس زعم باطل کی تکذیب ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ جس زمانے میں امام ابو یوسف قاضی تھے اس زمانے میں یحییٰ بن خالد برمکی وزیر اعظم تھے۔ البدایہ والنہایہ (۱۰/ ۱۷۱) میں ہے:

"وفيها فوض الرشيد الأمور كلها إلى يحيى بن خالد بن برمك."

''۱۷۸ھ میں سارے امور سلطنت یحییٰ بن خالد برمکی کے حوالہ کر دیے گئے۔''

اور یہ معلوم ہے کہ یحییٰ برمکی امام سفیان بن عیینہ کا عقیدت مند تھا، وہ امام سفیان بن عیینہ کو ماہوار ایک ہزار درہم عطیہ دیا کرتا تھا، امام سفیان بن عیینہ اس کے لیے دعائیں کرتے اور فرماتے:

"اللهم إنه قد كفاني المؤونة، وفرغني للعبادة فاكفه أمر آخرته"

''اے اللہ! یحییٰ نے مجھے دنیا میں فارغ البال کر رکھا ہے تو اسے آخرت میں فارغ البال رکھ۔''

جب ۱۹۰ھ میں یحییٰ کا انتقال ہوا تو اسے کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھنے پر اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے امام سفیان کی دعاؤں کی برکت سے بخش دیا۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ یحییٰ اور امام سفیان کے درمیان نہایت خوشگوار تعلقات تھے، اور یہ معلوم ہے کہ امام سفیان مذہب حنفی سے اس قدر نالاں تھے کہ کسی حنفی کو اپنی درسگاہ میں آنے دینا بھی گوارا نہیں کرتے تھے، امام صاحب پر امام سفیان بن عیینہ کی بعض تنقیدوں کا ذکر ہو چکا ہے[3] جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام سفیان بن عیینہ مذہب حنفی کو کیا سمجھتے تھے مگر امام سفیان کو بھی حنفی قرار دے لیا گیا ہے۔[4] یحییٰ اور اس کے خاندان پر ہارون نے برہم ہو کر بڑے مظالم ڈھائے، بعد میں اپنی اس حرکت پر اسے افسوس بھی تھا، خاندان یحییٰ کے خلاف جن لوگوں نے اسے ورغلایا تھا ان پر وہ لعنت و ملامت بھی کرتا رہتا تھا۔[5] صحیح طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ خاندان یحییٰ پر رشید کو ورغلانے والے کون تھے؟ امام ابن الجوزی ناقل ہیں کہ رشید نے کہا: "لو أعلم أن قميصي يعلم ذلك لأحرقنه" اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میری قمیص کو بھی اس بات کا علم ہے کہ قتل برامکہ کا کیا سبب ہے تو میں اسے نذر آتش کر دوں گا۔[6]

بہرحال یہ معلوم ہے کہ خاندان برامکہ کے لوگ امام سفیان بن عیینہ کے عقیدت مند تھے جو مذہب اہل الرائے پر بہت نقد و جرح کرتے تھے، مصنف انوار نے لکھا ہے کہ رشید کا جہمی المذہب بیٹا مامون الرشید حنفی المذہب تھا، ایک بار کچھ اہل حدیثوں نے حنفی مذہب کی کچھ کتابیں ضائع کر دیں تو طویل مناقشہ کے بعد مامون نے اہل حدیثوں سے کہا کہ ایسی حرکت کا اعادہ نہ ہو ورنہ سزایاب ہو گے، اگر تمھارے درمیان نضر بن شمیل نہ ہوتے تو میں تمھیں ابھی سزا دیتا۔ نیز مامون کا حکم تھا کہ

---

[1] جواهر المضية (۱/ ٤١٦، ٤١٧) ومقدمه انوار (۱/ ۲۱۹)
[2] البداية والنهاية (۱۰/ ۲۰۵) [3] اللمحات. [4] جواهر المضية (۱/ ۲۵۰)
[5] البداية والنهاية (۱۰/ ۱۹۲) [6] البداية النهاية (۱۰/ ۱۸۹)

جب تک امام صاحب کا قول موجود ہو فیصلہ اسی کے مطابق کرو اس سے تجاوز نہ کرو۔[1] کیا یہ مستبعد ہے کہ علمائے اہل حدیث سے ربط وتعلق رکھنے کے سبب مامون جیسے غالی حنفی وجہمی شخص اوراس کے رفقاء نے رشید کے کان برامکہ کے خلاف بھرے ہوں؟ جب مامون کو اہلحدیثوں سے اتنی پرخاش تھی کہ اس نے بڑے پیمانے پر انھیں قتل وقید کیا، ان کے درس وتدریس پر پابندی لگائی اور بزعم خویش اس نے یہ سب کچھ کارثواب سمجھ کر کیا تو کیا مستبعد ہے کہ علمائے اہلحدیث سے ربط رکھنے والے خاندان برامکہ کے خلاف مامون ہی نے سازش کر کے اپنے باپ رشید کو برانگیختہ کیا ہو؟ عام احناف معترف ہیں کہ مامون حنفی المذہب تھا اور اس نے بزور شمشیر اپنے مذہب کی ترویج واشاعت کرنے کی کوشش کی جس طرح امام سفیان بن عیینہ یحییٰ برمکی کے لیے دعائے خیر کرتے تھے اسی طرح اس کے بیٹے جعفر برمکی کے لیے بھی۔[2] خاندان برامکہ سے امام سفیان بن عیینہ کے گہرے تعلق کا پتہ اس بات سے بھی لگتا ہے کہ جعفر بن یحییٰ کے ایک صاحبزادے عبداللہ بن جعفر بن یحییٰ بن خالد ابومحمد برمکی امام سفیان بن عیینہ کے شاگرد ہیں، نیز موصوف عبداللہ بن جعفر امام عبداللہ بن نمیر، امام وکیع، معن بن عیسیٰ، اسحاق ازرق وغیرہ کے بھی شاگرد ہیں اور ثقہ وصدوق بھی، امام مسلم وابوداود وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔[3]

جس طرح امام سفیان بن عیینہ نے امام ابوحنیفہ کی تجریح کی ہے اسی طرح امام عبداللہ بن نمیر ووکیع وغیرہ نے بھی۔ (کما تقدم) حتی کہ امام وکیع فرماتے تھے کہ حنفی مذہب کی طرف نظر التفات بھی مت ڈالو (کما مر) مصنف انوار معترف ہیں کہ ابوحفص کبیر وغیرہ نے امام بخاری کے فتوی اور درس پر پابندی لگا دی تھی، ظاہر ہے کہ جو لوگ اس طرح کا اقدام کر سکتے ہیں ان سے کیا کچھ سرزد نہیں ہوسکتا؟

مروان بن حکم اور مصنف انوار:

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس جگہ کس مناسبت سے مصنف انوار نے کہا:

> ”پھر یہ بھی دیکھیے کہ سب صحابہ تک کو بھی وہ یعنی ابو یوسف برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے جبکہ دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر مروان بن حکم کے رجال بخاری سے ہونے کی وجہ سے اس کے قتل حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی تاویل کے ساتھ وجہ جواز دینے کو تیار ہیں جو نہ صرف بلند پایہ صحابی تھے بلکہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اورالزام پھر بھی ”یری السیف“ کا ہم غریبوں ہی پر ہے۔“[4]

ہم کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں مفصل گفتگو آگے آئے گی، یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جس جامع المسانید[5] کو مصنف انوار تصنیف امام صاحب کہتے ہیں اس میں مروان بن حکم کی احادیث خود امام صاحب نے نقل کر رکھی ہے۔[6] اور مصنف انوار نے کہا ہے کہ امام صاحب وابو یوسف کے اساتذہ کو مجروح قرار دینے والے مدارک اجتہاد سے نا آشنا ہیں، پھر تو مروان امام صاحب کے استاذ الاساتذہ ہیں، ان پر کسی قسم کی حرف گیری مصنف انوار کے لیے بہت خطرناک ہے، امام بخاری نے مروان کی

---

[1] مقدمہ انوار (ص: ۹٤، ۹۵ ملخصاً) نیز ملاحظہ ہو: موفق (٦/ ۱۵۷ تا ۱٦۰) و (۲/ ۵۵ تا ۵۷) وکردری.
[2] خطیب (۷/ ۱٦۰) والبداية والنهاية.　[3] تهذيب التهذيب (۵/ ۱۷٦) وخطيب (۹/ ۷۲۷)
[4] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸٤)　[5] مسند خوارزمي.　[6] جامع المسانيد (۲/ ۲۸٦)

روایت متابع کے ساتھ نقل کی ہے، پھر ائمہ جرح وتعدیل نے موصوف کو ثقہ قرار دیا ہے، تفصیل آگے آئے گی۔

یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام صاحب کے اساتذہ میں سے کئی ایک شاتمین صحابہ ہیں، مثلاً: عمرو بن عبید، محمد بن سائب کلبی وغیرہ، اور مروان بھی امام صاحب کے استاذ الاساتذہ ہیں، اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ امام صاحب پر "یری السیف" کا الزام لگانے والے امام صاحب کے استاذ امام اوزاعی، سفیان ثوری اور مجلس تدوین کے رکن امام ابن المبارک وامام ابو یوسف وغیرہ ہیں، مصنف انوار کو جو کچھ کہنا ہوا نھیں لوگوں کو کہیں۔ اس جگہ مصنف انوار نے امام صاحب اور امام ابو یوسف کے فرضی مناظروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"امام ابو یوسف نے جہاں ملحدوں، زندیقوں پر سخت گرفت کی وہاں بے گناہ عام مسلمانوں کی حفاظت جان ومال کی بھی اپنے استاذ محترم کی طرح فکر کی۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ ہر صحیح الایمان وباغیرت مسلمان میں زندیقوں اور ملحدوں پر سخت گیری اور مسلمانوں کی حفاظت جان ومال بلکہ ذمیوں کی حفاظت جان ومال کا جذبہ ہونا چاہیے مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ امام صاحب اور متعدد اہل علم نے امام ابو یوسف کے متعلق ایسی باتیں کہی ہیں جن سے طبیعت بے حد پریشان ہوتی ہے کہ یاالٰہی یہ کیا ماجرا ہے؟ تفصیل گزر چکی ہے۔

امام ابو یوسف اور امام مالک کے اجتماع کا اجمالی تذکرہ:

مصنف انوار نے کہا:

"امام ابو یوسف وامام مالک کا اجتماع ہوا ہے مگر جو واقعات سہمی وسلمی وکابلی وعبدالعزیز سے منقول ہیں وہ ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ یہ لوگ غیر ثقہ تھے۔"[2]

ہم کہتے ہیں کہ اس موضوع پر مفصل گفتگو ہوگی، ناظرین کرام منتظر رہیں۔

امام ابو یوسف کے شاگردِ ابن اسحاق ہونے کا تذکرہ:

مصنف انوار نے کہا:

"امام ابو یوسف نے مغازی وسیر محمد ابن اسحاق سے بھی حاصل کیے مگر جہاں تک خیال ہے ان کا بڑا اور اہم حصہ امام اعظم ہی سے حاصل کیا ہوگا کیونکہ امام صاحب نے مغازی کا علم امام شعبی سے حاصل کیا تھا۔"[3]

ہم کہتے ہیں علمی میدان میں خیال آرائی سے کام نہیں بنتا بلکہ ٹھوس دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، ہم عرض کر آئے ہیں کہ کتب احناف کے مطابق امام صاحب امام عامر شعبی سے کچھ نہیں پڑھ سکے تھے نہ حدیث وفقہ نہ مغازی وسیر۔

علامہ ابن خلکان پر مصنف انوار کی برہمی:

اس مقام پر آکر تقلید کوثری میں علامہ ابن خلکان پر طعن کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے بلاسند اس معنی کی روایت نقل کر دی:

"امام ابو یوسف نے امام صاحب پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ جنگ بدر پہلے ہوئی یا احد؟"

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸٤)　[2] خلاصہ مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۵ بحوالہ حسن التقاضی)
[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۵)

اس روایت کا ذکر اوپر آچکا ہے۔[1] مصنف انوار وکوثری نے متفق ہوکر کہا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن حسن بن زیاد ابوبکر نقاش کذاب وغیر ثقہ راوی ہیں۔[2] مگر ہم کہتے ہیں کہ ابوبکر نقاش نے روایت مذکورہ امام ابو یوسف سے اپنی سند کے ساتھ نقل کی ہے اورامام ابو یوسف کو امام ابوحنیفہ وابن المبارک وغیرہ نے کذاب وغیر ثقہ کہا ہے، اس روایت کے ساقط الاعتبار ہونے کا سبب مصنف انوار وکوثری امام ابو یوسف کو کیوں نہیں بتلاتے جبکہ ابوبکر نقاش کو کسی نے اتنی صراحت سے کذاب نہیں کہا جتنی صراحت سے امام ابو یوسف کو۔ لطف یہ کہ کوثری کی کتاب حسن التقاضی (ص:۵۳) پر "بعض كلمات ماثوره عنه" کے عنوان کے تحت احمد وعلی بن جعد سے دو روایات منقول ہیں اوران کی سندوں میں بھی نقاش موجود ہیں۔[3] اس کا کیا معنی ومطلب ہے؟

تذکرۂ ابوبکر نقاش:

مصنف انوار کے ممدوح طاش کبری زادہ نے ابوبکر نقاش کی بابت کہا:

"طالت أيامه فانفرد بالإمامة مع ظهور نسكه وورعه وصدق لهجته وبراعة فهمه وحسن اطلاعه واتساع معرفته، ومن خيار من أثنى عليه الداني فقبله وزكاه، قال الجزری: ناهيك بالداني فإنه قال: النقاش جائز القول ومقبول الشهادة."[4]

''نقاش وسیع المعرفۃ وحسن الاطلاع وکامل الفہم ومتورع وعبادت گزار ہونے کے ساتھ امامت میں منفرد تھے، ان کی مدح کرنے والے بہترین لوگوں میں سے امام دانی بھی ہیں جنہوں نے نقاش کو مقبول وثقہ کہا، امام جزری نے کہا کہ نقاش کے ثقہ ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ امام دانی نے انھیں مقبول وثقہ بتلایا۔'' (طاش کبریٰ زادہ نے نقاش پر بعض جرحوں کا بھی ذکر کیا ہے جن پر بحث آگے آرہی ہے)

مصنف انوار کے دوسرے ممدوح ابن السبکی نے بھی معنوی طور پر مذکورہ بالا بات کہی ہے اورانھوں نے نقاش کو ثقہ بتلایا اوران پر واردشدہ جرحوں کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔[5] جب نقاش کو امام دانی، جزری، ابن السبکی، طاش کبری زادہ نے ثقہ کہا تو موصوف پر واردشدہ جرحوں کی حقیقت بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہے۔

ابوبکر نقاش کو بالصراحت کذاب قرار دینے والا طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد ہے۔[6] مگر طلحہ مذکور خود ساقط الاعتبار ہے، اس کی تجریح یا توثیق معتبر نہیں۔[7] حافظ خطیب نے نقاش کی روایتوں کا ذکر کر کے کہا کہ ان کی روایت کرنے والا غیر معتبر قرار دیے جانے کے لائق ہے۔[8] ایک روایت ابن عباس سے فضائل اہل بیت میں مروی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ابن عباس سے اس روایت کے راوی ابوظبیان حصین بن جندب (متوفی ۸۰/ ۹۰ھ) بذات خود ثقہ ہیں لیکن اس سے اس روایت کے راوی ان کے لڑکے قابوس (متوفی ۱۲۷ھ) کی بابت امام ابن حبان نے کہا:

---

[1] اللمحات. [2] مقدمه انوار (۱/ ۱۸۵) [3] موفق وخطیب.

[4] ملاحظہ ہو: مفتاح السعادة (۱/ ۴۱۷) [5] طبقات الشافعية (۳/ ۱۴۵، ۱۴۶) وطبقات القراء للجزري.

[6] خطيب (۲/ ۲۰۵) ولسان الميزان (۵/ ۱۳۲) والموضوعات لابن الجوزي (۱/ ۴۰۷، ۴۰۸ وغيره)

[7] اللمحات. [8] خطيب (۲/ ۲۰۴، ۲۰۵) ولسان الميزان.

''كان رديئ الحفظ ينفرد عن أبيه بما لا أصل له.''[1]

''موصوف ردئ الحفظ تھے اوراپنے باپ سے بے اصل روایت کیا کرتے تھے۔''

پھر روایت مذکورہ کے بے اصل ہونے کی ذمہ داری انھیں قابوس ہی پر کیوں نہ عائد کی جائے؟ قابوس سے اس کے راوی زید بن حباب ثقہ اور زید سے اس کے راوی ادریس بن عیسی قطان لا بأس بہ ہیں۔ اوران سے روایت مذکورہ کے راوی یحییٰ بن محمد بن عبدالملک خیاط ہیں، موصوف معروف نہیں مگر حافظ خطیب نے کہا کہ راوی مذکور دراصل یحییٰ بن محمد بن صاعد ہیں مگر بذریعہ تدلیس نقاش نے انھیں یحییٰ بن محمد بن عبدالملک خیاط بنادیا ہے لیکن حافظ خطیب ہی نے نقل کیا کہ نقاش کو اس میں وہم ہو گیا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ وہم کی بنا پر بعض غلطیوں کا وقوع کسی راوی کے ساقط الاعتبار ہونے کی وجہ نہیں قرار دی جا سکتی، اور موصوف پر الزام تدلیس محض ظن کی بات ہے، پھر تدلیس بڑے بڑے ائمہ ثقات کرتے تھے، محض تدلیس سے غیر ثقہ ہونا لازم نہیں آتا، حیرت ہے کہ محض اس بنیاد پر کسی صدوق وثقہ راوی کو مجروح کہا جائے۔ حافظ خطیب نے ایک روایت کے معاملے میں نقاش کے اوپر لگائے گئے الزام وہم کا دفاع کر کے بتلایا کہ نقاش کی بات صحیح ہے، اسی طرح موصوف پر خطیب کے الزام وہم کا حال ہے۔

ہمارے نزدیک راوی مذکور کوئی مجہول شخص ہے، نقاش کو اس کا نام لینے میں وہم ہوا نہ کوئی دوسری بات ہے، صرف اتنی بات ہے کہ مجہول راوی سے انھوں نے حدیث مذکور کو نقل کر دیا اور یہ معلوم ہے کہ محض مجہول سے روایت کرنا کسی راوی کے حق میں جرح قادح نہیں، دوسری روایت کے بارے میں حافظ خطیب ہی نے امام دارقطنی سے نقل کیا کہ اس کی نقل میں نقاش کو وہم ہو گیا تھا جس پر واقف ہونے کے بعد موصوف نے رجوع کر لیا تھا، دریں صورت موصوف نقاش کو کیونکر مجروح کہہ سکتے ہیں؟ ابن السبکی نے نقاش پر ہونے والی جرح کو بے بنیاد کہا ہے[2] اسی طرح کی بات امام جزری نے بھی کہی ہے۔[3]

ائمہ جرح وتعدیل کے صدوق وثقہ قرار دیے ہوئے راوی پر جب تک جرح معتبر نہ ہو تب تک وہ مجروح نہیں قرار دیا جا سکتا، امام دارقطنی نے نقاش کو ابوغالب کے بیانِ نسب میں خطا کار بتلایا مگر اس کو امام خطیب نے صحیح قرار نہیں دیا اور کہا کہ ابوغالب کے بیان نسب میں نقاش کے بیان کو خطا قرار دینے کا سبب سمجھ میں نہیں آیا۔[4] اورابوغالب کے حوالہ سے نقاش کی روایت کردہ حدیث کو اگر چہ ابوغالب پر مکذوب قرار دیا گیا ہے مگر بقول دارقطنی اس کے مکذوب ہونے کی ذمہ داری نقاش پر نہیں ہے، آخر کوئی وجہ تو ہے کہ دارقطنی نقاش کے معاصر اور ساتھ رہنے کے باوجود انھیں کذب بیانی سے متہم نہیں کرتے کیونکہ وہ ان کے احوال وکوائف سے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ یہ جھوٹے نہیں ہیں، اس سلسلے میں غور طلب بات یہ بھی ہے کہ ابوغالب کو امام دارقطنی نے ضعیف کہا، اور ابوغالب کے حوالے سے حدیث کی جو سند دی گئی ہے اس میں لیث بن ابی سلیم سخت مجروح ہیں۔

دریں صورت اس روایت میں نقاش ہی کو مورد الزام ٹھہرانا ٹھیک نہیں، بہرحال یہ طے شدہ امر ہے کہ نقاش صدوق ومعتبر

---

[1] المجروحين (٢/ ٢١٤) وتهذيب التهذيب (٧/ ٣٠٥، ٣٠٦)
[2] طبقات الشافعية لابن السبكي (٣/ ١٤٥، ١٤٦)
[3] غاية النهاية في طبقات القراء للجزري (٢/ ١٢١، ترجمة ٢٩٣٨)
[4] ملاحظہ ہو: خطیب (١١/ ٢٠٣، تذكره أبوغالب علي بن أحمد)

ہیں اور ابن مغلس وغیرہ ممدوحین کوثری سے کہیں اچھے ہیں، ابوعمر دانی نے ان کی تعریف وتوثیق کی ہے اور دوسرے اہل علم نے ان کے علم وفضل اور وسعت معلومات وحافظہ وطلب علم میں محنت کی توصیف کی ہے۔

نقاش سے متعلق امام دانی کی ایک روایت پر بحث:

امام ابوعمرو دانی کی نقل کردہ ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ نقاش اگرچہ اخفش سے پڑھ نہیں سکے پھر بھی وہ اخفش کی شاگردی کے مدعی تھے۔[1] لیکن اوّلاً یہ روایت ہی غیر معتبر ہے کیونکہ اس کی سند میں عبداللہ بن حسین ابواحمد مقری سامری ہیں جو متہم بالکذب ہیں۔[2]

ثانیاً: اس روایت سے یہ لازم نہیں آتا کہ فی الواقع نقاش نے اخفش سے نہیں پڑھا کیونکہ اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ ایک قافلہ میں نقاش سفر کر رہے تھے، سفر میں انھوں نے ایک نو وارد سے اخفش کا حال پوچھا، نو وارد نے کہا وہ مر گئے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے پہلے نقاش اخفش سے پڑھ نہیں چکے تھے، دراصل اس مکذوبہ روایت کے راوی عبداللہ بن حسین مقری خود اس بات کے عادی تھے کہ جن اساتذہ سے نہیں پڑھے رہتے تھے ان سے تلمذ کا دعوی کرتے تھے، اپنے عیب کو ہلکا کرنے کے لیے یا اس گناہ میں دوسروں کو متہم کرنے کی خاطر انھوں نے نقاش کی بابت یہ روایت گھڑ لی، اس روایت کو نقل کرنے کے باوجود امام ابوعمرو دانی نقاش کی مدح وتوصیف کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس داستان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اور تعجب ہے کہ نقاش کی تعریف کرنے کے سبب دانی پر امام ذہبی نے اسی مکذوبہ روایت کی وجہ سے تعجب کیا ہے، حالانکہ امام دانی پر تعجب نہیں کیا جانا چاہیے کیونکہ روایت مذکورہ مکذوبہ ہونے کے سبب ناقابل اعتبار ہے۔ محمد بن مسعر کے ترجمہ میں امام ذہبی نے ایک روایت کی بابت خیال ظاہر کیا ہے کہ شاید نقاش نے اسے وضع کیا ہو مگر ابن عساکر اس کا واضع محمد بن مسعر ہی کو قرار دیتے ہیں اور ذہبی کا قول چونکہ خود شک وتردد کو ظاہر کرتا ہے اس لیے ابن عساکر ہی کے قول کو ترجیح ہونی چاہیے، اور محمد بن مسعر پر وضع وکذب کی جرحیں موجود ہیں۔[3]

نقاش سے مروی روایت کو ساقط قرار دینے میں مصنف انوار سے ہمارا اتفاق:

مصنف انوار نے کوثری کی تقلید میں کہا:

> ”نقاش کی روایت درایت کے بھی خلاف ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ کے مسانید میں مذکور ہے کہ حضرت عمر فروض دیوان میں شرکاءِ بدر کو دوسرے صحابہ پر ترجیح دیتے تھے جو بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، روزانہ ختم قرآن مجید میں آیت ﴿ولقد نصركم الله ببدر وأنتم ...﴾ بھی ضرور پڑھتے تھے جس کا نزول غزوۂ احد کے بارے میں مشہور ومعروف ہے۔“[4]

ہم کہتے ہیں کہ نقاش کے بجائے روایت مذکورہ کے بارے میں مصنف انوار اپنے ممدوح امام ابویوسف کو کیوں مطعون نہیں کرتے جن کی بابت امام صاحب کا ارشاد ہے کہ ”يقول علي ما لم أقل“ امام صاحب کی تقلید کا دم بھرنے والے

---

[1] میزان الاعتدال. [2] غاية النهاية (۲/ ۱۲۱) و خطيب (۹/ ٤٤٢) ميزان (۲/ ۳۱)

[3] کتب رجال. [4] مقدمه انوار (۱/ ۱۸۵)

مصنف انوار امام ابو یوسف کی بابت امام صاحب کے قول مذکور کی تقلید کرتے ہوئے روایت مذکورہ کے معاملہ میں امام ابو یوسف کو متہم کرنے کے بجائے نقاش کو کیوں متہم کرتے ہیں؟

نیز یہ بالکل معروف ومعلوم بات ہے کہ امام ابو یوسف نے امام صاحب کے فقہی وغیر فقہی اقوال سے بکثرت اختلاف کیا ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ امام صاحب کے ان اقوال وفتاوی کو خطا سمجھ کر ہی ان سے امام ابو یوسف نے اختلاف کیا ہے، اور مصنف انوار کا ارشاد ہے کہ کسی ایک مسئلہ میں جو شخص یہ سمجھے کہ اس میں امام صاحب سے خطا سرزد ہو گئی اور حق وصواب امام صاحب کے خلاف دوسرے قول میں ہے وہ چوپایہ جانور سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور وہ شخص نئے دین کا ایجاد کرنے والا ہے، دریں صورت مصنف انوار آخر کیوں نہیں زیر بحث روایت کے معاملے میں اپنے ممدوح امام ابو یوسف کے خلاف فرد جرم قائم کرتے؟

ہم عرض کر چکے ہیں کہ امام ابو یوسف کو مصنف انوار کی چہل رکنی مجلس تدوین فقہ کے رکن رکین امام یحییٰ بن سعید قطان، ابن المبارک، وکیع اور دوسرے ائمہ نے بھی متروک ومجروح قرار دیا ہے، اور مصنف انوار ہی اہل علم سے ناقل ہیں کہ جسے امام قطان چھوڑ دیں گے اسے ہم بھی چھوڑ دیں گے۔ پھر مصنف انوار کیوں نہیں امام ابو یوسف کو عام اہل علم کی طرح متروک قرار دے کر روایت زیر بحث کو ساقط الاعتبار بتلاتے بلکہ اسے ساقط الاعتبار بتلانے کے لیے نقاش کو کیوں مطعون کرتے ہیں؟

زیر بحث روایت کو ہم بھی ساقط الاعتبار مانتے ہیں اور امام صاحب کے بارے میں یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ وہ اتنا ضرور جانتے تھے کہ غزوہ احد پہلے ہوا ہے یا غزوہ بدر؟ لیکن ابو یوسف نے غلط فہمی سے سمجھ لیا کہ امام صاحب یہ بات نہیں جانتے۔

نقاش کی روایت کے ساقط ہونے پر مصنف انوار کی پیش کردہ دلیلوں کا جائزہ:

البتہ اپنے اس موقف ودعویٰ پر مصنف انوار نے نقاش پر جرح کے علاوہ بزعم خویش جو دلائل پیش کیے ہیں وہ درست وکافی نہیں کیونکہ موصوف مصنف انوار کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ انھوں نے اپنے اس موقف پر تین دلیلیں دی ہیں، ایک یہ کہ امام صاحب کے مسانید میں مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فروضِ دیوان میں شرکاءِ بدر کو دوسرے صحابہ پر ترجیح دیتے تھے۔ دوسری یہ کہ امام صاحب روزانہ ختم قرآن مجید میں آیت ﴿ولقد نصر کم الله ببدر وأنتم ...﴾ کی تلاوت کرتے تھے جس کا نزول غزوۂ احد کے بارے میں مشہور ہے مگر دلیل اول کے غیر درست و ناکافی قرار پانے کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام صاحب کی طرف جو مسانید منسوب ہیں ان کا امام صاحب کی طرف انتساب غیر صحیح ہے، ان مسانید کو دوسرے لوگوں نے مرتب و مدون کیا ہے جو مجازی طور امام صاحب کی طرف بھی منسوب کر دیے گئے ہیں، جس طرح کہ امام احمد بن حنبل کے مرتب کردہ مسانید کو مسانید صحابہ کہہ دیا جائے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں مسانید ابی حنیفہ کے مرتبین اور مصنفین سے لے کر امام صاحب تک کی اسانید جب تک صحیح وقوی ومعتبر اور خالی از علت قادحہ نہ ہوں انھیں امام صاحب کی روایت کردہ احادیث کا مجموعہ اسی طرح نہیں کہا جا سکتا جس طرح امام احمد کے مرتب و مدون کردہ مسانید صحابہ کو اس وقت تک مسانید صحابہ نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ امام احمد سے لے کر ان صحابہ تک کی اسانید وطرق صحیح ومعتبر اور خالی از علت قادحہ نہ ہوں۔

لہٰذا اوّلاً امام صاحب کی طرف منسوب مسانید میں باب وصفحہ کی قید کے ساتھ اپنی ذکر کردہ حدیث کو نقل کر کے مصنف انوار ان مسانید کے مرتبین ومؤلفین سے لے کر امام صاحب تک کی اسانید وطرق کو محدثین اور اہل علم کے اصول وضوابط کے

مطابق مدلل طور پر صحیح ثابت کریں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ مصنف انوار اوران کے جملہ معاونین تا قیامت ایسا نہیں کرسکیں گے اورامام صاحب کی طرف صحیح طور پر منسوب مسانید میں سے کسی بھی مسند میں سے کوئی ایسی صحیح حدیث امام صاحب کی نقل کردہ پیش نہیں کرسکیں گے جو بالصراحت اس بات پر دلالت کررہی ہو کہ جنگ بدر جنگ احد سے پہلے ہوئی یا بعد میں؟

اپنی روایت کردہ احادیث وآیات کے خلاف بعض صحابہ کے فتاوی کی بعض مثالیں:

ثانیاً: ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات بعض اکابر صحابہ بعض اسباب وعلل کی وجہ سے اپنی روایت کردہ بعض احادیث نبویہ کے صریح وواضح مضمون ومدلول کے خلاف دوسرا موقف ونظریہ قائم کر لیتے ہیں حتی کہ بعض آیات قرآنیہ کے خلاف بھی ایسا کرتے ہیں جس کی واضح اورروشن مثالوں میں سے پانی کی عدم موجودگی یا مرض کے سبب غسل کے بجائے بذریعہ تیمّم جنبی کے لیے نماز پڑھ لینے کی اجازت دینے والی آیات کی موجودگی میں حضرت عمر بن خطاب اورعبداللہ بن مسعود کا یہ فتوی ہے کہ جنبی کسی صورت میں بھی تیمّم کر کے نماز نہیں پڑھ سکتا، حالانکہ یہ جلیل القدر صحابہ قرآن مجید کی تلاوت امام صاحب سے کہیں زیادہ کرنے اوراسے ان سے کہیں زیادہ سمجھنے والے بھی تھے، اسی طرح حج تمتع کی اجازت قرآن مجید کی آیات صریحہ میں موجود ہے اوراحادیث کثیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر پابندی لگائی اور اسے ممنوع قراردے دیا تھا۔ وقس علی هذا

صحابہ کرام کا جب یہ حال ہے تو دوسروں کا حال کیا ہوگا؟ خصوصاً امام صاحب اپنے ایسے مدارک اجتہاد کے ذریعہ نیز قیاس واستحسان وغیرہ کے ذریعہ ایسے نظریات وموقف اختیار کرنے میں شہرت رکھتے ہیں جن تک دوسرے اہل علم کی رسائی بدعوی مصنف انوار نہیں ہو پائی، دریں صورت اگر امام صاحب جنگ بدر واحد کی تقدیم وتاخیر پردلالت کرنے والی کسی روایت کے فی الواقع راوی بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ اس روایت کی بنیاد پر وہ یہ موقف ونظریہ بھی رکھتے ہوں کہ جنگ بدر پہلے ہوئی یا جنگ احد؟ یہ بات ہم مصنف انوار کی پیش کردہ دلیل کی کمزوری ظاہر کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں ورنہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ ہمارا حسن ظن یہی ہے کہ امام صاحب کو یہ علم ضرور تھا کہ جنگ بدر پہلی ہوئے یا بعد میں؟ البتہ امام ابویوسف نے اپنے طور پر یہ گمان کررکھا تھا کہ امام صاحب کواس کی معرفت نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ)

اپنی روایت کردہ احادیث کے خلاف امام صاحب کے اختیار کردہ موقف کی بعض مثالیں:

ہم دیکھتے ہیں کہ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب "تحريمها التكبير" والی مشہور ومعروف حدیث نبوی کے راوی ہیں۔[1] مگر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اس حدیث نبوی کے راوی ہونے کے باوجود معلوم نہیں اپنے کن مدارک اجتہاد واستحسان وقیاس اور کن دلائل وبراہین کی بنا پر اپنی روایت کردہ اس حدیث نبوی کے واضح وظاہر مضمون ومدلول کے خلاف امام صاحب یہ موقف ونظریہ رکھتے ہیں کہ تکبیر یعنی اللہ اکبر کے بجائے اللہ کے کسی بھی صفاتی اسم کے کسی بھی تعظیمی وصف کے ساتھ تحریمۂ نماز باندھ سکتے ہیں حتی کہ عربی زبان کی بجائے فارسی میں بھی تحریمہ باندھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اس حدیث کے دوسرے جزو "تحليلها التسليم" کی بھی امام صاحب نے بدعویٰ مصنف انوار روایت کررکھی ہے مگر اپنے ان مدارک اجتہاد اوردوسرے دلائل کے پیش

[1] كتاب الآثار لأبي يوسف حديث نمبر أول وجامع مسانيد.

نظر، جن کا علم امام صاحب ہی کو بخوبی ہوگا، امام صاحب کا موقف یہ ہے کہ تسلیم کے علاوہ دوسری منافی نماز چیزوں میں سے کوئی بھی چیز حتیٰ کہ عمداً اخراج ریاح بھی تحلیل صلوۃ ہے۔ اس حدیث کا تیسرا جزو "لا تجزي صلوة إلا بفاتحة الكتاب" بھی بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب نے روایت کر رکھا ہے اور عام اہل علم اس حدیث کا معنی ومطلب یہ بتلاتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ رکن نماز ہے، اس کے پڑھے بغیر کسی امام ومنفرد ومسبوق ومقتدی کی نماز صحیح نہیں ہوگی لیکن امام صاحب اپنے مدارک اجتہاد اور دوسرے دلائل کے پیش نظر فرماتے ہیں کہ بغیر فاتحہ کے قرآن مجید کی کسی بھی آیت کو پڑھ لینے بلکہ اس کا ترجمہ پڑھ لینے سے نماز صحیح ہو جائے گی۔ اصل قرآن کا بھی پڑھنا ضروری نہیں ہے، امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا امام صاحب کے نزدیک جائز ومشروع ہی نہیں بلکہ گناہ ہے حتیٰ کہ بدعویٰ احناف جن امام نخعی کے اقوال کو امام صاحب اپنے دین و مذہب کا اصول بنائے ہوئے تھے انہیں امام نخعی سے امام صاحب نے یہ فتوی نقل کیا ہے کہ جس نے بوقت تحریمہ اللہ اکبر نہیں کہا اس کی نماز نہیں ہوگی۔ [1] مگر امام صاحب اس کے باوجود بھی یہ نہیں مانتے کہ بوقت تحریمہ اللہ اکبر ہی کہنا ضروری ہے، اس طرح کی بہت ساری مثالیں دی جاسکتی ہیں مگر ہمارے پیش نظر اختصار ہے۔

ثالثاً: امام صاحب کی طرف منسوب مسانید میں ایک روایت یہ مذکور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدری صحابہ، خواہ انصار ہوں یا مہاجرین، سب کے لیے چھ ہزار کے وظائف مقرر کیے تھے۔ [2]

اس روایت میں اس بات کی تصریح یا اشارہ بھی نہیں کہ جنگ بدر جنگ احد سے پہلے ہوئی اور نہ اس میں یہ تصریح ہے کہ بدری صحابہ کے وظائف مذکورہ کے خلاف دوسروں کے وظائف کچھ اور تھے، اور جامع المسانید کے مرتب کی تخریج کے مطابق روایت مذکورہ کو امام صاحب سے طلحہ بن محمد نے اپنی مسند ابی حنیفہ میں نقل کیا ہے اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ شخص مذکور معتزلی وغیر ثقہ تھا اور اس غیر ثقہ شخص نے روایت مذکورہ احمد بن سعید بن عقدہ سے نقل کی ہے اور یہ بھی رافضی کذاب اور وضاع تھا۔ [3]

نیز اس کذاب ووضاع رافضی کی بیان کردہ سند میں ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب سے اس روایت کے راوی ان کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ ہیں، اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ بتصریح اہل علم حماد مذکور غیر ثقہ وغیر معتبر اور نا قابل اعتبار ہیں اور حماد سے یہ روایت اس مکذوبہ سند کے مطابق ان کے صاحبزادے اسماعیل بن حماد نے نقل کی ہے اور ان کا تعارف کرایا جا چکا ہے کہ موصوف بھی غیر ثقہ وغیر معتبر ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ روایت مذکورہ کا انتساب امام صاحب کی طرف صحیح نہیں ہے اور ہم دوبارہ پھر عرض کر رہے ہیں کہ مصنف انوار اگر اپنے دعوی میں سچے ہیں تو بسند معتبر ثابت کریں کہ امام صاحب نے اس معنی کی کوئی حدیث نقل کی ہے جو صریح اور واضح طور پر دلالت کرتی ہو کہ جنگ بدر پہلے واقع ہوئی یا جنگ احد؟ یہاں بحث صرف اس بات سے ہے کہ امام صاحب نے اس معنی کی کوئی حدیث فی الواقع روایت کی ہے یا نہیں؟ ورنہ ہم صراحت کر چکے ہیں کہ ہمارا حسن ظن امام صاحب کے ساتھ یہی ہے کہ امام صاحب اس بات کا علم ضرور رکھتے ہوں گے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس مفہوم کی حدیث بھی امام صاحب نے روایت کر رکھی ہے۔

---

[1] كتاب الآثار لمحمد بن حسن (ص: ٢١) وكتاب الأم للإمام شافعي (٧/ ١٥٢)

[2] جامع المسانيد باب السير (٢/ ٢٨٨ و٢٩٧)

[3] لسان الميزان، والتنكيل (١/ ١٦٩، ١٧٠)

کیا امام صاحب روزانہ ختم قرآن مجید کرتے تھے؟

نقاش کی زیر بحث روایت کے ساقط الاعتبار ہونے پر مصنف انوار نے دوسری دلیل یہ پیش کی ہے کہ امام صاحب روزانہ ختم قرآن مجید میں آیت ﴿ولقد نصرکم اللہ ببدر﴾ کی تلاوت کرتے تھے۔ مگر اوّلاً سوال یہ ہے کہ مصنف انوار کے اس دعوی پر وہ کون سی صحیح ومعتبر دلیل موجود ہے جس کے سبب موصوف کے دعوی مذکورہ کی بابت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دعوی اس فرقہ کے پھیلائے ہوئے اکاذیب میں سے ہے جس کی بابت مصنف انوار کا ارشاد ہے کہ وہ جھوٹ کو کار خیر وثواب سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتا تھا کیونکہ اصول وضوابط کے مطابق ہم کو کوئی بھی ایسی روایت بسند صحیح ومعتبر نہیں مل سکی جس سے ثابت ہو کہ امام صاحب روزانہ ختم قرآن مجید کرتے تھے، نیز حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کر ڈالے گا وہ قرآن مجید کے معنی ومطلب کو نہیں سمجھ سکے گا۔[1] اگر امام صاحب روزانہ ختم قرآن مجید کرتے تھے تو مصنف انوار حدیث مذکور کی روشنی میں بتلائیں کہ امام صاحب قرآن مجید کا معنی ومطلب سمجھتے تھے یا نہیں؟

بعض قرآنی آیات کے خلاف احناف کا موقف:

ثانیاً: یہ ضروری نہیں کہ جو شخص روزانہ یا ہفتہ یا مہینہ میں ایک بار ختم قرآن مجید کرے وہ قرآن مجید کے ہر مضمون کو بخوبی سمجھ کر اس کے مطابق ہی اظہار خیال کرے۔ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ بعض اکابر صحابہ تک بعض آیات کے مضمون کے خلاف بعض وجوہ سے دوسرا موقف رکھتے تھے پھر بعد کے دوسرے لوگوں سے تو بدرجہ اولی یہ بات ممکن ہے۔ قرآن مجید کی بہت ساری آیات کا یہ مضمون ہے کہ ایمان میں زیادتی ہوا کرتی ہے اس طرح کی آٹھ آیات امام بخاری نے صحیح البخاری میں پیش کی ہیں۔[2] اور عام اہل علم ان آیات قرآنیہ کے مطابق ایمان میں کمی بیشی کا نظریہ رکھتے ہیں مگر امام صاحب نہ جانے اپنے کن مدارک اجتہاد اور دلائل کے پیش نظر ان آیات کے خلاف فرماتے ہیں کہ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی، اس نظریہ کا مفاد یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اور فاسق وفاجر آدمی کا ایمان برابر ہے ان میں کوئی تفاوت اور کمی بیشی نہیں۔

﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ [سورة البقرة: ١٤٣] کی آیت کا نزول بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازوں کی بابت ہوا جس کا مقتضی ہے کہ اس آیت میں نماز جیسے عمل پر لفظ ایمان کا اطلاق ہوا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اعمال ایمان کے اجزاء ہیں مگر امام صاحب یہ بھی نہیں مانتے اور اس کے خلاف فرماتے ہیں کہ اعمال ایمان کے اجزاء نہیں۔

ارشاد قرآنی ہے: ﴿وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [سورة البقرة: ٢٣٣] اس آیت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ رضاعت کی کامل مدت دو سال ہے اور یہ مفہوم قرآن مجید کی دوسری آیات سے بھی ثابت ہے مگر امام صاحب فرماتے ہیں کہ مدت رضاعت اڑھائی سال ہے۔ ہم زیادہ مثالیں دے کر کتاب کی ضخامت بڑھانا نہیں چاہتے ورنہ ایسی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ دریں صورت اس مفہوم کی حدیث نقل کرنے یا آیت کی تلاوت کرنے سے یہ کہاں لازم آیا کہ امام صاحب اس حدیث وآیت کی بنا پر یہ نظریہ رکھتے تھے کہ جنگ بدر پہلے ہوئی یا بعد میں؟

---

[1] عام کتب حدیث.　　[2] صحیح البخاري، کتاب الإیمان (١ / ٥)

امام صاحب کی لکھوائی ہوئی کتاب السیر کا تذکرہ:

مصنف انوار نے نقاش والی روایت کے ساقط الاعتبار ہونے پر تیسری دلیل یہ پیش کی ہے:

’’پھر امام صاحب نے اپنے اصحاب کو کتاب السیر الصغیر لکھائی جس پر امام اوزاعی نے رد لکھا اور آپ کے تلامذہ میں سے امام ابو یوسف ہی نے اس کے رد میں ”الرد علی سیر الأوزاعي“ مشہور عالم کتاب لکھی، ایسی حالت میں کوئی سمجھ دار آدمی یہ تصور کر سکتا ہے کہ امام ابو یوسف ہی کی نظر میں امام صاحب اس امر سے بھی جاہل تھے کہ بدر پہلے ہے یا احد؟‘‘ [1]

ہم کہتے ہیں کہ جس علامہ انور شاہ کشمیری کے افادات کا مجموعہ کہہ کر مصنف انوار ’’انوار الباری‘‘ کو شائع کر رہے ہیں انھیں علامہ انور شاہ صاحب کا یہ ارشاد ہم نقل کر آئے ہیں کہ امام صاحب نے کوئی بھی کتاب نہیں لکھی، پھر سیر صغیر کو امام صاحب کی لکھوائی ہوئی کتاب قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور اگر بلا دلیل محض مکذوبہ طور پر اڑائی ہوئی بات کی بنیاد پر یہ دعوی درست ہے کہ امام صاحب نے اپنے اصحاب کو سیر صغیر لکھائی تو صاحب کشف الظنون کا نقل کردہ یہ بیان کیوں قابل حجت نہیں کہ ’’یہ لوگ یعنی امام صاحب اور ان کے اصحاب علوم سیر ومغازی سے آشنا نہیں۔‘‘ (کمامر) پھر امام ابو یوسف کی ”الرد علی سیر الأوزاعي“ میں امام صاحب سے کوئی بھی ایسی روایت منقول نہیں جس کا مدلول ومفاد یہ ہو کہ جنگ احد جنگ بدر کے بعد ہے یا پہلے؟ پھر الرد علی سیر الاوزاعی پر امام شافعی کی تنقید کے ہوتے ہوئے یہ دعوی کیونکر درست ہے کہ ”الرد علی سیر الأوزاعي“ علمی وزن بھی رکھتی ہے؟ اس سلسلے میں اس سے پہلے کسی قدر تفصیل آ چکی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام صاحب ہی نے فرمایا ہے کہ ”یعقوب یقول علي ما لم أقل“ ابو یوسف میری بابت کذب بیانی کرتے ہیں تو کیوں مستبعد ہے کہ امام ابو یوسف نے یہ بات بطور کذب بیانی امام صاحب کی بابت کہی ہو؟ پھر مصنف انوار کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ ’’کیا کوئی سمجھ دار آدمی تصور کر سکتا ہے کہ امام ابو یوسف کی نظر میں امام صاحب اس امر سے جاہل تھے کہ جنگ بدر پہلے ہوئی یا بعد میں؟

اپنی مندرجہ بالا بات کی ترنگ میں اس جگہ مصنف انوار نے امام صاحب کی فضیلت علمی پر جو بات کہی ہے وہ موصوف اس سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں جس کی حقیقت واضح ہو چکی ہے۔

مؤرخ ابن خلکان پر مصنف انوار کی برہمی:

ایک ناصح کی طرح واعظانہ رنگ اختیار کرتے ہوئے مصنف انوار نے کہا:

’’ابن خلکان جیسے بلند پایہ مؤرخ کی مثال سامنے رکھ کر آپ یہ اندازہ کر سکیں گے کہ بعض اوقات کسی کدّ وعصبیت کی وجہ سے بڑے بڑے لوگ بہک جاتے ہیں ورنہ موصوف کی کتاب وفیات الاعیان کا ہم سب پر بڑا احسان ہے، اور ان کی اس تاریخی علمی تصنیف کی بڑی قدر ہے، نہ ایسے واقعات کی وجہ سے کتاب کو ساقط کہہ سکتے ہیں، البتہ

[1] مقدمه انوار (١/ ١٨٦)

خطاو غلطی سے انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی معصوم نہیں، اس لیے جو بات بھی جس کی غلط ہو خواہ وہ کتنا ہی بڑا امام اور علامہ بھی ہو اس کی چند غلطیوں کو الگ کر کے ہمیں چاہیے کہ اس کی باقی پوری خدمت کو بنظر استحسان دیکھیں، قدر کریں اور فائدہ اٹھائیں، علامہ ابن خلکان بھی بعض دوسرے اکابر کی طرح امام صاحب کے بارے میں تعصب کی روش پر چل گئے ہیں، صلوۃ قفال کو بھی وہ اسی نزعہ سے نقل کر گئے، حالانکہ یہ بھی اسی طرح کذب محض ہے، یہاں ایسے واقعات کا ذکر اس لیے بھی ضروری ہوا کہ بہت سے اپنے حضرات بھی ان کتابوں کی عظمت وقدر سے متأثر ہو جاتے ہیں۔''

سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ مصنف انوار کے استاذ کوثری نے علامہ ابن خلکان پر نکیر کے لیے اس طرح کا لب ولہجہ اختیار کیا ہے:

''مہلک ماخذ سے امام الائمہ (ابوحنیفہ) کی تنقیص میں وارد شدہ روایتوں کو نقل کرنے میں ابن خلکان لذت محسوس کرتے ہیں، حماد وعجر وقفال کی افسانوی کہانیوں کو انھوں نے اسی بنا پر نقل کیا ہے، حالانکہ ان کے مکذوبہ ہونے پر کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا اور جسے شبہ ہو اس کے قلب پر قفل لگا ہوا ہے۔''[1]

مگر علامہ ابن خلکان کے اصل ماخذ یعنی ''الجلیس الصالح'' کے مصنف کی طرف سے کوثری نے ان روایتوں کے نقل کرنے میں یہ عذر پیش کیا کہ انھوں نے التزام صحت کے ساتھ روایات نقل نہیں کی ہیں، کوثری یہی عذر ابن خلکان کی طرف سے بھی پیش کر سکتے تھے مگر

نیش عقرب نہ از پئے کیں است
کہ مقتضاء طبیعتش ایں است

نیز ہم کہتے ہیں کہ علامہ ابن خلکان نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے اس کے اصل ماخذ کتاب ''الجلیس الصالح'' لمعافی الجریری کا حوالہ دے دیا ہے جس میں اس کی سند مذکور ہے، اور انھوں نے وفیات الاعیان کی نقول کے بارے میں التزام صحت کا دعوی نہیں کیا مگر مصنف انوار اور کوثری نے التزام صحت کا دعوی کر رکھا ہے، اور بڑے زوروں سے اس کا پروپیگنڈہ بھی کر رکھا ہے کہ ہم نے افراط وتفریط سے ہٹ کر معتدل شاہراہ اختیار کرتے ہوئے صرف صحیح ومعتبر باتیں انصاف واعتدال اور تحقیق کے ساتھ لکھی ہیں، اس کے باوجود دونوں حضرات نے بکثرت مکذوبہ روایات کو صحیح ومعتبر کہہ کر دلیل وحجت بنایا ہے۔ دریں صورت ﴿قولوا بالحق﴾ کے قرآنی فرمان پر دیانت داری سے عمل کرتے ہوئے مصنف انوار فرمائیں کہ زیادہ مجرم کون قرار پاتا ہے علامہ ابن خلکان جنھوں نے دعوی التزام صحت کیے بغیر صاحب ترجمہ کی بابت منقول عام روایات کو نقل کر دیا ہے یا مصنف انوار اور ان کے استاذ جو مدّعی تحقیق وانصاف بن کر پروپیگنڈہ کیے ہوئے ہیں کہ ہم صرف صحیح ومعتبر باتیں لکھتے اور سچے دعاوی کرتے ہیں؟ اہل علم نے تصریح کی ہے کہ پوری سند بیان کرنے کے ساتھ مکذوبہ روایت کی نقل جائز ہے جس سے اہل تحقیق پتہ چلا سکیں کہ اس روایت کا پایہ اعتبار کیا ہے مگر اکاذیب کو صحیح ومعتبر باتیں کہہ کر پیش کرنا تو موجب جہنم ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ جس نقاش کی روایت نقل کرنے کے سبب کوثری ومصنف انوار ابن خلکان پر خفا ہیں اسی کی بہت سی

---

[1] حسن التقاضي (ص: ٤٣، ٤٤)

روایات کو دونوں نے فخر کے ساتھ دلیل وحجت بنایا ہوا ہے، جیسا کہ اس کی طرف پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے، کوثری نے بعنوان ”بعض کلمات ماثورہ عنہ“ حسن التقاضی (ص:۵۳) پر بلا سند بحوالہ امام احمد وعلی بن جعد جو دو تین روایتیں نقل کیں وہ اسی نقاش سے مروی ہیں۔❶

مگر افسوس کہ یہ مدعیان انصاف عجیب قسم کے اصول تحقیق پر عامل ہیں کہ ایک طرف علامہ ابن خلکان کو اس بنا پر مطعون کرتے ہیں کہ انھوں نے بلا ذکر سند نقاش کی روایت بحوالہ الجلیس الصالح نقل کر دی، حالانکہ ابن خلکان نے روایت نقل کرنے میں التزام صحت کا دعوی نہیں کیا اور دوسری طرف کوثری اسی نقاش کی مکذوبہ روایات بلا ذکر سند تحقیق وانصاف کے نام پر نقل کرتے چلے جاتے ہیں اور التزام صحت کا دعوی بھی رکھتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ دنیا ہم کو کیا کہے گی؟

نیز ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کے اس طویل بیان کا فساد اہل علم پر مخفی نہیں مگر یہاں ایک سوال یہ ہے کہ جس علامہ ابن خلکان کے بلند پایہ مؤرخ ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے مصنف انوار نے یہ اقرار بھی کیا ہے کہ موصوف کا ان پر بڑا احسان ہے اوران کی تاریخی علمی کتاب کی بڑی قدر ہے انھیں علامہ ابن خلکان کی بابت مصنف انوار نے جو یہ کہا کہ وہ کدوعصبیت کے سبب بہک گئے اورانھوں نے احناف کے خلاف روایات نقل کرڈالی تو مصنف انوار کی یہی بات اگر خود مصنف انوار اور موجودہ صدی میں مسخ حقائق کے لیے چلائی جانے والی تحریک کوثری کے بانی علامہ کوثری اور تحریک کوثری کے جملہ اراکین کے بارے میں بھی کہی جائے کہ تقلیدی عصبیت کے سبب ان سبھی حضرات نے بذریعہ اکاذیب اپنے تقلیدی اماموں اور مذہب کی مدح سرائی کے ساتھ دوسرے اہل علم کے خلاف بہت بڑے پیمانہ پر جارحیت اختیار کر رکھی ہے تو مصنف انوار کیا جواب دیں گے؟

ہم عرض کر چکے ہیں کہ علامہ ابن خلکان اوراس طرح کے مؤرخین نے التزام صحت کے دعوے کے بغیر اور خالص علمی ودینی نقطۂ نظر سے صرف صحیح ومعتبر باتیں لکھنے کے دعوی کے بغیر ان لوگوں کے بارے میں ملی ہوئی روایات کو جمع کر دیا ہے جن کے احوال وتراجم انھوں نے لکھے ہیں، یہ نہیں کہ مصنف انوار اور مسخ حقائق کے لیے چلائی جانے والی تحریک کوثری کے اراکین کی طرح دعوی تو یہ ہو کہ ہم نے افراط وتفریط سے ہٹ کر خالص علمی ودینی وتحقیقی خدمت کے لیے صرف صحیح ومعتبر باتیں لکھی ہیں مگر افراط وتفریط سے بھر پور اکاذیب واباطیل کا ایسا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے جس میں ایک دوسرے کی تکذیب کرنے والی متضاد ومضطرب باتوں کی بھرمار ہونے کے ساتھ اپنے تقلیدی اماموں کے علاوہ دوسرے اہل علم کے خلاف سخت معاندت وجارحیت اختیار کی گئی ہے۔ مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں کہا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں مگر موصوف نے جو یہ دعوی کر رکھا ہے کہ کسی ایک مسئلہ میں جو شخص یہ سمجھے کہ امام صاحب سے خطا سرزد ہوگئی ہے وہ چوپایہ جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہے اور نئے دین کا ایجاد کرنے والا بھی، اس کا لازمی مطلب یہی نکلتا ہے کہ مصنف انوار اوران کے ہم خیال لوگ امام صاحب کو معصوم ہی سمجھتے ہیں جس طرح روافض اپنے ائمہ کرام کو۔ مصنف انوار نے اس جگہ صلوۃ قفال والے واقعہ کو کذب محض کہا ہے اس پر گفتگو آگے آرہی ہے۔

مصنف انوار نے اس جگہ❷ علامہ شبلی پر اظہار برہمی کے لیے طول بیانی سے محض اس لیے کام لیا ہے کہ انھوں نے علم سیر

---

❶ موفق وخطیب.　　❷ مقدمہ انوار (١/ ١٨٦)

ومغازی وقصص وغیرہ میں امام ابوحنیفہ کو مصنف انوار کی طرح امام الائمہ اور ماہر ترین صاحب علم اور وسیع المطالعہ اور صاحب تصنیف نہیں مانا۔ ہم کو اس سلسلے میں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ علامہ شبلی بیچارے ایک غالی ترین حنفی متعصب مقلد تھے، حمیت تقلید میں انھوں نے ''سیرۃ النعمان'' لکھ کر بزعم خویش فقہائے حنفیہ خصوصاً امام ابوحنیفہ کے فضائل ومناقب تحقیق وانصاف کے ساتھ بیان کیے اور سمجھے کہ حق تقلید و واجباتِ حنفیت ہم نے ادا کر دیے، ان کی اس عجوبہ روزگار کتاب کا ایک مختصر سا رد شیخ الاسلام علامہ عبدالعزیز رحیم آبادی نے لکھا، نیز "الإرشاد إلى سبيل الرشاد" وسیرت امام بخاری جیسی محققانہ کتابوں میں بھی علامہ شبلی کے دعاوی وبیانات کی حقیقت اس طرح واضح کی گئی کہ بقول علامہ مہر حنفیوں سے اس کا کوئی جواب نہیں بن پڑا، مگر ایسے متعصب حنفی کو بھی مصنف انوار نے نہیں بخشا، خیر یہ ان کے گھر کی بات ہے وہ لوگ جانیں!

مجدد اسلام امام شافعی اور ابو یوسف کی ملاقات:

مصنف انوار نے کہا:

''امام شافعی کی ملاقات امام ابو یوسف سے اگرچہ معاصرت کی وجہ سے ممکن تھی مگر واقعات سے ثابت نہیں ہوتی اور جامع المسانید میں جو امام شافعی کے امام موصوف سے نبیذ کے بارے میں سوال کا ذکر ہے وہ سند سے خالی ہے، دوسرے حسن بن ابی مالک جو اس روایت کے لیے بطور راوی ہیں ان کا ذکر کتب مناقب امام شافعی میں ان کے تلامذہ میں نہیں ہے اور امام شافعی کے شیوخ روایت بھی ان دونوں کے عدم اجتماع پر یقین کا اظہار کرتے ہیں، کوئی سند بھی قابل اعتماد اگر واقعہ مذکورہ کی ہوتی تو ہم امکان لقا کو دوسرے مواقع میں بھی تسلیم کر لیتے، اس لیے بظاہر سوال مذکور ابو یوسف سے نہیں بلکہ یوسف سے ہوگا، غلطی سے ''ابو'' کا اضافہ ہو گیا اور یوسف سے مراد یوسف بن خالد سمتی ہوں گے جو بالاتفاق شیوخ شافعی میں سے ہیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ جب بدعوئ مصنف انوار امام شافعی وابو یوسف میں بوجہ معاصرت ملاقات ممکن ہونے کے باوجود قابل اعتماد ثبوت نہ ہونے کے سبب سے نا قابل تسلیم ہے تو محض بعض صحابہ سے امام ابوحنیفہ کی معاصرت کی بنا پر قابل اعتماد ثبوت نہ ہونے کے باوجود صحابہ سے ان کی ملاقات کا دعوی مکذوبہ روایات کو دلیل بنا کر مصنف انوار اور ان کے ہم خیالوں نے کیوں کر رکھا ہے؟ اگر مصنف انوار کو دیانتداری کا بہت دعوی ہے تو صرف ایک روایت قابل اعتماد سند سے پیش کر کے بتلائیں کہ کسی صحابی سے امام ابوحنیفہ کی رؤیت وروایت ثابت ہے؟

واضح رہے کہ مصنف انوار بعنوان ''جامع المسانید'' فرما چکے ہیں کہ جامع المسانید کی اسانید متصل ہیں۔[1] نیز یہ کہ کتاب مذکور امام ابوحنیفہ کی لکھی ہوئی ہے، اور یہاں یہ فرماتے ہیں کہ ابو یوسف سے امام شافعی کے نبیذ کی بابت سوال کی روایت سند سے خالی ہے حتی کہ جامع المسانید میں درج شدہ روایات کے مجموعوں کو مصنف انوار امام صاحب کی تصنیف بھی قرار دیتے ہیں اور اس سے انکار کرنے والوں کو متعصب اور ناقص المطالعہ بتلاتے ہیں، پھر جب مصنف انوار جامع المسانید کو امام ابوحنیفہ ہی کی تصنیف قرار دیتے ہیں تو یہاں کس منہ سے یہ فرماتے ہیں کہ اس میں امام شافعی کے امام ابو یوسف سے نبیذ کے بارے میں سوال کی

[1] ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۸)

روایت سند سے خالی ہے؟ جب اصل کتاب ہی امام ابوحنیفہ کی تصنیف ہے تو اس میں سند کی تلاش کیا معنی رکھتی ہے؟ اور جب یہ کتاب امام ابوحنیفہ کی تصنیف ہے تو اس میں امام شافعی کا تذکرہ کہاں سے آ گیا جو وفات ابی حنیفہ کے سال پیدا ہوئے؟ اور اگر اس ایک روایت یا بعض دیگر روایتوں کے بارے میں مصنف انوار کو تلاش سند ہوئی اور بغیر معتبر وقابل اعتماد سند کے اس کی یہ روایت انھیں قبول نہیں تو کیوں اس مکذوبہ کتاب کی مکذوبہ ووضعی خانہ ساز مرویات کو امام صاحب کی مرویات کا مجموعہ قرار دیتے ہیں جب تک کہ ان کی اسانید کو معتبر ومعتمد نہیں ثابت کر دیتے؟ اگر مصنف انوار اپنے دعوی تحقیق پسندی میں سچے ہیں تو حدود وقواعد کی پابندی کرتے ہوئے ہمارے سوال کا جواب دیں!

اس موضوع پر مفصل گفتگو تذکرۂ امام شافعی میں آئے گی۔ مصنف انوار نے امام الحرمین جوینی اور بعض دوسرے حضرات کی نقل کردہ بعض روایات کو مکذوبہ قرار دے کر سخت ریمارک کیے ہیں مگر اپنی قدر وعافیت بھول گئے، اس سلسلے میں تفصیل آگے آ رہی ہے۔

امام ابو یوسف کی علوم تاریخ سے واقفیت:

مصنف انوار نے امام شافعی وابو یوسف سے متعلق طویل گفتگو کے بعد کہا:

''امام ابو یوسف جب قاضی القضاۃ ہوئے تو وزیر خاص یحییٰ نے معلوم کرنا چاہا کہ موصوف کو دینی علوم کے ساتھ دنیوی تاریخ وعلوم سے واقفیت ہے یا نہیں، امام ابو یوسف نے اس ضرورت کو فوراً ہی محسوس کر لیا اور مطالعہ کتب پر زیادہ وقت صرف کر کے اپنی خداداد ذہانت اور بے نظیر قوت حافظہ کے ذریعہ ان علوم مذکورہ میں بھی وزراء کی اعلیٰ سطح کو پہنچ گئے۔''[1]

حالانکہ مصنف انوار نے یہ روایت اپنے استاذ کوثری کی طرح بلا سند نقل کی ہے اور بلا ذکر سند روایتوں کو نقل کرنے پر دونوں حضرات دوسروں پر خفا ہوتے ہیں، پھر معلوم نہیں کیوں یہ لوگ بے سند مکذوبہ روایتوں کو اپنے مطلب کی پا کر بلا تکلف نقل کرتے چلے جاتے ہیں؟ اس مکذوبہ روایت سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف کو علوم تاریخ وقصص قاضی القضاۃ بننے کے بعد یعنی ۱۷۰ھ کے بعد بذریعہ مطالعہ حاصل ہوئے، اس سے پہلے باوجودیکہ وہ امام ابوحنیفہ کی صحبت میں بدعوئ مصنف انوار تیس سال رہے مگر ان علوم سے ناواقف ہی تھے، یعنی امام ابوحنیفہ کے ذریعہ انھیں یہ علوم حاصل نہیں ہو سکے تھے مگر مصنف انوار کا دعوی یہی ہے کہ امام ابو یوسف کے علوم کے سرچشمہ امام ابوحنیفہ ہی تھے۔

مصنف انوار نے کہا:

''محدث کبیر اسد بن فرات کا بیان ہے کہ ایک روز ابو یوسف کی عدالت میں ایک فیصلہ سننے کے لیے خلیفہ ہارون باادب دوزانو بیٹھا اور لوگوں سے اس نے کہا کہ جس طرح میں نے کیا میرے سب ساتھیوں کو کرنا چاہیے۔''[2]

ہم کہتے ہیں کہ کوثری نے یہ مکذوبہ روایت بھی بے سند ابن ابی العوام کے حوالے سے نقل کی ہے اور تعجب ہے دوسروں سے سند کا مطالبہ کرنے والے مکذوبہ وبے سند داستانیں پوری ''دیانتداری'' کے ساتھ نقل کرتے چلے جاتے ہیں!!

---

[1] ماحصل از مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۸، ۱۸۹)

[2] ملخص از مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۹)

امام ابو یوسف کا زہد وورع:

مصنف انوار نے کہا:

''امام ابو یوسف کا زہد وورع، تقوی اور کثرت عبادت تمام کتب مناقب میں مذکور ہیں حتی کہ حافظ ذہبی نے مستقل رسالہ میں بھی امام موصوف کے ان اوصاف وکمالات کی دل کھول کر مدح کی ہے، حالانکہ وہ کسی کی تعریف میں بہت محتاط ہیں بلکہ باعتراف ان کے تلمیذ خاص شیخ تاج الدین السبکی بہت سے ائمہ حنفیہ وشافعیہ کے خلاف دراز لسانی بھی کر گئے ہیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ جب امام ابو یوسف بقول امام ابوحنیفہ "یقول علي ما لم أقل" تھے اور بقول امام ابن المبارک رکن مجلس تدوین کذاب، نیز بقول شریک رکن مجلس تدوین مردود الشہادۃ اور بقول وکیع ناقابل التفات اور بقول امام یحییٰ بن سعید قطان رکن مجلس تدوین متروک تھے، اور مصنف انوار ہی کا دعوی ہے کہ اہل علم نے کہا ہے کہ جسے امام یحییٰ قطان چھوڑ دیں گے اسے ہم بھی چھوڑ دیں گے تو مصنف انوار امام ابو یوسف کے بارے میں روافض کے پروردہ نعمت غیر موثق اور کذاب رواۃ کی بیان کردہ فضیلت پر دلالت کرنے والی روایات مکذوبہ کو کیوں دلیل بناتے ہیں؟ امام صاحب وغیرہ کے مقابلے میں اگر بالفرض حافظ ذہبی نے ابو یوسف کے کمالات واوصاف بیان بھی کیے ہوں تو مصنف انوار کے لیے یہ کیسے جائز ہوا کہ امام صاحب اور ابن المبارک کی تصریحات کے مقابلہ میں ذہبی کے بیان پر اعتماد کریں؟

امام ابو یوسف پر امام ذہبی کی نقل جرح:

امام ذہبی نے رسالہ مذکورہ میں یہ بھی لکھا ہے:

"قال أبو عبد الله البخاري: تركوه، وقال الفلاس: صدوق كثير الغلط، قلت: ولقاضي القضاة أخبار في السود والكرام والمروءة والجاه العريض والحرمة التامة في العلم والفضل، وأخبار في الحط عليه بعضها ليس بصحيح، أورده العقيلي وابن ثابت في تاريخ بغداد وغيرهما."[1]

''امام ابو یوسف کو امام بخاری نے کہا کہ تمام اہل علم نے انھیں ''متروک'' قرار دیا، امام فلاس نے ''کثیر الغلط، صدوق'' کہا، ان کی سیادت و مروءت اور عزت وجاہ اور علم وفضل میں حرمت واحترام کی بہت سی روایات وارد ہیں، اسی طرح ان کی تنقیص ومذمت میں بھی بہت سی روایات مذکور ومنقول ہیں، ان میں سے بعض روایات غیر صحیح ہیں، یہ روایات عقیلی اور خطیب نے نقل کردی ہیں۔''

ہم کہتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے قدح ابی یوسف میں حافظ عقیلی وخطیب کی نقل کردہ بعض روایات ہی کو غیر معتبر کہا ہے جس کا مفہوم ہے کہ عقیلی وخطیب کی نقل کردہ اکثر روایات صحیح ہیں، نیز ہم کہتے ہیں کہ جن بعض کو حافظ ذہبی نے غیر صحیح کہا ہے وہ سب تائید ومتابع کی حیثیت رکھتی ہیں، نیز ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ناظرین کرام امام ذہبی کے اس بیان کا مفاد سمجھ سکتے ہیں کہ کسی شخص

[1] مناقب الإمام أبي حنيفة وصاحبيه (ص: ٤٦، ٤٧)

کی سیادت ومروءت اور جاہ ومرتبت اور علم وفضل سے متعلق روایات کا مروی ہونا دوسری بات ہے اوران کا صحیح ہونا دوسری چیز ہے، نیز دنیاوی اعتبار سے اگر امام ابویوسف کو سیادت وجاہ حاصل ہو گیا اوران کے منصب قضا کے سبب انھیں عزت وحرمت حاصل ہوگئی تو یہ چیز امام صاحب کے اس فرمان کے منافی نہیں کہ "یعقوب علي ما لم أقل" اورنہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ابویوسف پر ابن المبارک، قطان، ابن مہدی وغیرہم سے ثابت شدہ جرحیں غیر مؤثر ہیں۔

میزان میں حافظ ذہبی نے اگر ایک طرف ابویوسف کو بحوالہ عمرو الناقد "صاحب سنت" اور بحوالہ ابوحاتم "یکتب حدیثه" وغیرہ لکھا ہے تو دوسری طرف بحوالہ فلاس "کثیر الغلط" بحوالہ بخاری "ترکوہ" بحوالہ شریک "مردود الشهادة" اور بحوالہ ابن معین "ضعیف" بھی کہا ہے، ابن سبکی کی یہ بات کہ ذہبی بہت سے ائمہ حنفیہ وشافعیہ کے خلاف دراز لسانی کر گئے ہیں، مصنف انوار کے لیے مفید چیز نہیں ہے، ابن السبکی بھی مقلد تھے اور مقلدین کی عادت ہے کہ ائمہ جرح کی جو بات انھیں پسند نہ ہو اسے دراز لسانی کہیں اور جو بات پسند ہو اسے صحیح قرار دیں۔

وفاتِ ابی یوسف کے بعد ابویوسف سے متعلق ایک خواب:

مصنف انوار نے کہا:

''علامہ ابن عبدالبر، خطیب، صیمری، ابن ابی العوام وغیرہ نے ابن رجا کا ایک خواب نقل کیا ہے کہ امام محمد سے مرنے کے بعد پوچھا گیا کہ کیسی گزری؟ تو فرمایا بخش دیا، پوچھا ابویوسف کا کیا حال ہے؟ وہ فرمایا وہ مجھ سے اونچے ہیں اور امام اعظم اعلیٰ علیین میں ہیں۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ اوّلاً حافظ عقیلی ناقل ہیں:

"حدثني أبو سليمان محمد بن سليمان المروزي قال: حدثني أبو الدرداء محمد بن محمد بن عبد العزيز بن منيب قال: سمعت محمد بن بشر العبدى قال: حدثني أخي قال: رأيت أبا يوسف في المنام، وعلى عنقه صليب، قلت: من أعطاك هذا؟ قال: يحيي اليهودي."[2]

''محمد بن بشر العبدی نے کہا کہ میرے بھائی نے خواب میں دیکھا کہ امام ابویوسف کے گلے میں صلیب لٹک رہی تھی میں نے پوچھا کہ یہ صلیب آپ کو کس نے دی ہے؟ امام ابویوسف نے کہا کہ یحییٰ نامی یہودی نے۔''

مذکورہ بالا روایت کی بابت مصنف انوار کا کیا خیال ہے؟

ثانیاً علامہ ابن عبدالبر کی کتاب الانتقاء (ص: ۱۴۵) میں روایت مذکورہ جس سند کے ساتھ مروی ہے اس کو ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:

"قال أبو يعقوب بهذا الإسناد عن القاسم بن عباد قال: حدثنا محمد بن شجاع قال: حدثنا أبو رجاء، وكان من العبادة والصلاح بمكان، قال: رأيت محمد بن الحسن..."

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ عبارت مذکورہ کے مطابق خواب دیکھنے والے کا نام ابورجاء بتلایا گیا ہے ابن رجاء نہیں۔ اسی طرح آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ روایت صیمری میں بھی خواب دیکھنے والے کا نام ابورجاء ہی بتلایا گیا ہے اور روایت

---

[1] مقدمه انوار (١/ ١٨٩)   [2] الضعفاء للعقيلي (٣/ ٤٧٠)

خطیب میں ابورجاء کے بیٹے ابن ابی رجاء کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ خواب دیکھنے والا محمویہ نام کا آدمی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ابورجاء کو محمویہ کہا گیا ہو جو ابورجاء کا لقب ہوسکتا ہے لیکن ابن ابی العوام کی روایت میں خواب دیکھنے والے کا نام محمد بن ابی رجاء بتلایا گیا ہے، اس طرح کتب مذکورہ میں خواب مذکور کے دیکھنے کی نسبت تین افراد ابورجاء، محمویہ اور محمد بن ابی رجاء کی طرف کی گئی ہے مگر مصنف انوار نے کمال دیانت داری سے کام لے کر ان کتابوں کے حوالے سے یہ لکھا کہ سب میں خواب دیکھنے والے کو ابن رجاء کہا گیا ہے چونکہ مصنف انوار نے خواب دیکھنے والے کا نام ابن رجاء لکھا ہے جس میں غالبًا کاتب کی غلطی کا دخل ہے ورنہ وہ ابن ابی رجاء ہے اس لیے سب سے پہلے ہم اسی روایت پر نظر کرتے ہیں۔ روایت مذکورہ کو ابن ابی العوام نے درج ذیل سند سے نقل کیا ہے:

"حدثنا أبو بشر الدولابي حدثنا أحمد بن القاسم البرتي حدثني أبو علي أحمد بن محمد بن أبي رجاء سمعت أبي يقول: رأيت..."[1]

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ابن ابی العوام کی کتاب ابی حنیفہ کی روایات جس سند سے مروی ہیں وہ غیر معتبر ہے، صرف یہی بات روایت مذکورہ کے ساقط الاعتبار قرار دیئے جانے کے لیے کافی ہے، ابن ابی العوام کی کتاب میں روایت مذکورہ کے لیے فٹ کی ہوئی سند میں ابوبشر دولابی بھی غیر معتبر ہے۔ (کمامر) اور دولابی نے روایت مذکورہ امام احمد بن قاسم برتی ثقہ سے نقل کی ہے، اور برتی نے احمد بن محمد بن ابی رجاء سے اور احمد بن رجاء نے اپنے باپ محمد بن ابی رجاء سے روایت مذکورہ نقل کی ہے۔ احمد بن محمد بن ابی رجاء کا حال ہم کو معلوم نہیں ہوسکا لیکن ان کے جس باپ کو خواب کا دیکھنے والا ظاہر کیا گیا ہے ان کا ذکر تاریخ خطیب (۵/ ۲۷۵) وجواہر المضیۃ (۲/ ۵۴) میں توثیق کے بغیر یہ کہا گیا ہے کہ طلحہ بن محمد بن جعفر نے کہا کہ موصوف ۲۰۷ھ میں فوت ہوئے۔ مامون رشید خلیفہ نے انھیں شرقیہ بغداد کا قاضی بنایا، مذہب ابی حنیفہ میں مقدم اور حساب ومقالیہ میں حسن معرفت رکھتے تھے۔

ظاہر ہے کہ طلحہ بن محمد معتزلی وغیر ثقہ تھا اس کی زبان سے مامون کے بنائے ہوئے قاضی کی مدح وتوصیف اس بات کا اشارہ کرتی ہے کہ محمد بن ابی رجاء خراسانی بھی معتزلی وجہمی ہوگا، اگر نہ بھی ہو تو غیر ثقہ معتزلی کی مدح سے موصوف محمد بن ابی رجاء کا ثقہ ہونا لازم نہیں آتا خصوصاً اس صورت میں کہ جن الفاظ میں معتزلی نے موصوف کی مدح کی ہے وہ توثیق کے کلمات سے نہیں۔ حاصل یہ کہ موصوف مجہول الحال ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ موصوف کی طرف اس روایت کا انتساب صحیح نہیں ہے، ان تک پہنچنے والی سند کے کئی راوی مجروح ومجہول ہیں۔ اور اس سے بڑی بات یہ ہے کہ روایتِ انتقاء وصیمری میں خواب دیکھنے والا محمد بن ابی رجاء کے باپ ابورجاء کو بتلایا گیا ہے اور ایک تیسری روایت میں خواب دیکھنے والے کا نام محمویہ کہا گیا ہے اس طرح سند میں اضطراب بھی ہے اور یہ بھی علت قادحہ ہے، اگر ابورجاء ہی محمویہ نہیں ہے محمویہ نام کے ایک راوی محمد بن علی کو امام ابوسعید نقاش نے وضاع کہا ہے۔[2] اور کشف الاحوال فی نقد الرجال (ص: ۱۱۰) میں موصوف کو مجہول کہا ہے اور اگر ابورجاء کو محمویہ ہی کہا گیا ہے تو ابورجاء خراسانی کا اصل نام عبداللہ بن الفضل خراسانی مدنی ہے یہ شخص منکر الحدیث یعنی غیر ثقہ ہے۔[3] الغرض روایت مذکورہ بہر اعتبار مکذوبہ ہے۔

[1] حسن التقاضي ومناقب أبي حنيفة للذهبي مع تعليق الكوثري والأفغاني (ص: ٣٣)

[2] لسان الميزان (٦/ ٥)　　[3] لسان الميزان (٣/ ٣٢٥)

جس روایت میں خواب دیکھنے والا ابورجاء کو ظاہر کیا گیا ہے اس کی سند بحوالہ ابن عبدالبر ہم اوپر نقل کر آئے ہیں، ابورجاء بذات خود ساقط الاعتبار ہے۔ اس سے روایت مذکورہ کا ناقل محمد بن شجاع کو ظاہر کیا گیا ہے جو مشہور کذاب اور وضاع ہے۔ (کمامر) ممکن ہے کہ اسی کذاب نے یہ قصہ ایجاد کیا اور اس کذاب سے دوسرے ثقہ رواۃ نے قصہ مذکورہ کا سرقہ کر لیا ہے، کسی نے اسے محمویہ کے نام سے بیان کیا، کسی نے محمد بن ابی رجاء کے نام سے۔ مگر روایت مذکورہ کی ایجاد کا ذمہ دار محمد بن شجاع کو قرار دینے میں یہ اشکال ہے کہ محمد بن شجاع کذاب سے روایت مذکورہ حافظ ابن عبدالبر کی نقل کے مطابق ابویعقوب المعروف بابن دخیل کی سند سے مروی ہے جو مجہول ہے اور اس مجہول و محمد بن شجاع کے مابین ایک سے زیادہ مجہول رواۃ ہیں۔ فتدبر

حافظ خطیب نے روایت مذکورہ درج ذیل سند سے نقل کی ہے:

"حدثنا علي بن أبي علي قال: حدثنا طلحة بن محمد قال: حدثني مكرم بن أحمد القاضي قال: نا أحمد بن محمد بن المغلس قال: حدثنا سليمان بن أبي شيخ قال: حدثني ابن أبي رجاء القاضي قال: سمعت محمويه، وكنا نعده من الأبدال، قال: رأيت..."[1]

اس سند کے مطابق خواب دیکھنے والے کا نام محمویہ بتلایا گیا ہے اور اسے "من الابدال" یعنی اولیاء میں سے بتلایا گیا ہے، ممکن ہے کہ سند ابن عبدالبر میں واقع شدہ ابورجاء ہی کو محمویہ کہا جاتا ہو مگر محمویہ نامی راوی کو لسان المیزان (۶/ ۵) میں وضاع کذاب اور کشف الاحوال فی نقد الرجال (ص: ۱۱۰) میں مجہول کہا گیا ہے، اور محمویہ سے روایت مذکورہ کا ناقل بن ابی رجاء القاضی کو ظاہر کیا گیا ہے اور ابن رجاء قاضی غالباً محمد بن ابی رجاء قاضی خراسانی (متوفی ۲۰۷ھ) ہے جس کی توثیق نہیں کی گئی اس لیے وہ بمنزلہ مجہول ہے۔[2] نیز سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ابن ابی رجاء سے روایت مذکورہ کا ناقل بیک واسطہ ابن المغلس کذاب ہے۔

صیمری والی سند درج ذیل ہے:

"أخبرنا عمر بن إبراهيم قال: ثنا مكرم قال: ثنا محمد بن عبد السلام قال: حدثني سليمان بن داود بن كثير الباهلي وعبد الوهاب بن عيسى قالا: حدثنا محمد بن أبي رجاء القاضي قال: سمعت أبي قال: رأيت محمدا..."[3]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس سند کے مطابق خواب دیکھنے والے کا نام محمد بن ابی رجاء قاضی کا باپ یعنی ابورجاء بتلایا گیا ہے اور ابورجاء سے روایت مذکورہ کا ناقل محمد بن ابی رجاء اس کا بیٹا بتلایا گیا ہے اور محمد بن ابی رجاء سے روایت مذکورہ کے دو ناقل سلیمان بن داود اور عبدالوہاب بن عیسیٰ بتلائے گئے ہیں اور ان دونوں سے بیک واسطہ روایت مذکورہ مکرم نے نقل کی جن کی کتاب مناقب ابی حنیفہ بتصریح دارقطنی مجموعہ اکاذیب ہے، اور مکرم و محمد بن رجاء کے درمیان دو واسطوں والی سند کے رجال کی حالت یہ ہے کہ محمد بن عبدالسلام بتصریح ابن عدی کذاب ہے۔[4]

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ پہلی اور تیسری سند کے اعتبار سے خواب دیکھنے والے کا نام "ابورجاء" بتلایا گیا ہے اور دوسری

[1] خطيب (٢/ ١٨٢)
[2] خطيب (٥/ ٢٧٥، ٢٧٦) وجواهر المضية (٢/ ٥٤)
[3] أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٢٩، ١٣٠)
[4] ميزان الاعتدال (٢/ ٤١)

کے اعتبار سے محمویہ مگر جس روایت میں خواب دیکھنے والے کا نام محمویہ بتلایا گیا ہے اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ محمویہ سے خواب مذکور کا ناقل ابورجاء کا لڑکا ہے اور دوسری والی سند میں بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ ابورجاء کے لڑکے ابن ابی رجاء نے نقل کیا ہے کہ یہ خواب اس کے باپ ابورجاء نے دیکھا ہے، اس طرح پہلی والی سند میں واقع شدہ ابورجاء کی تعیین ہوجاتی ہے یعنی وہ محمد بن ابی رجاء خراسانی (متوفی ۲۰۷ھ) کا باپ ہے اورابورجاء خراسانی کا نام عبداللہ بن فضل خراسانی مدنی ہے جس کو حافظ عقیلی ونباتی (احمد بن محمد بن مفرج) نے منکر الحدیث قرار دیا ہے جوسخت ترین جرحوں میں سے ہے، کسی نے موصوف کی توثیق نہیں کی۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ یہ منکر الحدیث شخص کبھی خواب مذکور کو اپنا دیکھا ہوا خواب بتلاتا تھا اور کبھی محمویہ کذاب کو اس خواب کا دیکھنے والا ظاہر کرتا تھا، صرف اسی بات سے اس منکر الحدیث کا جھوٹا ہونا ظاہر ہوجاتا ہے کہ خواب مذکور کو کبھی ایک جھوٹے محمویہ کی طرف منسوب کرتا تھا اور کبھی اپنی طرف لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس منکر الحدیث ابورجاء خراسانی کی طرف روایت مذکورہ کا انتساب غلط طور پر کر دیا گیا ہو کیونکہ تفصیل مذکور کے مطابق جس روایت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ابورجاء نے کہا کہ یہ خواب میں نے خود دیکھا ہے وہ روایت بھی غیر معتبر سند سے مروی ہے اور جس روایت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ابورجاء نے کہا کہ خواب مذکور محمویہ نے دیکھا وہ بھی غیر معتبر سند سے مروی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کے عابد وصالح ہونے کی تعریف کی گئی ہے۔

حاصل یہ کہ مصنف انوار کی مستدل روایت مکذوبہ ہے اور دوسری روایت کے معارض بھی۔ دوسری روایت کے معارض ہونا اس روایت میں اشکال کا باعث ہے۔ یہ ذکر ہوچکا ہے کہ بعض روایات کے مطابق بوقتِ وفات امام ابویوسف نے کہا تھا کہ کتاب وسنت کے خلاف اپنے دیئے ہوئے فتاوی سے میں نے رجوع کیا۔ یہ معلوم ہے کہ شریعت میں خاتمہ کا اعتبار ہوتا ہے امید ہے کہ امام ابویوسف کا خاتمہ بالخیر ہوا۔ جو فقیہ وفات کے وقت نصوص کتاب وسنت کے خلاف دیے ہوئے اپنے فتاوی سے رجوع کو ضروری سمجھے گا ظن غالب ہے کہ اس نے اپنی تمام ہی غلطیوں سے رجوع کرنا ضروری سمجھا ہوگا۔

موفق بحوالہ حارثی ناقل ہیں کہ امام ابویوسف نے کہا کہ میں نے امام صاحب کو خواب میں دیکھا، انھوں نے کاغذ ودوات منگائی، اس میں وہ اپنے اہل جنت اصحاب کا نام لکھ رہے تھے، میں نے کہا کہ آپ اس میں میرا نام نہیں لکھ رہے؟ تو امام صاحب نے سب سے آخر میں میرا نام لکھا دیا۔[2] یہ روایت بھی سنداً غیر معتبر ہے مگر مذکورہ بالا روایات سے اس کی معنوی متابعت ہوجاتی ہے لیکن اس متابعت کے باوجود روایت مذکورہ غیر معتبر ہی ہے واللہ اعلم بالصواب لیکن بہرحال اس تفصیل سے مصنف انوار اوران کے استاذ کوثری نیز جملہ ارکان تحریک کوثری کی دیانت داری واضح ہوجاتی ہے جو مکذوبہ روایات کو صحیح ومعتبر کہہ کر حجت بنانے کے عادی ہیں۔ اس کی امید نہیں کہ مصنف انوار وارکان تحریک کوثری اپنے اس طرز عمل پر نظر ثانی کریں گے مگر ناظرین کرام بنظر انصاف ان لوگوں کے طریق کار کا مطالعہ فرماتے چلیں۔

امام ابویوسف کو امام صاحب کی وصیت:

مصنف انوار نے کہا:

''علامہ کوثری نے امام ابویوسف کے حالات تحریر فرمانے کے بعد اس طویل وصیت کو بھی درج کیا ہے جو آپ کو

[1] ملاحظہ ہو: لسان المیزان (۳/ ۳۲۵، ۳۲۶) ومیزان الاعتدال.　[2] موفق (۲/ ۲۰۱)

امام اعظم نے کی تھی جو گراں قدر معلومات وہدایات کا مجموعہ ہے اس کا ترجمہ بخوف طوالت حذف کیا جاتا ہے۔“[1]

ہم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب جس وصیت کو مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں ”گراں قدر معلومات وہدایات کا مجموعہ“ قرار دیا ہے اور بخوف طوالت اس کا ترجمہ پیش کرنے سے احتراز کیا ہے وہ دراصل مجموعہ اکاذیب ہے۔ اگرچہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امام صاحب نے اپنی بیان کردہ علمی باتوں کو بذات خود مجموعہ اغلاط واباطیل کہا ہے مگر وصیت مذکورہ کا انتساب ہی امام صاحب کی طرف مکذوب ہے، امام صاحب سے اس وصیت کے ناقلین کا کوئی پتہ نہیں اور نہ اس بات کا پتہ ہے کہ کس سند کے ساتھ وصیت مذکورہ امام صاحب سے منقول ہے؟ افسوس کہ اس مجموعہ اکاذیب کو ارکان تحریک کوثری نے کتابی شکل میں بھی شائع کر دیا ہے۔ وصیت کا پہلا جملہ یہ ہے:

”يا يعقوب! وقر السلطان وعظم منزلته.“ یعنی اے ابو یوسف! تم سلطان (خلیفہ) کی توقیر وتعظیم کرو۔

امام صاحب کی طرف منسوب یہ وصیت بدعوی مصنف انوار معلومات وہدایات کا مجموعہ ہے، یہ معلوم ہے کہ اہل علم اپنی وصیت وہدایت پر بذات خود بھی عمل پیرا ہوتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ سلطان کے ساتھ معاملہ وبرتاؤ میں امام صاحب اور امام ابو یوسف کے موقف میں زمین وآسمان کا فرق ہے، یہ بالکل معلوم ومعروف بات ہے کہ امام صاحب ہمیشہ اپنے زمانے کے سلطان وحکمران کے خلاف خروج وبغاوت کے سرگرم حامی رہے۔ ظاہر ہے کہ مصنف انوار اور ارکان تحریک کوثری کی نظر میں امام صاحب کا یہ طرز عمل سلطان کی توقیر وتعظیم کے منافی نہیں ہے لیکن یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام ابو یوسف نے امام صاحب پر تنقید وتجریح کرتے ہوئے کہا تھا کہ امام صاحب نعوذ باللہ بے کار آدمی ہیں اور ”يرى السيف“ کے وصف سے متصف تھے، یعنی حکومت کے خلاف بغاوت کے حامی تھے۔ اسی طرح یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ امام صاحب کے اس طرز عمل پر امام زفر نیز متعدد ارکان مجلس تدوین اور اساتذہ امام صاحب نے تنقید کی تھی، یہ بھی معلوم ہے کہ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب حکومت کی جانب سے پیش کیے گئے سرکاری عہدوں اور تحائف کو ہمیشہ ٹھکرایا کرتے تھے مگر قاضی ابو یوسف اور بہت سارے ارکان مجلس تدوین سرکاری عہدوں پر فائز رہے اور سرکاری تحائف بھی قبول کرتے رہے حتی کہ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ جو فقیہ قاضی نہ بنے وہ دنیا وآخرت میں ناکام رہے گا۔

مصنف انوار نے لکھا ہے:

”موفق (۱/ ۲۱۵) میں ہے کہ منصور نے قاضی القضاۃ کا عہدہ امام صاحب کو پیش کیا اور کہا کہ قاضیوں کو آپ کے علم کی ضرورت ہے، امام صاحب نے فرمایا کہ اس عہدہ کے لیے وہ شخص موزوں ہوسکتا ہے جس کا اتنا بڑا قلب وحوصلہ ہو کہ آپ پر شہزادوں پر، اور فوج کے سرداروں پر بھی بے تأمل شرعی احکام نافذ کر سکے اور میں ایسا نہیں کر سکتا۔[2] امام صاحب نے فرمایا کہ جھوٹے کو ایسا اہم شرعی منصب یعنی قاضی یا قاضی القضاۃ کا عہدہ سپرد کرنا جائز نہیں ہے۔[3] امام صاحب ملوک وامراء کے ہدایا وتحائف ہمیشہ رد کر دیتے، اسی طرح انھوں نے عہدۂ قضا کو بھی ٹھکرا دیا اور بالآخر قید وبند کو بھی گوارہ کیا، جیل میں روزانہ دس کوڑے بھی کھاتے رہے، امام صاحب نے حکومت سے باہر رہ کر بادشاہوں سے زیادہ بادشاہی کی، پھر ان کی آنکھیں دیکھنے والے تربیت یافتہ حضرات نے بھی اسی طرح

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۸۹)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۴۷)　[3] مقدمہ انوار (ص: ۱۴۷، ۱۴۸)

بادشاہی کی جیسا کہ امام ابویوسف ومحمد کے واقعات اس پر شاہد ہیں، وہ دور تھا کہ منصب قضا وغیرہ کے لیے بہت سے لوگ دل وجان سے آرزو کرتے تھے، ایک تنہا امام صاحب ہیں جو بار بار مناصب خلافت کو ٹھکرا کر مصیبتوں کا پہاڑ سر پر اٹھاتے تھے، امراء وملوک کے ہدایا وتحائف کو کبھی قبول نہیں کرتے تھے۔"[1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ بدعوئ مصنف انوار امام صاحب نے خلیفہ کے پیش کردہ عہدہ قاضی القضاۃ کو رد کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں اس عہدہ کو سنبھالنے کی صلاحت ولیاقت نہیں رکھتا، نیز یہ کہ جھوٹے آدمی کو قاضی بنانا جائز نہیں، نیز یہ کہ امام صاحب شاہی ہدایا وتحائف کو قبول نہیں کرتے تھے اورحکومت سے باہر رہ کر بادشاہوں سے زیادہ بادشاہی کرتے تھے اور جس زمانے میں بہت سے لوگ دل وجان سے سرکاری عہدہ کی آرزو کرتے تھے اس زمانے میں امام صاحب تنہا وہ شخص تھے جنھوں نے سرکاری عہدہ کی پیش کش کو ٹھکرا کر قید وبند گوارا کیا اورکوڑے کھاتے کھاتے جان بحق ہو گئے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب کے طریق عمل کے بالکل خلاف امام ابویوسف ومحمد قاضی اور قاضی القضاۃ بنے اور شاہی ہدایا وتحائف انھوں نے بکثرت قبول کیے، نیز امام صاحب کی بارگاہ سے کذاب قرار پانے کے باوجود امام ابویوسف قاضی بن گئے جبکہ امام ابویوسف کا ارشاد مصنف انوار نے نقل کر رکھا ہے کہ جھوٹے آدمی کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مصنف انوار کی تحریر کردہ اس عبارت کا معنی ومطلب سمجھنے سے ہم قاصر ہیں:

"امام صاحب نے حکومت سے باہر رہ کر بادشاہوں سے زیادہ بادشاہی کی، پھر امام صاحب کے تربیت یافتہ حضرات نے بھی اسی طرح بادشاہی کی جیسا کہ امام ابویوسف ومحمد کے واقعات اس پر شاہد ہیں۔"

کیونکہ مصنف انوار کی اس عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ جس طرح امام صاحب نے حکومت سے باہر رہ کر بادشاہوں سے زیادہ بادشاہی کی اسی طرح ان کے تربیت یافتہ حضرات خصوصاً ارکان مجلس تدوین ابویوسف ومحمد نے بھی حکومت سے باہر رہ کر بادشاہوں سے زیادہ بادشاہی کی مگر ہم دیکھتے یہ ہیں کہ امام صاحب کے حالات کے بالکل برعکس امام ابویوسف ومحمد نے حکومت کا ملازم بن کر امام صاحب کے طریق عمل کی مخالفت کی اورامام ابویوسف نے حکومت کی خوشنودی ورضا جوئی کے لیے بہت سارے کام انجام دیے حتی کہ امام ابویوسف ومحمد نماز عیدین بھی مذہب ابی حنیفہ کے خلاف مذہب خلیفہ کے مطابق پڑھا کرتے تھے، دریں صورت مصنف انوار کی مندرجہ بالا عبارت کا آخر معنی ومطلب کیا ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابراہیم نخعی سرکاری ہدایا وتحائف قبول کیا کرتے تھے۔ (کمامر) پھر امام صاحب کو مذہب نخعی سے کیوں انحراف تھا جبکہ بدعوئ مصنف انوار امام نخعی حنفی مذہب کے مورث اعلیٰ تھے؟ پھر امام صاحب کے طرز عمل کے خلاف امام ابویوسف کا طرزعمل کیا معنی رکھتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے سلطان کے خلاف بغاوت وخروج کرتے کراتے تھے نہ اس کے تحائف رد کرتے تھے نہ اس کے دیے ہوئے عہدوں کو ٹھکراتے تھے؟

امام صاحب کی طرف وصیت منسوبہ کا دوسرا جملہ ہے:

"إياك والكذب بين يديه." یعنی سلطان کے سامنے جھوٹ بولنے سے بچو۔

---

[1] مقدمہ انوار (١/ ١٤٨)

مگر یہاں معاملہ یہ ہے کہ امام صاحب کی طرف منسوب اس وصیت کے بالکل خلاف امام ابو یوسف کا حال یہ تھا کہ خود امام صاحب نے فرمایا:

"يعقوب يقول علي ما لا أقول، ويحكم كم تكذبون علي في هذه الكتب؟"

''امام ابو یوسف تحریری وتقریری دونوں طریق پر بکثرت جھوٹ بولتے ہیں۔''

اس وصیت نامہ میں امام صاحب کا یہ قول منقول ہے:

"ولا تكثر لمسها ومسها، ولا تتقرب إليها إلا أن تذكر الله تعالى وتستخير فيه."

''بستر پر اپنی بیوی کو زیادہ بوس وکنار مت کرو اور استخارہ وذکر الٰہی کیے بغیر بیوی کے پاس مت جاؤ۔''

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام صاحب کی طرف وصیت نامہ میں یہ منسوب کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ بلا استخارہ کیے ہوئے بیوی کے پاس مت جاؤ، اور یہ معلوم ہے کہ استخارہ کہتے ہیں باقاعدہ وضوء کر کے دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد دعائے خاص پڑھنے کو، معلوم نہیں امام ابو یوسف امام صاحب کی طرف منسوب اس وصیت پر عمل کرتے تھے یا نہیں مگر یقین ہے کہ امام صاحب کی تقلید کا دم بھرنے والے موجودہ زمانے کے جو لوگ خصوصاً ارکان تحریک کوثری اور عام مشائخ دیوبند امام صاحب کے اس حکم پر عمل نہیں کرتے، حالانکہ امام صاحب کی طرف جو یہ منسوب ہے کہ آمین بالجہر، رفع الیدین اور فاتحہ خلف الامام وغیرہ مت کرو تو اس پر عام مدعیان تقلید ابی حنیفہ سختی سے عامل ہیں:

وصیت مذکورہ میں منقول ہے:

"ولا تتزوج امرأة كان لها بعل أو أب أو أم أو ابن أو بنت إن قدرت إلا بشرط أن لا يدخل عليها غيرك من أقربائها، فإن المرأة إذا كانت ذات مال يدعي أبوها أن جميع مالها له، وإنه عارية في يدها، ولا تدخل بيت أبويها ما قدرت، وإياك أن ترضى بأن تزف في بيتهم فإنهم يأخذون أموالك، ويطمعون فيه غاية الطمع، وإياك أن تتزوج ذات البنين والبنات فإنها تدخر جميع مالها لهم، وترق مالك وتنفق عليهم."

''جہاں تک ہو سکے ایسی عورت سے شادی مت کرو جس کا شوہر رہ چکا ہو، مراد بیوہ یا مطلقہ سے شادی مت کرو اور نہ ایسی عورت سے شادی کرو جس کا باپ، ماں، بیٹا، بیٹی کوئی موجود ہو اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس شرط پر شادی کر سکتے ہو کہ عورت کے اقرباء میں سے کوئی بھی شخص تمھاری بیوی کے پاس نہیں جائے گا کیونکہ اگر عورت مالدار ہوگی تو اس کا باپ دعوی کرے گا کہ سارا مال میرا ہے، جہاں تک ہو سکے اپنی بیوی کے والدین کے یہاں سسرال مت جاؤ اور نہ سسرال میں شب باشی کرنے پر راضی رہو ورنہ سسرال والے تمھارا سارا مال چھین لیں گے اور تم سے بہت ساری باتوں کا لالچ کریں گے بچوں والی عورت سے شادی مت کرو ورنہ وہ تمھارے مال کو چرا کر کے اپنی اولاد پر خرچ کر ڈالے گی۔''

عبارت مذکورہ کے مطابق امام صاحب نے مطلقہ اور بیوہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ جس عورت کے ماں باپ ہوں اس سے بھی شادی مت کرو اور اگر مجبوراً ایسی عورت سے شادی کر بھی لو تو اس شرط کے ساتھ کہ

اس عورت کے والدین واقرباء اس کے پاس نہیں آسکتے بھلا ایسی عورتیں سب کو کہاں ملیں گی جن کے والدین میں سے نہ باپ زندہ ہو نہ ماں نہ وہ بیوہ ومطلقہ ہو نہ اس کے ہاں کوئی بچہ ہو؟ اگر کوئی کنواری عورت ایسی ہو بھی جس کے والدین مر چکے ہوں تو یہ شرط عجیب ہے کہ عورت کا کوئی رشتہ دار یعنی بھائی وبہن خالہ کوئی بھی اس کے پاس نہیں آسکتا۔ یقین ہے کہ علمائے دیوبند خصوصاً اورعام احناف عموماً امام صاحب کی طرف منسوب اس وصیت پر عامل نہیں ہیں۔ سسرال میں جانے کی ممانعت یا سسرال میں شب باشی کی ممانعت کے خلاف بھی عام احناف عامل ہیں اور نہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ سسرال جانے یا وہاں شب باشی کرنے پر سسرال والے اس آدمی کا سب مال ہڑپ لیتے ہوں، یہ کیسی عجیب بات ہے؟ قرآن مجید ''ایامیٰ'' یعنی بیوہ سبھی کی شادی کرنے کرانے کا حکم دیتا ہے مگر امام صاحب کی طرف منسوب وصیت میں کہا گیا ہے کہ بچوں والی عورتوں سے شادی ہی نہ کرو ورنہ وہ تمھارے سارے مال چرالے گی اور اپنے بچوں کو کھلا دے گی۔

یوں تو بعض کنواری اور بے اولاد عورتیں بھی شوہر کے مال چراتی ہیں مگر کسی بھی بچوں والی عورت سے شادی کی ممانعت عجیب بات ہے، غالبًا قدیم ایام میں ہندوستان اورغیر ہندوستان کے لوگوں میں نکاح بیوگان سے احتراز کی رسم ہندوؤں کے رواج کے مطابق امام صاحب کی طرف منسوب اسی وصیت کے سبب ہوگئی تھی جسے توڑنے میں علمائے اہلحدیث خصوصاً شاہ اسماعیل شہید اوران کے معاونین کو بڑا مجاہدہ کرنا پڑا، اللہ کے فضل سے علمائے اہلحدیث کواس مقصد میں اس حد تک کامیابی ہوئی کہ بہت سے احناف بھی نکاح بیوگان کے قائل وعامل ہو گئے ورنہ وصیت مذکورہ کے ذریعہ مسلمانوں کو مشرکین ہندوستان کا پیرو مذہب بنانے کی تدبیر کی گئی تھی جو بڑی حد تک کامیاب ہوگئی تھی۔ نعوذ باللّٰہ من شرور الأکاذیب.

اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ کتب مناقب ابی حنیفہ کے مطابق والدہ امام صاحب ولادت امام صاحب کے بعد بیوہ ہوگئیں اورانھوں نے حضرت امام جعفر صادق سے دوسری شادی کر لی تھی، والدہ امام صاحب کی یہ شادی ظاہر ہے کہ امام صاحب کے حکم وفتوی کے خلاف ہوئی، ہم کو کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ والدہ امام صاحب نے امام جعفر کا سارا مال چرا کر اپنے میکے بھیج دیا ہو یا امام صاحب کے اوپر خرچ کر ڈالا ہو، بعض احناف نے فخر کے ساتھ اس نکاح کا ذکر کیا اور کہا ہے کہ امام صاحب کے مربی وسرپرست امام جعفر تھے۔

وصیت مذکورہ میں منقول ہے:

”ولا تتزوج إلا بعد أن تعلم أنك تقدر على القيام بجميع حوائجها، واطلب العلم أوّلًا، ثم اجمع المال من الحلال، ثم اشتغل بالتزوج.“

''امام صاحب نے فرمایا کہ جب اس بات کا آدمی کو علم ہو جائے کہ وہ بیوی کے تمام اخراجات پورا کرسکتا ہے تو شادی کرے ورنہ نہ کرے، پہلے علم حاصل کرے پھر حلال مال جمع کرے، پھر شادی کرے۔''

ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر احناف اپنے نابالغ زیر تعلیم بچوں کی شادیاں کر دیا کرتے ہیں ان کا یہ عمل امام صاحب کی طرف منسوب فتوی کے بالکل خلاف ہے مگر یہی لوگ فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع الیدین وغیرہ جسے اعمال کو محض اس لیے ترک کیے ہوئے ہیں کہ امام صاحب کی طرف ان کی ممانعت منسوب ہے لیکن اپنے پاؤں پر کھڑا ہوئے بغیر بیوی کا خرچ برداشت

کرنے کے لائق ہونے سے پہلے یہی لوگ اپنے بچوں کی شادیاں کر دیا کرتے ہیں امام صاحب کی طرف منسوب اس وصیت پر عمل امام ابو یوسف نے بہرحال کتب مناقب کی روایات کے مطابق نہیں کیا تھا، وہ شادی کے بعد والدین اور بال بچوں کے حقوق ادانہیں کرتے تھے اور تحصیل علم سے پہلے ہی وہ بال بچوں والے ہو گئے، ان کے اور ان کے اہل وعیال اور والدین کے اخراجات موصوف کے زمانہ طالب علمی میں امام صاحب کو برداشت کرنے پڑے، تحصیل علم کے بعد مال حلال جمع کر چکنے کے بعد آدمی کو شادی کرنے کی اجازت وصیت مذکورہ کے مطابق امام صاحب نے دی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کتب مناقب کے مطابق امام ابو یوسف نے مال جمع کیے بغیر شادی کر لی اور اپنی ساس کی اجازت کے بغیر ساس کے گھریلو سامان فروخت کر کے کام چلاتے رہے جس پر ساس نے احتجاج بھی کیا۔ (کمامر) نیز ان روایات کا ذکر آچکا ہے کہ خلفاء وامراء کے موافق مزاج عجیب وغریب قسم کے فتاوی کے ذریعہ امام ابو یوسف نے اموال کثیرہ جمع کیے۔ اگر مصنف انوار کی نظر میں یہ روایات غیر معتبر ہیں تو وہ فرمائیں کہ وصیت مذکورہ کا از روئے سند کیا حال ہے؟ کتب مناقب کے مطابق امام صاحب خود پہلے جمع اموال وتجارت میں مشغول رہے اور تیس سال کی عمر کے بعد تحصیل علم میں مصروف ہوئے جبکہ بدعوی مصنف انوار امام صاحب کے لڑکے حماد ۹۵ھ سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے یعنی تحصیل علم شروع کرنے سے پہلے امام صاحب صاحب اولاد ہو چکے تھے۔

"قال: كثرة الولد والعيال سوس." یعنی اولاد وازواج کی کثرت گھن ہے جو مال کو کھا جاتی ہے۔

امام صاحب کی طرف منسوب اس وصیت کو دلیل بنا کر آج خاندانی منصوبہ بندی ونس بندی وتحدید نسل کا فتوی سرکاری عمال وحکام اور حکومت پرست علماء دے سکتے ہیں۔

وصیت مذکورہ میں منقول ہے:

"ولا تستخف الناس ووقرهم." یعنی تم لوگوں کے خلاف شان باتیں مت کہو اور ان کی توقیر کرو۔

مگر امام ابو یوسف کی طرف منسوب "الرد علی سیر الاوزاعی" میں امام صاحب کے اساتذہ خصوصاً امام اوزاعی کی شان میں بے حد تک گستاخی وبدکلامی کی گئی ہے اور ان کی توقیر وتعظیم کے خلاف بہت ساری باتیں لکھی ہوئی ہیں یہی بات "الحجة على أهل المدينة" نیز حافظ خطیب کے رد میں لکھی جانے والی کتب احناف خصوصاً کتب کوثری وانوار الباری میں نمایاں طور پر موجود ہے۔

وصیت مذکورہ میں ہے:

"فإنهم قوم يقلدونك." یعنی عوام الناس تمھاری تقلید کریں گے۔

اس وصیت نامہ کے مطابق امام صاحب نے امام ابو یوسف کی تقلید کو روا رکھا ہے جبکہ کوثری ناقل ہیں کہ امام صاحب اپنی تقلید سے اپنے تلامذہ اور دوسروں کو منع کرتے تھے۔

وصیت مذکورہ میں ہے:

"ولا تطعن في أساتذتهم فإنهم يطعنون فيك."

''کسی ملک کے لوگوں کے اساتذہ پر تم طعن مت کرو ورنہ وہ لوگ تم پر طعن کریں گے۔''

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ الرد علی سیر الاوزاعی میں امام ابو یوسف نے امام صاحب کے استاذ امام اوزاعی پر بہت طعن کیا ہے،

نیز احناف کی دوسری کتابوں میں بھی یہ رنگ نظر آتا ہے، خود امام صاحب نے بھی مختلف ممالک کے لوگوں کے اساتذہ پر طعن کیا مثلاً اپنے شہر کوفہ کے جابر جعفی پر طعن کیا جو پوری ایک قوم کے امام واستاذ بلکہ خود امام صاحب کے بھی استاذ تھے، اسی طرح امام صاحب نے اپنے اساتذہ میں سے عمرو بن عبید معتزلی اور استاذ الاساتذہ حارث اعور پر طعن کیا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف انوار اور ارکان تحریک کوثری کا کیا فرمان ہے؟ یہ معلوم ہے کہ امام ابو یوسف نے خود امام ابوحنیفہ پر سخت طعن و تشنیع کیا ہے حتی کہ بقول کوثری امام صاحب کو موصوف اور ان کے اصحاب نے بلید واحمق تک کہہ دیا ہے۔ (کمامر) نعوذ باللہ۔

وصیت میں مذکور ہے:

"وإذا تكلمت فلا تكثر صياحك ولا ترفع صوتك."

''جب کلام کرو تو زیادہ چیخو نہیں اور نہ ہی بلند آواز سے بولو۔''

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مسجد میں علمی مذاکرہ کے نام پر حماد اور اصحاب حماد اتنا شور وغل مچاتے تھے کہ امام عامر شعبی کا مسجد میں آنا جانا دوبھر ہو گیا۔ اور امام صاحب فرماتے تھے کہ مسجدوں میں شور وغل مچائے بغیر آدمی فقیہ ہو ہی نہیں سکتا۔ (کمامر)

وصیت مذکورہ میں منقول ہے:

"ولاتكن طماعا ولا كذابا ولا صاحب تخاليط."

''اے ابو یوسف تو نہ طماع (لالچی وحریص) رہو نہ کذاب رہو نہ صاحب تخلیط رہو۔''

ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب نے بذات خود امام ابو یوسف کو کذاب کہا ہے نیز کتب مناقب میں اس مفہوم کی روایات ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا کہ امام ابو یوسف آگے چل کر دنیا پرست اور ابن الوقت بن جائیں گے اور دنیا موصوف کو اپنے دام فریب میں مبتلا کر کے مغلوب کر لے گی۔

وصیت مذکورہ میں منقول ہے:

"ولا تستلم أمتعتك إلى الحائك وسائر الصناع، بل اتخذ لنفسك ثقة يفعل ذلك."

''اپنے سامان تم جولاہوں اور دوسرے صنعت والوں کے حوالے مت کرو بلکہ کسی معتبر آدمی کے حوالے کرو۔''

امام صاحب کی طرف منسوب اس وصیت میں جولاہوں اور دوسرے صنعت والوں کو کس انداز میں مذموم قرار دیا گیا ہے بعض روایات کے مطابق امام صاحب خود بھی جولاہے تھے اور امام ابو یوسف کی ماں بھی چرخے کاتا کرتی تھیں یعنی ابو یوسف بھی جولاہے تھے۔ یہ معلوم ہے کہ بہت سارے مشائخ دیوبند جولاہے ہیں؟ کیا ان کے پاس بطور امانت سامان رکھنا اور انھیں ثقہ سمجھنا صحیح نہیں ہے؟

امام ابو یوسف کی آخری خواہشات:

مصنف انوار نے کہا:

''وفات کے وقت کہا (یعنی امام ابو یوسف نے کہا) کاش میں اس فقر کی حالت میں مرتا جس میں میں پہلے تھا اور قضا کے کام میں نہ پھنستا۔'' (یہ بات طویل ہے)

مصنف انوار نے دوروایتوں کو مرکب کر کے مندرجہ بالا مضمون تیار کیا ہے، ایک روایت کی سند میں احمد بن عطیہ المعروف بابن المغلس مشہور عالم کذاب ہے۔[1] نیز اس میں طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد معتزلی ضعیف ہے اور طلحہ کا شاگرد تنوخی بھی اسی طرح کا ضعیف ہے، اور دوسری روایت کی سند میں قاسم بن حکم عونی (متوفی ۲۰۸ھ) ہیں۔[2] ان کو اگر چہ بعض نے ثقہ کہا ہے مگر ابوحاتم نے کہا "محله الصدق، ولا يحتج به" عقیلی نے کہا: "في أحاديثه مناكير لا يتابع على كثير من حديثه" ابونعیم نے کہا: "كانت فيه غفلة"[3]

بہر حال بشرط صحت اس روایت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام ابو یوسف کو عہدۂ قضا کے قبول پر افسوس تھا، ابن المغلس کی مکذوبہ روایت میں امام ابو یوسف کی زبانی غیر منصوص مسائل میں ابو یوسف کو امام صاحب کا مقلد بتایا گیا ہے اور یہ کہلوایا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کبھی حق کے دائرہ سے نہیں نکلتے تھے، حالانکہ امام ابو یوسف نے امام صاحب کے دوتہائی مسائل سے اختلاف کیا ہے، اگر وہ فی الواقع امام صاحب کو ایسا ہی سمجھتے تھے تو اتنی کثرت سے اختلاف کے کیا معنی؟ جس طرح امام ابو یوسف مصنف انوار کی مستدل روایت کے مطابق قبول عہدۂ قضا کے قبول کرنے پر متأسف تھے، کیا عجیب وہ اگر زندہ ہوتے تو مذہب حنفی کی پیروی پر بھی متأسف ہوتے۔ آخر ان سے جو یہ مروی ہے کہ جو شخص فقیہ اہل الرای ہو کر قاضی نہ بنے اس نے اپنی دنیا وآخرت دونوں خراب کی، اس کو مصنف انوار کیوں حجت نہیں مانتے؟ نیز بعض روایات سے ثابت ہے کہ ابو یوسف نے مذہب ابی حنیفہ سے اظہار بیزاری کیا ہے۔(کمامر)

وفات ابی یوسف:

مصنف انوار نے کہا:

"امام ابو یوسف کی آخری علالت کے دوران معروف کرخی نے ایک رفیق سے کہا کہ ابو یوسف زیادہ علیل ہیں تم مجھ کو وفات کی خبر دینا... کرخی نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک محل تیار ہے تو پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ ابو یوسف کے لیے ہے۔"[4]

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت مشہور عالم کذاب محمد بن شجاع بلخی ثلجی سے منقول ہے۔[5] کیا مصنف انوار کی معتدل شاہراہ یہی ہے کہ مکذوبہ روایت کو معتبر وصحیح کہہ کر دلیل بنائیں؟

مصنف انوار نے مزید کہا:

"شجاع بن مخلد کا قول ہے کہ ہم ابو یوسف کے جنازہ میں شریک تھے، عباد بن عوام بھی ساتھ تھے، انھوں نے کہا کہ اہل اسلام کو چاہیے کہ وفات ابی یوسف پر ایک دوسرے کی تعزیت کریں۔"[6]

ہم کہتے ہیں کہ دعوی تحقیق میں مصنف انوار اگر سچے ہیں تو روایت مذکورہ کا اصول وضوابط کے مطابق صحیح ومعتبر ہونا ثابت کریں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شجاع سے اس روایت کے ناقل احمد بن یعقوب سدوسی ہیں۔[7] ان کا حال اس سے زیادہ کچھ نہیں

---

❶ خطیب (۱٤/ ۲٥٤)　❷ خطیب (۱٤/ ٤٥۲)　❸ تهذیب (۸/ ۳۱۱، ۳۱۲)
❹ ملخص از مقدمه انوار (۱/ ۱۹۰)　❺ خطیب (۱٤/ ۲٦۰) و حسن التقاضي (ص: ۷۳)
❻ مقدمه انوار (۱/ ۱۹۰)　❼ خطیب (۱٤/ ۲٦۲)

معلوم ہو سکا کہ یہ نجومیوں کی باتوں کا اعتبار کرتے تھے۔[1] موصوف کی توثیق نہیں کی گئی ہے، پھر روایت مذکورہ کیونکر صحیح ہے؟ یہ معلوم ہے کہ موصوف نجومیوں پر اعتماد کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز ان کے بدعقیدہ ہونے کی دلیل ہے، بہرحال ان کا تفصیلی حال معلوم نہیں۔ مگر کم از کم وہ مجہول قرار پائیں گے اور مجہول کی روایت معتبر نہیں۔

مصنف انوار نے کہا:

''امام ابو یوسف کی نماز جنازہ ہارون رشید نے پڑھائی، وہ ابو یوسف کے جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے۔''[2]

مگر مصنف انوار کے استاذ کوثری نے اس دعوی پر کوئی دلیل سند یا بغیر سند والی نہیں پیش کی ہے۔[3]

امام ابو یوسف کی توثیق کا ذکر مکرر:

مصنف انوار نے اپنے اس قول کو پھر دہرایا:

''ابن کامل کا قول ہے کہ امام ابن معین، احمد، ابن المديني امام ابو یوسف کے ثقہ ہونے پر متفق ہیں۔''[4]

حالانکہ مصنف انوار کے استاذ کوثری نے ابن کامل کو مجروح قرار دیا ہے۔ پھر انھوں نے ان کی نقل کو کیسے حجت بنا لیا؟[5]

اور ہم بیان کر آئے ہیں کہ امام ابن معین اور احمد نے امام ابو یوسف پر شدید جرح کی ہے اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ "يعقوب يقول علي ما لم أقل" مصنف انوار امام صاحب کے اس ارشاد سے کیوں تجاہل وتغافل برتتے ہیں؟ نیز امام ابو یوسف پر دوسرے ائمہ جرح وتعدیل کے کلمات جرح ذکر ہو چکے ہیں۔

مصنف انوار نے کہا:

''خطیب نے حسب عادت امام ابو یوسف پر بھی جرح نقل کی ہے لیکن اثناءِ جرح میں جواب بھی دیا ہے، جرحیں سب غیر مفسر ہیں، مواد جرح سب وہی ہے جو امام صاحب ومحمد کی نسبت ہے، یعنی مرجی وغیرہ ہونا۔ متاخرین ائمہ رجال نے امام ابو یوسف کے متعلق بھی جرح متروک کر دی ہے، صرف مناقب وتعدیل لکھی ہے، متقدمین میں سے امام ابن قتیبہ نے معارف میں نہ امام صاحب پر جرح کی ہے نہ ابو یوسف پر، حالانکہ دوسرے رجال پر جرح کرتے ہیں۔''[6]

ہم کہتے ہیں کہ خطیب نے ترجمہ نویسی کے اصول کے مطابق ابو یوسف پر ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال جرح وتعدیل دونوں پوری تفصیل کے ساتھ نقل کیے ہیں۔ مصنف انوار نے خطیب کی عادت پر معلوم نہیں کس اصول دیانت داری کے مطابق ناروا حملہ کیا ہے اور یہ غلط بات بھی لکھ دی ہے کہ انھوں نے اثناءِ جرح میں جواب بھی دیا ہے، حالانکہ خطیب نے امام ابو یوسف پر وارد شدہ جرحوں کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ ان کا طرز عمل بتلاتا ہے کہ وہ ابو یوسف کو بہرحال مجروح مانتے ہیں، امام ابن معین کی تجریح پر خطیب نے صرف یہ کہا کہ امام ابن معین سے امام ابو یوسف کی توثیق بھی منقول ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو: تاريخ خطيب (١/ ٣٧٤، تذكرة محمد بن أحمد بن يعقوب)
[2] مقدمه انوار (١/ ١٩٠)
[3] حسن التقاضي (ص: ٧٥)
[4] مقدمه انوار (١/ ١٩٠)
[5] تانيب (ص: ٤٢)
[6] مقدمه انوار الباري (١/ ١٩٠)

ظاہر ہے کہ یہ جواب نہیں ہے بلکہ انھوں نے دیانتداری سے صرف یہ بتلایا ہے کہ جرح وتعدیل ابی یوسف میں ابن معین کے دوقول ہیں۔اس کا مفاد ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں، خطیب نے مصنف انوار کی طرح یہ نہیں کیا کہ صرف وہی قول نقل کریں جو بظاہر ان کے مقصود کے مطابق ہو اور جو مضر ہو اسے ترک کریں حتی کہ اپنی ہی مستدل روایت کے ایک جزو کو قبول کریں اوردوسرے کو ناپسند ہونے کے سبب رد کریں۔ناظرین کرام جانتے ہیں کہ مصنف انوار نے ایسا بکثرت کیا ہے حالانکہ ایسا کرنا اہل علم کا شیوہ وشعار نہیں، یہ کام صرف مصنف انوار جیسے مدعیان تحقیق وانصاف ہی کرتے ہیں جو افراط وتفریط سے ہٹ کر معتدل شاہراہ سامنے کرنے کے دعویدار بن کر بکثرت مکذوبہ روایات کے ذریعہ اپنے فرقہ ومذہب کی مدح سرائی اوردوسروں کی ہجو ومذمت کو علمی ودینی خدمت قرار دیتے ہیں۔

واضح رہے کہ کسی کا محض مرجی وجہمی وخارجی ہونا غیر ثقہ ہونے کی دلیل نہیں اور نہ محدثین کسی مرجی وغیرہ کو محض مرجی ہونے کے سبب غیر ثقہ کہتے ہیں، کیونکہ کسی شخص کا مرجی بلکہ جہمی وخارجی وشیعی ومعتزلی ہونا اگرچہ اس کے بدعتی اورسیء المذہب ہونے کی دلیل ہے مگر یہ چیز ثقہ فی الروایہ ہونے کے منافی نہیں ہے، ایک مرجی یا بدعقیدہ شخص اگر صدوق، حافظ، ضابط، عادل وغیرہ ہے تواس کی روایت مقبول ہے لیکن ایک سنی اگر غیر صدوق، غیر حافظ، سیء الحفظ، غیر عادل وغیرہ ہوتو غیر مقبول ہوگا۔

خطیب نے امام یحییٰ قطان (فقہاء حنفیہ کے استاذ خاص اورمجلس تدوین فقہ کے رکن بزعم مصنف انوار) سے نقل کیا کہ امام ابویوسف وابوحنیفہ اورجواب تیمی تینوں مرجی ہیں۔[1]

امام قطان کے اس فرمان کی تائید دوسرے اہل علم نے بھی کی ہے مگر صرف یہی چیز امام ابویوسف کے ساقط الاعتبار ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ امام قطان نے امام ابویوسف کو متروک بھی قرار دیا ہے اورامام عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ نے بھی قطان کی موافقت کی ہے، اورمصنف انوار ہی کا بیان ہے کہ اہل علم فرماتے ہیں کہ قطان جسے متروک قرار دیں اسے ہم بھی متروک قرار دیں گے۔کیاان دونوں بزرگوں اوران کے ساتھ دیگر اہل علم کا امام ابویوسف کو متروک قرار دینا جرح مفسر نہیں ہے؟ مصنف انوار کا یہ خیال عجیب ہے کہ متاخرین نے امام ابویوسف کے متعلق جرح متروک کر دی ہے۔صرف مناقب وتعدیل لکھی ہے کیونکہ متاخرین میں سے امام ذہبی جرح وتعدیل میں محدثین کے ترجمان مانے جاتے ہیں اورانھوں نے میزان الاعتدال وتذکرۃ الحفاظ میں جرح نقل کی ہے اورمناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ترکوہ" اورفلاس کا قول نقل کیا کہ "کثیر الغلط" کیا یہ جرح قادح نہیں ہے؟ یا کہ یہ جرح جرح مفسر نہیں ہے؟ نیز حافظ ابن حجر ذہبی سے بھی متاخر ہیں انھوں نے بھی امام ابویوسف پر جرح شدید نقل کی ہے۔

اورمصنف انوار کا یہ قول بھی عجیب ہے کہ "ابن قتیبہ نے معارف میں امام اعظم پر کوئی جرح نہیں کی نہ امام ابویوسف پر۔حالانکہ دوسرے رجال پر جرح کرتے ہیں۔" حالانکہ معارف میں امام ابن قتیبہ نے یہ جرح نقل کی ہے:

فكم من فرج محصنة عفيف أحل حرامه بأبي حنيفة[2]

"امام صاحب کی بدولت کتنی حرام عورتوں کو حلال بنالیا گیا ہے۔"

---

[1] خطیب (١٤/ ٤٥١) [2] المعارف.

امام ابن قتیبہ نے اپنی دوسری کتاب تاویل مختلف الحدیث میں امام صاحب پر زیادہ جرح کی ہے تفصیل آگے آرہی ہے۔ معارف میں توانھوں نے صرف بعض پر جرح کی ہے۔جن میں ایک امام ابوحنیفہ بھی ہیں۔ انھوں نے معارف میں مشہور عالم کذاب محمد بن السائب (امام ابوحنیفہ کے استاذ) کا تذکرہ کسی قدر تفصیل سے کیا ہے مگر ان پر کوئی بھی جرح نہیں کی۔اسی طرح ان کے مشہور عالم کذاب بیٹے کے ذکر میں بھی کوئی جرح نہیں کی۔ الغرض مصنف انوار غلط بیانیوں کے ''امام فن'' معلوم ہوتے ہیں۔ موصوف امام ابویوسف کے بارے میں اقوال جرح وتعدیل پر بحث تذکرہ امام بخاری میں بھی آئے گی۔

۱۷۔ امام ابومحمد نوح بن درّاج (متوفی ۱۸۲ھ):

مصنف انوار نے کہا:

''امام ابومحمد نوح بن دراج محدث وفقیہ تھے۔ امام اعظم ،امام زفر، ابن ابی لیلیٰ ، امام اعمش اورسعید بن منصور کے تلمیذ اورتدوین فقہ کے شریک کار تھے۔ ابن ماجہ نے باب التفسیر میں آپ سے تخریج کی ،کوفہ اور بغداد کے قاضی رہے، فقہ میں امام صاحب سے متخصص ہوئے۔[1] جامع المسانید (۴۶۳/۲) میں موصوف امام صاحب سے روایت بھی کرتے ہیں۔''[2]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے مذکورہ بالا بات حدائق الحنفیہ کے حوالے سے نقل کی ہے مگر حدائق الحنفیہ میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ نوح بن دراج فرضی چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن تھے اور نہ اس میں یہ مذکور ہے کہ موصوف نوح فقہ میں امام صاحب سے متخصص تھے،جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ مصنف انوار نے حسب عادت حدائق الحنفیہ کی طرف ایسی بات منسوب کی جو اس میں مذکور نہیں۔ حدائق الحنفیہ میں نوح کے متعلق یہ عبارت مذکور ہے:

''نوح بن دراج فقہ میں امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے اورامام زفر وابن شبرمہ اورابن ابی لیلیٰ سے بھی فقہ کو اخذ کیا۔حدیث کی روایت امام زفر وامام اعمش اورسعید بن منصور سے کرتے تھے، اگر چہ حدیث میں آپ کو ابن معین نے مکذب بیان کیا ہے مگر تاہم ابن ماجہ نے تفسیر میں آپ سے تخریج کی ہے، ابتداء میں آپ کوفہ کے قاضی تھے پھر بغداد کے قاضی ہوئے اور ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔''[3]

ناظرین کرام حدائق الحنفیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے انوار الباری کی اس عبارت کو ملا کر دیکھیں جس کو مصنف انوار نے حدائق کے حوالے سے نقل کیا ہے تو ان پر خود بخود یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مصنف انوار نے حسب عادت دروغ بافی وتلبیس کاری سے کام لیا ہے۔ حدائق الحنفیہ میں صرف یہ مذکور ہے کہ نوح فقہ میں امام صاحب کے شاگرد تھے مگر مصنف انوار نے اس کے حوالے سے یہ لکھا کہ نوح فقہ میں امام صاحب سے متخصص اورامام صاحب کی چہل رکنی مجلس کے رکن اورشریک تدوین تھے یعنی مصنف انوار نے بھاری جعل سازی اور دروغ بافی سے کام لیا ہے۔لطف یہ کہ حدائق الحنفیہ کی طرف اپنی اختراعی باتیں منسوب کرنے والے مصنف انوار نے اس کی یہ صریح بات بطور اشارہ بھی ذکر نہیں کی کہ نوح کو ابن معین نے کذاب کہا ہے۔ ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ نوح کو کذاب قرار دینے والے ابن معین کو مصنف انوار نے امام جرح

[1] حدائق الحنفية. [2] مقدمه انوار الباري (١/ ١٩٠) [3] حدائق الحنفية (ص: ١٢٣، ١٢٤)

وتعدیل اور حنفی المذہب کہا ہے۔ عام کتب رجال میں سعید بن منصور کو نوح کا شاگرد کہا گیا ہے مگر مصنف انوار نے مصنف حدائق الحنفیہ کی تقلید میں معاملے کو الٹ کر سعید بن منصور کو استاد قرار دے دیا ہے۔

مصنف انوار نے جذبہ تلبیس کاری کے ذریعہ اگرچہ حدائق الحنفیہ میں مذکور یہ بات نقل نہیں کی کہ نوح کو ابن معین نے کذاب کہا ہے مگر عادت تحریف کاری سے مجبور ہو کر حدائق کی اس عبارت میں ترمیم کر لی کہ ''ابن ماجہ نے تفسیر میں آپ (نوح) سے تخریج کی ہے۔'' چنانچہ مصنف انوار نے یہ بات اس طرح کہی کہ ''ابن ماجہ نے باب التفسیر میں آپ سے تخریج کی ہے۔'' مصنف انوار نے ''باب التفسیر'' کا لفظ لکھ کر یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ امام ابن ماجہ نے اپنی کتاب السنن کے باب تفسیر میں موصوف نوح کی حدیث درج کی ہے حالانکہ بات اس طرح نہیں ہے بلکہ سنن کے علاوہ امام ابن ماجہ کی ایک دوسری مستقل کتاب تفسیر میں ہے ان کی اسی کتاب التفسیر میں ''نوح'' سے ایک روایت اس طرح منقول ہے کہ اس سے یہ متعین نہیں ہوتا کہ نوح سے مراد وہی نوح بن دراج ہیں جنھیں مصنف انوار نے اس جگہ رکن مجلس تدوین قرار دے رکھا ہے بلکہ تفسیر ابن ماجہ میں مذکور جس روایت کا راوی نوح بن دراج کو مصنف حدائق اور ان کی تقلید میں مصنف انوار نے قرار دیا ہے اس کی سند میں نوح کی ولدیت کا ذکر نہیں، ہے اور حافظ ابن حجر نے تہذیب میں ترجمہ نوح بن دراج کے تحت یہ صراحت کر دی ہے کہ چونکہ اس سند میں نوح کی نسبت مذکور نہیں اس لیے اس بات کا احتمال ہے کہ نوح سے نوح بن دراج کے علاوہ دوسرے نوح مثلاً نوح بن ابی مریم جامع یا کوئی اور مراد ہوں۔[1]

دریں صورت نوح بن دراج کو مصنف انوار اور ان کے پیشرو مصنف حدائق کا تفسیر ابن ماجہ کے متعین رواۃ میں شمار کر لینا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس غیر متعین ''نوح'' سے تفسیر ابن ماجہ میں روایت کرنے والے شخص کا نام قاسم بن سلیم ہے جو مجہول ہے۔[2] اور یہ معلوم ہے کہ مجہول کی روایت معتبر نہیں یعنی اس غیر متعین نوح کی طرح منسوب روایت ابن ماجہ کا انتساب غیر صحیح ہے۔ اگر بالفرض موصوف نوح کی روایت امام ابن ماجہ نے نقل بھی کی ہو تو یہ معلوم ہے کہ امام ابن ماجہ نے اپنی کتاب السنن یا کتاب التفسیر میں ثقہ رواۃ سے روایت کا التزام نہیں کیا۔ اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ نوح بن دراج کذاب وغیر ثقہ، متروک وساقط الاعتبار اور ناپسندیدہ راوی ہے۔ جیسا کہ آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

امام یحییٰ بن معین نے کہا:

"نوح بن دراج كذاب خبيث قضى سنين وهو أعمى، وفي رواية: قال ابن معين: نوح بن دراج كذاب خبيث قضى سنتين وهو أعمى، وقال العباس: سئل يحيى عن نوح فقال: لم يكن يدري ما الحديث، ولا يحسن شيئا، وكان عنده حديث غريب عن ابن شبرمة، ولم يكن ثقة، وكان أسد بن عمرو أوثق منه، وكان يقضي وهو أعمى ثلاث سنين، وكان لا يخبر الناس أنه أعمى من خبثه."[3]

---

[1] تهذيب التهذيب (١٠/ ٤٨٣، ٤٨٤)　[2] تقريب التهذيب.

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاريخ ابن معين (ج: ٢، ترجمه نوح بن دراج) أخبار القضاة لوكيع (٢/ ١٨٢، ١٨٣) خطيب (١٣/ ٣١٧) تهذيب التهذيب (١٠/ ٤٤٢، ٤٤٣) وميزان الاعتدال وكتاب المعرفة والتاريخ للفسوي (٣/ ٥٦)

''نوح بن دراج کذاب وخبیث آدمی تھا۔ دو، تین سال یا کئی سال تک یہ شخص اندھا ہو جانے کے بعد بھی عہدہ قضا پر قائم رہا، اپنی خباثت کی بنا پر یہ شخص لوگوں کو بتلاتا ہی نہیں تھا کہ اندھا ہو چکا ہے، یہ شخص یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ حدیث کیا چیز ہے؟ بلکہ کوئی بھی علم یہ ٹھیک سے نہیں جانتا تھا۔ ابن شبرمہ سے یہ شخص ایک غریب حدیث نقل کرتا تھا اور غیر ثقہ تھا، اسد بن عمرو اس کے بالمقابل کہیں زیادہ ثقہ تھا۔''

معلوم ہوا کہ امام ابن معین نے نوح بن دراج کو کذب وخبیث وغیر ثقہ قرار دینے کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ یہ شخص علم حدیث سے کچھ بھی واقف وآشنا نہیں تھا پھر بھی مصنف انوار نے معلوم نہیں کس بنیاد پر اس کذاب وناآشنائے علم حدیث کو محدث فقیہ قرار دے کر فرضی چہل رکنی مجلس تدوین کا شریک کار بنالیا ہے؟ اگر اسی قسم کے ناآشنائے فن حدیث اور کذاب وخبیث لوگوں نے فقہ حنفی کی تدوین کی ہے تو اس فقہ کی مدح سرائی وپیروی کو اپنا دین وایمان قرار دے لینے والے مصنف انوار کی جسارت قابل داد ہے۔

نوح بن دراج جیسے کذاب وخبیث کو کذاب قرار دینے میں امام ابن معین متفرد نہیں ہیں بلکہ امام ابوداود نے بھی موصوف کو کذاب اور وضاع کہا ہے۔[1] نوح کو جب قاضی بنایا گیا تو ایک شاعر نے یہ مضمون منظوم کیا کہ اب قیامت قریب آگئی ہے۔[2] کذاب وخبیث اور وضاع کے قاضی بنائے جانے پر یہ تبصرہ بیجا بھی نہیں ہے۔

ابن مدینی، بخاری، جوزجانی، نسائی، ابوحاتم محمد بن ادریس، ابن حبان، دارقطنی، زکریا ساجی، یعقوب فسوی، حاکم اور ابونعیم وغیرہم نے موصوف نوح کو مجروح وساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔[3] دریں صورت موصوف کا فرضی مجلس تدوین کا رکن ہونا مصنف انوار کے لیے کس قدر مفید وفرحت بخش ہے؟ بعض اہل علم نے نوح کی کسی حد تک توثیق کی ہے مگر یہ معلوم ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نوح قاضی ابن ابی لیلیٰ وابن شبرمہ کے ساتھ ربط وتعلق رکھتے تھے۔ اخبار القضاۃ لوکیع (۳/۱۸۲) میں صراحت ہے کہ "کان یمیل إلی قول ابن أبي لیلی" نوح موصوف مذہب ابن ابی لیلیٰ کی طرف میلان رکھتے تھے۔ نیز امام احمد بن عبداللہ عجلی نے کہا:

"نوح بن دراج ضعیف الحدیث، وکان له فقه، وکان أبوه بقالا بالکوفة، وکان نوح ولي القضاء، حکم ابن شبرمة بحکم فرده نوح، وکان من أصحابه فرجع إلی قوله، فقال ابن شبرمة:

کادت تزل به من حالق قدم لولا تدارکها نوح بن دراج[4]

''نوح بن دراج ضعیف الحدیث ہے اسے فقہ کا علم تھا، اس کا باپ بقال (سبزی فروش) تھا، نوح قاضی تھا، قاضی ابن شبرمہ کے ایک عدالتی فیصلے کو نوح نے رد کر دیا تھا اور نوح، ابن شبرمہ کے اصحاب میں سے تھا، پھر بھی ابن شبرمہ نے نوح کی بات مان لی اور ایک شعر کہا، جس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ میں عدالتی فیصلے میں پھسل گیا ہوتا اگر نوح نے میرا ہاتھ نہ تھاما ہوتا۔''[5]

اس روایت کا مفاد ہے کہ نوح بن دراج قاضی عبداللہ بن شبرمہ کے اصحاب یعنی تلامذہ یا ہم مذہب میں سے تھے جو

---

[1] تهذیب التهذیب (۱۱/ ٤٨٤)
[2] أخبار القضاة (۳/ ۱۸۲) وخطیب (۱۳/ ۱۱٦)
[3] تهذیب التهذیب ومیزان الاعتدال.
[4] خطیب (۱۳/ ۳۱٦) و أخبار القضاة (۳/ ۱۸۲)
[5] نیز ملاحظہ ہو: تهذیب التهذیب (۱۰/ ٤٨٢)

مذہب محدثین کے پیرو تھے۔ دریں صورت نوح بن دراج کو مذہب حنفی کے پیرو ہونے کے بجائے مذہب ابن شبرمہ ومذہب ابن لیلیٰ کا پیرو کیوں نہ کہا جائے؟ نوح حائک یعنی جولاہا تھے اور نبطی الاصل بھی۔[1]

یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ امام صاحب بھی نبطی الاصل تھے اور کتب مناقب کے مطابق امام صاحب حائک بھی تھے اور حائک ونبطی کی بابت متعدد مکذوبہ روایات میں مذمت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں حتی کہ امام صاحب کی طرف منسوب وصیت میں کہا گیا ہے کہ اپنا سامان جولاہوں کے پاس مت رکھو کیونکہ وہ غیر ثقہ ہیں۔ (کما مر) کیا مجلس تدوین کے رکن نوح اس لائق نہیں تھے کہ جولاہا ہونے کے سبب ان کے پاس سامان رکھا جائے یا یہ کہ امام صاحب کا بھی یہی حال تھا؟

نوح بن دراج پر حسن بن زیاد لؤلؤی کی تنقید:

مشہور حنفی امام محمد بن بسطام سہمی (جواہر المضیہ ۲/ ۴۷) نے بیان کیا:

''میں اور حسن بن زیاد لؤلؤی امام زفر کے ہاں جایا کرتے تھے، ایک دن حسن بن زیاد لؤلؤی نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک تیز رو اچھے گھوڑے پر سوار تھا کہ یک بیک ایک قبیح المنظر بدصورت گدھے پر سوار ہو گیا، اہل علم سے خواب کی تعبیر پوچھنے پر معلوم ہوا کہ تم فی الوقت ایک فقیہ نبیل سے ربط وضبط اور تعلق رکھتے ہو جو عنقریب وفات پا جائیں گے، ان کے بعد تم ایک ''رجل دني'' یعنی کمینہ وکم ظرف وخسیس آدمی کے چکر میں پھنس جاؤ گے، چنانچہ اس تعبیر کے عین مطابق اس خواب کے جلد ہی بعد امام زفر کا انتقال ہو گیا اور اس کے فوراً بعد ہمارا ربط وتعلق نوح بن دراج سے قائم ہوا، اس صورت حال پر بطور تبصرہ حسن بن لؤلؤی نے کہا کہ یہ خواب اور اس کی تعبیر کتنی صحیح اور سچی اور درست نکلی۔[2] وقال جعفر بن أبان: قال ابن معين: نوح بن دراج كذاب.[3] ابن معین نے کہا کہ نوح بن دراج کذاب ہے۔''

مندرجہ بالا روایت کا واضح مفاد یہ ہے کہ چہل رکنی مجلس تدوین کے ایک رکن رکین نے اس مجلس کے دوسرے رکن رکین کو ''رجل دنی'' کمینہ آدمی قرار دیا۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسن بن زیاد لؤلؤی امام زفر کے انتقال کے بعد یعنی ۱۵۸ھ کے بعد بھی درسگاہِ نوح بن دراج میں زیر تعلیم وتربیت تھے، مصنف انوار اکاذیب کو بکثرت دلیل وحجت بنانے کے باوجود روایت مذکورہ سے استدلال کر کے یہ کیوں نہیں فرماتے کہ رکن مجلس تدوین حسن بن زیاد وفاتِ امام صاحب کے زمانہ بعد بھی ایک طالب علم تھے؟

ناظرین کرام اس تفصیل سے سمجھ سکتے ہیں کہ مصنف انوار کا یہ دعوی کتنا وزن رکھتا ہے کہ ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین قائم کرنے سے پہلے امام صاحب مسند نشین درس ہو کر جب درس وتدریس کا کام کرنے لگے تو ان کے پاس ایک ہزار یا ہزاروں طلبہ پڑھنے آئے، ان میں چالیس افراد وہ بھی تھے جو جمیع علوم وفنون میں ماہر ہونے کے سبب اراکین مجلس تدوین منتخب کیے جانے کے لائق تھے۔ ان چالیس افراد میں ایک لؤلؤی مذکور بھی تھے۔ بھلا جو شخص ۱۵۸ھ کے بعد بھی زیر تعلیم ہو وہ ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین قائم ہونے سے پہلے جمیع علوم وفنون میں کیونکر ماہر ومجتہد بن گیا ہو گا؟

---

[1] خطيب (١٣/ ٣١٦) وجواهر المضية (٢/ ٢٠٣)

[2] ملاحظہ ہو: تاریخ خطیب بغدادی (١٣/ ٣١٨ ترجمه نوح بن دراج)

[3] المجروحين لابن حبان (٣/ ١٩)

نوح بن دراج کے رکن مجلس تدوین ہونے پر معارضہ:

حافظ خطیب نے ترجمہ نوح بن دراج میں کہا:

”وأخذ الفقه عن أبي حنيفة وزفر.“[1] یعنی نوح بن دراج نے امام ابوحنیفہ وزفر سے علم فقہ حاصل کیا۔

مصنف جواہر المضیہ قرشی نے کہا ہے کہ ”تفقه بزفر.“[2] یعنی نوح مذکور نے علم فقہ امام زفر سے پڑھا۔“

قرشی کے مذکورہ بالا بیان کے پیش نظر اگر فرض کیجیے کہ امام زفر بیس اکیس سال کی عمر میں درسگاہ قائم کر کے پڑھانے لگے تھے تو ماننا ہوگا کہ نوح درسگاہِ زفر میں واقدی کے بتلائے ہوئے سال ولادتِ زفر کے مطابق ۱۳۶/ ۱۳۷ھ میں طالب علم کی حیثیت سے پڑھنے کے لیے داخل ہوئے اور مصنف انوار کے مطابق بحیثیت طالب علم ۱۳۰/ ۱۳۱ھ میں داخل ہوئے۔ دریں صورت مصنف انوار کا یہ دعوی باطل ہو گیا کہ ۱۲۰ھ یا اس سے پہلے جب چالیس اراکین پر مشتمل مجلس تدوین قائم ہوئی تو ان چالیس اراکین میں سے نوح بھی ایک تھے جو مشہور فقیہ، محدث ومجتہد کی حیثیت سے رکن مجلس منتخب ہوئے کیونکہ جو شخص ۱۳۰/ ۱۳۱ھ میں محض ایک معمولی طالب علم ہوگا وہ ۱۲۰ھ میں یا اس سے پہلے بحیثیت مجتہد وفقیہ رکن مجلس ہرگز منتخب نہیں کیا جا سکتا۔ پھر امام صاحب کی وفات ۱۵۰ھ سے پہلے مجلس تدوین کے کسی رکن کو مشاغل تدوین فقہ سے فرصت کہاں تھی کہ وہ علیحدہ سے درسگاہ قائم کر کے طلبہ کو پڑھائے بھی؟ جبکہ مصنف انوار کا پروپیگنڈہ یہ ہے کہ مجلس تدوین کے اراکین امام صاحب کی سرپرستی میں مسلسل تیس سال بڑی محنت میں مشغول رہ کر تدوین کا کام کرتے رہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ بدعوی مصنف انوار امام صاحب کی زندگی میں امام زفر سے سترہ سال بڑے امام ابو یوسف نے مستقل اپنی درسگا قائم کر لی تو امام صاحب نے حکمت عملی سے کام لے کر انھیں اپنی درسگاہ میں واپس آنے پر مجبور کر دیا اور پھر وہ طالب علم کی حیثیت سے پڑھنے لگے۔ جب امام صاحب نے امام ابو یوسف کے درسگاہ قائم کرنے کو گوارا نہیں کیا تو زفر کو درسگاہ قائم کرنے کی کیسے اجازت دے سکتے تھے؟ کیونکہ زفر بدعوی مصنف انوار امام ابو یوسف سے سترہ سال چھوٹے تھے؟ یہاں پر غور طلب بات یہ ہے کہ امام زفر بذات خود کب سے کب تک ایک طالب علم کی حیثیت سے درسگاہِ ابی حنیفہ میں زیر تعلیم رہے جس کے بعد مسند نشین درس ہوئے تو ان سے نوح مذکور نے بھی پڑھا؟ بقول مصنف انوار جب امام زفر ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے تو بھلا کس عمر میں وہ خود پڑھنے کے لیے درسگاہِ ابی حنیفہ میں آئے ہوں گے جبکہ ان کی ولادت بدعوی مصنف انوار اصبہان میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم آدمی اپنے والدین کے ساتھ رہ کر حاصل کرتا ہے؟

۱۸۔ امام ہشیم بن بشیر سلمی واسطی (مولود ۱۰۴/ ۱۰۵ ومتوفی ۱۸۳ھ):

مصنف انوار نے کہا:

”امام ہشیم بن بشیر السلمی الواسطی (متوفی ۱۸۳ھ) رجال صحاح ستہ میں سے محدث وفقیہ نیز امام اعظم کے اصحاب وشرکاءِ تدوین فقہ سے تھے، امام مالک نے فرمایا کہ اہل عراق میں سے ہشیم حدیث کے بہت اچھے جاننے والے ہیں۔ حماد بن زید نے فرمایا کہ محدثین میں ان سے اونچے مرتبہ کا میں نے نہیں دیکھا۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول

---

[1] خطیب (۱۳/ ۳۱۵)　[2] جواهر المضية (۲/ ۲۰۲)

ہے کہ ہشیم سفیان ثوری سے زیادہ حافظ حدیث ہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ ہشیم کی نماز، صدق وامانت کا پوچھنا ہی کیا، امام احمد نے فرمایا کہ ہشیم کثیر التسبیح تھے۔ میں چار پانچ سال ان کی خدمت میں رہا ان کے رعب وہیبت کی وجہ سے صرف دو مرتبہ سوال کر سکا۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ چہل رکنی مجلس تدوین اور اس کے تیس سالہ کارنامہ تدوین کی فرضی واختراعی داستان مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کے توہمات واضغاث احلام کے اجزائے ترکیبی سے ظہور پذیر ہوئی ہے۔ ورنہ اس مجلس اور اس کے تیس سالہ کارنامہ تدوین کا کوئی حقیقی ومعنوی وجود نہیں تھا مگر اس فرضی چہل رکنی مجلس کی اختراعی داستان میں امام ہشیم کو رکن مجلس تدوین کے طور پر ذکر کرنا مصنف انوار کا خصوصی اختراعی کارنامہ ہے کیونکہ تراجم احناف پر مشتمل عام متداول ومشہور کتابوں مثلاً جواہر المضیہ، تاج التراجم، طبقات کفوی، فوائد البہیہ اور حدائق الحنفیہ وغیرہ میں موصوف امام ہشیم کو حنفی المذہب بھی نہیں کہا گیا ہے، چہ جائیکہ موصوف کو رکن مجلس تدوین کہا گیا ہو!!

امام ہشیم سے متعلق مذکورہ بالا جو بیان ہم نے مقدمہ انوار الباری سے نقل کیا ہے اسے مصنف انوار نے اپنے ہی جیسے مقلد مولانا یوسف کاندھلوی کی کتاب "اَمانی الاحبار" کے حوالے سے لکھا ہے۔ ناظرین کرام سمجھتے ہوں گے کہ اَمانی الاحبار میں امام ہشیم کو مفروضہ وافسانوی چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن کہا گیا ہوگا مگر ناظرین کرام پر واضح رہے کہ یہ بات اَمانی الاحبار میں مذکور نہیں ہے بلکہ اسے بھی مصنف انوار نے اختراع کر کے اَمانی الاحبار کی طرف اپنی عادت کے مطابق منسوب کر دیا ہے۔

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کے متضاد بیانات میں سے ایک بیان کا حاصل یہ ہے کہ مجلس تدوین ۱۲۰ھ میں قائم ہوئی تھی اور اس کے زمانہ قیام سے لے کر تیس سال تک مسلسل یعنی ۱۵۰ھ تک اس کے چہل ارکان امام صاحب کے ساتھ کوفہ میں رہ کر تدوین فقہ کا کام کرتے رہے یعنی مجلس تدوین کا ہر رکن ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک کوفہ میں مقیم رہ کر امام صاحب کے ساتھ کارنامہ تدوین فقہ انجام دینے میں مصروف رہا اور یہ معلوم ہے کہ امام ہشیم بقول خویش ۱۰۴ھ میں کوفہ سے بہت دور اپنے آبائی وطن واسط میں پیدا ہوئے تھے بلکہ امام ہشیم کے صاحبزادے سعید بن ہشیم کا کہنا ہے کہ میرے والد ہشیم ۱۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔[2] اس اعتبار سے قیامِ مجلس تدوین کے وقت امام ہشیم کی عمر پندرہ سال ہوگی۔ دریں صورت مصنف انوار کے خالص علمی، دینی وتحقیقی نقطہ نظر سے وہ کون سا ثبوت موجود ہے جس سے ثابت ہے کہ امام ہشیم پندرہ سال سولہ کی عمر میں امام صاحب کی تعلیم وتربیت کی برکت سے مشہور ومعروف محدث وفقیہ اور مجتہد بن کر رکن مجلس تدوین مقرر کیے گئے؟ نیز اس کا کون سا ثبوت مصنف انوار کے پاس ہے کہ امام ہشیم محدث ومجتہد بن کر ۱۲۰ھ سے کر ۱۵۰ھ تک امام صاحب کے شہر کوفہ میں مسلسل تیس سال قیام پذیر رہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ امام ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق حربی (متوفی ۲۸۵ھ) نے کہا کہ ابتدائی زندگی میں امام ہشیم جب تحصیل علم حدیث کرتے تھے تو ان کے باپ بشیر بن ابی حازم قاسم انھیں پڑھنے سے روکتے تھے مگر موصوف ہشیم اس کے باوجود پڑھتے رہے حتی کہ قاضی واسط ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان سے مناظرہ کرنے لگے، دریں اثناء موصوف ہشیم ایک بار بیمار ہو گئے تو قاضی

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۰، بحوالہ أماني الأحبار: ۱/ ۳۸)

[2] تہذیب التہذیب (۱۱/ ۶۲) ومعجم البلدان (۸/ ۳۷۸ تا ۳۸۷) تاریخ خطیب وغیرہ.

ابوشیبہ ان کی عیادت کو آئے اس وقت ابوشیبہ نے ہشیم کو "فتی" کہا تھا۔یعنی ہشیم اس وقت نوجوان تھے۔اس کے بعد والد ہشیم نے ہشیم کو تحصیل علم کی اجازت دی۔[1]

اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ موصوف ہشیم ابھی خاصی عمر ہو جانے تک اپنے وطن واسط میں اپنے والد سے چھپ کر علمائے واسط سے پڑھا کرتے تھے، اس کے بعد ہی والد ہشیم نے موصوف کو تحصیل علم کی اجازت دی۔ظاہر ہے کہ والد کی اجازت کے بعد ہی موصوف اپنے وطن واسط سے دوسرے شہروں اور مقامات کی طرف تحصیل علم کے لیے سفر پر نکلے ہوں گے۔فرض کیجیے کہ قاضی ابوشیبہ کی عیادتِ ہشیم کا واقعہ ہشیم کی سولہ وسترہ سال کی عمر میں پیش آیا جس کے کچھ دنوں بعد ہی موصوف یعنی ۱۲۱/۱۲۲ھ میں اپنے وطن سے باہر تحصیل علم کے لیے گئے ہوں گے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ موصوف ہشیم ۱۲۳/۱۲۴ھ میں تحصیل علم کے لیے مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے۔[2] موصوف ہشیم بقول حافظ خطیب قدیم ایام سے اپنے شہر واسط سے بغداد آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے، ظاہر ہے کہ شہر بغداد کی آبادکاری ۱۴۴/ ۱۴۵ھ کے بعد موصوف بغداد میں آباد ہوئے مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ موصوف نے کوفہ کو کبھی اپنی سکونت گاہ بنایا ہو حالانکہ مجلس تدوین کے ہر رکن کے لیے ضروری تھا کہ وہ کم ازکم مجلس تدوین کے زمانہ وجود تک یعنی ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک کوفہ میں مستقل طور پر مقیم رہے۔مگر امام ہشیم کے بارے میں اس امر کا بھی ثبوت نہیں ہے کہ وہ کوفہ میں مستقل طور پر مسلسل ایک دو سال بھی مقیم رہے ہوں البتہ تحصیل کے لیے وہ دو چار ماہ کوفہ میں ضرور رہے ہوں گے۔دریں صورت ان کے بارے میں اتنا لمبا چوڑا دعوی کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ وہ مستقل طور پر تیس سال تک مجلس تدوین کے رکن کی حیثیت سے اس حنفی فقہ کی تدوین کرتے رہے جس کے بہت سے اراکین مشہور عالم کذابین ووضاعین تھے اور اس فقہ کی تدوین وترویج سے اس کے واضع امام ابوحنیفہ نے بعد میں منع بھی کر دیا تھا؟

امام ہشیم اگر ایک دو روایت کرنے میں امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہو گئے تو اس سے ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ حنفی المسلک اور مجلس تدوین کے رکن بن گئے تھے۔آخر امام مالک بھی بدعوی مصنف انوار امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے مگر انھیں نہ تو مصنف انوار حنفی کہتے ہیں اور نہ مجلس تدوین کا رکن۔اسی طرح بدعوی مصنف انوار امام احمد بن حنبل ابویوسف ومحمد کے شاگرد تھے مگر کوئی بھی شخص امام احمد بن حنبل کو حنفی نہیں مانتا۔پھر محض امام ابوحنیفہ کا شاگرد ہونے کے سبب امام ہشیم کو حنفی اور مجلس تدوین فقہ حنفی کا رکن کیونکر فرض کر لیا گیا؟

یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ سعید بن منصور کو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہدایت کی گئی تھی کہ ابویوسف کو متروک قرار دے کر ہشیم کو لازم پکڑو، اس سے امام ابویوسف اور ان کی تدوین کردہ فقہ حنفی کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔نیز یہ بیان ہو چکا ہے کہ جس زمانے میں محمد بن صباح درسگاہِ ہشیم میں پڑھتے تھے اس زمانے میں موصوف محمد بن صباح سے کسی نے کوئی علمی سوال کیا مگر محمد بن صباح ٹھیک سے اس کا جواب نہیں دے سکے اس کے بعد موصوف محمد بن صباح درسگاہِ ہشیم چھوڑ کر درسگاہِ ابی یوسف میں پڑھنے لگے۔[3] ظاہر ہے کہ اس میں محمد بن صباح سے غلطی ہوئی۔یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام صاحب کے بہت سارے علمی جوابات کو حماد نے غلط قرار دیا پھر بھی امام صاحب درسگاہِ حماد میں تاوفاتِ حماد پڑھتے رہے۔

---

[1] خطیب (١٤/ ٨٧)　[2] سير أعلام النبلاء وعام كتب رجال.　[3] ثقات ابن حبان (٧/ ٦٤٦)

۱۹۔ امام ابوسعید یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ (مولود۱۲۰/ ۱۲۱ھ ومتوفی ۱۸۳/۱۸۴ھ):

مصنف انوار نے کہا:

''امام طحاوی نے کہا کہ یحییٰ بن زکریا امام اعظم کے ان چالیس اصحاب میں سے تھے جو تدوین کتب فقہ میں مشغول تھے اور تیس سال تک وہ ہی مسائل مدونہ کو لکھتے رہے بلکہ ان میں بھی عشرہ متقدمین میں ان کا شمار کیا گیا ہے۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ مجلس تدوین کے عشرہ متقدمین میں شمار کیے جانے والے یحییٰ بتصریح اہل علم ۱۸۳/۱۸۴ھ میں بعمر ترسٹھ سال فوت ہوئے۔[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ موصوف ۱۲۰/ ۱۲۱ھ میں پیدا ہوئے، پھر ان کے بارے میں اس دعوی کے باطل ہونے میں کس کو شک ہوسکتا ہے کہ یحییٰ موصوف ۱۲۰ھ یا اس سے پہلے قائم ہونے والی مجلس کی تاسیس کے وقت سے لے کر تیس سال تک مسلسل تدوین فقہ کا کام کرتے رہے بلکہ یہی حضرت مسائل مدونہ کو ضبط تحریر میں لاتے رہے؟ اگر مصنف انوار جیسے چودھویں صدی کے محققین کے اس انکشاف کو درست مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ موصوف امام یحییٰ اپنی ولادت سے پہلے ہی مجلس تدوین کے فرائض انجام دینے لگے تھے۔لطف کی بات یہ کہ چودھویں صدی کے ان محقق صاحب نے بحوالہ حدائق الحنفیہ لکھا ہے کہ امام یحییٰ ۱۸۴ھ میں بعمر ۹۳ سال فوت ہوئے۔[3]

اس کا مفاد یہ ہے کہ موصوف ۹۳ھ میں پیدا ہوئے مگر ناظرین کو حیرت ہوگی کہ مصنف انوار وحدائق الحنفیہ کی لکھی ہوئی یہ بات قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ کتب تراجم ورجال میں یہ بات موجود نہیں ہے کہ یحییٰ کا انتقال بعمر ۹۳ سال ۱۸۴ھ میں ہوا بلکہ مصنف انوار کی معتمد علیہ کتاب جواہر المضیہ (۲۱۲/۲) میں ہے کہ ''مات بالمدينة قاضيا لها ١٩٢، ١٩٣، ١٩٨هـ وهو ابن ثلاث وستين''

موصوف ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۸ھ میں تریسٹھ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ موصوف کی ولادت ۱۲۹، ۱۳۰ھ بلکہ اس کے بعد بھی ۱۳۵ھ میں ہوئی مگر افسوس کہ ان دونوں مقلدوں نے نہ جانے کس سازش کے تحت ایسی سخن سازی کی جس سے لازم آئے کہ موصوف ۹۳ھ میں پیدا ہوئے، ممکن ہے کہ دونوں مقلدوں نے خطیب (۱۴/ ۱۱۵) کی ایک عبارت کا مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہو۔جس کے الفاظ یہ ہیں:

''ثم انتهى علم هولاء إلى يحيى بن سعيد ويكنى أبا سعيد مولى بني تميم ومات في صفر ١٩٨هـ وإلى يحيى بن زكريا ويكنى أبا سعيد مولى الهمدانيين ومات ١٨٢هـ .''

''ایک یحییٰ بن سعید مولی تمیم ہیں جن کا انتقال ۱۹۸ھ میں ہوا مگر یحییٰ بن زکریا ہمدانیوں کے مولی ہیں۔ان کا انتقال ۱۸۳ھ میں ہوا۔''

آگے چل کر خطیب نے نقل کیا ہے کہ کئی اہل علم نے کہا کہ موصوف امام یحییٰ بن زکریا کا انتقال ۱۸۳/۱۸۴ھ میں بعمر تریسٹھ سال ہوا۔[4] بہرحال امام یحییٰ کے حنفی ہونے کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے چہ جائیکہ مجلس تدوین کا رکن ہونے کا ثبوت ہو!

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۴)　[2] خطیب، تهذيب وتذكرة الحفاظ.

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۱)　[4] (۱۴/ ۱۱۸، ۱۱۹)

طحاوی کے حوالے سے مصنف انوار نے جو بات کہی ہے اس کی تکذیب گزشتہ صفحات میں کی جا چکی ہے، معمولی عقل وفہم کا آدمی بھی بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ۱۲۰/ ۱۲۱ھ میں پیدا ہونے والے شخص کے بارے میں مصنف انوار کا یہ دعوی کیا معنی رکھتا ہے کہ ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین قائم کرنے سے پہلے امام صاحب مسند نشین درس ہوئے تو ان کے پاس پڑھنے کے لیے آنے والوں میں جو چالیس افراد جمیع علوم کے ماہر ومجتہد ہو کر اراکین مجلس تدوین منتخب کیے جانے کے لائق تھے ان میں امام یحییٰ بن زکریا مذکور بھی موجود تھے بلکہ ان چالیس افراد میں موصوف عشرہ متقدمین میں سے تھے؟ مصنف انوار نے کہا کہ ''خلیفہ ہارون رشید نے آپ کو (یحییٰ مذکور) مدینہ کا قاضی مقرر کیا۔'' لیکن امام صاحب نے بقول مصنف انوار قاضی ہونا گوارا نہیں کیا اس کے بالمقابل جان دینی گوارا کر لی۔

مصنف انوار نے یہ دعوی کر رکھا ہے:

''صالح بن سہل کا قول ہے کہ یحییٰ بن زکریا اپنے زمانے کے سب سے بڑے حافظ حدیث تھے جن کو امام اعظم کی مجالس میں بکثرت حاضری کا شرف اور دین وورع کا امتیاز حاصل تھا۔''❶

مصنف انوار کے اس بیان یا دعوی پر ہماری عرض یہ ہے کہ یہ دعوی خالص علمی ودینی وتحقیقی نقطہ نظر سے کس دلیل معتبر پر قائم ہونے کے سبب اس فرقہ کے پھیلائے ہوئے اکاذیب میں شمار کیے جانے کے لائق نہیں ہے جس کی بابت مصنف انوار کا ارشاد ہے کہ یہ فرقہ جھوٹ کو کار خیر وثواب سمجھ کر پھیلاتا تھا؟ اس میں شک نہیں کہ مصنف انوار کا دعوی مذکورہ غیر مستند، غیر معتبر اور کذوب ہے۔

صیمری نے کہا:

''أخبرنا أحمد بن محمد الصيرفي قال: حدثنا علي بن عمرو قال: حدثنا ابن كاس النخعي عن أبيه قال: حدثني صالح بن سهيل قال: كان يحيى بن زكريا بن أبي زائدة أحفظ أهل زمانه للحديث، وأفقههم مع مجالسة كثيرة لأبي حنيفة وابن أبي ليلى ودين وورع.''❷

''صالح بن سہیل نے کہا کہ یحییٰ بن زکریا اپنے زمانے میں سب سے زیادہ حافظ حدیث وفقیہ تھے اور امام ابوحنیفہ وقاضی ابن ابی لیلیٰ کے ساتھ بکثرت بیٹھنے والے تھے اور دیندار ومتقی آدمی تھے۔''

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ روایت مذکورہ میں امام یحییٰ کو جس طرح امام صاحب کے ساتھ بکثرت بیٹھنے والا کہا گیا ہے اسی طرح امام صاحب کے حریف قاضی ابن ابی لیلیٰ کے ساتھ بھی بکثرت بیٹھنے والا کہا گیا ہے، اس روایت کے اس جز کو مصنف انوار نے اپنی معروف چالاکی سے کام لے کر ذکر نہیں کیا۔ اس روایت سے اگر امام یحییٰ کے حنفی المسلک ہونے پر استدلال کیا جا سکتا ہے تو ابن ابی لیلیٰ کے مسلک کا انھیں پیرو کیوں نہ کہا جائے؟ علاوہ ازیں اس بات کے کہنے والے صالح بن سہیل ابواحمد الکوفی نخعی امام یحییٰ کے مولی تھے، ان کی بالصراحت توثیق منقول نہیں ہے، حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں موصوف کو ''مقبول'' کہا ہے جس کا مطلب ہے کہ بلا متابع ان کی روایت معتبر نہیں اور موصوف کی اس روایت کا کوئی بھی متابع نظر نہیں

---

❶ مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۱)　❷ أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۱۵۰)

آ تا۔ نیز صالح بن سہیل سے روایت مذکورہ کا ناقل والد علی بن محمد بن حسن بن کاس نخعی کو ظاہر کیا گیا مگر والد علی بن محمد یعنی محمد بن حسن نخعی کا ذکر کتب رجال میں ہم کو نہیں ملا یعنی موصوف مجہول ہیں۔ حاصل یہ کہ روایت مذکورہ ساقط ہے۔ اس کا مفاد زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ امام یحییٰ امام صاحب کے ساتھ اسی طرح بیٹھا کرتے تھے جس طرح قاضی ابن ابی لیلیٰ کے ساتھ۔

مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ ''امام اعظم کے پوتے اسماعیل نے فرمایا کہ یحییٰ بن زکریا حدیث میں ایسے تھے جیسے عطر میں بسی ہوئی دلہن۔''[1] تو مصنف انوار نے اپنے اس بیان کی سند نہیں پیش کی، البتہ اسماعیل کا غیر ثقہ وغیر معتبر ہونا معلوم ہو چکا ہے، اسماعیل جیسے غیر ثقہ شخص کے قول کو بطور حجت پیش کرنے والے مصنف انوار ان سے مروی اس قول کو حجت نہیں مانتے کہ امام صاحب اور ان کے بیٹے حماد اور وہ بذات خود عقیدہ خلق قرآن کے معتقد تھے، نیز انھیں اسماعیل سے مروی ہے کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے مگر مصنف انوار اس کے بالکل خلاف فرماتے ہیں کہ امام صاحب اس سے دس سال پہلے ۷۰ھ ہی میں پیدا ہو گئے تھے، جہاں تک امام یحییٰ کے محدث و حافظ اور صاحب علم وفضل ہونے کا معاملہ ہے وہ مسلم ہے مگر اسماعیل جب بذات خود غیر ثقہ ہیں تو ان کی طرف نامعلوم سند سے منسوب قول کو حجت بنانا پھر دعوی کرنا کہ ہم نے خالص علمی ودینی وتحقیقی نقطۂ نظر سے افراط وتفریط سے ہٹ کر صرف صحیح ومعتبر باتیں ہی لکھی ہیں کون سی دیانت داری ہے؟

۲۰۔ امام فضیل بن عیاض (مولود ۱۰۵/ ۱۰۶ھ ومتوفی ۱۸۷ھ):

مصنف انوار نے امام فضیل کو بھی تیس سالہ کارنامہ تدوین فقہ انجام دینے والی فرضی مجلس تدوین کا رکن قرار دیا ہے۔[2]

اور امام ابن سعد نے تصریح کی ہے:

”ولد بخراسان، وقدم الكوفة، وهو كبير، فسمع الحديث من منصور وغيره، ثم انتقل إلى مكة فنزلها.“[3]

''فضیل خراسان میں پیدا ہوئے اور بڑے ہوئے تو کوفہ آ کر موصوف نے منصور وغیرہ سے حدیث سنی، پھر مکہ جا کر سکونت پذیر ہو گئے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ کوفہ سے بہت دور سرزمین خراسان میں پیدا ہونے والے امام فضیل بڑی عمر میں کوفہ آئے اور تھوڑے دنوں موصوف نے وہاں سماع حدیث کیا پھر جا کر مکہ مکرمہ سکونت پذیر ہو گئے۔ حافظ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں امام فضیل کے زیر ترجمہ کہا ہے کہ موصوف فضیل باعتبار ولادت امام سفیان بن عیینہ کے ہم عمر ہیں اور کتب رجال میں یہ صراحت ہے کہ امام سفیان بن عیینہ ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے، اس اعتبار سے امام فضیل کا سال ولادت ۱۰۷ھ کے لگ بھگ متعین ہوتا ہے، سیر اعلام النبلاء میں یہ صراحت بھی ہے کہ بوقت وفات امام فضیل اسّی سال کی عمر سے متجاوز تھے، اس اعتبار سے موصوف عیاض کی ولادت ۱۰۶ھ کے لگ بھگ قرار پاتی ہے۔ الاعلام للزرکلی میں موصوف کا سالِ ولادت تخمیناً ۱۰۵ھ بتلایا گیا ہے۔

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۱)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۱)

[3] طبقات ابن سعد ترجمة فضيل، تهذيب التهذيب والنجوم الزاهره (۲/ ۱۲۱، ۱۲۲)

اس تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ موصوف فضیل بن عیاض ۱۰۵/ ۱۰۶ھ یا ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔

حافظ ابن حبان نے کہا:

"وكان مولده بسمرقند، وترعرع بأبيورد، ونشأ بالكوفة، وبها كتب الحديث، ثم انتقل إلى مكة وأقام بها مجاورا لبيت الحرام."[1]

''امام فضیل سمرقند میں پیدا ہوئے، خراسان کے شہر ابیورد میں جوان ہوئے، کوفہ میں پلے بڑھے اور کوفہ ہی میں موصوف نے حدیث لکھی پڑھی، پھر وہ مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے اور بیت اللہ میں رہنے لگے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ امام فضیل نے اپنی ولادت سے لے کر جوانی تک کوفہ سے باہر دوسرے ملک میں اپنی زندگی گزاری تھی اس کے بعد وہ کوفہ آئے تھے نیز یہ کہ موصوف نے کوفہ میں رہ کر علم حدیث حاصل کیا تھا نہ کہ فقہ ابی حنیفہ کا علم حاصل کیا۔ فقہ ابی حنیفہ کی بابت تو موصوف فضیل سے تنقید منقول ہے اور فقہ حنفی کے ناشر و تدوین کنندہ امام ابو یوسف کے جمع کردہ علوم کو موصوف فضیل نے علم نہیں مانا بلکہ ان علوم کو غیر علوم کے لفظ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ تذکرۂ ابی یوسف میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام فضیل نے کوفہ کو اپنا وطن نہیں بنایا تھا حالانکہ مجلس تدوین کے ہر رکن کے لیے ضروری تھا کہ کم از کم تیس سال تک مستقل طور پر کوفہ کو اپنا مسکن وموطن بنا کر رہتا۔ جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ فضیل بن عیاض کم از کم تیس سال تک کوفہ میں از ۱۲۰ھ تا ۱۵۰ھ مقیم ومتوطن رہے تب تک یہ دعوی کیسے درست ہوسکتا ہے کہ وہ اتنے زمانہ تک مجلس تدوین کے رکن رہ کر تدوین فقہ کرتے رہے؟

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ امام فضیل بن عیاض کی ابتدائی زندگی لوٹ کھسوٹ، ڈاکہ زنی میں گزری۔ وہ اپنی معشوقہ سے ملنے کی غرض سے دیوار پھلانگنے کے چکر میں تھے کہ قرآنی آیت ﴿ألم يأن للذين آمنوا...﴾ کسی کو پڑھتے ہوئے سن کر تائب ہو گئے۔ اگر فرض کیجیے کہ امام فضیل بیس سال کی عمر میں ڈاکہ زنی وعشق بازی سے تائب ہوئے اور سب سے پہلے شہر کوفہ میں آکر تحصیل علم میں مصروف ہوئے تو چونکہ ہماری پیش کردہ تفصیل کے مطابق موصوف فضیل کی ولادت ۱۰۵/ ۱۰۶ھ یا ۱۰۷ھ میں ہوئی اس لیے ماننا ہوگا کہ وہ ۱۲۵/ ۱۲۶ھ میں بحیثیت طالب علم تحصیل علوم کے لیے کوفہ کی علمی درسگاہوں میں داخل ہوئے، جو شخص ۱۲۵ھ میں کوفہ کے اساتذہ حدیث سے پڑھنا شروع کرے گا اس کے بارے میں یہ دعوی کیسے درست ہوسکتا ہے کہ وہ ۱۲۰ھ ہی سے مجلس تدوین فقہ کا رکن بن گیا تھا؟ خصوصاً ایسی صورت میں کہ موصوف امام فضیل تحصیل علم کے لیے کوفہ میں بہت تھوڑا عرصہ رہے، انھوں نے حرمین کو اپنا ماوی وملجا بنایا۔

فوائد البہیہ، تاج التراجم، طبقات کفوی میں فضیل کو بطور حنفی ذکر نہیں کیا گیا، شاید مصنف انوار اور ان جیسے حنفی مقلدین نے کہیں دیکھ لیا کہ صیمری نے فضیل کو تلامذہ امام ابوحنیفہ میں شمار کر لیا ہے لہٰذا انھوں نے اس چیز کو ان کے حنفی ہونے کی دلیل قرار دے لیا، حالانکہ محض امام صاحب کے ساتھ رشتہ تلمذ سے کسی کا حنفی ہونا لازم نہیں آتا، چہ جائیکہ اس کا رکن مجلس تدوین ہونا لازم آئے، یہ بات گزر چکی ہے کہ متعدد روایات سے ثابت ہے کہ امام فضیل اعمال کو داخل ایمان مانتے اور ایمان میں کمی بیشی کے

[1] ثقات ابن حبان (۷/ ۳۱۵)

قائل تھے اور اعمال کو داخل ایمان نہ ماننے والوں نیز ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ نہ رکھنے والوں کو مرجیہ کہہ کر سخت مطعون کرتے تھے، اور یہ بات اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ فضیل حنفی المذہب کے خلاف مذہب اہل حدیث کے پیرو تھے۔

امام فضیل کے خادم خاص مشہور ثقہ امام ابراہیم بن اشعث نے کہا:

"سمعت الفضيل يقول: لم يكن بين المشرق والمغرب ذكر بخير إلا عاب أبا حنيفة ومجلسه."[1]

''فضیل نے کہا کہ دنیا میں جو شخص بھی کسی خیر سے متصف ہے وہ امام صاحب پر تنقید و تجریح کرتا اور ان کی مجلس کو معیوب بتلاتا ہے۔''

امام فضیل کے خادم خاص امام ابراہیم بن اشعث کو امام حاکم نے تاریخ میں ثقہ کہا،[2] امام ابن حبان نے المجروحین مین داود بن حصین کے زیر ترجمہ کہا کہ "إبراهيم بن أشعث إمام من أهل بخارا، ثقة مأمون"موصوف ابراہیم ثقہ مامون ہیں۔[3] اپنے اس بیان میں ابراہیم کو ثقہ و مامون قرار دینے کے ساتھ امام ابن حبان نے موصوف کو بتصریح حافظ ابن حجر کتاب الثقات میں بھی ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ امام ابن حبان کی نظر میں موصوف ثقہ ہیں البتہ ان کے تعارف میں ابن حبان نے یہ بھی کہا ہے کہ "يغرب وينفرد فيخطئ ويخالف"[4] موصوف جب بعض روایات کی نقل میں منفرد و غریب (لفظ غریب بھی بسا اوقات متفرد کے معنی میں بطور مترادف آیا کرتا ہے) ہوتے ہیں تو ان سے غلطی سرزد ہو جاتی ہے نیز عام پختہ کار رواۃ کی مخالفت بھی صادر ہو جاتی ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ تفرد کی صورت میں موصوف سے غلطی سرزد ہو جایا کرتی ہے ورنہ وہ فی نفسہ ثقہ و مامون ہیں اتنی بات متعدد ثقات مشہورین میں پائی جاتی ہے، اس سے موصوف کی اصل ثقاہت زائل نہیں ہو سکتی۔ ان دونوں ائمہ جرح و تعدیل یعنی حاکم و ابن حبان کی توثیق کے بالمقابل امام ابو حاتم رازی سے موصوف پر جرح مبہم منقول ہے۔ چنانچہ امام ابو حاتم کے صاحبزادے نے کہا:

"سألت أبي عن إبراهيم بن الأشعث، وذكر له حديث، رواه عن معن عن ابن أخي الزهري، فقال: هذا حديث باطل موضوع، كنا نظن بإبراهيم بن الأشعث الخير فقد جاء بمثل هذا."[5]

''میں نے اپنے باپ ابو حاتم سے ابراہیم بن اشعث کی بابت پوچھا اور ان کے سامنے ابراہیم کی ایک حدیث کا بھی ذکر کیا جس کو موصوف نے بسند معن عن ابن أخي الزهري عن الزهري روایت کر رکھا ہے تو میرے باپ ابو حاتم نے فرمایا کہ حدیث مذکور باطل و موضوع ہے، ہم ابراہیم بن اشعث کے ساتھ حسن ظن رکھتے رہے مگر انھوں نے ایسی باطل و موضوع حدیث بیان کر ڈالی ہے۔''

امام ابو حاتم کے اس بیان سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ابراہیم کو بایں لفظ مطعون کیا ہے کہ ''ہم تو ان سے حسن ظن رکھتے تھے مگر موصوف نے مذکورہ بالا باطل و موضوع حدیث بیان کر ڈالی ہے۔'' لیکن ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ باطل و موضوع

---

[1] الكامل لابن عدي مخطوطه (٣/ ٧٩)
[2] لسان الميزان (١/ ٣٦)
[3] المجروحين (١/ ٢٨٦ ترجمة داود بن حصين)
[4] لسان الميزان (١/ ٣٦)
[5] الجرح والتعديل (١/ ٨٨، ق ١) وأشار إليه الحافظ في اللسان (١/ ٣٦) والذهبي في الميزان (١/ ١٠)

حدیث کوسند کے ساتھ بیان کرنا باعث قدح وجرح نہیں ہے بشرطیکہ بیان کنندہ بذات خود دوسرے اسباب جرح کے ساتھ مجروح نہ ہو، غیر مجروح ثقہ راوی کا کسی موضوع حدیث کوذکر سند کے ساتھ بیان کرنا فی الحقیقت راوی مذکور کے حق میں قادح نہیں ہے۔

نیز امام ابوحاتم نے ابراہیم کوجس حدیث کی روایت کے سبب مطعون کیا ہے اس کی جوسند ابراہیم نے بیان کی ہے یعنی معن عن ابن أخي الزهري عن الزهري اس کے راوی معن بن عیسی ثقہ ہیں مگر ان کے استاذ ابن أخي الزهري یعنی محمد بن عبداللہ بن مسلم مدنی زہری (متوفی ۱۵۷ھ) مجروح ہیں، امام بخاری نے نہایت قلیل مقدار میں بطور متابع ان کی بعض احادیث کوصحیح بخاری میں نقل کردیا جس کے سبب موصوف پراعتراض کیا گیا اور حافظ ابن حجر نے امام بخاری کی طرف سے مدافعت میں کہا کہ ابن اخی الزہری کی صرف تھوڑی سے احادیث صحیح بخاری میں ہیں جن کے متابع موجود ہیں۔[1] نیز یہ کہ صحیح بخاری میں موصوف کی صرف دواحادیث مذکور ہیں۔[2] یعنی متابع کے ساتھ۔ اس کا حاصل ہے کہ موصوف ابن اخی الزہری کی روایت بغیر متابع کے مقبول نہیں۔ ابن اخی الزہری پر متعدد اہل فن کا سخت کلام ہے بعض نے ان کی توثیق کی ہے۔ معتدل فیصلہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ موصوف کی بیان کردہ جن روایات میں خطا وصواب واضح نہیں انھیں قبول کرنے میں توقف کیا جائے اور جن کے متابع موجود ہیں انھیں قبول کیا جائے لیکن جن میں خطا واضح ہے انھیں مردود قرار دیا جائے۔ امام ساجی نے موصوف کی بابت فرمایا کہ "تفرد عن عمه بأحاديث لم يتابع عليها" امام محمد بن یحییٰ ذہلی نے کہا کہ "قد روي ابن أخي الزهري ثلاثة أحاديث لم نجد لها أصلا" ابن حبان نے کہا: "لايجوز الاحتجاج به إذا انفرد"[3] ان باتوں کا حاصل ہمارے نزدیک یہ ہے کہ بشرط متابع موصوف کی روایت مقبول ہے لیکن جن روایتوں میں وقوعِ خطا ظاہر ہے وہ غیر مقبول ہیں، پھر امام ابوحاتم کی موضوع وساقط قرار دی ہوئی روایت کوابن اخی الزہری کی غلطی کا نتیجہ کیوں نہ قرار دیا جائے؟

حسن بن عثمان سے مروی ہے کہ فضیل بن عیاض امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب پر تجریح وتنقید کرتے تھے۔[4] اس سے ابراہیم بن اشعث کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ علوم ابی حنیفہ کے ناشر اور مرتب امام ابویوسف کے علوم کو امام فضیل علم ہی نہیں شمار کرتے تھے۔

امام سفیان بن عیینہ نے امام فضیل کی توثیق ومدح کی ہے اوران سے موصوف روایت بھی کرتے ہیں۔[5] اور ہم بتلا چکے ہیں کہ امام سفیان بن عیینہ کسی حنفی المسلک شخص سے روایت کے روادار نہیں تھے چہ جائیکہ اس کی مدح وتوثیق کے روادار ہوں!

۲۱۔ امام اسد بن عمرو بن عامر بجلی کوفی (متوفی ۱۸۸/ ۱۸۹/ ۱۹۰ھ)

مصنف انوار نے کہا:

"امام اسد بن عمرو بجلی مشہور محدث وفقیہ اور امام صاحب کے ان چالیس فقہاء اوراصحاب میں سے تھے جو کتب قواعد وفقہ کی تدوین میں مشغول ہوئے بلکہ عشرہ متقدمین میں شمار کیے گئے، تیس سال تک انھوں نے بھی مسائل فقہ

---

[1] هدي الساري (۲/ ۲۰۸، ۲۰۹) [2] تهذيب التهذيب (۹/ ۲۸۰)

[3] تهذيب التهذيب (۹/ ۲۷۸۔ ۲۸۰) والمجروحين (۲/ ۲٤۸) وميزان الاعتدال.

[4] خطيب (۸/ ۱۵۲) [5] تهذيب التهذيب (۸/ ۲۹٤، ۲۹۵)

لکھے، امام صاحب کی خدمت میں طویل مدت تک رہے اور حدیث وفقہ میں تخصص حاصل کیا، سب سے پہلے امام صاحب کی کتابوں کے لکھنے والے یہی (یعنی اسد ہی) تھے۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیان اور دعوی کی حقیقت گزشتہ صفحات میں ہمارے پیش کردہ مباحث سے واضح ہو چکی ہے اس لیے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں یہ دعوی کر رکھا ہے کہ سب سے پہلے امام صاحب کی کتابوں کے لکھنے والے اسد ہیں مگر نوح بن ابی مریم کے تذکرہ میں موصوف نے کہا کہ علوم امام صاحب کے سب سے پہلے جامع نوح موصوف تھے۔ افسوس کہ مصنف انوار کو اتنا احساس وشعور بھی نہیں رہتا کہ وہ بڑی کثرت سے تضاد بیانی کرتے ہیں اور اس کے باوجود مدعی ہیں کہ وہ خالص علمی وتحقیقی اور دینی نقطہ نظر سے صحیح ومعتدل بات ہی لکھا کرتے ہیں، کیا متضاد باتوں کو خالص علمی وتحقیقی اور صحیح ومعتدل کہنا کسی ذی ہوش کا کام ہو سکتا ہے؟

مصنف انوار نے کہا:

"امام ابو یوسف کی وفات پر خلیفہ ہارون نے اسد کو بغداد اور واسط کی قضا سپرد کر دی اور اپنی بیٹی سے آپ کا عقد کر دیا۔"[2]

معلوم ہوتا ہے کہ بے سروپیر کی باتیں اڑانے اور اکاذیب کی اشاعت کو اپنا فریضہ زندگی بنا لینے کے لیے مصنف انوار نے بھاری مقدار میں ادھار کھا لیا ہے اور جذبہ اشاعتِ اکاذیب سے مغلوب ہونے کے سبب موصوف یہ سمجھنے کی ذرا بھی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ اپنے قلم سے کیا لکھ رہے ہیں؟

مصنف انوار نے امام ابو یوسف کا سال وفات ۱۸۲ھ بتلایا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ امام ابو یوسف ۱۸۲ھ میں فوت ہوئے، اس لیے مصنف انوار کی مذکورہ بالا تحریر کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۸۲ھ کے بعد خلیفہ ہارون نے اسد کو بغداد اور واسط کا قاضی بنایا اور ان کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی۔ اسد کا سال ولادت مصنف انوار نے نہیں بتلایا اور نہ تلاش بسیار کے باوجود ہم اس پر واقف ہو سکے ہیں، بہت ممکن ہے کہ اسد بھی مصنف انوار کے خانہ ساز اصول کے مطابق اپنی ولادت سے کچھ زمانہ پہلے مجتہد وفقیہ بن کر تاسیس مجلس تدوین کے وقت رکن مجلس منتخب ہوئے ہوں جیسا کہ امام محمد بن حسن، مکی بن ابراہیم اور متعدد حضرات ہوئے تھے، ورنہ عام قیاس یہ کہتا ہے کہ ۱۲۰ھ میں تاسیس مجلس کے وقت کم از کم موصوف کی عمر پچیس سال ضرور ہونی چاہیے۔ دریں صورت وفات ابی یوسف کے بعد موصوف کی عمر ستاسی اٹھاسی سال ضرور رہی ہو گی اور اس عمر کے پیر فرتوت کے ساتھ ہارون جیسے خلیفہ کا اپنی شاہزادی کی شادی کر دینا غیر معمولی عجوبہ ہے۔

بہرحال ہمارے نزدیک یہ کہانی اختراعی وخانہ ساز ہے اگر مصنف انوار اور ان کی دروغ باف پارٹی میں حوصلہ ہے تو یہ بات اصول روایت ودرایت سے ثابت کریں۔ نیز تاریخی بیانات کا حاصل یہ ہے کہ اسد بن عمرو کو ۱۷۵، ۱۷۶ھ میں قاضی واسط بنایا گیا تھا اور موصوف چار سال تک قاضی واسط رہنے کے بعد ۱۷۹، ۱۸۰ھ میں بغداد کے ایک محلّہ الشرقیہ کے قاضی بنائے گئے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ موصوف اسد کو الشرقیہ کا قاضی اس وقت بنایا گیا جبکہ وہاں کے عہدہ قضا سے قاضی حسین بن حسن بن عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی (متوفی ۲۰۱،۲۰۲ھ) کو ۱۷۹، ۱۸۰ھ میں ہٹا دیا گیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے صراحت کرتے

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۱)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۱) ومقدمہ انوار (۲/ ۲۵)

ہوئے کہا ہے کہ "ولي قضاء الشرقية بعد القاضي العوفي"❶ اس کو عوفی (حسین بن حسن بن عطیہ عوفی) کے بعد شرقیہ بغداد کا قاضی بنایا گیا، اور موصوف عوفی بتصریح تاریخ خطیب (۳۲/۸) صرف چند دنوں تک شرقیہ بغداد کے قاضی رہے تھے، عوفی سے پہلے ان کی جگہ پر شرقیہ کے قاضی امام حفص بن غیاث تھے چونکہ عوفی صرف چند ایام ہی شرقیہ کے قاضی رہے تھے اس لیے اس کا اعتبار نہ کر کے بعض لوگوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ اسد بن عمرو امام حفص بن غیاث کے بعد قاضی شرقیہ بنائے گئے۔

عبید بن الصباح کی صراحت ہے:

"ولد حفص ١١٧هـ، ومات ١٩٤هـ، ولي القضاء ١٧٧هـ وله ستون سنة."❷

''حفص ۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴ھ میں فوت ہوئے اور ساٹھ سال کی عمر میں ۱۷۷ھ میں قاضی بنائے گئے۔''

"وقال أبو بشر هارون بن حاتم: وفلج حفص حين مات ابن ادريس فمكث في البيت إلى ١٩٤هـ، ومات ١٩٤هـ."❸

''ابو بشر ہارون بن حاتم نے کہا کہ وفات عبداللہ بن ادریس کے وقت (۱۹۲ھ میں) حفص کو فالج کا مرض لاحق ہوا اس وقت سے لے کر وفات تک موصوف اپنے گھر میں سکونت پذیر رہے اور موصوف کی وفات ۱۹۴ھ میں ہوئی یعنی موصوف دو سال تک بحالت بیماری گھر میں رہے۔''

"وقال ابن أبي شيبة: وولي حفص الكوفة ثلاث عشر سنة وبغداد سنتين."❹

''ابن ابی شیبہ نے کہا کہ حفص دو سال بغداد (یعنی بغداد کے محلّہ الشرقیہ) کے قاضی رہے اور تیرہ سال کوفہ کے۔ یعنی موصوف کا کل زمانہ قضاء پندرہ سال ہے۔

"وقال يحيى بن الليث: ألحت (أم جعفر) عليه فعزله عن الشرقية، وولاه على الكوفة."❺

''یحییٰ بن لیث نے کہا کہ زوجہ ہارون نے اصرار کر کے امام حفص کو شرقیہ بغداد سے معزول کرا دیا تو انھیں ہارون نے کوفہ کا قاضی بنا دیا۔''

اس تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ امام حفص ۱۷۷ھ میں شرقیہ بغداد کے قاضی بنائے گئے اور وہاں اس عہدہ پر دو سال رہنے کے بعد ۱۷۹ھ میں معزول کر دیے گئے اور کتب تاریخ میں صراحت ہے کہ شرقیہ بغداد سے حفص کی معزولی کے بعد ان کی جگہ پر اسد بن عمرو کو قاضی بنایا گیا۔❻

اس کا حاصل یہ نکلا کہ اسد کو ۱۷۹ھ میں قاضی شرقیہ بغداد بنایا گیا، نیز قاضیٔ بغداد بنائے جانے سے پہلے موصوف اسد چار سال تک واسط کے قاضی تھے۔❼ اس کا مطلب یہ ہوا کہ موصوف اسد ۱۷۵ھ میں قاضی واسط بنائے گئے تھے، بلفظ دیگر واسط و بغداد پر موصوف ۱۷۵ھ تا ۱۷۹ھ بلکہ اس کے بعد تک قاضی رہے، دریں صورت مصنف انوار کا یہ دعوی کیا معنی رکھتا ہے کہ اسد بن عمرو کو وفات ابی یوسف کے بعد ہارون نے واسط و بغداد کا قاضی بنایا جبکہ مصنف انوار نے خود یہ صراحت کی ہے کہ ابو یوسف

---

❶ لسان الميزان (١/ ٣٨٤) ❷ خطيب (٨/ ٣٠٠)
❸ خطيب (٨/ ٢٠٠) ❹ خطيب (٨/ ١٩٣) ❺ خطيب (٨/ ١٩٢)
❻ أخبار القضاة لوكيع (٣/ ٢٨٥) وعام كتب تاريخ. ❼ أخبار القضاة لوكيع (٣/ ٣١٢)

۱۸۲ھ میں فوت ہوئے، یعنی وفات ابی یوسف سے پہلے سال تک اسد قاضی واسط بنائے جا چکے تھے اور چار سال قاضی واسط رہنے کے بعد قاضی شرقیہ بنائے گئے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عام باتوں کی طرح مصنف انوار کی زیر بحث یہ بات بھی مکذوب ہے کہ اسد وفات ابی یوسف کے بعد قاضی بغداد وواسط بنائے گئے۔ خلیفہ ہارون کی بیٹی سے اسد کی شادی والی بات الفوائد البہیہ (ص: ۴۴) میں بصیغہ تمریض "روي" منقول ہے اور یہ صورت حال بذات خود اس کہانی کے ضعیف ہونے پر دال ہے مگر مصنف انوار نے اپنے ہم مزاج مصنف حدائق الحنفیہ کی تقلید میں یہ بات جزم اور قطعیت کے ساتھ لکھ ماری ہے۔

مصنف انوار اپنی مذکورہ بالا بے سند بات لکھ کر مزید فرماتے ہیں:

"اسد ہارون رشید کے ساتھ حج کو گئے اور سواری میں ان کے برابر بیٹھتے۔"[1]

مصنف انوار کی مذکورہ بالا بات بھی بے سند ہے۔ پھر اس کے آگے موصوف لکھتے ہیں:

"امام طحاوی نے ہلال بن یحییٰ رازی سے نقل کیا کہ میں بھی بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ ہارون رشید بھی آکر لوگوں کے ساتھ طواف کرنے لگا، پھر کعبہ کے اندر داخل ہوا اور اس کے ساتھ خاندان شاہی کے اور افراد بھی اندر گئے۔ میں نے ان سب کو دیکھا کہ کھڑے رہے، صرف ہارون رشید بیٹھا اور ایک شخص اس کے ساتھ آگے بیٹھا رہا۔ میں نے معلوم کیا کہ یہ شخص کون ہیں؟ تو بتایا گیا کہ یہ اسد بن عمرو خلیفہ کے قاضی ہیں، اس سے میں سمجھا کہ خلافت کے بعد قضا سے بڑا کوئی عہدہ نہیں ہے۔"[2]

ناظرین کرام سمجھتے ہوں گے کہ مذکورہ بالا روایت کو مصنف انوار نے امام طحاوی کی کسی کتاب سے نقل کیا ہے حالانکہ یہ محض جھوٹ ہے، البتہ جواہر المضیہ ترجمہ اسد بن عمر (۱/۱۴) میں اس مفہوم کی روایت بحوالہ طحاوی منقول ہے مگر مناقب ابی حنیفہ للصیمری (ص: ۱۵۶، ۱۵۷) میں بسند طحاوی اس مفہوم کی روایت قدرے تفصیل کے ساتھ منقول ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ عام اہل الرای کی طرح مصنف جواہر المضیہ نے طحاوی والی اس روایت میں حسب منشا ترمیم وتصرف اور اختصار وتلخیص سے کام لے رکھا ہے۔

ہم بتلا چکے ہیں کہ مصنف جواہر المضیہ کثیر التصحیف والغلط تھے اور علم تصنیف میں ماہر نہیں تھے، بہرحال روایت مذکورہ مناقب ابی حنیفہ للصیمری میں اس طرح منقول نہیں ہے جس طرح مصنف جواہر المضیہ نے اسے نقل کر رکھا ہے، اس میں ہلال کا یہ قول منقول ہے کہ اسد کے اعزاز کو دیکھ کر میں سمجھا کہ فقیہ سے زیادہ فضیلت والا کوئی نہیں مگر میں نے اس کے بعد اسد بن عمرو سے ایک علمی سوال کیا کہ مرابحہ وتولیہ میں خیانت کے معاملہ میں امام صاحب نے کیوں تفریق کر رکھی ہے؟ لیکن موصوف اسد کو اس کا جواب معلوم نہ تھا، اس لیے موصوف میری نظر میں کمتر ہو گئے، پھر میں نے یہی مسئلہ یوسف سمتی سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ بھلا اسد اس قسم کی علمی بات کیا جانیں؟...الخ۔

مصنف انوار نے روایت مذکورہ میں سے اس اہم جزو کو مصنف جواہر المضیہ کی تقلید میں اپنی مقلدانہ مصلحت کے پیش نظر حذف کر دیا ہے اور قدرے تصرف سے بھی کام لیا ہے، اس سے قطع نظر روایت مذکورہ کا راوی وناقل ہلال بن یحییٰ الرائی ہے۔[3]

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۲)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۲)　[3] لسان الميزان والمجروحين لابن حبان.

اور بقول ابوخازم روایت مذکورہ کے بعض اجزاء کی نقل میں ہلال کے بھائی عمر بن یحییٰ نے ہلال کی ہمنوائی کی ہے جو مجہول ہے۔مصنف جواہر المضیہ نے عمر بن یحییٰ کے ترجمہ میں توثیق وتجریح سے متعلق کوئی بات نہیں کی البتہ حسب عادت ایک غلط بیانی موصوف کے ترجمہ میں بھی مصنف جواہر نے کردی یعنی عمر بن یحییٰ موصوف سے ابوخازم قاضی عمر خلجی استاذ ابی الفضل عبدالرحمٰن بن محمد بن میرویہ الکرمانی نے تحدیث کی ہے۔[1] حالانکہ طحاوی کی ذکر کردہ سند میں واقع شدہ ابوخازم سے مراد قاضی عبدالحمید بن عبدالعزیز ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ طحاوی نے ابوالفضل عبدالرحمٰن بن محمد میرویہ کرمانی کے استاذ کا زمانہ پایا ہو کیونکہ ابوالفضل کرمانی کی ولادت ۴۵۰ھ اور وفات ۵۴۳ھ میں ہوئی۔موصوف کا یہی سال ولادت ووفات خود مصنف جواہر المضیہ نے بھی لکھا ہے۔[2]

ظاہر ہے کہ ۴۵۰ھ میں پیدا ہونے والے کسی شخص کے کسی استاذ سے امام طحاوی کی ملاقات محال ہے کیونکہ موصوف طحاوی ۳۲۱ھ میں فوت ہو گئے تھے، دریں صورت یہ کیسے ممکن ہے کہ موصوف طحاوی نے ابوخازم عمر بلخی استاذ ابی الفضل عبدالرحمٰن سے تبادلہ خیال کیا ہو؟ الغرض جواہر المضیہ کے بیانات ساقط الاعتبار ہیں تا آنکہ ان کی تائید دوسرے معتبر ذرائع سے نہ ہو جائے۔اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ مصنف انوار نے زیر بحث جس کہانی کو صحیح ومعتبر کہہ کر نقل کر رکھا ہے وہ ساقط الاعتبار ہے اوراس کہانی کا مفاد یہ ہے کہ فرضی چہل رکنی مجلس کے رکن یوسف سمتی اور ہلال رائی کی نظر میں اسد بن عمرو بے وقعت اورعلم میں غیر پختہ کار تھے۔

---

[1] جواهر المضية (١/ ٣٩٩، ٤٠٠)　　[2] جواهر المضية (١/ ٣٠٤) والفوائد البهية (ص: ٩١، ٩٢)

اسد بن عمرو کی توثیق وتجریح پر بحث

مصنف انوار نے کہا:

''اسد سے امام احمد، محمد بن بکار اور احمد بن منیع وغیرہ نے حدیث روایت کی اور آپ کو صدوق بتلایا، ابن معین بھی توثیق کرتے تھے۔''❶

مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسد سے امام احمد و محمد بکار اور احمد بن منیع وغیرہ نے روایت کی ہے اور ان سبھی حضرات نے موصوف اسد کو صدوق بھی بتلایا ہے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ان تینوں حضرات میں سے صرف امام احمد نے اسد کو ''صدوق'' کہا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ یہ صراحت بھی کر دی ہے:

"قال عبد الله بن أحمد بن حنبل سألت أبي عن أسد بن عمرو؟ فقال: كان صدوقا وأبو يوسف صدوق، لكن أصحاب أبي حنيفة لاينبغي أن يروى عنهم شيء."❷

''امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل سے اسد بن عمرو کی بابت پوچھا تو فرمایا کہ اسد اور ابو یوسف دونوں صدوق ہیں مگر اصحاب ابی حنیفہ میں سے کسی سے کوئی چیز روایت کرنی مناسب نہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ مصنف انوار نے اسد سے متعلق امام احمد کی پوری بات نقل نہیں کی، اس جگہ ہم اتنی ہی بات پر اکتفا کرتے ہیں، آگے چل کر اسد سے متعلق امام احمد کے موقف کی مزید وضاحت کریں گے۔ آگے چل کر مصنف انوار نے اس طرح کہا:

''اسد امام احمد بن حنبل شیخ بخاری و احمد بن منیع جیسے محدثین کبار کے استاذ ہیں، امام احمد نے ان کو صدوق کہا اور ان سے روایت حدیث بھی کی۔''❸

مصنف انوار کا یہ بیان تلبیس کاری پر قائم ہے کہ ''ابن معین بھی اسد کی توثیق کرتے تھے'' کیونکہ امام ابن معین سے اگرچہ اسد کی بابت بعض کلمات توثیق منقول ہیں مگر درحقیقت امام ابن معین نے موصوف اسد پر سخت جرح کر رکھی ہے۔ امام ابن معین کے مشہور و معروف تلامذہ میں سے ایک ثقہ شاگرد امام احمد بن سعد بن الحکم بن سالم المعروف بابن ابی مریم (متوفی ۲۵۳ھ) ہیں، رواۃ کی تعدیل وتجریح سے متعلق موصوف نے ابن معین سے بکثرت سوالات کر کے بڑی معلومات اکٹھی کر لی تھیں۔

ابو عمر کندی نے کہا:

"كان من أهل العلم والرحلة والتصنيف."❹

''موصوف احمد بن سعد بن ابی مریم صاحب تصنیف اہل علم میں سے تھے، انھوں نے تحصیل علوم کے لیے بہت سفر کیے۔''

---

❶ التنکیل (۱/ ۱۰۸، ۱۰۹)
❷ خطیب (۷/ ۱۷) لسان المیزان (۱/ ۳۸۳) ومیزان الاعتدال.
❸ مقدمہ انوار (۲/ ۲۵)
❹ تهذيب التهذيب بحواله كتاب الموالي لأبي عمر الكندي (۱/ ۳۰)

موصوف احمد بن سعد بن ابی مریم کو امام نسائی، ابوداود، بقی بن مخلد نے ثقہ قرار دیا ہے اور کسی امام فن سے موصوف پر کسی قسم کی تجریح منقول نہیں ہے۔[1] انھیں احمد بن سعد نے کہا:

"سألت ابن معين عن أسد بن عمرو فقال كذوب ليس بشيء لا يكتب حديثه."[2]

''میں نے ابن معین سے اسد کے متعلق پوچھا تو موصوف نے یہ جواب دیا کہ یہ شخص بہت زیادہ کذاب اور ناچیز ہے اس کی حدیث مت لکھو۔''

امام ابن معین کے مندرجہ بالا قول کو دیکھ کر ناظرین کرام خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مصنف انوار نے اسد کے لیے توثیق ابن معین کا دعوی کر کے کتنی بڑی دیانت داری سے کام لیا ہے؟

علم ومرتبہ اور عمر میں امام ابن معین سے مقدم امام یزید بن ہارون سلمی واسطی نے کہا:

"لاتحل الرواية عنه، وفي رواية: لا يحل الأخذ عنه."[3]

''موصوف اسد سے روایت لینی اور کرنی مباح وجائز اور حلال نہیں۔''

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اسد کی بابت ابن معین ویزید بن ہارون کے اقوالِ جرح معنوی طور پر یکساں ہیں اور کوئی شک نہیں کہ دونوں حضرات کی جرحیں بہت سخت ہیں۔ ان دونوں حضرات کی معنوی موافقت کرتے ہوئے امام عثمان بن ابی شیبہ عبسی کوفی نے کہا:

"هو والريح سواء، لاشيء في الحديث، إنما كان يبصر الرأي."[4]

''اسد اور ریح دونوں برابر ہیں، یہ شخص حدیث میں کچھ بھی نہیں، صرف رائے (فقہ حنفی) کی بصیرت رکھتا تھا۔''

امام عثمان بن ابی شیبہ کے مندرجہ بالا قول سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اسد ساقط الاعتبار راوی ہیں وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ موصوف کو حدیث کا کوئی علم نہیں تھا، صرف فقہ حنفی میں موصوف کو بصیرت حاصل تھی۔ اس سے مصنف انوار کے اس دعوی کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ اسد مشہور محدث تھے اور انھوں نے حدیث وفقہ میں امام صاحب سے درجہ تخصص حاصل کیا تھا!!

اسد پر امام یزید بن ہارون اور عثمان بن ابی شیبہ کی تجریح کو صحیح قرار دیتے ہوئے مشہور محدث وامام جرح وتعدیل ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن شاہین (مولود ۲۹۷ھ ومتوفی ۳۹۵ھ) نے فرمایا ہے کہ ان دونوں کی تجریح کے بالمقابل اگرچہ محمد بن عبداللہ بن عمار موصلی (مولود ۱۶۲ھ ومتوفی ۳۴۲ھ) نے اسد کو "لا بأس به" کہا ہے مگر ان دونوں اماموں کی تجریح خصوصاً یزید بن ہارون کی تجریحِ اسد ہی صحیح ہے کیونکہ اس سخت تجریح کا مقابلہ موصلی موصوف کا قول "لا بأس به" نہیں کر سکتا، موصلی کے بالمقابل یزید کا مرتبہ وعلمی مقام کہیں بلند ہے۔[5] امام ابن شاہین کے اس قول کو نقل کر کے حافظ ابن حجر نے کہا کہ موصلی موصوف نے بھی اپنے ایک قول میں اسد بن عمرو کو ضعیف ومجروح قرار دیا ہے، اس لیے موصوف کے دونوں اقوال میں تطبیق کی یہ صورت

---

[3] خطيب (٧/ ١٧) ولسان الميزان (١/ ٣٨٣) وتاريخ جرجان (ص: ٦٤٦، ٦٤٧)

[4] خطيب (٧/ ١٧) وتاريخ جرجان (ص: ٦٤٦، ٦٤٧) ولسان الميزان (١/ ٣٨٣، ٣٨٤)

[5] تاريخ جرجان (ص: ٦٤٦، ٦٤٧)

ہے کہ کلمہ توثیق سے موصلی کی مراد یہ ہے کہ اسد عمداً وقصداً غلط بیانی نہیں کرتے تھے۔❶ موصلی کی طرح امام نسائی سے بھی اسد کی بابت مختلف اقوال منقول ہیں، ان کا ایک قول یہ ہے کہ "لیس بثقة"❷ یہ کلمہ سخت الفاظ جرح میں سے ہے اور معنوی طور پر تجریح ابن معین ویزید وعثمان ابن شاہین کے برابر ہیں۔ امام نسائی کا دوسرا قول اسد کی بابت یہ ہے کہ "لیس بالقوي"❸ ظاہر ہے کہ اسد پر امام نسائی کی یہ بھی تجریح ہی ہے مگر اپنے ایک قول میں امام نسائی نے اسد کو "لا بأس به" کہا ہے جو دوسرے یا تیسرے درجہ کی توثیق ہے۔❹

ظاہر ہے کہ امام نسائی کی تجریحِ اسد ہی راجح ہے مگر مصنف انوار نے اس معاملہ میں بھی تلبیس کاری کر کے کہہ دیا کہ امام نسائی نے اسد کو "لا باس به" کہا ہے۔ علاوہ ازیں موصوف اسد کو امام فلاس، بخاری، ابن مدینی، ابوحاتم رازی، ابواحمد، حاکم، ساجی، جوز جانی وابن حبان وغیرہم نے ضعیف قرار دیا ہے۔❺ امام ابن عدی ودارقطنی نے موصوف کی معمولی درجہ کی توثیق کی ہے نیز بعض دوسرے حضرات نے بھی مگر یہ معلوم ہے کہ جرح مفسر تعدیل پر مقدم ہے اور موصوف پر ابن معین، عثمان، یزید بن ہارون، ابن حبان اور نسائی کی جرح مفسر ہے۔ اس کے باوجود مصنف انوار فرماتے ہیں:

> "بعض لوگوں نے اسد بن عمرو کو ضعیف کہا ہے لیکن امام احمد کا ان سے روایت کرنا ان کی توثیق کے لیے کافی ہے کیونکہ علامہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں، علامہ سبکی نے شفاء الاسقام میں، حافظ سخاوی نے فتح المغیث میں تصریح کی ہے کہ امام احمد غیر ثقہ سے روایت نہیں کرتے۔"❻

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ اسد پر ائمہ کرام کے سخت ترین کلمات تجریح کو مصنف انوار نے کس طرح یہ کہہ کر ٹالنے کی نامراد کوشش کی ہے کہ "بعض لوگوں نے اسد کو ضعیف کہا" امام احمد کا موصوف اسد یا کسی بھی اہل الرای سے روایت کرنا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ جس زمانے میں امام احمد نے اسد سے روایت کی اس کے بعد ایسے اسباب جرح اور وجوہِ تضعیف نہیں جمع ہو گئے جو موصوف کو ساقط الاعتبار اور قابل ترک قرار دیتے ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک زمانہ میں امام احمد متعدد رواۃ کو ثقہ سمجھ کر ان سے روایت کرتے تھے مگر بعد میں موصوف نے انھیں متروک ومجروح قرار دے دیا انھیں میں سے امام صاحب کے عام ہم مسلک تلامذہ خصوصاً اسد بن عمرو وابو یوسف بھی ہیں، ہم نقل کر آئے ہیں کہ امام احمد نے صاف فرما دیا کہ اصحاب الرای اور اصحاب ابی حنیفہ سے روایت نہیں کرنی چاہیے یعنی امام احمد نے عام اہل الرای اصحاب ابی حنیفہ مثلاً اسد بن عمرو وابو یوسف وغیرہ کو متروک قرار دے دیا۔

یحییٰ بن صالح وحاظی نے کہا کہ امام احمد بن حنبل نے ابوسلیمان یحییٰ سے کہا کہ اگر تم امام ابوحنیفہ سے روایت کرنی چھوڑ دو تو ہم تمھاری درسگاہ میں کتب ابن المبارک کے سماع کے لیے آسکتے ہیں، نیز موصوف امام احمد نے محض مذہب رائے اور کتب رائے اور مذہب ارجاء سے وابستہ رہنے والوں سے ترک تعلق کر لیا۔❼ ظاہر بات ہے کہ امام احمد نے مذکورہ بالا موقف اس

---

❶ لسان الميزان (١/ ٣٨٤)　❷ لسان الميزان (١/ ٣٨٤)

❸ كتاب الضعفاء والمتروكين للنسائي (ص: ٥) وخطيب (٧/ ١٩) ولسان الميزان (١/ ٣٨٤)

❹ ملاحظہ ہو: جزو ابن التمار ملحق بكتاب الضعفاء (ص: ٣٥)　❺ لسان الميزان (١/ ٣٨٤، ٣٨٥)

❻ مقدمه انوار (١/ ١٩٢)　❼ طبقات الحنابلة لابن أبي يعلى ترجمة يحيى بن صالح وحاظى (ص: ٢٦٨)

زمانے کے بعد اختیار کیا ہے جس زمانے میں وہ اصحاب ابی حنیفہ سے روایت کیا کرتے تھے۔

مصنف انوار نے تلبیس کاری کرتے ہوئے بزعم خویش توثیق اسد کے لیے امام ابن تیمیہ وسبکی وسخاوی کی بات کا جو حوالہ اپنے مندرجہ بالا قول میں دے رکھا ہے اس کی حقیقت عنقریب واضح ہو گی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مسخ وردحقائق میں مصنف انوار کے امام واستاد کوثری نے کہا ہے:

"قول الناقد أحمد بن حنبل لايروي إلا عن ثقة رأي مبتكر، وروايته عن مثل عامر بن صالح معروفة." ❶

''یہ کہنا کہ امام احمد صرف ثقہ راوی ہی سے روایت کرتے تھے ایک انوکھی اورنو ایجاد بات ہے کیونکہ امام احمد کا عامر بن صالح جیسے غیر ثقہ سے روایت کرنا معروف چیز ہے۔''

تعجب ہے کہ تقلید کوثری میں بہت سارے حقائق ثابتہ کا ردوابطال کرنے والے مصنف انوار نے اپنے اس روحانی امام وپیشوا کی مذکورہ بالا بات سے اعراض وانحراف کرتے ہوئے تلبیس کاری سے کام لے کر اسد کو ثقہ ثابت کرنے کے لیے مذکورہ بالا سخن سازی کیوں کرڈالی؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ مصنف انوار کے امام وپیشوا کوثری نے ایسے متعدد رواۃ کو کذاب وساقط الاعتبار قرار دے ڈالا ہے جن سے امام احمد نے روایت کی ہے، مثلاً ابراہیم بن شماس، ابراہیم بن ابی اللیث، احمد بن سعد بن ابی مریم، عبدالاعلی بن مسہر، عامر بن صالح، علی بن عاصم، محمد بن حمید رازی، محمد بن عبید طنافسی، مومل بن اسماعیل وغیرہ جن کی تفصیل کوثری کی تانیب نیز دوسری کتابوں میں موجود ہے۔ مصنف انوار نے اپنے اس امام پر طعن وتشنیع کرنے کے بجائے دوسروں کو مورد الزام ٹھہرا لیا ہے۔ مؤمل بن اسماعیل کو خود مصنف انوار نے بھی کذاب قرار دے رکھا ہے۔❷ حالانکہ مؤمل موصوف سے بھی امام احمد نے روایت کی ہے۔ دریں صورت ناظرین کرام مصنف انوار کی دیانت داری کا فیصلہ خود کر سکتے ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ نے یہ بات "للأكثر حكم الكل" کے مسلم ومعروف اورمروج قاعدہ عامہ کے تحت کہی ہے یعنی عوام وخواص سبھی کے ہاں یہ دستور اور قاعدہ جاریہ ہے کہ اکثر پر کل کا حکم لگا دیا جاتا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اکثر وبیشتر اور زیادہ تر ایسا ہی ہوتا ہے یعنی امام ابن تیمیہ کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ امام احمد اکثر وبیشتر صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں اور یہ بات اس کے منافی نہیں کہ موصوف نے جن رواۃ سے روایت کی ہے ان میں دوچار فیصدی غیر ثقہ وساقط الاعتبار نہیں ہیں، یہ بات امام ابن تیمیہ کے شاگرد خاص حافظ محمد بن احمد بن عبدالہادی مقدسی نے پوری صراحت ووضاحت سے کہی ہے۔ چنانچہ موصوف سبکی کے جواب میں کہتے ہیں:

"فالجواب أن يقال: رواية الإمام أحمد عن الثقات هو الغالب من فعله، والأكثر من عمله، كما هو المعروف من طريقة شعبة ومالك و عبد الرحمن بن مهدي ويحيى بن سعيد القطان وغيرهم، وقد يروي الإمام أحمد قليلا في بعض الأحيان عن جماعة نسبوا إلى الضعف وقلة الضبط." ❸

---

❶ ترحيب التنكيل والتنكيل (١/ ٤٢٨)　❷ مقدمه انوار (٢/ ٢٣)

❸ الصارم المنكي في الرد على السبكي (ص: ١٨، ١٩)

''سبکی کا جواب یہ ہے کہ امام ابن تیمیہ کی بات کا مطلب یہ ہے کہ امام احمد اکثر وبیشتر صرف ثقات سے روایت کرتے تھے۔ اسی طرح امام شعبہ، مالک، عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ کا بھی حال ہے، امام احمد بعض اوقات بطور تائید ومتابعت قلیل مقدار میں ضعیف وقلیل الضبط رواۃ سے بھی روایت کرلیا کرتے ہیں ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ان کی روایت پر کلی اعتماد کیا جا رہا ہے مثلاً عامر بن صالح، الزبیری، محمد بن قاسم اسدی، عمر بن ہارون بلخی، علی بن عاصم واسطی، ابراہیم بن ابی اللیث صاحب الاشجعی وغیرہم۔''

امام ابن عبدالہادی کی مذکورہ بالا بات اتنی واضح ہے کہ اس کی مزید توضیح کی کوئی ضرورت نہیں، معمولی سمجھ کے اہل علم بھی اسے آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں۔ سخاوی نے فتح المغیث میں اس معنی ومطلوب کو بایں طور تحریر کیا ہے:

"من كان لا يروي إلا عن ثقة إلا النادر الإمام أحمد، وبقي بن مخلد، وحريز بن عثمان، وسليمان بن حرب، وشعبة، والشعبي، و عبد الرحمن بن مهدي، ومالك، ويحيى بن سعيد." ❶

''امام احمد، بقی بن مخلد، حریز بن عثمان، سلیمان بن حرب، شعبہ، شعبی، عبدالرحمٰن بن مہدی، مالک، یحییٰ بن سعید شاذ ونادر ہی غیر ثقہ سے روایت کرتے ہیں ورنہ یہ حضرات عام طور سے صرف ثقہ رواۃ سے روایت کرتے ہیں۔''

"كان الإمام أحمد لا يروي عن من يعرف أنه يكذب، ولكنه يروي عن من يضعف لسوء حفظه." ❷

''امام احمد بن حنبل ایسے شخص سے روایت حدیث نہیں کرتے تھے جس کے بارے میں وہ جانتے اور معرفت رکھتے تھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے لیکن جس شخص کے کذاب ہونے کا علم انھیں نہیں ہوتا تھا بلکہ اسے فی نفسہ صدوق جانتے تھے تو خواہ سوء حفظ کی بناء پر اس صدوق کو وہ ضعیف بھی قرار دیتے ہوں مگر اس سے روایت حدیث کرلیا کرتے تھے۔''

ناظرین کرام امام ابن تیمیہ کی اس بات کو دیکھ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ مصنف انوار نے امام ابن تیمیہ سے نقل عبارت میں دیانت داری سے کام نہیں لیا۔ امام ابن تیمیہ کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جس راوی کا کذاب ہونا امام احمد کے نزدیک معروف نہ ہو اور وہ فی نفسہ صدوق ہو عمداً کذب بیانی و دروغ بافی سے کام نہ لیتا ہو تو خواہ وہ سوء حفظ وعدم ضبط کے باعث ضعیف ہی کیوں نہ ہو اس کی روایت کو متروک قرار دینا امام احمد ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ کبھی کبھار ایسے راوی کی روایت نقل کر دیتے تھے، اور ایسے صدوق کو جو سوء حفظ وعدم ضبط کے سبب ضعیف قرار پایا ہو اسے بعض اہل علم ثقہ کے لفظ سے بھی متصف کرتے ہیں اور ثقہ سے ان کی مراد صدوق ہوتی ہے، جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سوء حفظ وعدم ضبط کے سبب وہ ضعیف نہیں ہے، اس طرح کے ثقہ وصدوق رواۃ اگر کثیر الغلط ہوں تو ساقط الاعتبار ہوں گے اور قلیل الغلط ہوں تو جن روایات میں وقوع خطا کا علم ہو ان کی وہ روایات ساقط ہوں گی اور باقی مقبول لیکن یہ ضروری نہیں کہ امام احمد کو جس کذاب راوی کے کذاب ہونے کا علم نہ ہو سکا اور دوسرے ماہرین علم نے اس کے کذاب ہونے کی شہادت دی ہو وہ فی الواقع کذاب نہ ہو۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ مصنف انوار کے استاذ کوثری نے اس نظریہ پر سخت نکیر کی ہے کہ امام احمد صرف ثقہ رواۃ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ کے جس بیان میں یہ مذکور ہے کہ امام احمد صرف ثقہ ہی سے روایت کرتے تھے اس میں یہ صراحت بھی ہے

---

❶ فتح المغيث للسخاوي مطبوعه انوار محمدي لكهنو (ص: ١٣٤)　　❷ المصعد الأحمد (ص: ٣٥)

کہ امام احمد کے علاوہ یہی حال امام مالک، شعبہ، یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام بخاری کا بھی ہے یعنی یہ حضرات صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔[1] امام ابن تیمیہ کے اس بیان کو ان کے حریف سبکی نے ''شفاء الاسقام فی زیارۃ خیر الانام'' (ص: ۸، ۹) میں نقل کر دیا ہے جس کی حقیقت امام ابن عبد الہادی نے ''الصارم المنکی'' (ص: ۱۸، ۱۹) میں واضح کر دی ہے، ہم امام ابن عبد الہادی کی عبارت نقل کر آئے ہیں، سخاوی کی عبارت فتح المغیث میں معنوی طور پر وہی بات کہی گئی ہے جو امام ابن عبد الہادی نے تحریر کی ہے۔ مصنف انوار نے جس انداز میں امام ابن تیمیہ وسبکی وسخاوی کی مذکورہ بالا بات کو توثیق اسد بن عمرو کے لیے پیش کر کے تلبیس سے کام لیا ہے اور حقائق سے آنکھیں بند کر لی ہیں اس کے مطابق امام ابوحنیفہ کے ''أكذب الناس'' قرار دیے ہوئے جابر جعفی بھی ثقہ قرار پاتے ہیں کیونکہ جابر جعفی سے امام ابوحنیفہ کے استاذ امام شعبہ نے نہ صرف یہ کہ روایت کی ہے بلکہ موصوف جابر کو ''صدوق'' اور ''من أوثق الناس'' کہا کرتے تھے۔[2] صرف امام شعبہ ہی نہیں بلکہ مصنف انوار کے رکن مجلس تدوین قرار دیے ہوئے امام زہیر بن معاویہ نے جابر کو ''من أصدق الناس'' کہا۔ نیز مصنف انوار کے رکن مجلس تدوین قرار دیے ہوئے ایک دوسرے امام وکیع نے کہا:

''مهما شككتم في شيء فلا تشكوا في أن جابرا ثقة، حدثنا عنه مسعر، وسفيان، و شعبة، وحسن بن صالح.''[3]

''تم لوگ خواہ کسی بھی چیز میں شک کرو مگر اس میں شک نہ کرو کہ جابر جعفی ثقہ ہیں، جابر سے مسعر، سفیان ثوری، شعبہ اور حسن بن صالح نے حدیث روایت کی ہے۔''

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق مصنف انوار جابر جعفی کو ثقہ قرار دیتے ہوئے امام ابوحنیفہ کے اس فرمان کو رد کر دیں کہ ''ما رأيت أكذب من جابر'' جس طرح امام احمد نے ایک زمانہ میں اسد بن عمرو اور ان جیسے رواۃ سے روایت کرنے کے باوجود دوسرے زمانہ میں متروک وساقط قرار دے دیا اسی طرح جابر جعفی سے ایک زمانہ میں یحییٰ بن سعید قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی روایت کیا کرتے تھے مگر بعد میں دونوں نے موصوف جابر کو ترک کر دیا۔ کیا ایسی صورت میں مصنف انوار اپنے اس اصول کے مطابق یہ ماننے کو تیار ہیں کہ چونکہ بقول ابن تیمیہ وسبکی وسخاوی، یحییٰ بن سعید قطان وعبدالرحمٰن بن مہدی وشعبہ صرف ثقہ راوی سے روایت کرتے ہیں اور ان حضرات نے جابر جعفی سے روایت کی ہے لہٰذا جابر جعفی ثقہ ہیں؟ خود امام صاحب ایک زمانہ میں جابر جعفی کو اپنا امام وپیشوا اور مفتی ومرجع نیز مرکز توجہ بنائے ہوئے تھے جیسا کہ مسعر بن کدام سے مروی ایک روایت صحیحہ میں صراحت ہے۔[4] نیز یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام صاحب ایک زمانہ میں جابر جعفی سے روایت کرتے تھے۔ دریں صورت مصنف انوار کیا فرماتے ہیں کہ جابر جعفی کو متروک قرار دیا جائے مگر اسد بن عمرو کو نہیں جن سے کسی زمانہ میں امام احمد نے روایت ضرور کی مگر بعد میں کہہ دیا کہ ان سے اور ان جیسے لوگوں سے روایت نہیں کرنی چاہیے؟

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ جابر جعفی بھی بزعم خویش اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والی تحریک کے سرگرم حامی تھی

---

[1] الرد على البكري لابن تيمية (ص: ١٩)

[2] تقدمة الجرح والتعديل، خطيب وتهذيب التهذيب ترجمة جابر بن يزيد جعفي.

[3] خطيب وتهذيب التهذيب ترجمة جابر.

[4] تهذيب التهذيب ترجمة جابر جعفي (٢/ ٥١)

اس تحریک والوں کا یہ نعرہ تھا کہ ہم خالص کتاب وسنت کے اصول پر حکومت قائم کرنے کے لیے یہ آرزو اٹھائے ہوئے ہیں۔[1]

مصنف انوار نے بڑے فخر کے ساتھ امام ابوحنیفہ کو امام جرح وتعدیل ثابت کرنے کے لیے بحوالہ جواہر المضیہ (۱/ ۳۰) لکھا ہے:

''مدخل لمعرفة دلائل النبوة للبيهقي میں ہے کہ أبوسعد سمعاني (لفظ "سمعاني" مصنف انوار کی اپنی ایجاد یا کاتب کی تصحیف ہے اصل لفظ "الصاغاني" ہے۔)[2] نے امام صاحب کی خدمت میں کھڑے ہو کر پوچھا کہ امام ثوری سے حدیث لینے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کہ ثقہ ہیں، ان کی احادیث لکھو بجز احادیث ابی اسحاق عن الحارث اور احادیث جابر جعفی کے..الخ۔''[3]

اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حارث اعور اور جابر جعفی کو ساقط الاعتبار وقابل ترک قرار دیا ہے حالانکہ ہم بیان کر آئے ہیں کہ جابر جعفی سے امام صاحب کے استاذ شعبہ نے بھی روایت کی ہے اور موصوف کی شعبہ نے توثیق بھی کی ہے اس لیے مصنف انوار کے قاعدہ سے جابر کا ثقہ ہونا لازم آتا ہے۔

حارث بن عبداللہ اعور ہمدانی کی بابت تہذیب التہذیب (۲/ ۱۴۷) میں صراحت ہے:

"وهذا الشعبي يكذبه، ثم يروي عنه، والظاهر أنه يكذب حكاياته لا في الحديث."

''امام عامر شعبی حارث اعور کی تکذیب کے باوجود موصوف سے روایت کرتے ہیں اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ شعبی حارث کو حدیث میں ثقہ مانتے ہیں اگرچہ غیر حدیثی حکایات میں غیر ثقہ کہتے ہیں۔''

مصنف انوار کے اصول سے حارث اعور حدیث میں ثقہ ہیں کیونکہ ان سے روایت کنندگان میں امام شعبی بھی ہیں جن کو فتح المغیث میں ان اہل علم کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے جو صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں اور مصنف انوار نے فتح المغیث کی یہ بات بطور حجت قبول کر رکھی ہے۔ حارث سے شعبی عامر بن شراحیل کی روایت مسند احمد (۱/ ۸۳) وغیرہ میں موجود ہے۔ اب مصنف انوار کیا فرماتے ہیں؟ بلکہ مصنف انوار کے ممدوح حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ امام شعبی کو بلا قوی ثبوت تکذیب حارث کی یہ سزا ملی کہ انھیں ابراہیم نخعی نے کذاب کہہ دیا۔[4] توثیق اسد میں جن ابن معین کے بعض اقوال مصنف انوار نے بطور تلبیس نقل کیے ہیں انھوں نے بالصراحت حارث کو ثقہ کہا ہے۔[5] ابی اسحاق عن حارث والی سند کو بدعوی مصنف انوار امام ابوحنیفہ نے ساقط الاعتبار کہا مگر امام ابوحنیفہ کے قابل فخر استاد حبیب بن ابی ثابت نے اس سند سے مروی ایک حدیث کی بابت فرمایا:

"يساوى حديثك هذا ملأ مسجدك ذهبا."[6] یعنی یہ حدیث مسجد بھر سونے کے برابر ہے۔

سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ جن کتب مناقب ابی حنیفہ کے مندرجات کو مصنف انوار نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بنائے ہوئے ہیں ان میں حارث اعور کو امام ابوحنیفہ کا استاذ وشیخِ حدیث قرار دیا گیا ہے۔[7] عقود الجمان کے مصنف نے کہا ہے کہ ہم نے امام صاحب کے اساتذہ ومشائخ کی یہ فہرست کتب مناقب ابی حنیفہ کے بیانات کے مطابق قلم بند کی ہے۔[1]

---

[1] اللمحات (۲/ ۲۱۲، ۲۱۳) [2] ملاحظہ ہو: جواهر المضية (۱/ ۳۰) [3] مقدمه أنوار الباري (۱/ ۱۲۷)

[4] جامع بيان العلم (۲/ ۱۴۷) وتهذيب. [5] تهذيب التهذيب (۲/ ۱۴٦) وميزان الاعتدال، سير أعلام النبلاء.

[6] تهذيب التهذيب (۲/ ۱۴٦) ومسند أحمد بن حنبل (۱/ ۸۵) [7] ملاحظہ ہو: عقود الجمان (ص: ٦۹)

مصنف انوار چونکہ امام صاحب کے جملہ اساتذہ کو ثقہ قرار دیئے ہوئے ہیں اور امام صاحب کے کسی استاذ پر کلام کرنے والوں کے خلاف خوب ہرزہ رسائی کیے ہوئے ہیں۔[2] اس لیے مصنف انوار کو اپنے اصول کے مطابق یہ عقیدہ وایمان رکھنا لازم ہے کہ حارث اعور ثقہ ہیں، دریں صورت حارث اعور وجابر جعفی پر مصنف انوار نے امام صاحب کے جو کلمات جرح نقل کیے ہیں ان کے سبب مصنف انوار امام صاحب پر حسد وعناد کے سبب بے تحقیق افترا پردازی کرنے یا غلط فہمی وقلت علم وادراک کے سبب غلط بیانی کرنے کا فتوی والزام کیوں نہیں دیتے؟

لطف کی بات یہ ہے کہ حارث اعور موصوف کی وفات ۷۵ھ میں امام صاحب کی ولادت سے پانچ سال پہلے ہوگئی تھی۔[3] اس کے باوجود عام کتب مناقب میں حارث اعور کو امام صاحب کا استاذ وشیخ حدیث کہا گیا ہے اسی طرح متعدد ایسے صحابہ کو بھی امام صاحب کا استاذ وشیخ کہا گیا ہے جن کا انتقال ولادت امام صاحب کے پہلے ہوگیا تھا، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔ افسوس کہ اس قسم کی بے سروپیر کی لغو ولایعنی باتیں ہی مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کے ہاں لکھ دینے اور لوگوں کو دام تزویر میں پھانسنے کے لیے پھیلانے کا نام خالص دینی، علمی اور تحقیقی خدمت ہے۔ جن لوگوں کا دین وایمان اور علم وتحقیق اس طرح کا ہو ان سے علم ودیانت اور اصول کی بنیاد پر بات کرنی فضول ہے ہم یہ کتاب عام لوگوں کو مصنف انوار اور ان جیسے لوگوں کی تلبیسات بتلانے کے لیے لکھ رہے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل مصنف انوار کی اس حقیقت بیان کی توضیح کے لیے کافی ہے جو موصوف نے توثیق اسد کے سلسلے میں کر رکھی ہے البتہ یاد رہے کہ امام ابن تیمیہ وسبکی وسخاوی کی عبارت میں جن ائمہ کرام کی فہرست پیش کر کے کہا گیا ہے کہ یہ لوگ ثقہ ہی سے روایت کرتے ہیں ان ائمہ کرام نے متعدد ایسے رواۃ سے روایت اپنے کتابوں میں کر رکھی ہے جن کو مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج ساقط الاعتبار قرار دیے ہوئے ہیں حتی کہ صحیحین کے کتنے رواۃ کو ان ناخدا ترس لوگوں نے بلاوجہ وسبب ساقط الاعتبار قرار دے رکھا ہے۔ اس جگہ ہم صرف اسی اجمال پر اکتفا کر رہے ہیں البتہ اتنی بات اور عرض کر دیتے ہیں کہ امام احمد نے اپنے دوسرے قول میں اسد کو ''صالح الحدیث'' کہا ہے۔[4] جس کا مطلب یہ ہے کہ بلا متابع اسد کی روایت ساقط الاعتبار ہے۔

مصنف انوار ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اسد بن عمرو بھی اسی مجلس شوری کے رکن اور فقہاء ومجتہدین میں سے تھے، حنفی تھے اور امام اعظم کے تلمیذ خاص...

إلى أن قال: امام نسائی تک نے اسد کو ''لا بأس به'' کہا مگر امام بخاری نے ان کو بھی صاحب رائے اور ضعیف کہہ کر قصہ ختم کر دیا۔''[5]

ناظرین کرام پر مصنف انوار کی مندرجہ بالا لغو طرازی کی حقیقت واضح ہو چکی ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ امام نسائی نے اگرچہ اپنے ایک قول میں اسد کو ''لا بأس به'' کہا ہے مگر دوسرے قول میں ''ليس بثقة'' اور ''ليس بالقوي'' کہہ کر امام بخاری سے بھی زیادہ اسد پر تجریح کر دی ہے اور ناظرین کرام پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ امام بخاری اسد بن عمرو کو ضعیف قرار

[1] عقود الجمان (ص: ٦٣، ٦٤)　[2] مقدمه انوار (١/ ٥٦، ٥٧ وغیره)　[3] عام کتب رجال.
[4] عام کتب تراجم.　[5] مقدمه انوار (٢/ ٢٥)

دینے میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ان سے بھی مقدم اہل علم نے اس پر کہیں زیادہ سخت جرح کی ہے مگر اپنی عادت سے مجبور ہو کر مصنف انوار اپنے عام ہم مزاجوں کی طرح تلبیس کاری کرتے ہوئے امام بخاری کو مطعون کرتے ہیں۔

تنبیہ:

امام ابن معین نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ "أسد أوثق من نوح بن دراج، ولم یکن به بأس" یعنی اسد نوح بن دراج کے بالمقابل زیادہ ثقہ ہیں، نیز موصوف "لا بأس به" ہیں۔ہم بتلا آئے ہیں کہ "لا بأس به" کا لفظ بعض اعتبار سے بذات خود کلمہ تجریح ہے۔[1] لیکن نوح بن دراج کے بالمقابل اسد کی توثیق ابن معین کے ساتھ ایک خاص بات مربوط ہے وہ یہ کہ ابن معین ہی نے بتلایا ہے کہ نوح موصوف اتنا بڑا خبیث وکذاب تھا کہ اندھا ہوجانے کے بعد بھی سالہا سال یا دو، تین سال عہدہ قضا پر برقرار رہا اور اپنی خباثت کی وجہ سے اس نے حکومت وعوام کو اپنے اندھے ہوجانے کی اطلاع نہیں دی کہ عہدہ قضا سے ہٹا نہ دیا جاؤں، اتنے بڑے جعل ساز کذاب کے بالمقابل ۱۷۹ھ کے لگ بھگ شرقیہ بغداد کا قاضی بنائے جانے کے تھوڑے دنوں بعد اسد کو کسی قدر ضعف بصر لاحق ہوا تو انھوں نے وقتی طور پر دیانت داری یا کسی خصوصی مصلحت کے تحت ضعف بصارت کا شکوہ کرتے ہوئے عہدہ قضا سے استعفی دے دیا۔[2]

نوح بن دراج کے بالمقابل اسد کے اس طرز عمل سے ابن معین کو خوشی ہوئی جس کی بنا پر موصوف نے اسد کو نوح کے بالمقابل "أوثق" یا "لا بأس به" یا "ثقه" قرار دیا، امام ابن معین کی یہ توثیقِ اسد دراصل نوح بن دراج کے بالمقابل ہے ورنہ فی نفسہ اسد کو ابن معین نے "کذب لیس بشيء" قرار دے کر عام اہل علم کی موافقت کی ہے، اس میں شک نہیں کہ اس کا فعل مذکور نوح بن دراج کے طریق کار کے بالمقابل شرعاً اور عرفاً کہیں زیادہ پسندیدہ وقابل ستائش ہے، امام ابن معین بعض اوقات بعض دوسرے اماموں کی طرح کسی راوی کے ظاہری اوصاف دیکھ کر کہہ دیتے تھے کہ یہ "لا بأس به" ہے۔مگر جب انھیں اس کے حقیقی اوصاف کی خبر ملتی تھی تو اسے کذاب وغیر ثقہ قرار دیتے تھے جس کی ایک مثال محمد بن کثیر بن مروان فہری قرشی کا معاملہ ہے۔[3] اس تفصیل سے ابن معین کی توثیق اسد کا معاملہ سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

ذیل جواہر المضیہ للقاری (۲/ ۵۴۵، مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۳۲ھ) میں یہ صراحت ہے:

"وكان الإمام يختلف إلى أبيه في مرضه الذي توفي غدوة وعشيا."

''جس بیماری میں اسد کے باپ عمرو بن عامر کا انتقال ہوا اس سے امام صاحب موصوف والد اسد کی عیادت کرنے روزانہ صبح وشام آیا کرتے تھے۔''

ملا علی قاری کی مذکورہ بالا عبارت بہت واضح اور صاف ہے کہ امام صاحب والد اسد کے مرض الموت میں والد اسد کی عیادت روزانہ صبح وشام کرتے تھے مگر معلوم نہیں کس مقلدانہ مصلحت کے پیش نظر اپنی عادت سے مجبور ہو کر مصنف انوار نے

---

[1] اللمحات (۲/ ۳۲۱، ۳۲۲)

[2] ملاحظہ ہو: تاریخ ابن معین بروایت عباس دوری ترجمة أسد وأخبار القضاة لوکیع (۳/ ۲۸۶) وخطیب (۷/ ۱۸ وغیرہ)

[3] ملاحظہ ہو: ترجمة محمد بن کثیر قرشی، تہذیب التهذيب (۹/ ۴۱۸، ۴۱۹) وعام کتب رجال.

قاری کی اس عبارت میں تحریف وترمیم کرکے اپنی اختراع کردہ یہ بات لکھ دی:

''اسد بن عمرو کے مرض وفات میں امام احمد صبح وشام عیادت کے لیے جاتے تھے۔''[1]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے عبارتِ قاری میں تحریف کر کے والدِ اسد کی جگہ پر اسد کا نام لکھا اور امام صاحب کی جگہ پر امام احمد کا نام لکھا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنی اس کارستانی کے لیے فوائد البہیہ کا حوالہ دے دیا حالانکہ فوائد البہیہ (ص: ۴۵) میں بحوالہ قاری یہ نقل کیا گیا ہے کہ ''وكان الإمام يختلف إليه في مرضه الذي توفي فيه'' یعنی امام صاحب اسد کے مرض الموت میں صبح وشام عیادت کرتے تھے۔ مصنف فوائد البہیہ کو غالباً ذیل جواہر المضیہ للقاری کا کوئی ایسا نسخہ ملا ہوا تھا جس میں نساخ کی فروگزاشت سے ''أبیه'' کا لفظ چھوٹ گیا تھا جس کا مطلب یہ بن رہا تھا کہ امام صاحب اسد کے مرض الموت میں اسد کی عیادت کرتے تھے مگر چونکہ وفاتِ اسد سے ایک زمانہ پہلے ہی امام صاحب انتقال کر چکے تھے اس لیے مصنف فوائد البہیہ نے مصنف ذیل جواہر المضیہ پر یہ اعتراض کر دیا کہ دونوں حضرات کے سالِ وفات کو دیکھتے ہوئے یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ امام صاحب اسد کے مرض الموت میں اسد کی عیادت کرتے ہوں؟ حالانکہ مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کے ہاں اس طرح کی باتیں لکھنے اور انھیں اپنا دین وایمان نیز خالص علمی وتحقیقی خدمت قرار دینے کا دستور عام ہے۔ آخر مصنف انوار نے متعدد لوگوں کے بارے میں یہ دعوی کر رکھا ہے کہ وہ اپنی ولادت سے پہلے ہی بہت بڑے محدث وفقیہ اور مجتہد بلکہ ہر فن مولیٰ بن گئے تھے نیز یہ کہ اپنی ولادت سے زمانہ پہلے فوت ہو جانے والے صحابہ وغیر صحابہ کو امام صاحب نے اپنا استاذ وشیخ الحدیث بنا رکھا تھا۔ ایسی صورت میں مصنف انوار کو چاہیے یہ تھا کہ ذیل جواہر المضیہ کے حوالے سے فوائد البہیہ کی نقل کردہ بات میں تحریف کرنے کے بجائے اسے حجت بنا کر کہتے کہ ہاں ہمارے اپنے دین وایمان کا تقاضا یہی ہے کہ امام صاحب اپنی وفات کے زمانہ بعد اسد کی عیادت کرنے جایا کرتے تھے مگر افسوس کہ ایسا کرنے کے بجائے موصوف نے تحریف بازی والا اپنا حربہ استعمال کر کے لکھ دیا کہ اسد کی عیادت امام احمد کرنے جایا کرتے تھے۔

اور اس سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ تحریف کی یہ کارروائی مصنف انوار نے اپنے پیش رو ایک دوسرے تحریف کار محمد بدرالدین ابوفراس نعمانی محشی فوائد البہیہ کی تقلید میں کی مگر تلبیس کاری کی غرض سے حوالہ فوائد البہیہ ہی کا دیا۔ اس سے بھی زیادہ دھاندلی بازی مصنف انوار نے یہ دکھلائی کہ بڑی بے باکی کے ساتھ یہ دعوی کر دیا کہ سنن ابن ماجہ میں اسد سے روایت کی گئی ہے۔[2] حالانکہ یہ بھی مصنف انوار کی دروغ بافی وکذب بیانی ہے۔ اسد بن عمرو کی روایت سنن ابن ماجہ میں نہیں ہے اور اسد کا ذکر تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب، تہذیب الکمال، خلاصہ تذہیب الکمال، کاشف وتذہیب التہذیب میں سے کسی میں بھی نہیں ہے۔ اگر مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج سچے ہیں تو سنن ابن ماجہ میں اسد کی روایت دکھلائیں!

۲۲۔ امام محمد بن حسن شیبانی (مولود ۱۳۵ھ ومتوفی ۱۸۹ھ):

مصنف انوار نے تذکرۂ محمد میں طول بیانی سے کام لیا ہے، اس کی مکمل تحقیق امام مالک وشافعی واحمد کے تذکروں میں تفصیل سے آئے گی، اس جگہ صرف یہ عرض ہے کہ بقول ابن عبدالبر وابن خلکان ان کی ولادت ۱۳۵ھ میں ہوئی تھی اور ظاہر ہے

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۲ بحوالہ فوائد البهية)　[2] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۲)

کہ ۱۳۵ھ میں پیدا ہونے والا شخص ۱۲۰ھ میں یا اس سے پہلے قائم ہونے والی مجلس تدوین کی تاسیس کے وقت کسی طرح بھی فقیہ ومجتہد کی حیثیت سے رکن منتخب نہیں کیا جا سکتا تھا مگر مصنف انوار کے نزدیک یہ بھی واقع ہوا ہے، محض اتنی ہی بات مصنف انوار کے دعاوی کی تکذیب وتردید کے لیے بہت کافی ہے۔

یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ بدعوی مصنف انوار امام محمد موصوف کی ولادت ۱۳۲ھ میں ہوئی تھی یعنی ابن خلکان وغیرہ کی تصریح مندرجہ بالا سے تین سال پہلے، اس صورت میں بھی مصنف انوار کے بہت سے دعاوی کی خود بخود تکذیب ہو جاتی ہے، خصوصاً مصنف انوار کے اس دعوی کی موجودگی میں کہ امام محمد امام صاحب کی خدمت میں بعمر چودہ سال یعنی ۱۴۶ھ میں پڑھنے کے لیے آئے اور اسی سال بدعویٔ علامہ شبلی امام صاحب ہمیشہ کے لیے جیل خانہ میں بند کر دیے گئے تھے اور بدعوی مصنف انوار اس کے سال بھر بعد ۱۴۷ھ میں امام صاحب ہمیشہ کے لیے مقید کیے گئے یعنی زیادہ سے زیادہ امام صاحب کی خدمت میں امام محمد طالب علم کی حیثیت سے ایک سال رہے مگر مصنف انوار دوسری طرف فرماتے ہیں کہ خدمتِ امام صاحب میں امام چار سال رہے اور تیسری طرف فرماتے ہیں کہ خدمتِ امام صاحب میں تیس سال رہ کر امام محمد تدوین فقہ کرتے رہے۔

ظاہر ہے کہ مصنف انوار کا یہ دعوی موصوف کے بہت سے دعاوی کے معارض وخلاف ہے اور صرف اتنی ہی چیز مصنف انوار کی تکذیب کے لیے بہت کافی ہے۔

یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب کی وفات کے بعد امام محمد درسگاہِ ابی یوسف میں بھی ایک عرصہ تک پڑھتے رہے۔ اسی طرح مصنف انوار نے امام محمد کے اساتذہ میں امام زفر اور مالک بن مغول اور عبداللہ بن المبارک کو بھی شمار کیا ہے۔[1] اور یہ معلوم ہے کہ امام زفر کی ولادت بقول واقدی ۱۱۶ھ میں اور بدعوی مصنف انوار ۱۱۰ھ میں اور امام عبداللہ بن المبارک کی ولادت ۱۱۸ھ میں اور بقول صحیح امام ابو یوسف کی ولادت ۱۱۳ھ میں اور بتصریح ابن کثیر ۱۱۵ھ میں ہوئی اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۸ھ یا ۱۱۰/۱۱۳ھ میں پیدا ہونے والے حضرات کے بارے میں مصنف انوار کا یہ دعوی بذات خود مکذوب وباطل ہے کہ ۱۲۰ھ میں جس وقت مجلس تدوین قائم ہوئی اس وقت یہ حضرات جمیع علوم وفنون کے ماہر ومجتہد ہو کر اراکین مجلس تدوین منتخب کیے گئے تھے مگر اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ ۱۳۲ھ یا ۱۳۵ھ میں پیدا ہونے والے امام محمد ان حضرات یعنی ابن المبارک وابو یوسف وزفر کے شاگرد تھے۔ ظاہر ہے کہ ان سبھی حضرات سے پڑھ چکنے کے بعد ہی موصوف امام محمد درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوں گے اور مصنف انوار کے دعاوی کے مطابق ان حضرات سے امام محمد نے امام صاحب کی وفات کے بعد ہی پڑھا ہو گا کیونکہ بدعوی مصنف انوار جملہ اراکین مجلس تدوین امام صاحب کے ساتھ از ۱۲۰ھ تا ۱۵۰ھ تدوین فقہ ہی میں مصروف تھے۔

دریں صورت ان حضرات کا امام صاحب کی زندگی میں اپنی مستقل درسگاہیں قائم کر کے امام محمد یا کسی کو پڑھانے کا دعوی بھی مصنف انوار کے مختلف دعاوی کے پیش نظر صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا، اور وفاتِ امام صاحب کے بعد مختلف اساتذہ خصوصاً اراکین مجلس تدوین کی درسگاہوں میں زیر تعلیم رہنے والے امام محمد کے بارے میں مصنف انوار کا یہ دعوی کیا معنی رکھتا ہے کہ وہ بذات خود ۱۳۲ھ میں پیدا ہونے کے باوجود ۱۲۰ھ میں مجلس تدوین قائم کیے جانے سے پہلے ہی امام صاحب کی خدمت میں جمیع

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۳)

علوم کے ماہر ومجتہد کی حیثیت سے جمع ہونے والے چالیس افراد میں شامل تھے؟

ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے یہ سارے دعاوی بعید از قیاس ہونے کے ساتھ باہم متعارض اور حقائق کے خلاف ہیں۔ ہم نے امام محمد ہی کے تذکرے میں امام محمد سے متعلق مصنف انوار کی دوسری گہرافشانیوں کا جائزہ لے رکھا تھا اور ہم نے مختلف جگہ اس کا وعدہ بھی کیا ہے مگر ہماری یہ رائے بعد میں بدل گئی ہے۔ اس جگہ اجمالی طور پر یہ جان لینا مناسب ہے کہ شیبانی موصوف مصنف انوار کے پروپیگنڈہ کے مطابق اگر چہ بہت بڑے محدث وفقیہ اور ثقہ وصدوق امام تھے مگر ابویوسف نے ان کو کذاب کہا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ شیبانی بھی ابویوسف کے بارے میں اسی قسم کا خیال رکھتے تھے۔❶

ابونعیم نے کہا: "قال أبو يوسف محمد بن الحسن يكذب علي" ابن معین سے کئی ثقہ رواۃ نے نقل کیا کہ شیبانی كذاب، جهمي، ليس بشيء، لا يكتب حديثه" تھے، امام ابوداود سجستانی نے کہا: "لا شيء، لا يكتب حديثه" عمرو بن علی ابوحفص صیرفی ومفضل الغلابی نے بھی انھیں ضعیف کہا۔❷ لسان المیزان (۵/ ۱۲۲) میں ہے کہ امام ابن عدی نے فرمایا: "محمد لم يكن له عناية بالحديث، وقد استغنى أهل الحديث عن تخريج حديثه" ابن مہدی نے کہا کہ میں نے شیبانی کی ایک کتاب دیکھی جس میں حدیث لکھنے میں غلطی کی تھی، اسے مقیس علیہ بنا کر کئی مسائل لکھے تھے، میں نے شیبانی کو اس پر مطلع کیا تو انھوں نے اس سے رجوع کیا اور کئی اوراق قینچی سے کاٹ کر پھینک دیے امام احمد نے بھی شیبانی کو جہمی کہا۔ امام شریک نے مردود الشہادۃ قرار دیا۔❸ امام احمد نے یہ بھی کہا کہ "لا أروي عنه شيئا"❹ امام نسائی نے بھی انھیں ضعیف کہا ہے۔❺ دارقطنی نے ان کو کہا کہ وہ متروک قرار دیے جانے کے مستحق نہیں ہیں۔❻ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ضعیف نہیں ہیں خصوصا جبکہ ابن معین وغیرہ نے انھیں سخت مجروح قرار دیا ہے۔

ناظرین تفصیل کے منتظر رہیں۔

۲۳۔ امام علی بن مسہر (مولود ۱۱۹، ۱۲۰ھ ومتوفی ۱۸۹ھ):

مصنف انوار نے امام علی بن مسہر قرشی کو فرضی چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دے لیا ہے اور اپنی اس اختراعی بات کے لیے حدائق الحنفیہ کا حوالہ دیا ہے حالانکہ حدائق الحنفیہ میں بکثرت جمع اکاذیب کے باوجود یہ نہیں کہا گیا کہ موصوف علی بن مسہر مجلس تدوین کے رکن تھے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حافظ ذہبی نے یہ صراحت کر رکھی ہے:

"ولد علي بن مسهر في حدود العشرين ومائة."❼ یعنی امام علی بن مسہر ۱۲۰ھ کے حدود میں پیدا ہوئے۔

اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ موصوف علی بن مسہر لگ بھگ ۱۱۹، ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے، دریں صورت موصوف ۱۲۰ھ

---

❶ شرح السير الكبير (۱/ ۳)　❷ خطیب (۲/ ۱۸۰، ۱۸۱، ترجمة محمد)

❸ ملاحظہ ہو: تعجيل المنفعة (ص: ۳۶۲) ولسان الميزان.

❹ كتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (۳/ ۲۲۷، قسم: ۲)　❺ ميزان الاعتدال.

❻ لسان وغيره.　❼ ملاحظہ ہو: سير أعلام النبلاء (۸/ ٤٨٥)

میں قائم ہونے والی مجلس تدوین کی تاسیس سے پہلے کیسے مشہور محدث وفقیہ ومجتہد بن کر ۱۲۰ھ لے کر ۱۵۰ھ تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے؟ ایک بات یہ بھی ہے کہ امام عجلی نے کہا:

"علي بن مسهر صاحب سنة، ثقة في الحديث، ثبت فيه، صالح الكتاب، كثير الرواية."[1]

''علی بن مسہر مذہب سنت کے پیرو تھے اور حدیث میں ثقہ وثبت تھے، اچھا لکھنے والے کثیر الروایۃ تھے۔''

یہ معلوم ہے کہ محدثین کی اصطلاح میں حنفی المذہب آدمی کو صاحب الرائے اور مرجی کہا جاتا ہے اس کے بالمقابل صاحب سنت کا لفظ عام طور سے غیر حنفی شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو مسلک حدیث کا پیرو ہو۔ اس اعتبار سے امام علی بن مسہر کو حنفی المذہب ہی کہنا صحیح نہیں چہ جائیکہ موصوف کو مذہب حنفی کی تدوین کرنے والوں میں شمار کر لیا جائے!

امام علی بن مسہر سے مروی ہے:

"قال لي المهدي حين ولّاني: ما تقول في شهادة الزور؟ قال: قلت: يا أمير المؤمنين فيها أقاويل، قول شريح: يؤتىٰ به حيه، فيقال لهم: إنه قد شهد بالزور فاعرفوه، وقول عمر بن الخطاب: يضرب أربعين، ويحلق رأسه، ويسود وجهه، ويطاف به، ويطال حبسه، فقال: خذ بقول عمر، أما علمت أن الله وضع الحق على لسان عمر؟"[2]

''مجھ سے خلیفہ مہدی نے کہا کہ جھوٹی قسم کھانے والے کے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اس مسئلہ میں کئی اقوال ہیں۔ قاضی شریح کا کہنا ہے کہ اسے اس کے محلّہ وقبیلہ میں لاکر اعلان کیا جائے کہ یہ جھوٹی گواہی دینے کا مرتکب ہوا ہے اس لیے تم لوگ اسے پہچان لو اور عمر بن خطاب کا ارشاد ہے کہ اسے چالیس کوڑے لگائے جائیں، اس کے سر کے بال مونڈ دیے جائیں، اس کے چہرے میں سیاہی لگا دی جائے، اسے گشت کرایا جائے اور طویل زمانہ تک مقید ومحبوس رکھا جائے۔ خلیفہ مہدی نے کہا کہ آپ اس معاملہ میں فرمان عمر پر عمل کرو کیونکہ فرمان نبوی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبان عمر پر حق گوئی رکھ دی ہے۔''

اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ خلیفہ کے پوچھنے پر علی بن مسہر نے زیر نظر مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا قول نہیں پیش کیا حالانکہ حنفی المذہب لوگ ہر مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا قول اور فتویٰ مذہب حنفی پیش پیش کرتے ہیں نہ موصوف نے یہ کہا کہ اے امیر المؤمنین چالیس فقہاء ومحدثین ومجتہدین بلکہ سینکڑوں اہل علم نے امام ابوحنیفہ کی سرپرستی میں باہم مل کر مسائل شرعیہ کو مدون ومرتب کر دیا ہے میں اسی کے مطابق فیصلے کرتا ہوں، بڑی حیرت کی بات تو یہ ہے کہ خلیفہ نے یہ نہیں کہا کہ ابوحنیفہ کی سرپرستی میں فقہ حنفی کی تدوین کرنے والوں میں تم بھی تھے، لہٰذا اپنی تدوین کردہ اسی فقہ پر عمل کرو حالانکہ مصنف انوار کا دعوی یہ ہے کہ خلفائے عباسیہ امام صاحب کی تدوین کردہ فقہ ہی پر عمل کرتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ خلیفہ نے علی بن مسہر کو حنفی مذہب کے بجائے مسلک اہل حدیث پر عمل کی ہدایت کی۔ اس سے مصنف انوار کے مزاعم فاسدہ اور اکاذیب کاسدہ کی قلعی کھل گئی ہے۔

---

[1] تهذيب التهذيب (٧/ ٣٨٤)
[2] أخبار القضاة (٣/ ٢١٩، ٢٢٠ و ٣٢٦)

مصنف انوار کتنی جرأت سے فرماتے ہیں:

''امام علی بن مسہر مشہور صاحبِ درایت و روایت، جلیل القدر محدث وفقیہ اور امام صاحب کے ان اصحاب وتلامذہ میں ہیں جو حدیث وفقہ کے جامع اور شریک تدوین فقہ تھے، حدیث میں امام اعمش، ہشام بن عروہ وغیرہ کے بھی تلمیذ ہیں، آپ ہی سے سفیان ثوری نے امام صاحب کا علم حاصل کیا تھا اور ان کی کتابیں نقل کرائی تھیں۔''[1]

امام علی بن مسہر کا صاحب درایت وروایت جلیل القدر محدث وفقیہ ہونا تو معروف ومشہور ہے مگر فرضی مجلس تدوین کا رکن ہونا مصنف انوار کے اختراع کردہ اکاذیب میں سے ہے، امام سفیان ثوری کا موصوف کے ذریعہ علم ابی حنیفہ حاصل کرنا بھی مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج کے ہاں مکذوب طور پر شہرت پذیر ہے ورنہ ہم بتلا آئے ہیں کہ سفیان ثوری نے خود فرمایا کہ میں نے کبھی امام ابوحنیفہ کی کوئی علمی بات حاصل نہیں کی البتہ امام صاحب خود مجھ سے علمی معلومات حاصل کرتے رہتے تھے۔ اگر مصنف انوار اپنے دعوی میں سچے ہیں تو ان اصول وضوابط کے مطابق اسے ثابت کریں جو اہل علم کے ہاں معروف ومروج ہیں۔

۲۴۔ امام یوسف بن خالد سمتی (مولود ۱۲۲/ ۱۲۳ھ ومتوفی ۱۸۹ھ):

مصنف انوار نے کہا:

''یوسف سمتی امام صاحب کے تلامذہ واصحاب میں مشہور عالم فقیہ وکامل ومحدث ثقہ تھے، تدوین فقہ میں شریک رہے... الخ۔''[2]

ہم کہتے ہیں کہ یوسف سمتی بتصریح اہل علم ۱۸۹/ ۱۹۰ھ میں بعمر سرسٹھ سال فوت ہوئے۔[3] اس کا مطلب یہ ہوا کہ موصوف سمتی ۱۲۲/ ۱۲۳ھ میں یعنی موہوم مجلس تدوین کی تاسیس کے دو تین سال بعد پیدا ہوئے اور یہ معلوم ہے کہ موصوف سمتی کا آبائی وطن بصرہ ہے، وہیں موصوف پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور وہیں تعلیم وتربیت بھی پائی۔ مصنف انوار اپنے مذکورہ بالا بیان میں معترف ہیں کہ سمتی نے پہلے اپنے وطن بصرہ کے مشہور فقہاء سے فقہ وحدیث حاصل کی، نیز یہ تفصیل آرہی ہے کہ مصنف انوار کی مستدل روایت کے مطابق سمتی بصرہ کے علماء خصوصاً عثمان بتی کی درسگاہ میں پڑھ لکھ کر جب علمی وفقہی مسائل پر بحث ونظر کے لائق ہو گئے تو موصوف بصرہ سے کوفہ علم حاصل کرنے آئے۔ اگر فرض کیجیے کہ بصرہ کی درسگاہوں میں پڑھ کر علمی مسائل میں بحث ونظر کے لائق سمتی بیس اکیس سال کی عمر میں ہو گئے اس کے بعد کوفہ پڑھنے کے لیے آئے۔ تو لازم آتا ہے کہ موصوف ۱۴۳/ ۱۴۴ھ کے بعد بصرہ سے کوفہ آئے۔ نیز طحاوی ناقل ہیں:

"سمعت أحمد بن أبي عمران يقول سمعت هلال بن يحيى يقول سمعت يوسف بن خالد يقول جالست أبا حنيفة سنتين ونصف سنة فما سمعته لحن في شيء إلا في حرف واحد زعم أهل اللغة أن فيه له مخرجا."[4]

''احمد بن ابی عمران نے کہا کہ میں نے ہلال الرائی سے یہ کہتے سنا کہ یوسف بن خالد سمتی نے کہا کہ میں ڈھائی

[1] مقدمه انوار (۱/ ۲۰۵)　[2] مقدمه انوار (۱/ ۲۰۵)　[3] تهذيب التهذيب (۱۱/ ۴۱۲)

[4] مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ۲۵)

سال امام صاحب کا ہم نشین رہا مگر میں نے انھیں کسی طرح کا لحن (تلفظ کی غلطی) کرتے نہیں سنا صرف ایک حرف میں ان سے لحن سرزد ہوا وہ بھی اہل لغت کی نظر میں قابل گنجائش ہے۔“

نہ جانے کیوں مصنف انوار نے مذکورہ بالا روایت کو حجت بنا کر یہ دعویٰ نہیں کیا کہ خدمتِ امام صاحب میں سمتی کی کل مدتِ تعلیم ومجالست صرف ڈھائی سال ہے۔ چہل رکنی مجلس تدوین کے وجود کے معتقد مصنف انوار کے استاذ کوثری وافغانی نے مذکورہ بالا روایت پر کسی طرح کا نقد وجرح نہیں کیا بلکہ افغانی نے اس روایت پر ایک حاشیہ بھی لکھا ہے جس کا مقتضی ہے کہ کوثری وافغانی مذکورہ بالا روایت کو معتبر مانتے ہیں، ارکان تحریک کوثری اگر روایت مذکورہ کو نصوص کتاب وسنت کی طرح صحیح نہ مانیں تو اپنے اصول معمولہ کی خلاف ورزی کے مرتکب قرار پائیں گے کیونکہ اس طرح کی عام روایات کو ارکان تحریک کوثری نصوص کتاب وسنت کی طرح بطور حجت نقل کرتے ہیں۔ اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ سمتی کل ڈھائی سال خدمتِ امام صاحب میں رہے چونکہ اس سے مصنف انوار کے اس دعویٰ کی تکذیب ہوتی ہے کہ سمتی چہل رکنی مجلس کے ارکان میں سے ایک تھے جو تیس سال امام صاحب کی سرپرستی میں تدوین فقہ کرتے رہے اس لیے مصنف انوار نے روایت مذکورہ کو صحیح ومعتبر کہہ کر نقل نہیں کیا۔

اس سے قطع نظر ۱۲۲/ ۱۲۳ھ میں پیدا ہونے والے سمتی کی عمر بوقت وفاتِ ابی حنیفہ ستائیس، اٹھائیس سال ہوگی اگر فرض کیجیے کہ اکیس، بائیس سال کی عمر میں موصوف مجتہد وفقیہ بن کر رکن مجلس تدوین بنے تو لازم آئے گا کہ موصوف ۱۴۳/ ۱۴۴ھ میں رکن مجلس بنے، پھر موصوف امام صاحب کی سرپرستی میں تیس سال تدوین فقہ کیسے کرتے رہے جبکہ وفاتِ عثمان بتی سے پہلے یعنی ۱۴۳ھ سے پہلے کوفہ چھوڑ کر بصرہ تبلیغ مذہب حنفی کے لیے چلے آئے؟

یوسف سمتی پر تجریحِ ابن معین:

یہ بات متعدد بار ذکر ہوچکی ہے کہ مصنف انوار امام یحییٰ بن معین کو حنفی المذہب اور عظیم المرتبت معتدل مزاج امام جرح وتعدیل مانتے ہیں۔ حافظ سمعانی ناقل ہیں:

”كان يحيى بن معين يقول يوسف السمتي كذاب، وقال مرة أخرى: هو كذاب خبيث عدو الله رجل سوء، رأيته بالبصرة ما لا أحصي لا يحدث عنه أحد فيه خير، و قال يحيى مرة أخرى: هو كذاب زنديق لا يكتب حديثه.“ [1]

”یوسف سمتی کذاب، خبیث، دشمن خدا، بدذات وبدقماش، زندیق، ناقابل روایت شخص ہے، میں نے اسے بارہا بصرہ میں دیکھا اس سے کوئی شخص جس میں کسی طرح کی خیر ہو روایت کرنی گوارا نہیں کرسکتا، یہ اس لائق نہیں کہ اس کی روایت لکھی جائے۔“

یوسف سمتی پر مصنف انوار کے تسلیم کردہ امام جرح وتعدیل امام ابن معین کی مذکورہ بالا تجریح سے یہ بات واضح ہے کہ سمتی کذاب اور جہمی المذہب ہونے کے ساتھ زندیق وخبیث اور بدقماش شخص تھا، یہ شخص جہمی مذہب کا اتنا حامی تھا کہ اس کی تائید اور حمایت میں اس نے کتابیں لکھیں اور تحریری طور پر مذہب جہم کی ترویج واشاعت اور تبلیغ وحمایت کے ساتھ مذہب جہم کے مخالفین یعنی اہل سنت کی تردید وتغلیط میں سرگرم عمل رہا، اس نے مسلمانوں میں زندقہ وبے دینی پھیلانے کی کوشش کی، نیز

[1] أنساب سمعاني (٧/ ٢١٢ لفظ سمتي) وتهذيب التهذيب (١١/ ٤١١)

بذریعہ کذب بیانی اس نے وضع احادیث کا کام بڑے پیمانے پر کر کے مسلمانوں کو اکاذیب کا عامل ومعتقد بنانا چاہا، اس طرح کے زندیق، جہمی اور بدقماش شخص کو اپنا امام دین قرار دینے والے مصنف انوار اور اس کی تدوین کردہ فقہ کی پیروی کے دعویدار مصنف انوار کا اصل چہرہ صرف مذکورہ بالا تفصیل ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

مصنف انوار نے سمتی کی طرف سے دفاع کیا ہے اور اس پر تجریح کرنے والوں پر نکیر وتنقید کی ہے حتی کہ انھیں متعصب وحاسد بتلایا ہے دریں صورت یہاں یہ سوال ہے کہ کیا مصنف انوار کے تسلیم شدہ امام جرح وتعدیل امام ابن معین بھی مصنف انوار کی نظر میں حاسد ومتعصب ہیں؟ یا کیا معاملہ ہے؟

تجریح سمتی میں ابن معین سے امام بخاری اور دوسرے ائمہ کی موافقت:

تکذیب سمتی میں امام ابن معین منفرد نہیں ہیں بلکہ امام بخاری نے بطور حجت نقل کیا ہے:

"قال ابن معين: وغمزوا يوسف بكذب، واسم السمتي يوسف بن خالد أبوخالد البصري، سكتوا عنه." ❶

"امام ابن معین نے کہا کہ عام اہل علم نے یوسف کو کذاب کہا ہے اور امام بخاری نے یوسف کی بابت "سکتوا عنہ" فرمایا ہے۔"

"قال ابن معين وعمرو بن علي: يوسف يكذب." ❷

"ابن معین اور عمرو بن علی فلاس نے کہا کہ یوسف سمتی کذاب ہے۔"

امام ابن معین سے امام بخاری نے جو مذکورہ بالا قول نقل کیا ہے اس کا واضح مفاد ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل کی پوری جماعت بشمول فلاس نے یوسف کو کذاب کہا ہے اور امام بخاری جیسے امام جرح وتعدیل نے بھی اسے کذاب قرار دینے میں ان ائمہ جرح وتعدیل کی موافقت کی ہے کیونکہ انھوں نے ابن معین وفلاس کے قول مذکور کو بطور دلیل نقل کیا ہے نیز اپنا فیصلہ اسی جگہ یہ فرمادیا ہے کہ "سکتوا عنہ" عام کتب مصطلح الحدیث میں صراحت ہے کہ امام بخاری کے نزدیک یہ لفظ سخت ترین کلمات تجریح میں سے ہے، جس کا حاصل بہرحال یہ ہے کہ امام بخاری عام اہل علم کی طرح یوسف سمتی کو کذاب اور وضاع قرار دیتے ہیں۔ امام بخاری نے اپنے اس موقف کی تائید میں ابن معین کے علاوہ امام ابن معمر (اسماعیل بن ابراہیم بن معمر ابومعمر ہذلی ہروی قطیعی متوفی ۲۳۶ھ) سے بھی نقل کیا ہے:

"قال ابن معمر: يكذب." ❸ یعنی امام اسماعیل بن ابراہیم بن معمر ہذلی نے بھی یوسف سمتی کو کذاب کہا ہے۔

امام بخاری نے کتاب الضعفاء والمتروکین میں بھی یوسف کی بابت "سكتوا عنه" فرمایا ہے۔ ❹

تجریح سمتی میں امام ابن معین سے امام نسائی کی موافقت:

امام نسائی (صاحب السنن) نے فرمایا:

"من أصحاب أبي حنيفة يوسف بن خالد السمتي كذاب" ❺

---

❶ تاريخ صغير للبخاري (ص: ۲۱۰)　❷ تاريخ كبير للبخاري (۴/ ۳۸۸، ق: ۲)　❸ تهذيب التهذيب (۱۱/ ۴۱۲)
❹ الضعفاء والمتروكين للبخاري (ص: ۳۷)　❺ طبقات للنسائي بروايت ابن التمار (ص: ۳۵)

''امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں سے یوسف سمتی کذاب ہے۔''

حافظ ابن حجر ناقل ہیں کہ ''وقال النسائي: ليس بثقة ولا مأمون.''یعنی یوسف سمتی ثقہ ہے نہ معتبر، حاصل یہ کہ ساقط الاعتبار ہے۔

یوسف سمتی پر امام ابن ابی حاتم، ابوحاتم اور ابوزرعہ کی تجریح:

امام ابن ابی حاتم نے کہا:

''سألت أبي عن يوسف السمتي فقال: أنكرت قول ابن معين فيه أنه زنديق، حتى حمل إلي كتابه فقد وضعه في التجهم بابا بابا، ينكر فيه الميزان في القيامة، فعلمت أنه لا يتكلم إلا ببصيرة وفهم، قلت: ما حاله؟ قال: ذاهب الحديث، قال: وسمعت أبا زرعة يقول: اضرب على حديثه.''[1]

''سمتی کی بابت میں نے اپنے باپ ابوحاتم رازی سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اسے ابن معین زندیق نے کہا تو مجھے ابن معین کی اس بات پر تعجب تھا مگر میرے پاس اس کی ایک کتاب لائی گئی اس کتاب میں اس نے جہمی مذہب کی تائید وحمایت میں متفرق ابواب پر مشتمل مضامین لکھے تھے حتی کہ یہ شخص بروز قیامت میزان اعمال کا بھی منکر ہے، اس سے میں یہ جان گیا کہ ابن معین بصیرت ومعرفت کی بنیاد پر ہی کلام کرتے ہیں، میں نے (ابن ابی حاتم) ابوحاتم سے پوچھا کہ حدیث میں اس کا کیا حال ہے؟ ابوحاتم نے فرمایا کہ یہ شخص ''ذاهب الحديث'' ہے، اور امام ابوزرعہ سے میں نے یہ سنا کہ اس شخص کی حدیث کو متروک قرار دو۔''

یوسف سمتی پر امام ابن حبان کی تجریح:

امام ابن حبان نے کہا:

''كان مرجئا من علماء أهل زمانه بالشروط، و كان يضع الحديث على الشيوخ، ويقرأ عليهم، ثم يروي عنهم، لا يحل الرواية بحيلة عنه، ولا الاحتجاج به بحال، حدثنا مكحول ثنا أبو الحسين الرهاوي أحمد بن سليمان قال سألت أبا جعفر بن نفيل قلت: حدثتنا زمانا عن يوسف السمتي ثم تركته، وعن إبراهيم بن أبي يحيى فلم تحدثنا عنه بشيء؟ قال: بلغني أنهما كانا يضعان الحديث وضعا، حدثني محمد بن المنذر قال: سمعت عباس بن محمد يقول: سمعت يحيى بن معين يقول: يوسف بن خالد السمتي كذاب.''[2]

''یوسف سمتی اپنے زمانے کے علمائے شروط میں سے مرجی المذہب تھا۔شیوخ کے نام پر احادیث وضع کرتا، اپنی وضع کردہ حدیثوں کو پڑھتا، پھران کی روایت کرتا تھا، اس شخص سے کسی طرح بھی روایت واحتجاج حلال وجائز نہیں

---

[1] الجرح والتعديل (٤/ ٢٢٢، ق: ٢) وأنساب سمعاني (٧/ ٢١٢) وتهذيب التهذيب (١١/ ٤١١)

[2] المجروحين (٣/ ٩٧)

امام ابوجعفر بن نفیل سے امام احمد بن سلیمان رہاوی نے کہا کہ آپ کسی زمانے میں یوسف سمتی وابراہیم بن یحییٰ سے روایت کرتے تھے پھر ان سے آپ نے روایت کیوں ترک کر دی؟ موصوف امام ابوجعفر نے کہا کہ یہ دونوں بڑے پیمانے پر وضع حدیث کا کاروبار کرتے تھے، امام ابن معین نے بھی اسے کذاب کہا ہے۔''

مذکورہ بالا عبارتِ ابن حبان کا مطلب اتنا واضح ہے کہ اس کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابن حبان، ابوجعفر بن نفیل اور ابن معین یوسف کو کذاب ووضاع ومتروک قرار دیے ہوئے ہیں۔

یوسف سمتی پر امام یعقوب بن سفیان فارسی فسوی کی تجریح:

تجریح سمتی میں مذکورہ بالا اماموں کی موافقت کرتے ہوئے امام یعقوب بن سفیان فسوی نے کہا:

"لايكتب حديثه، ولا يروي عنه أهل الديانة والمعرفة."[1]

''یوسف اس لائق نہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے، اس سے علم ومعرفت اور دیانت داری رکھنے والے روایت نہیں کرتے۔''[2]

سمتی پر امام فسوی کی مذکورہ بالا تجریح بھی دراصل اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ کذاب ووضاع وزندیق ہونے کے سبب اہل علم نے سمتی کو متروک قرار دے دیا ہے۔ امام ابن المدینی نے کہا کہ مجھ سے دراوردی (عبدالعزیز بن محمد بن عبید مدنی) نے فرمایا کہ سمتی سے کہہ دو کہ موصوف موسیٰ بن عقبہ امام المغازی کی کتاب واپس کر دیں اور اللہ سے ڈریں۔[3] معلوم ہوا کہ سمتی لوگوں کی کتابیں بھی رکھ لیا کرتے تھے۔

سمتی پر امام عجلی، ابن سعد اور امام ابوداود کی تجریح:

حافظ ابن حجر حافظ عجلی، ابن سعد اور ابوداود سے ناقل ہیں:

"قال العجلي: يوسف ليس بثقة، وقال مرة: متروك الحديث، وقال ابن سعد: له بصر بالرأي والفتوى والشروط، وقيل له السمتي لهيئته، وكان الناس يتقون حديثه لرأيه، وكان ضعيفا."[4]

''امام عجلی نے اسے غیر ثقہ ومتروک کہا اور ابن سعد نے کہا کہ اسے علم رائے وفتوی اور شروط کی بصیرت حاصل تھی اس کی ظاہری شکل وصورت اور حالت اچھی تھی اس لیے اسے سمتی کہا جاتا ہے، لوگ (مراد اہل علم) اس کی حدیث سے اس کی رائے پرستی کے سبب پرہیز کرتے ہیں یعنی اسے متروک قرار دیے ہوئے ہیں اور فی الواقع یہ ضعیف تھا۔''

مذکورہ بالا تفصیل سے جہاں ایک طرف یہ معلوم ہوا کہ سمتی کو متروک بتلانے میں عام اہل علم کی موافقت امام عجلی وابن سعد نے بھی کی ہے وہاں دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سمتی بظاہر اس طرح کا طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے تھا اور ایسی شکل وصورت رکھتا تھا کہ لوگ اسے اچھا سمجھ بیٹھتے تھے لیکن حقیقت میں موصوف کذاب، وضاع، زندیق، جہمی، متروک، بدقماش و بددیانت شخص تھا، چنانچہ اسی طرح کی ایک بات امام ابوداود سے اس طرح منقول ہے:

---

[1] تهذيب التهذيب (١١/ ٤١٢)
[2] نیز ملاحظہ ہو: تاريخ فسوي (٢/ ٦٦٥، ٦٦٦)
[3] تاريخ فسوي (٣/ ٣٢)
[4] تهذيب التهذيب (١١/ ٤١٢) وطبقات ابن سعد (٧/ ٤٧، ق: ٢)

"كذاب و كان طويل الصلوة." یعنی سمتی کذاب آدمی ہے مگر وہ لمبی لمبی نمازیں پڑھا کرتا تھا۔

ایسا بہت ہوتا آیا ہے کہ کذاب، وضاع، زندیق وبددین وغیر ثقہ ومتروک لوگوں میں سے کتنے لوگ بظاہر بڑے عابد وزاہد ونمازی، تہجد گزار، سخی وفیاض ہوتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سادہ لوح لوگوں کو اپنے دام تزویر اور فریب میں پھنسا کر اپنا معتقد ومرید ومقلد بنائیں، پھر ان سے اپنے دنیاوی اور سیاسی مقاصد حاصل کریں جیسا کہ سمتی کا پیشوا اور امام جہم بن صفوان ترویج ضلالت واکاذیب کے لیے بظاہر لوگوں کو کتاب وسنت کی طرف دعوت دیا کرتا تھا یہ بہت سارے کذابین کا شیوہ وشعار رہ چکا ہے۔

یوسف سمتی پر امام زکریا ساجی کی تجریح:

امام زکریا ساجی نے کہا:

"ضعيف الحديث، كثير الوهم، كان صاحب رأي وجدل في الدين، وهو أول من وضع كتاب الشروط، وأول من جلب رأي أبي حنيفة إلى البصرة، كذبه ابن معين، وأحسب أنه حمل عليه، لأنه قيل: إنه ناظر نصرانيا فقطعه، ثم قال: له أتقلد قولك، وتناظرني؟ فأحسب أن ابن معين غلط أمره من هذا الطريق، وأما الحديث فليس بموضع لذلك، وذلك أن الجهمية تقلد قوله، وتجعله إماما، ولا سمعت بندارا ولا ابن المثنى حدثا عنه شيئا قط." [1]

"یوسف سمتی ضعیف الحدیث وکثیر الوہم دینی امور میں جدال کرنے والے مذہب رائے کے پیرو تھے سب سے پہلے انھوں نے کتاب الشروط لکھی اور سب سے پہلے وہی مذہب ابی حنیفہ کو بصرہ میں لے کر آئے، انھیں امام ابن معین نے کذاب کہا مگر میرا خیال ہے کہ امام ابن معین نے ان پر یہ الزام لگایا کہ ان سے کہا گیا کہ یوسف نے کسی نصرانی سے مناظرہ کر کے اسے لاجواب کر دیا، پھر یوسف نے نصرانی سے کہا کہ میں تمہاری بات مان لوں گا بشرطیکہ تم مجھ سے مناظرہ کرو۔ میرا یعنی ساجی کا خیال ہے کہ امام ابن معین نے یوسف کے اس عمل کی تغلیط کی غرض سے ان کی تکذیب کی ہے یعنی یوسف کا یہ طریق عمل غلط تھا اور عربوں میں رواج ہے کہ غلط بات کو بھی کذب سے تعبیر کر دیتے ہیں اگر غلطی کرنے والا کذاب نہ بھی ہو، اور جہاں تک حدیث کا معاملہ ہے اس میں یوسف کسی کام کے نہیں تھے حدیث میں ان کا کوئی بھی مقام نہیں ہے البتہ جہمیہ یوسف کے مقلد ہیں اور انھیں اپنا امام بنائے ہوئے ہیں۔ میں نے امام بندار (محمد بن بشار) اور ابن المثنی (امام ابوموسی محمد بن مثنی بن عبید عنزی بصری المعروف بالزمن متوفی ۲۵۲ھ) کو کبھی بھی یوسف سمتی سے روایت حدیث کرتے نہیں دیکھا۔"

امام ساجی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ سمتی نہ صرف یہ کہ بذات خود جہمی المذہب تھے بلکہ جہمیہ کے امام بھی تھے، اور یہ معلوم ہے کہ مصنف انوار اور ارکان تحریک کوثری نے سمتی کو اپنا امام بنا رکھا ہے اور بزعم خویش یہ سمجھ رکھا ہے کہ جس فقہی مذہب کی تقلید کو انھوں نے اپنا شعار دین بنا رکھا ہے اس کی تدوین کرنے والوں میں یہ جہمی سمتی صاحب تھے۔ سمتی کو امام ابوزرعہ وابن

[1] تهذيب التهذيب (١١/ ٤١٢)

معین وابوحاتم کی طرح امام ابن المثنی اور بندار جیسے ائمہ جرح وتعدیل نے بھی متروک ومجروح قرار دیا ہے۔ امام ساجی سمتی کو فی نفسہ کذاب نہیں مانتے بلکہ غلط کار مانتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ موصوف کی غلط کاری سے امام ابن معین نے موصوف کو کذاب کہا ہے ورنہ فی نفسہ موصوف سمتی صدوق ہیں، البتہ موصوف ساجی معترف ہیں کہ حدیث میں سمتی کا کوئی مقام نہیں یعنی سمتی کو متروک الحدیث قرار دینے میں ساجی بھی امام ابن معین وابوحاتم وابوزرعہ وغیرہم کے موافق ہیں کیونکہ ساجی موصوف کو کثیر الوہم مانتے ہیں اور فن حدیث میں بے کار بھی، نیز ساجی کا فرمان ہے کہ سمتی مذہب رائے (حنفی مذہب) کے پیرو اور دین میں جدال کرنے والے تھے اور سرزمین بصرہ کو انھیں حضرات نے مذہب رائے یعنی مذہب ابی حنیفہ سے آشنا کرایا تھا اور سب سے پہلے شروط کے فن پر انھیں یوسف نے کتاب لکھی تھی۔

یہ واضح رہے کہ سمتی کو کذاب قرار دینے میں امام ابن معین وابوحاتم سے امام ابوداود (صاحب السنن) اور امام عمرو بن علی فلاس وابن حبان وغیرہم بھی متفق ہیں اور ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ان ائمہ جرح وتعدیل کے بالمقابل ساجی کی یہ بات کتنا وزن رکھتی ہے کہ ابن معین نے سمتی کو سمتی کی غلط کاری کے سبب کذاب کہا ہے۔ علاوہ ازیں سمتی کو متروک ومجروح وساقط الاعتبار وجہمی وبدمذہب قرار دینے میں ساجی بھی دوسرے اہل علم کے ہم خیال ہیں پھر تو ساجی اور دوسرے اہل علم کے بیان میں کوئی خاص معنوی فرق نہیں رہ گیا۔

سمتی پر علامہ زرکلی کی تجریح:

علامہ زرکلی نے کہا:

”السمتي فقيه، يرمى بالزندقة، من أئمة الجهمية، وهو أول من وضع كتاب الشروط، وهي كتابة الوثائق و السجلات، و أول من حمل رأي أبي حنيفة إلى البصرة، وكان من أهلها من الموالي، وله كتاب في التجهم، قيل: أنكر فيه الميزان و القيامة، وكان صاحب رأي وجدل، و هو عند كثير من أهل الحديث كذاب زنديق، عرف بالسمتي لهيئته.“ [1]

”سمتی فرقہ جہمیہ کے اماموں میں سے زندقہ کے ساتھ متہم فقیہ ہے، سب سے پہلے اسی نے کتاب الشروط لکھی اور بصرہ میں سب سے پہلے یہی شخص مذہب ابی حنیفہ لے کر آیا، یہ باشندگان بصرہ کے غلاموں میں سے تھا، ”تجہم“ پر اس کی کتاب ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ اس نے میزان وقیامت کا انکار کیا ہے، یہ شخص رائے پرست اور جدال پسند تھا، بہت سے اہل حدیث کے نزدیک یہ کذاب وزندیق ہے، اسے ظاہری حسن صورت کے سبب سمتی کہا جاتا ہے۔“

سمتی کی توثیق وتوصیفِ مصنف انوار پر نظر:

مذکورہ بالا تفصیل کے باوجود مصنف انوار نے سمتی کو ”مشہور عالم، فقیہ کامل، محدث ثقہ“ کہا۔ نیز یہ کہا:

”سمتی نے پہلے بصرہ کے مشہور فقہاء سے فقہ وحدیث حاصل کی، پھر امام صاحب کی خدمت میں کوفہ حاضر ہوئے اور فقہ وحدیث کی تکمیل امام صاحب سے کی۔“ [2]

---

[1] الأعلام للزركلي (٩/ ٣٠٣)　[2] مقدمه انوار (١/ ٢٠٥)

جہاں تک سمتی کے ''مشہور عالم'' ہونے کا معاملہ ہے اس کے صحیح ہونے میں شک نہیں لیکن جو''مشہور عالم'' بتصریح اہل جرح وتعدیل کذاب وزندیق وجہمی ووضاع ومتروک ہو اس ''مشہور عالم'' کا فرضی مجلس تدوین کا رکن ہونا تحریک کوثری کے لیے جس قدر مفید ہوسکتا ہے وہ اہل نظر پر مخفی نہیں، اور موصوف کے فقیہ کامل ہونے کی حقیقت بھی اس بات سے ظاہر ہے کہ موصوف کذاب ووضاع وزندیق وجہمی تھے اور بتصریح ساجی موصوف جہمیوں کے امام ہیں۔ جہمیہ ان کی تقلید کرتے ہیں، اس لیے جہمیہ کے نقطہ نظر سے موصوف سمتی ضرور فقیہ کامل ہوں گے ورنہ وہ موصوف کی تقلید کو اپنا دین نہ بناتے۔ مصنف انوار نے سمتی کو ''محدث ثقہ'' لکھا ہے اور اپنی اس بات کا ماخذ جواہر المضیہ وحدائق الحنفیہ کو بتلایا ہے حالانکہ نہ تو جواہر المضیہ میں موصوف کو ثقہ کہا گیا ہے نہ حدائق الحنفیہ جیسی مجموعہ اکاذیب میں موصوف کو ثقہ کہا گیا، نہ کسی اور کتاب میں کسی امام جرح وتعدیل سے موصوف کا ثقہ ہونا منقول ہے، البتہ مصنف حدائق الحنفیہ (جو ترویج اکاذیب میں مصنف انوار کے اماموں میں سے ہیں) نے کہا:

''اگرچہ صاحب تقریب کے نزدیک سمتی متروک ہیں تاہم ابن ماجہ نے اپنی سنن میں آپ سے تخریج کی اور ہلال بن یحییٰ اور اس کے باپ خالد نے اس سے روایت کی، طحاوی نے کہا ہے کہ میں نے مزنی سے سنا کہ یوسف بن خالد اہل خیار میں سے ہیں۔''[1]

مصنف حدائق الحنفیہ کو بہرحال یہ ہمت نہیں ہوئی کہ سمتی کو ثقہ کہیں مگر مصنف انوار نے حسب عادت جذبۂ ترویج اکاذیب سے مغلوب ہوکر دونوں کے حوالے سے سمتی کو ثقہ کہہ دیا ہے، مصنف حدائق الحنفیہ اور عام اہل علم کو معلوم ہے کہ صاحب تقریب (حافظ ابن حجر) نے علمائے جرح وتعدیل کی تصریحات کے مطابق سمتی کو متروک کہا ہے اور متروک رواۃ سے امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں متعدد روایات نقل کی ہیں، امام ابن ماجہ کا اپنی سنن میں سمتی کی کسی روایت کا نقل کرنا موصوف کے کذاب اور وضاع ومتروک وزندیق ہونے کے منافی نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ مصنف حدائق بے پناہ جذبۂ ترویج اکاذیب رکھنے کے باوجود سمتی کو ثقہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ ان کے زمانے میں نئے قسم کے اکاذیب ایجاد کرنے میں اتنی ترقی نہیں ہوئی تھی جتنی کہ مصنف انوار کے زمانے میں ہوگئی ہے۔

مصنف انوار کے ثقہ قرار دیئے ہوئے سمتی موصوف سے مروی ہے:

"عن ابن عمر قال: ما من أحد إلا وعليه حجة وعمرة واجبتان."[2]

''ابن عمر نے کہا کہ ہر شخص پر حج اور عمرہ واجب ہے۔''

مصنف انوار اور ان کے حنفی مذہب میں سمتی کی روایت کردہ اس وضعی حدیث پر عمل نہیں ہے حالانکہ اس کا مضمون دوسرے طرق سے ثابت ہے۔ مصنف انوار کے ممدوح مصنف جواہر المضیہ نے سمتی کی نقل کردہ اس روایت کو بحوالہ ابن عدی منکر قرار دیا ہے۔[3] مگر مصنف انوار نے یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی۔ کیا یہ کتمان حق اور تلبیس نہیں ہے کہ ایک کذاب وزندیق کی مدح سرائی وتوثیق جس کتاب کے حوالے سے کی جائے اس میں اس کذاب کو اگرچہ ثقہ نہیں کہا گیا بلکہ اس کی نقل کردہ روایت کو منکر کہا گیا ہے پھر بھی اسے مصنف انوار نے ثقہ کہا ہے؟!

---

[1] حدائق الحنفية (ص: ١٣١) [2] لسان الميزان (٢/ ٣٩٢) وميزان الاعتدال (١/ ٢٧٠) [3] جواهر المضية (١/ ٢٣٠)

حافظ ابن حبان نے ترجمہ خالد بن یوسف سمتی میں کہا:

"وله عن أبيه عن موسى بن عيينة عن ابن حازم عن أبي هريرة بهذا الإسناد مائة وأربعون حديثا، وما في روايته فلعل البلاء فيه من أبيه يوسف بن خالد فإنه ضعيف."[1]

''خالد نے اپنے باپ یوسف سمتی کے حوالے سے موسیٰ بن عیینہ عن ابن حازم عن ابی ہریرہ کی سند کے ساتھ ایک سو چالیس احادیث بیان کی ہیں، حالانکہ یہ ایک سو چالیس احادیث موسیٰ بن عیینہ کی روایت کردہ نہیں ہیں، غالبًا ان مکذوبہ احادیث کو وضع کرنے کا کارنامہ خالد کے باپ یوسف سمتی نے انجام دیا ہے کیونکہ وہ ضعیف ہے۔''

امام ابن حبان کے اس بیان سے بھی واضح ہے کہ وہ یوسف سمتی کو احادیث مذکورہ کا واضع وایجاد کنندہ قرار دیتے ہیں کیونکہ ابن حبان کی نظر میں یوسف سے ان روایات کے ناقل یوسف کے صاحبزادے خالد سمتی کذاب اور وضاع نہیں ہیں بلکہ خالد ابن حبان کی نظر میں فی نفسہ صدوق ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے کہا:

"وذكره ابن حبان في الثقات، وقال: يعتبر حديثه من غير روايته عن أبيه."[2]

''امام ابن حبان نے خالد کا ذکر ثقات میں کرتے ہوئے کہا کہ اپنے باپ کے علاوہ دوسروں سے موصوف خالد کی نقل کردہ روایت "يعتبر به" ہے۔''

اور یہ معلوم ہے کہ "يعتبر به" کا مطلب یہ ہے کہ متابع کی موجودگی میں اس وصف سے متصف راوی کی روایت مقبول ہوگی، یعنی موصوف خالد فی نفسہ صدوق ہیں مگر ان کی روایت کے معتبر ہونے کے لیے متابع کا پایا جانا ضروری ہے، موصوف بالکل ہی ساقط الاعتبار نہیں ہیں اسی بات کو عام اہل علم نے بیان کیا ہے۔

حدائق الحنفیہ میں جو یہ مذکور ہے کہ طحاوی نے مزنی سے نقل کیا کہ یوسف اہل خیار میں سے ہیں تو واضح رہے کہ مصنف جواہر المضیہ نے یہ کہا ہے کہ یوسف کی بابت یہ بات مزنی نے نہیں بلکہ مزنی کے استاذ امام شافعی نے کہی ہے لیکن یہ معلوم ہے کہ جواہر المضیہ میں بکثرت تصحیف وتحریف واقع ہوئی ہے۔ اور حافظ ابن حجر ناقل ہیں:

"قال الطحاوي: ثنا المزني قال الشافعي: ثنا يوسف بن خالد، وكان ضعيفا."[3]

''طحاوی مزنی سے ناقل ہیں اور وہ امام شافعی سے کہ امام شافعی نے فرمایا کہ ہم سے یوسف نے حدیث بیان کی اور یوسف ضعیف راوی تھے۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام شافعی نے یا مزنی نے یا طحاوی نے یوسف کو ضعیف کہا ہے اور مصنف انوار جواہر المضیہ نے جو بات طحاوی کی طرف منسوب کی ہے اس کا ماخذ معلوم نہیں بلکہ دراصل وہ تصحیف کا نتیجہ ہے مگر مصنف انوار نے ازراہ دیانت داری اسے حجت بنا لیا ہے!!

---

[1] المجروحين (١/ ٢٧٢)　[2] لسان الميزان (٢/ ٣٩٢) و أنساب سمعاني (٧/ ٢١٣) وفوائد البهية (ص: ٢٢٨)

[3] تهذيب التهذيب (١١/ ٤١٢)

پھر جواہر المضیہ میں سمتی کی بابت امام شافعی کا یہ کلمہ منقول ہے کہ "کان رجلا من الخیار" موصوف اہل خیر میں سے تھے اور یہ معلوم ہے کہ اہل خیر کا لفظ مبہم و مجمل ہے، کذاب اور وضاع و زندیق جہمی کو بھی بعض اعتبار سے اہل خیر میں شمار کیا جا سکتا ہے، مثلاً یہ کہ بظاہر سخی اور فیاضی یا لمبی لمبی نمازیں پڑھنے والا اور عابد و زاہد ہو مگر یہ معلوم ہے کہ سخی و فیاض یا عابد و زاہد شخص کا کذاب ہونا مستبعد نہیں ہے۔ امام ابن معین نے کہا ہے:

"یوسف السمتي کان یکذب، ویخاصم الیهود والنصاری." [1]

''سمتی کذاب تھا، یہود و نصاری سے مناظرے کیا کرتا تھا۔''

یہود و نصاری سے سمتی کی مناظرہ بازی کو بھی ''کارِ خیر'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کیونکہ اسلام کی حمایت میں یہود و نصاری سے مناظرہ کرنے والوں سے عام اہل اسلام خوش رہا کرتے ہیں خواہ اس نے یہ مشغلہ محض پیشہ اور حصول شہرت کے لیے اختیار کیا ہو اور بذات خود اس کا عقیدہ خالص اسلامی نقطہ نظر سے اس حد تک مبتدعانہ ہو کہ اسے زندیق کہا جا سکتا ہو، نیز وہ کذاب اور وضاع بھی ہو۔ آخر جہم بن صفوان اور جعد بن درہم وغیرہ بھی تو غیر مسلمین سے بزعم خویش مناظرے کرتے اور حق ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے مگر ان کا اپنا جو حال تھا وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔

الغرض مصنف انوار نے امام شافعی کی طرف منسوب قول مذکور کا ناجائز اور بے محل فائدہ اٹھا کر سمتی کو ثقہ محدث قرار دیا ہے، ہر شخص کو بہر حال یہ آزادی حاصل ہے کہ کسی بھی زندیق و جہمی کذاب کو اپنا امام دین بنا کر اس کی تدوین کردہ فقہ کی تقلید کو اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھ لے۔ ﴿فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر﴾ قرآنی فرمان ہے مگر تحریف و تلبیس کے ذریعہ جھوٹی باتوں کو حقائق کے نام پر مسلمانوں میں پھیلانا ٹھیک کام نہیں ہے۔ جب مصنف انوار نے یوسف جیسے کذاب و جہمی کو اپنا امام بنا رکھا ہے تو موصوف ان کی پیروی میں نیز ان کی مدح سرائی میں جو کچھ بھی کر گزریں وہ مستبعد نہیں ہے۔

امام شافعی کی طرف قول مذکور ممکن ہے کہ ابن ابی عوام کی مناقب ابی حنیفہ میں بحوالہ طحاوی منقول ہو کیونکہ اس میں طحاوی کے حوالے سے بکثرت روایات منقول ہیں اور یہ معلوم ہے کہ ابن ابی العوام کی کتاب مذکور میں منقول روایات مجموعۂ اکاذیب ہیں۔

مصنف انوار نے جو یہ کہا کہ سمتی نے امام صاحب سے مسانید میں روایات کی ہیں تو یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام صاحب کی طرف منسوب مسانید کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مجموعۂ اکاذیب کہا ہے، اور مصنف انوار نے جو یہ کہا کہ سمتی نے پہلے بصرہ کے مشہور فقہاء سے فقہ و حدیث حاصل کی، پھر خدمتِ امام صاحب میں کوفہ حاضر ہوئے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ۱۲۲/ ۱۲۳ھ میں پیدا ہونے والے سمتی اپنے وطن بصرہ میں تحصیل علم کرنے کے بعد اگر سولہ سترہ سال کی عمر میں کوفہ وارد ہو کر خدمتِ امام صاحب میں تحصیل علم کے لیے آئے ہوں تو ۱۳۹/ ۱۴۰ھ میں موصوف درسگاہِ امام صاحب میں داخل ہوئے ہوں گے، اس سے خود بخود مصنف انوار کے متعدد دعاوی مکذوب قرار پا جاتے ہیں۔

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ طحاوی کی نقل کردہ ایک روایت کے مطابق خدمتِ امام صاحب میں سمتی کی کل مدتِ مجالست ڈھائی

---

[1] تاریخ ابن معین (۲/ ۶۸۵)

سال ہے۔ مشہور حنفی امام عبدالباقی بن قانع نے بھی سمتی کو ضعیف ہے۔[1] مصنف انوار کا یہ کہنا کہ ”سمتی نے امام صاحب سے چالیس ہزار مسائل مشکلہ حاصل کیے۔“ ایک ایسا دعوی ہے جو دلیل سے خالی ہے۔

صیمری کو سمتی کے متروک ہونے کا اعتراف:

مصنف انوار کے ممدوح صیمری نے کہا:

”كان السمتي قديم الصحبة لأبي حنيفة، كثير الأخذ عنه، ثم خرج إلى البصرة فلم يحسن أن يسوس أمره، فأقيم من الجامع، وهجر حتى دخل أبو يوسف البصرة مع الرشيد، وهو نديمه، وزميله قاضي قضاته، فركب إليه ونبه عليه، فعاد ذكره في الناس، ثم ترك الدنيا، وأقبل على العبادة، فلم يكن يكلم كبيرا أحدا إلى أن مات.“[2]

”سمتی امام صاحب کے پرانے اور قدیم صحبت یافتہ ہیں، انھوں نے امام صاحب سے بہت کچھ حاصل کیا تھا، پھر موصوف امام صاحب سے پڑھنے کے بعد بصرہ گئے، بصرہ میں وہ ٹھیک طرز عمل نہیں اختیار کر سکے، اس لیے جامع مسجد سے نکال باہر کیے گئے اور متروک قرار دے دیے گئے یہاں تک کہ جب امام ابو یوسف ہارون رشید کے ساتھ بصرہ آئے تو سمتی سے ملنے گئے جس سے سمتی کا دوبارہ ذکر لوگوں میں ہونے لگا، پھر سمتی تارک الدنیا ہو کر مشغولِ عبادت ہو گئے اور کسی سے زیادہ بات نہ کرتے تھے، یہاں تک کہ موصوف فوت ہو گئے۔“

مذکورہ بالا عبارت اگرچہ ایک طویل مکذوبہ روایت کا ملخص ہے جس کا ذکر ترجمہ زفر میں آچکا ہے مگر اس میں بہر حال اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ سمتی کی غلط روی کے سبب اہل بصرہ نے سمتی کو مسجد سے نکال دیا اور ان کا بائیکاٹ کر دیا، یعنی موصوف کو متروک قرار دے دیا غالبًا، اسی وجہ سے سمتی نے گوشۂ تنہائی اور زاویہ عبادت اختیار کرنے میں عافیت سمجھی اور اسی حالت میں موصوف فوت بھی ہو گئے۔ **واللہ أعلم بالصواب**

مدح ابی حنیفہ میں سمتی سے مروی روایات:

سمتی سے مدحِ امام صاحب میں متعدد روایات بھی منقول ہیں جن کو مصنف انوار نے متعدد مقامات پر مختلف عناوین کے تحت نقل کر رکھا ہے، ان روایات کی نسبت اگر سمتی کی طرف صحیح بھی ہو تو چونکہ سمتی کا کذاب وزندیق ہونا ثابت ہے اس لیے انھیں صحیح ومعتبر کہہ کر دلیل وحجت بنانا دیانتداری کے خلاف ہے، بہرحال ہم ان روایات کا جائزہ لینا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ مصنف انوار کی دیانتداری ناظرین کرام کے سامنے زیادہ واضح ہو جائے۔

مصنف انوار نے کہا:

”یوسف سمتی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ دریائے بے پایاں تھے، ان کی عجیب شان تھی، میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا نہ سنا۔“[3]

مصنف انوار نے روایت مذکورہ کو جن موفق وانتصار وکردری کے حوالے سے نقل کیا ان میں سے کردری میں اس کی سند

---

[1] تهذيب التهذيب (١١/ ٤١٢)　[2] أخبار أبي حنيفة (ص: ١٥٠، ١٥١) و مناقب كردري (٢/ ٢١٣)

[3] مقدمه انوار (١/ ٥٨ بحواله موفق وانتصار وكردرى)

مذکورنہیں مگر موفق میں یہ روایت درج ذیل سند سے منقول ہے:

”وبه قال: أخبرنا جعفر بن محمد الحميري أنبأنا العلاء بن همام سمعت هلال الرائي يقول سمعت يوسف بن خالد.“ ❶

”وبه قال“ کی ضمیر کا مرجع حارثی ہے۔❷ اور یہ معلوم ہے کہ حارثی کذاب اور وضاع ہے، علاوہ ازیں اس سند میں سمتی کذاب سے اس روایت کا ناقل جس ہلال الرائی کو ظاہر کیا گیا ہے وہ بھی ساقط الاعتبار ہے، اور ہلال وحارثی کے درمیان بھی بعض مجہول رواۃ ہیں، دریں صورت روایت مذکورہ کو دلیل بنانا کیا معنی رکھتا ہے؟ یہ روایت مکذوبہ ہے، ویسے مستبعد نہیں کہ سمتی نے اپنے خاص نقطۂ نظر سے امام صاحب کے بارے میں فی الواقع مذکورہ بالا بات کہی ہو آخر وہ کذاب و زندیق ہی تھا، وہ کسی بھی مصلحت کے تحت کوئی بھی بات کہہ سکتا تھا۔ اس مفہوم کی ایک روایت اخبار ابی حنیفہ للصیمری (ص: ۵۴) اور عام کتب مناقب میں ابن المغلس کذاب سے بھی مروی ہے اور یہ معلوم ہے کہ کذاب کی روایت معتبر نہیں ہوتی۔

مصنف انوار نے کہا:

”سمتی نے کہا کہ میں عثمان بتی کی خدمت میں بصرہ جایا کرتا تھا اور سمجھا کہ مجھے کافی علم آ گیا ہے مگر جب امام ابوحنیفہ کی خدمت میں پہنچا تو اس وقت میری آنکھیں کھلیں اور یہ معلوم ہوا کہ علم کچھ بھی حاصل ہوا وہ امام صاحب کے پاس رہ کر ہوا۔“ ❸

مذکورہ بالا روایت کو مصنف انوار نے بحوالہ کردری ذرا سے لفظی ہیر پھیر کے ساتھ مقدمہ انوار (۱/ ۵۷ و۱۱۳) پر بھی نقل کیا ہے مگر روایت مذکورہ کی سند موفق نے اس طرح نقل کی ہے:

”وبه قال: أخبرنا أحمد بن يونس أنا نصر بن الحسين عن عيسى بن موسى سمعت يوسف السمتي.“ ❹

”وبه قال“ کی ضمیر کا مرجع بھی حارثی کذاب ہے اور اس کی وضع کردہ جعلی سند کے رواۃ غیر متعین وغیر معروف ہیں، حاصل یہ کہ روایت مذکورہ بھی مکذوبہ ہے، اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ میں نے امام صاحب کے علاوہ امام صاحب کے تلامذہ سے بھی تحصیل علم کیا، پھر معلوم نہیں کہ موصوف تلامذۂ امام صاحب سے پڑھ کر کب بصرہ واپس لوٹے؟ مذکورہ بالا مکذوبہ روایت کے طریقے میں مصنف انوار نے تمیز کرائے بغیر اس کے پہلے مذکور روایت کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

”سمتی یہ بھی فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ ایک سمندر تھے جس کا پانی ختم نہیں کیا جا سکتا اور ان کی عجیب شان تھی، میں نے ان جیسا نہیں دیکھا۔“ ❺

روایت مذکورہ کا مکذوبہ ہونا ظاہر کیا جا چکا ہے۔ مصنف جواہر المضیہ نے کہا:

---

❶ موفق (٢/ ٤٥) ❷ موفق (٢/ ٣٨)

❸ مقدمه انوار (١/ ٦٢ بحواله موفق وكردري)

❹ موفق (٢/ ٤٤) ❺ مقدمه انوار (١/ ١١٣)

"روى عن هلال بن يحيى قال: زعم لنا يوسف بن خالد أن كتب أبي حنيفة كانت تعرض على سفيان الثوري فيقول: هذا قولي، فعرض عليه كتاب الرهن، وفيه مسائل الدقاق، فقال: هذا قولي، لو سئل عن تفسير مسئلة منها بشرحها ما قدر على ذلك."[1]

''ہلال الرائی نے کہا کہ ہم سے سمتی نے بیان کیا کہ کتب ابی حنیفہ امام سفیان ثوری کے پاس لائی جاتیں تو وہ فرماتے کہ ان میں میری بیان کردہ باتیں تحریر ہیں، چنانچہ ثوری پر امام صاحب کی کتاب الرہن بھی پیش کی گئی جس میں دقیق مسائل تھے تو حسب عادت ثوری نے کہا کہ یہ میری بیان کردہ باتیں ہیں، حالانکہ اس کتاب میں مندرج مسائل میں سے اگر کسی ایک بھی مسئلہ کا معنی ومطلب ثوری سے پوچھا جاتا تو وہ نہیں بتلا سکتے تھے۔''

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ روایت مذکورہ میں سمتی کی زبانی مدحِ امام صاحب کے ساتھ قدحِ سفیان ثوری بھی کی گئی ہے، لیکن اوّلاً: سمتی کذاب ہیں۔ ثانیاً: سمتی سے روایت مذکورہ کا ناقل ہلال الرائی ساقط الاعتبار ہے۔ ثالثاً: ہلا ل الرائی تک روایت مذکورہ کی سند مصنف جواہر المضیہ نے بیان نہیں کی کہ پتہ چل سکے کہ فی الواقع اسے ہلا ل الرائی نے نقل کیا ہے کہ ان کی طرف اسے منسوب کر دیا گیا ہے؟ رابعاً: جامع مسانید ابی حنیفہ میں منقول ایک روایت کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ لڑکے کا حدِ بلوغ اٹھارہ سال اور لڑکی کا سترہ سال بتلاتے تھے جبکہ اس کے پہلے ان کا مانع ہونا ثابت نہ ہو، امام ثوری نے کہا کہ دونوں کا حد بلوغ پندرہ سال ہے، امام ثوری نے اپنی تائید میں حدیث بیان کی، اس کا علم امام صاحب کو ہوا تو موصوف امام صاحب نے فرمایا کہ ثوری ہی کی بات صحیح ہے۔[2]

سمتی کی کوفہ سے بصرہ کی طرف واپسی:

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ کتب مناقب کی بعض روایات کے مطابق سمتی خدمتِ امام صاحب میں صرف ڈھائی سال رہے اور اس کی تعیین مشکل ہے کہ کس سن وسال میں سمتی موصوف کوفہ سے بصرہ واپس ہوئے، امام صاحب کی زندگی میں یا وفات امام صاحب کے بعد مگر مصنف انوار فرماتے ہیں:

''جب یہ امام صاحب کی خدمت سے رخصت ہو کر اپنے وطن بصرہ واپس ہوئے تو امام صاحب نے ان کو نصیحت کی تھی کہ بصرہ میں ہمارے حاسد ومخالف بھی ہیں، تم ممتاز مسند درس پر بیٹھ کر یہ نہ کہنے لگنا کہ ابوحنیفہ نے یہ کہا اور وہ کہا ورنہ وہ لوگ تمھیں ذلیل کر کے نکال دیں گے، لیکن اپنے کمال علم وفضل پر گھمنڈ کر کے انھوں نے امام صاحب کے فرمانے کا کچھ خیال نہ کیا، چنانچہ لوگوں نے مخالفت کی، الزامات لگائے، تہمتیں گھڑیں اور بدنام کر کے مسند درس سے ہٹا دیا، پھر ان ہی اتہامات پر بنا کر کے اگرچہ وہ غلط تھے بعض رجال والوں کو بھی آپ کے بارے میں کلام کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا اور کچھ لوگ کثرت سے برائیاں سن کر غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہوں گے، کیونکہ امام شافعی کا ان کو خیار میں سے قرار دینا اور مدح وتوثیق کرنا دوسروں کے مقابلہ میں راجح ہے خصوصاً جبکہ یہ بھی

---

[1] جواهر المضية (٢/ ٢٢٧)　[2] جامع مسانيد أبي حنيفة (٢/ ٤٢)

معلوم ہے کہ لوگوں نے سمتی کے خلاف محض تعصب وعناد کی وجہ سے پروپیگنڈہ کیا، ان کے بعد جب امام زفر بصرہ گئے ہیں تو انھوں نے بڑی حسن تدبیر سے کام لیا اور امام صاحب کے علم وفضل وامامت کا سکہ ساکنینِ بصرہ کے قلوب پر بیٹھا دیا جس کی تفصیل امام زفر کے حالات میں لکھی گئی ہے۔"[1]

مصنف انوار کی مذکورہ بالا عبارت کی حقیقت بڑی حد تک گزشتہ صفحات خصوصاً تذکرہ امام زفر میں واضح ہو چکی ہے، سمتی کی خدمت ابی حنیفہ سے رخصت ہوکر بصرہ واپسی کی جو کہانی مصنف انوار نے سنا رکھی ہے اسے موصوف تذکرۂ امام زفر میں زیادہ تفصیل کے ساتھ (ص: ۱۶۵) سنا آئے ہیں جس کا ایک مفاد یہ ہے کہ سمتی امام صاحب سے رخصت ہوکر بصرہ میں ۱۴۳ھ کے زمانہ پہلے آ گئے تھے اور ان کے بعد امام زفر بھی تبلیغ مذہبِ حنفی کے لیے ۱۴۳ھ کے پہلے آ گئے تھے، ہم مصنف انوار کی اس حقیقت بیانی کا پردہ فاش کر چکے ہیں، اس روایت کا حاصل یہ بھی ہے کہ امام صاحب کی نصیحتوں پر سمتی نے بصرہ میں عمل نہیں کیا اور غرور وگھمنڈ کا شکار ہوکر غلط روی اختیار کی، بنا بریں موصوف ذلیل کر کے مسجد سے نکال باہر کیے گئے اور متروک ومردود قرار پائے، البتہ مصنف انوار نے جو یہ کہا کہ سمتی نے امام صاحب کے فرمان کا چونکہ کچھ خیال نہیں کیا اس لیے اہل بصرہ نے مخالفت کی اور الزامات لگائے، تہمتیں گھڑیں اور بدنام کر کے مسند درس سے ہٹا دیا تو اس کی حقیقت گزشتہ صفحات میں واضح ہو چکی ہے کہ بتصریح امام ابن معین اور دیگر اہل علم سمتی زندیق وجہمی اور کذاب وبدقماش آدمی تھے، ان سارے ائمہ جرح وتعدیل کے صریح بیانات کو مصنف انوار کا الزامات والہامات قرار دے کر یہ کہنا کہ "یہ الزامات واتہامات غلط تھے ان اتہامات کی بنا پر بعض رجال والوں کو بھی آپ کے بارے میں کلام کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا اور کچھ لوگ بکثرت برائیاں سن کر غلط فہمی میں مبتلا ہوئے ہوں گے۔" کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا تمام ائمہ جرح وتعدیل کا یہی شیوہ وشعار تھا کہ سمتی کو بے جا الزامات واتہامات کی بنا پر کذاب وزندیق وجہمی وبددین وبدقماش ومتروک وغیر ثقہ وکثیر الغلط قرار دیتے پھریں؟ مصنف انوار نے کہا:

"سمتی بہت جلیل القدر عالم تھے، امام شافعی کے شیوخ میں سے ہیں، ابن ماجہ میں ان سے احادیث مروی ہیں، اور تاریخ اصبہان لابی نعیم میں ان سے بکثرت احادیث روایت کی گئی ہیں، کوئی عیب ان میں نہیں تھا مگر لوگوں نے تنافس وتحاسد کی وجہ سے ان کو بری طرح مطعون کیا، طرح طرح کے الزامات لگائے یہاں تک کہ ان کے متعلق مشہور کیا کہ وہ قیامت ومیزان کے منکر ہیں وغیرہ، دیکھیے تہذیب التہذیب۔"[2]

سمتی کے جلیل القدر عالم ہونے کی حقیقت محض اس بات سے ظاہر ہے کہ موصوف بتصریح اہل علم کذاب وزندیق وبدقماش وخبیث وجہمی المذہب ہیں اور موصوف کا شیوخِ امام شافعی میں ہونا اسی طرح ہے جس طرح جابر جعفی وکلبی وعمرو بن عبید وغیرہ جیسے کذابین وبد مذہب کے شیوخ امام ابوحنیفہ میں سے ہونے کا معاملہ ہے، کیا یہ سارے کذابین محض اس بنا پر ثقہ وجلیل القدر ہوگئے کہ یہ امام ابوحنیفہ کے اساتذہ ہیں؟ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ابن ماجہ میں متعدد کذابین کی روایات موجود ہیں اور تاریخ اصبہان لابی نعیم میں سمتی سے مروی بکثرت احادیث ہم نہیں دیکھتے۔ مصنف انوار اگر اپنے اس بیان میں سچے ہیں تو سمتی سے مروی ان احادیث کی تاریخ اصبہان لابی نعیم میں نشاندہی کریں جن پر "بکثرت" کے لفظ کا اطلاق عرف عام میں ہوا کرتا ہو۔

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۵)
[2] مقدمہ انوار (۲/ ۱۶۶)

مصنف انوار کے اس دعوی کہ ''سمتی میں کوئی عیب نہیں تھا'' کی حقیقت صرف اس بات سے ظاہر ہے کہ ان کے تسلیم شدہ ائمہ جرح وتعدیل امام ابن معین وابوحاتم نے موصوف سمتی کو کذاب وزندیق وجہمی وبدعقیدہ بتلایا ہے، اسی سے مصنف انوار کے اس دعوی کی حقیقت بھی عیاں ہے کہ ''لوگوں نے تحاسد وتنافس کی وجہ سے ان کو بری طرح مطعون کیا..الخ'' مصنف انوار خود معترف ہیں کہ سمتی نے امام صاحب کی نصیحتوں کا کچھ بھی خیال نہیں کیا اور گھمنڈ وتکبر وغرور میں مبتلا ہو کر بدتدبیری وسوءِ سیاست کا طریق سمتی نے اختیار کیا، گھمنڈ وتکبر اور امام صاحب کی نصیحتوں کی خلاف ورزی وبدتدبیری وسوء سیاست کیا عیب وجرم اور قابل نقد ونظر چیزیں نہیں ہیں؟ جہمیوں کی تائید وحمایت میں کتابیں لکھنی کیا کوئی معمولی بات ہے؟ باعتراف مصنف انوار جس سمتی کی غلط روی کے نتیجہ میں اہل بصرہ مذہب ابی حنیفہ کے ذکر کو بھی ناپسند کرنے لگے ان کی بابت یہ کہنا کہ ان میں کوئی عیب نہیں تھا کیا معنی رکھتا ہے؟

سمتی کی طرف منسوب ایک طویل افسانوی کہانی:

موفق اور عام اصحاب مناقب نے حارثی کذاب کی جعلی سند کے ساتھ سمتی کی طرف منسوب ایک طویل افسانوی کہانی بیان کر رکھی ہے جس کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہیں۔ ہم ناظرین کرام کے سامنے اسے نقل کر رہے ہیں تاکہ وہ اندازہ لگا سکیں کہ اختراعِ اکاذیب میں مصنف انوار کے وہ پیشترو کتنے بیباک تھے جن کی پیروی اور نقش قدم پر چلتے ہوئے مصنف انوار خالص دینی وعلمی خدمت کے نام پر انوار الباری لکھ رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ منقول ہے:

''سمتی نے کہا کہ میں فقیہ بصرہ عثمان بتی کے یہاں آمد ورفت رکھتا تھا، بتی حسن بصری وابن سیرین اور دوسرے اہل بصرہ کے ہم مذہب تھے، میں نے اہل بصرہ کے مذاہب کو اخذ کیا اور ان پر مناظرہ کیا، پھر باجازتِ بتی میں نے کوفہ کا سفر کیا تاکہ مشائخ کوفہ سے ملوں، ان سے سماع کروں اور ان کے مذاہب کو دیکھوں، میں کوفہ میں سلیمان اعمش کے پاس پہلے گیا کیونکہ لوگوں نے مجھے بتلایا تھا کہ وہی کوفہ میں علم حدیث کے سب سے بڑے عالم ہیں اور مجھے حدیث سے متعلق متعدد مسائل کے حل کی ضرورت درپیش تھی، میں نے اہل حدیث حضرات سے ان کی بابت تحقیق کرنی چاہی مگر کسی کو ان کے جواب معلوم نہ تھے، میں نے حلقۂ اعمش میں ان میں سے بعض مسائل کا ذکر کیا اس وقت اعمش موجود نہیں تھے، لوگوں نے میرے ذکر کردہ سوالات کا تذکرہ اعمش سے کیا تو انھوں نے مجھے اپنے پاس بلوایا اور کہا کہ شاید تم سمجھتے ہو کہ اہل بصرہ کوفہ والوں سے زیادہ علم والے ہیں، رب کعبہ وحرم کی قسم ایسا ہرگز نہیں یہ تمھارے نفس کا فریب ہے، بصرہ نے قصہ گو، تعبیر خواب بتلانے والوں یا نوحہ گروں کے علاوہ دوسری طرح کے اہل علم کو پیدا ہی نہیں کیا، بخدا کوفہ کا صرف ایک آدمی جو عربی نہیں بلکہ موالی میں سے ہے، ان مسائل کو حسن بصری، ابن سیرین، قتادہ، عثمان بتی وغیرہم سے زیادہ جانتا ہے۔ (یعنی امام ابوحنیفہ) اعمش یہ کہتے ہوئے مجھ پر بیحد خفا ہو گئے حتی کہ میں ڈرا کہ کہیں مجھے لاٹھی سے زد وکوب نہ کریں، پھر انھوں نے بعض حاضرین مجلس سے کہا کہ سمتی کو نعمان (امام ابوحنیفہ) کے پاس لے جاؤ، بخدا اگر سمتی معمولی ترین تلامذۂ ابی حنیفہ میں سے کسی کو دیکھیں گے تو محسوس کریں گے کہ یہ تمام اہل موقف (حجاج) کو مسائل بتلانے کے لیے کافی ہیں، اعمش کی برہمی کا خوف مجھ پر (سمتی پر) اتنا طاری ہوا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

''شخص مذکور اٹھ کھڑا ہوا، میں (سمتی) اس کے پیچھے ہو گیا دروازۂ مسجد سے نکل کر جب ہم کچھ دور آ گئے تو شخص مذکور نے کہا کہ نعمان (ابوحنیفہ) محلّہ بنوحرام میں رہتے ہیں تم یہ مسائل ان سے پوچھ لینا کیونکہ وہ انھیں تم سے اور تمھارے اساتذہ سے کہیں زیادہ جانتے ہیں، مجھے کام ہے تمھارے ساتھ امام ابوحنیفہ کے یہاں جانے کی فرصت نہیں۔ میں (سمتی) محلّہ بنوحرام کی طرف ایک ایک مجمع وقبیلہ سے پوچھتا پوچھتا چلا، قبائل کوفہ کا سب سے آخری قبیلہ بنوحرام تھا، میں بنوحرام کی مسجد میں آ کر بیٹھ گیا، عصر کا وقت ہو چکا تھا، اتنے میں ایک خوش پوش خوبرو ادھیڑ آدمی آیا، جس کے ساتھ اسی جیسا ایک نوجوان لڑکا تھا، قریب آ کر اس نے سلام کیا اور اذان گاہ پر چڑھ کر اس نے اچھی سی اذان دی، میں بھانپ گیا کہ یہی امام ابوحنیفہ ہیں، انھوں نے مختصر سی دو رکعت نماز پڑھی، جو نمازِ حسن بصری وابن سیرین سے مشابہ تر تھی، ان کے ساتھ لڑکے نے بھی اسی طرح نماز پڑھی، ان کے متعدد اصحاب جمع ہو گئے تو امام صاحب نے اقامت کہی اور آگے بڑھ کر نماز پڑھائی، یہ نماز اہل بصرہ کی نماز سے بہت ملتی جلتی تھی، سلام پھیرنے کے بعد امام صاحب لوگوں کی طرف رخ کر کے محراب سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، انھوں نے سب کو سلام کیا اور ہر ایک کی خیر وعافیت دریافت کی، میری باری آئی تو فرمایا کہ آپ اجنبی معلوم ہوتے ہیں، میں نے کہا کہ ہاں، فرمایا آپ بصرہ کے باشندے معلوم ہوتے ہیں، میں نے کہا کہ ہاں، فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ہمارے پاس بیٹھنے سے منع کر دیا گیا ہے، میں نے کہا کہ ہاں، پھر امام صاحب نے میرا نام ونسب وکنیت پوچھی، میرے جواب دینے کے بعد فرمایا کہ آپ عثمان بتی کے پاس جانے والوں میں سے ہیں؟ میں نے کہا ہاں، امام صاحب نے فرمایا اگر بتی مجھ سے مل سکے ہوتے تو اپنے بہت سے نظریات کو ترک کر دیتے۔

''پھر فرمایا کہ اپنی باتیں پہلے آپ ہی پیش کیجیے کیونکہ اجنبیت کی وحشت ونووارد ہونے کے سبب لاحق ہونے والی دہشت کے سبب آپ کو اس کا حق حاصل ہے اور ہر نووارد کے لیے خاص ضرورت ہوا کرتی ہے، چنانچہ میں نے (سمتی نے) امام صاحب سے وہ مسائل پوچھے جو میرے لیے مشکل بنے ہوئے تھے، امام صاحب کے جواب سے مجھے تشفی ہو گئی، میں نے امام صاحب سے اپنا پورا قصہ اور اعمش کے ساتھ پیش آمدہ روداد سنائی، امام صاحب نے کہا: اللہ ابومحمد (اعمش) کو محفوظ رکھے وہ اپنے شہر کا نام دوسرے کے ذریعہ بلند کیا چاہتے ہیں، ان کا وہ حال ہے جو شاعر نے کہہ رکھا ہے کہ جب کوئی اہم کام ہوتا ہے تو اسے مجھے کرنا پڑتا ہے اور جب کھانے پینے کی چیز ہوتی ہے تو جندب صاحب کو ملتی ہے، (یعنی کہ اعمش جندب کی طرح صرف حلوہ خور ہیں کسی کام کے نہیں ہیں کام کا تو میں (امام ابوحنیفہ) ہوں)

''حسن بصری وابن سیرین اگرچہ صاحب فضیلت تھے مگر ان میں سے ہر ایک دوسرے پر ایسی تعریضات کرتا تھا جن سے اعمش کی بات کی تصدیق ہوتی ہے، چنانچہ ابن سیرین نے حسن پر تعریض کرتے ہوئے کہا کہ یہ شاہی عطیات لیتے، خوشامدانہ روایات کرتے، موافق ہوا فتوی دیتے، عقیدہ قدر رکھتے ہیں گویا وہ خود معبود ہیں، بذات خود جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کرتے ہیں گویا انھوں نے حضرت علی کو دیکھا ہے، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے اس طرح روایت کرتے ہیں گویا انھوں نے ان کا مشاہدہ کیا ہے، حضرت عثمان کے

فضائل اس طرح بیان کرتے ہیں گویا وہ موالی عثمان میں سے ہیں، اللہ ہم کو اور تم کو اس سے محفوظ رکھے۔ ابن سیرین کی اس طول بیانی کو سنتے سنتے ایک دن خالد حذاء نے ان کی مجلس میں کھڑے ہو کر کہا کہ حسن بصری کے بارے میں آپ کتنی باتیں کرتے رہیں گے، میں نے ان سے ان کے حج کے سال امام ایوب سختیانی و مالک بن دینار ومحمد بن واسع کی موجودگی میں عقیدۂ قدر سے توبہ کرالی اور توبہ کرنے والے کی توبہ اللہ قبول کر لیا کرتا ہے، حدیث نبوی ہے کہ حالت کفر میں آدمی کی کی ہوئی بات پر عار مت دلاؤ کیونکہ اسلام سب کچھ ختم کر دیتا ہے۔

''امام ابوحنیفہ نے کہا کہ خالد حذاء کی یہ بات کتنی عجیب ہے کیونکہ محمد بن واسع وقتادہ وثابت و مالک بن دینار وہشام بن حسان وایوب سختیانی وسعید بن ابی عروبہ وغیرہم کہتے ہیں کہ حسن بصری نے تاوفات قدر سے توبہ نہیں کی اورعمرو بن عبید، واصل بن عطاء، غیلان بن جریر، یونس وبشیر وغیرہ مذہب حسن کی طرف دعوت دیتے ہیں، اہل بصرہ سب اسی مذہب پر قائم ہیں، خالد کی بات ان پر بلند ہے اور کہا جاتا ہے کہ خالد بذات خود اسی مذہب کے پیرو تھے اورحسن بصری ابن سیرین پر تعریض کرتے ہوئے کہتے تھے کہ مشکیزہ بھر پانی سے وضو کرتے اور مشک بھر پانی سے غسل کرتے ہیں، خوب زیادہ پانی گراتے اور رگڑ رگڑ کر نہاتے دھوتے ہیں اور اپنے آپ کو اذیت میں مبتلا رکھتے ہیں، یہ سنت نبویہ کے خلاف عمل ہے، یہ تعبیر اس طرح بیان کرتے ہیں گویا حضرت یعقوب کی اولاد میں سے ہیں۔

''اے سمتی! تم ان باتوں کو چھوڑ کر جس کام کا قصد رکھتے ہو وہ کرو، وہ علم حاصل کرو جس سے ناواقف نہیں رہنا چاہیے، ہم سے اور تم سے پہلے کی امتوں میں نہ اتفاق تھا اور نہ آئندہ رہے گا، اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ لوگ ہمیشہ اختلاف میں مبتلا رہیں گے، اللہ کی مرضی وتقدیر کا فیصلہ نہ ہوتا تو اختلاف رونما نہ ہوتا، ہر شخص اپنے مطابق عمل کرتا ہے، اللہ کو معلوم ہے کہ زیادہ صحیح راستہ پر کون ہے؟

''یہ کہہ کر امام صاحب خاموش ہو گئے، میں نے (سمتی نے) پوچھا کہ اہل بصرہ و اہل کوفہ عقیدۂ قدر میں جو اختلاف رکھتے ہیں وہ آپ کو معلوم ہے، اس سلسلے میں آپ کا کیا موقف ہے؟ امام صاحب نے فرمایا یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے، یہ مقفل ہے جس کی کنجی گم ہو گئی ہے، کنجی ملنے ہی پر یہ حل ہوسکتا ہے، اللہ کی جانب سے کسی خبر دہندہ کی بات سے یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے اور یہ بات نایاب ہے، اس سلسلے میں ہم معتدل بات کہتے ہیں، میں وہی کہتا ہوں جو امام ابوجعفر محمد بن علی باقر نے کہا ہے کہ نہ جبر ہے نہ تفویض وتسلیط ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو ایسی چیز کا مکلّف نہیں بناتا جس پر وہ قادر نہ ہوں، جس سے لوگ واقف نہ ہوں اسے اللہ تعالیٰ کرانا نہیں چاہتا، نہ کردہ بات پر سزا نہیں دیتا، جس چیز کا لوگوں کو علم نہ ہو ان کے متعلق باز پرس نہیں کرتا، جس مذہب ومشغلہ میں ہیں ان کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے، صحیح بات کا علم اسی کو ہے، ہم مجتہد ہیں اور ہر مجتہد حق پر ہے جن کا علم لوگوں کو نہیں ہے، ان میں اللہ نے اجتہاد کا مکلّف لوگوں کو نہیں بنایا ہے، ہر سرگوشی سے اللہ قریب ہے، ہر رغبت کرنے والے کی رغبت کی تکمیل کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو ان باتوں کی توفیق دے جن سے وہ راضی وخوش رہے۔

''اتنی بات کہہ کر امام صاحب خاموش ہو گئے، مغرب کی نماز میں امام صاحب نے تاخیر کر دی تھی، اب امام صاحب مجھ سے گفتگو بند کر کے اذان ونماز میں مشغول ہو گئے، بعد نماز مغرب تا عشاء موصوف تسبیح ونوافل میں

مصروف رہے، فرض عشاء کے بعد مختصر سی دو رکعتیں پڑھ کر امام صاحب مسجد سے باہر نکلے، ہم بھی ان کے ساتھ نکلے، میرا ہاتھ پکڑ کر امام صاحب نے کہا کہ تم کہاں قیام پذیر ہو؟ میں نے بتلایا تو موصوف نے کہا کہ کیا تم میری دوکان کے بازو والے کمرہ میں، جو محلّہ خزازین میں واقع ہے، منتقل ہو سکتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں، چنانچہ امام صاحب نے اپنے بعض اصحاب کو میرے ساتھ کر دیا کہ ان کی قیام گاہ پر جا کر ان کا حال دیکھو اور ان کی ضروریات کا خیال رکھو اور پڑوسیوں کو بتلاؤ کہ ہم سے ان کا کیا تعلق ہے۔ ان کے ساتھ جس کا جی چاہے رات گزارے مگر صبح کو ان کے پاس سبھی لوگ جاؤ اور میں نے اپنی دوکان کے پاس جس کمرے کا ذکر کیا ہے اس میں انھیں منتقل کر دو۔ اپنے اصحاب کو یہ ہدایات دے کر امام صاحب اپنے گھر چلے گئے، میں (یعنی سمتی) اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اپنے ڈیرہ آیا، سرائے میں آئے تو ان ساتھیوں نے اہل سرائے کو میرے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی اور میری ضروریات کی چیزیں مہیا کیں، مجھ کو مال اور جسمانی خدمت سے نوازا، امام صاحب کے حکم کے مطابق انھوں نے سب کچھ کیا، صبح کو میرے کپڑے خزازین کے محلے میں لے آئے، ٹاٹ، چٹائیاں اور کوزے نیز دوسری ضروری چیزیں مہیا کیں، امام صاحب نے اپنے بیٹے حماد کے ذریعہ مجھے تھیلی بھیجی جس میں بہت سارے دراہم تھے، نیز کپڑے اور کھانے بھی بھیجے، یہی وہ نوجوان لڑکے تھے جنھیں میں نے گزشتہ روز امام صاحب کے ساتھ دیکھا تھا۔

''امام صاحب میری نگہداشت کرتے، میرے ساتھ حسن سلوک کرتے، میری اور میرے بصری اصحاب کی ضروریات مہیا کرتے، میں امام صاحب کے پاس آتا جاتا رہتا اور ان کے ساتھ رہا کرتا تھا، جب بھی امام صاحب درس گاہ آتے میرے پاس کھڑے ہوکر مجھے سلام کرتے، میرے ساتھ حسن سلوک اور ترجیح سے کام لینے کی ہدایت کرتے، ہفتہ میں تین دن دوشنبہ، جمعرات وجمعہ کو جامع مسجد میں مغرب وعشاء کی نماز پڑھا کرتے، ان کا حلقہ درس روزانہ جامع مسجد میں بعد نماز فجر تا ظہر اور عشاء سے رات گئے تک ہوا کرتا اور اپنی مسجد میں موصوف عصر کے بعد سے لے کر مغرب تک رہتے اور ظہر بعد سے لے کر عصر تک گھر میں رہتے تھے، نماز ظہر جلدی پڑھتے، مغرب تاخیر سے پڑھتے، عشاء بھی جلدی پڑھتے اور صبح اجالا ہوجانے پر پڑھتے، سنیچر کے دن اپنے گھریلو کاروبار میں مصروف رہتے، نہ درس دیتے نہ بازار جاتے بلکہ اپنی جائداد اور منزل کے متعلق اسباب کے لیے فارغ رہا کرتے۔

''چاشت کے وقت سے لے کر ظہر کے وقت تک بازار میں بیٹھتے، جمعہ کا دن دعوت کا دن ہوا کرتا تھا، اس دن اپنے اصحاب کو اکٹھا کرتے اور مختلف قسم کے کھانے پکاتے اور نبیذ شدید پلاتے، امام صاحب خود کھانے میں شریک نہیں رہتے تھے مگر نبیذ شدید پیا کرتے تھے اور فرماتے کہ میں اس لیے الگ رہتا ہوں کہ تم لوگ تکلف نہ کرنے لگو، موصوف طرح طرح کے میوے اور پھل بھی پیش کرتے، امام صاحب خوش مزاج خوبصورت خوش پوش خوشبو بکثرت استعمال کرنے والے تھے، ہر مہینے میں باغیچہ کی سیر بھی ایک مرتبہ ہوتی، نیز چشموں کے حمام کی بھی مہینہ میں ایک مرتبہ سیر ہوا کرتی تھی، اس جگہ بہت ساری باتیں ہیں۔ جن کے ذکر سے ہم نے (راوی نے) اعراض کیا ہے، سمتی نے کہا کہ میں امام صاحب کے پاس آیا کرتا تھا اور لوگوں کی مجلسوں سے گزرتا تھا، میری بکثرت آمد و

رفت سے لوگ میرے دوست بن گئے، پھر وہ سب مر کر ختم ہو گئے تو ان کی اولاد میری دوست بن گئی، پھر میں نے بصرہ لوٹنے کی اجازت چاہی تو امام صاحب نے فرمایا کہ میں ذرا تم سے خلوت میں باتیں کرلوں اور تمھیں ان امور کی وصیت کر دوں تو بصرہ واپس جانا، جن کی لوگوں کے معاشرۂ اہل علم کے مراتب کا تادیب نفس اور سیاست رعیت اور عام وخاص ریاضت اور عوام کے تحقیقِ احوال میں ضرورت ہوتی ہے تاکہ جب تم علم کے ساتھ جاؤ تو تمھارے پاس علم کے مناسب حال آلات ہوں، وہ آلات تمہارے علم کو مزین رکھیں معیوب نہ ہونے دیں۔

’’سنو! لوگوں کے ساتھ اگر برا برتاؤ کرو گے تو وہ تمھارے دشمن بن جائیں گے، خواہ وہ والدین ہی کیوں نہ ہوں، پھر امام صاحب نے فرمایا دو دن ٹھہر کر جانا تاکہ میں تمھارے لیے فارغ ہو جاؤں اور تمھیں ایسی باتیں بتلا دوں جن پر تم اپنے دل میں میرے شکر گزار رہو اور سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہوا کرتا ہے، میعاد مقررہ (دو دن) پوری ہونے پر امام صاحب نے مجھ سے خلوت میں کہا کہ میں نے جو بات دو دن پہلے تم سے اشارہ میں کہی تھی اسے واضح کر رہا ہوں، تم اگر بصرہ جا کر وہاں کے لوگوں کی مخالفت کرو گے اور ان پر اپنی برتری ظاہر کرو گے اور اپنی علمی بڑائی ہانکو گے اور ان کے ساتھ حسن سلوک ومیل جول سے اعراض کرو گے اور تم لوگوں اور لوگ تمھیں جب چھوڑے رکھیں گے تم لوگوں کو اور تمہیں لوگ گالیاں دیں گے، تم لوگوں کو گمراہ بتلاؤ گے اور لوگ تمہیں گمراہ و بدعتی کہیں گے تو یہ چیز تمھارے اور ہمارے دونوں کے لیے معیوب اور مضر ہوگی، تمھیں بھاگنے کی ضرورت ہوگی، میری رائے یہ نہیں ہے کہ تم ایسی حرکت کرو جس سے اس طرح کی بات پیدا ہو جس کا اوپر ذکر ہوا، وہ شخص عاقل نہیں جو ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہ کرے جن کے ساتھ نرمی کے بغیر چارہ نہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ گنجائش پیدا کر دے۔

’’سمتی نے کہا کہ امام صاحب کی وصیت پر عمل کا میں عزم کیے ہوئے تھا، امام صاحب نے مزید کہا کہ جب بصرہ جاؤ اور لوگ تم سے ملنے آئیں اور تمھاری زیارت کریں اور تمھاری حق شناسی کریں تو ہر شخص کے ساتھ اس کے مرتبہ کے مطابق برتاؤ کرو، شرفاء کی عزت کرو، اہل علم کی تعظیم کرو، شیوخ کی توقیر کرو، نوعمروں کے ساتھ شفقت سے پیش آؤ، عوام سے قریب رہو، فاجروں کے ساتھ نرم برتاؤ کرو، اچھے لوگوں کے ساتھ رہا کرو، سلطان کے ساتھ تہاون مت کرو، کسی کی تحقیر مت کرو، مروت قائم کرنے میں کوتاہی ہرگز نہ کرو، کسی کو اپنے راز سے آگاہ مت کرو، آزمائے بغیر کسی کی صحبت پر بھروسہ مت کرو، کسی خسیس ورذیل سے دوستی مت رکھو، جو چیز بظاہر قابل نکیر ہو اس سے الفت مت رکھو، کمینوں کے ساتھ خوش مزاجی سے مت پیش آؤ، کوئی دعوت وہدیہ مت قبول کرو، نرم روی، صبر، تحمل وبرداشت، خوش اخلاقی وکشادہ دلی لازم پکڑو، اپنے ملبوسات تبدیل کرتے رہو، اپنی سواری کے لیے سامان راحت مہیا رکھو، بکثرت خوشبو استعمال کرو، جلدی جلدی مجلسیں منعقد کیا کرو، ان کے لیے مقررہ وقت متعین کر دو، اپنے لیے خلوت کا بھی ایک وقت رکھو جس میں اپنی ضروریات کو درست کر لیا کرو، اپنے خدام کی خبرگیری کرتے رہو، ان کی تادیب واصلاح میں پیش پیش رہا کرو، اس سلسلے میں نرمی سے کام لو زیادہ عتاب سے کام مت لو، ورنہ عتاب بے وزن ہو جائے گا۔ بذات خود خدام کی تادیب مت کرو بلکہ بالواسطہ کرو اس سے تمھارا وقار ورعب زیادہ

رہے گا، نمازوں کی محافظت کرو، لوگوں کو کھانے کھلایا کرو، کوئی بخیل کبھی سرداری نہیں حاصل کرسکتا، تمھارے کچھ دلی رازداں ہوں جو تمھیں لوگوں کے حالات سے باخبر کرتے رہیں، جب بھی تمھیں کسی خرابی کی خبر ملے اس کی اصلاح کی طرف لپک پڑو اور جب کسی صلاح کی خبر ملے تو اس کی طرف زیادہ رغبت وتوجہ کرو، تم سب سے ملتے رہو خواہ وہ تم سے ملیں یا نہ ملیں، تم سب کے ساتھ حسن سلوک کرو خواہ وہ حسن سلوک کریں یا بدسلوکی کریں، درگزر سے کام لو، بھلائی کا حکم کرتے رہو، لا یعنی چیزوں سے تغافل برتو، جو تمھیں اذیت دے اس کی اذیت رسانی مت کرو، حقوق کی ادائیگی میں پہل کرو، تمہارے برادران میں جو مریض ہو جائے اس کی عیادت خود کرو اور قاصدوں کے ذریعہ دریافت احوال کرو، جو ناموجود ہوں ان کے حالات پوچھتے رہو، جو تمھاری ملاقات وادائیگی حقوق سے بیٹھ رہے تو تم اس سے مت بیٹھ رہو، جو تم سے جفا کرے اس سے تم صلہ رحمی کرو، جو تمہارے پاس رہے اس کی تکریم کرو، جو تم سے بدسلوکی کرے اس کے ساتھ تم درگزر سے کام لو، جو تمہاری بابت خراب بات کہے تو تم اس کی بابت اچھی بات کہو، جو مر جائے اس کا حق ادا کرو، جسے خوشی حاصل ہو اسے مبارکباد دو، جو مصیبت زدہ ہو اس کی غم خواری کرو، جو آفت رسیدہ ہو اس کے لیے تم غم زدہ بن جاؤ، جو تم کو اپنے کسی کام سے لے جانا چاہے تم اس کے ساتھ چلے جایا کرو، جو تم سے فریاد کرے اس کی فریاد رسی کرو، جو تمہاری مدد چاہے اس کی مدد کرو، جہاں تک ہو سکے لوگوں سے اظہار محبت کرو، سلام پھیلاؤ خواہ کمینوں ہی میں صحیح، کسی مجلس یا مسجد میں دوسروں کے ساتھ اگر رہو اور علمی مسائل کا ذکر چل پڑے اور تمہارے خلاف مزاج لوگ دوسری بحثوں میں لگ جائیں تو تم ان سے اظہار مخالفت مت کرو۔

''اگر تم سے ان مسائل کی بابت دریافت کیا جائے تو ایسی بات بیان کرو جس سے لوگ آشنا ہوں، پھر تم کہوں کہ ان مسائل سے متعلق ایک دوسری بات بھی ہے جو اس طرح ہے اس کی دلیل یہ ہے، اگر وہ تمھاری بات سنیں اور تمھاری قدر کریں اور کہیں کہ یہ کن فقہاء کا قول ہے تو کہو کہ بعض فقہاء نے یہ کہہ رکھا ہے، اس طرح کا معاملہ اگر برقرار رہا تو لوگ تمھارا مقام ومرتبہ محسوس کریں گے اور تمھاری توقیر کریں گے، تمہارے پاس جو لوگ آئیں انھیں کسی علمی مشغلہ میں لگا دو جس کے سلسلے میں وہ نظر ومطالعہ کریں اور ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی علمی بات کو حفظ کرنے کا ذمہ دار ہو جائے، لوگوں کو واضح علمی باتیں بتاؤ، دقیق و باریک نہیں، لوگوں کو مانوس بناؤ ان سے مزاح بھی کبھی کبھی کرتے رہو اور باتیں بھی کرو، اس سے محبت پیدا ہوتی ہے اور علمی مواظبت برقرار رکھو، احباب کو کبھی کبھی کھانا کھلاؤ، ان کی ضرورتیں پوری کرو، ان کی قدر کرو، ان کی لغزشوں سے تغافل کرو، ان پر مہربانی کرو، ان کے ساتھ تسامح سے کام لو، کسی سے تنگ دلی و ملال خاطر مت ظاہر کرو، ان کے لیے وہ پسند کرو جو اپنے لیے کرتے ہو، نفس پر نفس کی محافظت کے ذریعہ مدد لو اور اس کا محاسبہ کرتے رہو، شور وشغب مت کرو، جو تمھاری بات بغور سنے تم اس کی بات بھی بغور سنو، لوگ تمھیں جن باتوں کی زحمت نہ دیں تم انھیں ان کی زحمت مت دو، ان سے حسن نیت سے کام لو اور صدق کا معاملہ کرو، تکبر وغدر کو قطعاً چھوڑے رکھو خواہ لوگ تمھارے ساتھ غدر ہی کیوں نہ کریں، تم امانتداری سے کام لو خواہ لوگ تمہارے ساتھ بددیانتی برتیں، وفاداری پر عامل رہو، تقوی پر قائم رہو، اہل مذاہب

سے ان کے حسب مراتب برتاؤ کرو، تم نے اگر ہماری اس وصیت پر عمل کیا تو امید ہے کہ سلامت رہو گے، پھر امام صاحب نے مجھ سے (سمتی سے) کہا کہ تمہاری جدائی سے مجھے غم ہو رہا ہے، تمہاری آشنائی سے مجھے اُنس ہو گیا ہے، تم مجھے برابر خطوط لکھتے رہنا اپنی ضروریات سے مجھے باخبر کرتے رہنا، پوری طرح تم میرے بن کر رہو میں بھی تمھارے لیے پورا بن کر رہوں گا، پھر امام صاحب نے مجھے نکال کر اشرفیاں، ملبوسات، زاد راہ وغیرہ دیے اور میرے ساتھ الوداع کہنے کے لیے نکلے، میرے سامان ڈھونے کے لیے قلی کر دیا، اپنے اصحاب کو جمع کیا تا کہ وہ مجھے الوداع کہنے کے لیے ساتھ ساتھ چلیں، امام صاحب بذات خود اپنے اصحاب کے ساتھ مجھے شط الفرات تک رخصت کرنے آئے، پھر ہم نے ایک دوسرے کو الوداع کہا، مجھ پر امام صاحب کے احسانات وحسن معاملات تمام چیزوں سے زیادہ ہیں، میں بصرہ آیا تو میں نے فرمانِ امام صاحب کے مطابق عمل کیا تھوڑے ہی دن میں تمام اہل بصرہ میرے دوست ہو گئے، دوسری علمی مجلسیں اکھڑ گئیں، بصرہ میں مذہبِ ابی حنیفہ کا غلبہ ہو گیا جیسا کہ کوفہ میں ہو گیا تھا۔ حسن بصری وابن سیرین کے مذاہب ناپید ہو گئے، امام صاحب کے تحائف وخطوط مجھے برابر ملتے رہتے تھے یہاں تک کہ امام صاحب فوت ہو گئے، مبارک ہوں ایسے صالح معلم اور ناصح استاذ، ان جیسا ہمارا کون ہے؟ اللہ ان سے اور تمام مسلمانوں سے خوش رہے۔"[1]

ناظرین کرام سمتی کی طرف منسوب اس طویل افسانوی کہانی کو بغور دیکھیں نہ جانے کیوں مصنف انوار نے اسے دلیل وحجت بنا کر یہ دعویٰ نہیں کیا کہ خالص علمی وتحقیقی نقطۂ نظر سے یہ معتبر وصحیح کہانی ہے؟ لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ مصنف انوار نے کیوں اس افسانوی کہانی کے تذکرہ سے اعراض کیا مگر اسی طرح کی دوسری مکذوبہ افسانوی کہانیوں کو دلیل وحجت بنا لیا؟ یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ اس افسانوی کہانی سے مصنف انوار کا سببِ اعراض یہ ہرگز نہیں کہ یہ جعلی سند سے مروی ایک مکذوبہ کہانی ہے جو حقائق کے خلاف بہت سارے اکاذیب پر مشتمل ہے، اور اس سے مصنف انوار کے اعراض کا سبب یہ بھی نہیں کہ اپنی ہی جیسی متعدد مکذوبہ کہانیوں کے یہ کہانی معارض ہے کیونکہ مصنف انوار عام طور سے مکذوبہ افسانوی کہانیوں ہی کو اپنے خالص علمی ودینی وتحقیقی نقطۂ نظر سے صحیح ومعتبر کہہ کر انوار الباری میں نقل کیے ہوئے ہیں جن میں بہت ساری کہانیاں باہم مضطرب ومتعارض ہیں، اس لیے اس کہانی کا مکذوب ومضطرب ومتعارض مضامین کا حامل ہونا اس سے مصنف انوار کے اعراض کا سبب نہیں ہوسکتا، اس کا کوئی ایسا دوسرا سبب ہوسکتا ہے جس کا اظہار مصنف انوار ہی کر سکتے ہیں۔

اس افسانوی کہانی کا اصل بیان کنندہ جس کو ظاہر کیا گیا ہے، یعنی یوسف سمتی اس کا کذاب، وضاع، زندیق، خبیث، جہمی، بدقماش ومتروک ہونا واضح ہو چکا ہے، اپنی ظاہری شکل وصورت اور زہد وعبادت کی بدولت سمتی (اچھا آدمی) کے لقب سے ملقب ہونے کے باوجود اپنے کردار واطوارِ بد کے باعث یعنی دروغ وزندقہ کے سبب موصوف متروک ومردود قرار پایا اور صاحب تصانیف ومتکلم ہونے کے باوجود گوشۂ جہول وخمول میں زندگی گزار کر مرگیا، اس متروک سے افسانۂ مذکور کا ناقل ہلال الرائی کو ظاہر کیا گیا ہے، جو ساقط الاعتبار ہے، اور ہلال الرائی سے یہ افسانہ اپنی جعلی سند کے ساتھ حارثی کذاب نے نقل کر رکھا ہے،

---

[1] موفق (۲/ ۱۰۱ تا ۱۰۹) وکردري (۲/ ۸۳ تا ۹۲)

باعتبار سند اس افسانوی کہانی کا یہ حال ہے اور باعتبار متن اس کا جو حال ہے وہ بہت واضح ہے، اس کے باوجود بعض کا اجمالاً ذکر کیا جا رہا ہے۔

افسانہ مذکورہ کے مطابق ۱۲۲/۱۲۳ھ میں بصرہ میں پیدا ہونے والے نیز بصرہ میں نشو ونما پانے والے سمتی نے اپنے شہر بصرہ کے امام حسن بصری وابن سیرین ودیگر اہل بصرہ کے ہم مذہب امام عثمان بتی (متوفی ۱۴۳ھ) کی درسگاہ میں پڑھ کر مناظرہ کرنے کی صلاحیت حاصل کر چکنے کے بعد مشائخ کوفہ سے ملنے، ان سے پڑھنے، ان کے مذہب کے مطالعہ کی غرض سے باجازت عثمان بتی کوفہ کا سفر کیا، جہاں امام صاحب سے موصوف ملے اور ان سے فیض یاب ہوئے، افسانۂ مذکورہ میں منقول اس بات کو معنوی طور پر خود مصنف انوار نے بھی خالص علمی ودینی خدمت کے نام پر صحیح ومعتبر کہہ کر لکھ رکھا ہے۔ چنانچہ موصوف نے فرمایا:

''سمتی نے کہا کہ میں عثمان بتی کی خدمت میں بصرہ جایا کرتا اور سمجھا کہ مجھے کافی علم آ گیا ہے مگر جب امام صاحب کی خدمت میں پہنچا تو میری آنکھیں کھلیں کہ مجھے کچھ علم نہیں آیا۔''[1]

اس کا حاصل ہم بتا چکے ہیں کہ ان افسانوی کہانیوں کے مطابق سمتی تخمیناً ۱۴۲/۱۴۳ھ میں کوفہ آ کر امام صاحب سے رابطہ قائم کر سکے ہوں گے، نیز یہ کہ سمتی وفاتِ بتی سے پہلے یعنی ۱۴۳ھ کے پہلے ہی کوفہ میں پڑھ کر بصرہ واپس آ چکے تھے جس کا حاصل بہر حال یہ ہے کہ سمتی لگ بھگ ڈھائی سال کوفہ میں امام صاحب کی درسگاہ سے وابستہ رہے، اور ایک افسانوی حکایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں سمتی کی کل مدت تعلیم ڈھائی سال ہے۔ (جیسا کہ گزرا) اس سے مصنف انوار کے تحریر کردہ بہت سارے مزعومات کی تکذیب ہوتی ہے۔ (کما مر)

افسانۂ مذکورہ کے مطابق تخمیناً ۱۴۲/۱۴۳ھ میں وارد کوفہ ہونے والے سمتی کو یہ بتلایا گیا تھا کہ حدیث سے متعلق پیش آمدہ مسائل مشکلہ کے حل کے لیے امام اعمش کی طرف رجوع کرنا کیونکہ وہی علم حدیث کے سب سے بڑے عالم ہیں، اس سلسلے میں امام صاحب کا نام نہ صرف یہ کہ نظر انداز کر دیا گیا تھا بلکہ سمتی کو تاکیدی ہدایت کر دی گئی تھی کہ امام صاحب کے پاس مت بیٹھنا نہ ان سے ربط وتعلق رکھنا، ہم بتلا آئے ہیں کہ افسانۂ مذکورہ اگرچہ مکذوبہ ہے مگر باعتراف مصنف انوار امام اعمش امام صاحب کے جلیل القدر استاذ ہیں اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ موصوف اعمش امام صاحب سے اسی طرح وحشت رکھتے تھے جس طرح اس زمانے میں کوفہ کے دوسرے عام اہل علم امام صاحب سے وحشت رکھتے تھے حتی کہ مجلس تدوین کے رکن امام فضل بن موسیٰ سینانی نے کہا:

''امام اعمش بیمار تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہو کر امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اگر آپ کو اپنے پاس ہمارا آنا ناگوار وبار خاطر نہ ہوتا تو ہم آپ کی عیادت کے لیے بکثرت آتے، امام اعمش نے کہا کہ ہم کو کوفہ میں تمھارا وجود ہی ناگوار وبار خاطر ہے، چہ جائیکہ اپنی درسگاہ یا خدمت میں آنا جانا برداشت ہو۔''[2]

زیر بحث افسانہ میں اگرچہ یہ سخن سازی کی گئی ہے کہ امام اعمش نے مسائلِ مشکلہ کے حل کے لیے سمتی کو خدمتِ امام صاحب میں بھیجا تھا اور سمتی کو امام صاحب کی باتوں سے اطمینان وتشفی بھی ہو گئی تھی، جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اپنے موافقِ مزاج ہونے کے سبب سمتی کو امام صاحب کی باتوں سے تشفی ہوئی تھی اور دوسروں کی باتیں خلاف مزاج ہونے کے سبب باعث

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۶۲ و ۷۵ وغیرہ)
[2] جامع بیان العلم لابن عبد البر (۲/ ۱۵۷)

تشفی نہ ہوسکی تھیں مگر حقیقت یہ ہے کہ پوری کہانی مکذوبہ ہے، جس زندیق وجہمی المذہب سمتی کو کتاب وسنت کی محکم آیات وتصریحات سے مستفاد ہونے والے عقائد واحکام سے تشفی نہ ہونے کی بنا پر جہمی مذہب سے اطمینانِ خاطر ہوا ہو اور جس نے حصول سکون واطمینان کے لیے تجہم وزندقہ ودروغ ووضع حدیث کوشیوہ وشعار بنایا ہو اسے اپنے جہمی مزاج میں ابھرنے والے سوالات کے متعلق محدثین وفقہاء کے جوابات کیونکر مطمئن کر سکتے تھے؟

افسانۂ مذکورہ کے مطابق سمتی کی طرف سے پوچھے گئے سوالات کی بنا پر امام اعمش کو یہ بدگمانی ہوئی کہ سمتی اہل بصرہ کو اہل کوفہ سے زیادہ ذی علم سمجھتے ہیں اور صرف اتنی سے بات پر امام اعمش اس قدر برہم تھے کہ سمتی کو لاٹھی سے مارنے والے تھے، نیز غصہ کے عالم میں انھوں نے اہل بصرہ کے خلاف سخت تنقیدی کلمات کہے اور انھوں نے کوفہ کے صرف ایک غلام زادہ مراد امام صاحب کو بصرہ کے اکابر اہل علم حسن بصری وابن سیرین وغیرہم سے کہیں زیادہ ذی علم خصوصاً مسائل مشکلہ کو حل کرنے کا ماہر بتلایا، اعمش کے حکم کے مطابق سمتی خدمتِ امام صاحب میں پہنچے تو اعمش نے اگرچہ امام صاحب کے علم وفضل کی بڑی مدح کی تھی مگر امام صاحب نے اپنے اس مدح خواں استاذ کی شان میں وہ شعر پڑھا جس کا حاصل یہ ہے کہ اعمش کسی علمی کام کے آدمی نہیں صرف کھانے پینے والے ہیں اور علمی کام خصوصاً مسائل مشکل کا حل میں کرتا رہتا ہوں، نیز علمائے بصرہ خصوصاً امام حسن بصری وابن سیرین کی مذمت کرنے میں امام صاحب نے ایک طرح سے امام اعمش کی موافقت کی حتی کہ مناقب کردری میں صراحت ہے کہ امام صاحب نے امام حسن بصری کو معتزلی المذہب کہا، اس افسانہ میں جو باتیں درج ہیں ان کا مکذوب ہونا از خود واضح ہے مگر اس کا یہ بیان زیادہ دلچسپ ہے کہ سمتی نے ہدایاتِ امام صاحب پر عمل کی برکت سے اہل بصرہ پر مذہب حنفی کا سکہ جمادیا اور وہاں مذہب حنفی کو سمتی کی بدولت فروغ ہوا، حالانکہ مصنف انوار کے بیانات سے اس کی تکذیب ہوتی ہے، بلفظ دیگر اس افسانوی کہانی سے مصنف انوار کے متعدد مزعومات کی تکذیب ہوتی ہے۔ مصنف انوار کو یہ بتلانا لازم ہے کہ انھوں نے ایک دوسرے کی تکذیب کرنے والی ان کہانیوں میں سے بعض کو معتبر وصحیح کہہ کر دلیل کیوں بنایا اور بعض سے کیوں اعراض کیا؟

افسانۂ مذکورہ کے مطابق امام صاحب سنیچر کے دن اپنی درسگاہ میں تعطیل رکھتے تھے، آخر مدعیانِ تقلید ابی حنیفہ اپنی درسگاہیں سنیچر کے روز بند رکھنے کے بجائے جمعہ کے روز کیوں بند رکھتے ہیں جبکہ امام صاحب کی طرف مکذوب طور پر منسوب فقہی وعلمی اقوال کو یہ لوگ اپنا دین و مذہب بنائے ہوئے ہیں؟ ایک طرف اس افسانہ میں کہا گیا ہے کہ امام صاحب صبح سے ظہر تک درسگاہ میں درس دیتے تھے، دوسری طرف کہا گیا ہے کہ امام صاحب چاشت کے وقت سے لے کر ظہر تک بازار میں رہا کرتے تھے۔ ناظرین کرام کو معلوم ہے کہ مصنف انوار کی باتیں بھی اس افسانوی کہانی کی طرح عموماً باہم متعارض ومضطرب ہیں۔

اس مکذوبہ افسانے کے مطابق ۱۴۲/۱۴۳ھ میں امام صاحب پر ''کہل'' اور ان کے صاحبزادے حماد پر ''غلام'' کے لفظ کا اطلاق ہوسکتا تھا، حالانکہ بدعوئ مصنف انوار اس وقت امام صاحب کی عمر ستر سال اور حماد کی پچاس سال کے لگ بھگ تھی، ظاہر ہے کہ اس عمر میں ان الفاظ کا اطلاق عموماً نہیں ہوتا۔ اس مکذوبہ افسانہ کے مطابق سمتی کوفہ میں امام صاحب کے ساتھ اتنے طویل زمانہ تک رہے کہ لوگوں کے ایک طبقہ کا خاتمہ ہوگیا اور ان کی اولاد نے ان کی جگہ سنبھال لی، حالانکہ اسی افسانے کا حاصل یہ بھی ہے کہ سمتی خدمت امام صاحب میں تین سال سے بہر حال کم رہے، اس کہانی کے سلسلے میں اب ہم زیادہ وقت صرف کیے بغیر آگے بڑھتے ہیں۔

۲۵۔ امام عبداللہ بن ادریس کوفی (مولود ۱۱۵ھ ومتوفی ۱۹۲ھ):

مصنف انوار نے کہا:

''امام عبداللہ بن ادریس کوفی (مولود ۱۱۵ھ ومتوفی ۱۹۲ھ) محدث، ثقہ، حجت، صاحب سنت وجماعت، کثیر الحدیث، اصحابِ امام وشرکاءِ تدوین فقہ میں سے ہیں، امام اعظم، امام مالک، یحییٰ بن سعید انصاری، اعمش، ابن جریج، ثوری، شعبہ کے حدیث میں شاگرد ہیں، ابن المبارک وامام احمد وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ امام عبداللہ بن ادریس جب بتصریح مصنف انوار ۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے تو وہ ۱۲۰ھ میں فقیہ ومجتہد بن کر رکن مجلس تدوین کیسے منتخب ہو گئے جبکہ اس وقت موصوف کی عمر پانچ سال تھی؟ بلکہ ایک روایت میں ہے کہ امام عبداللہ بن ادریس نے کہا کہ میں وفاتِ حماد بن ابی سلیمان کے سال یعنی ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا۔[2] حافظ ذہبی نے ۱۲۰ھ ہی کو موصوف کا سال ولادت بتلایا ہے۔[3] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ذہبی کے نزدیک موصوف کا سال ولادت ۱۲۰ھ ہی ہے، حافظ خطیب نے ۱۱۵ھ کو ترجیح دی ہے بہرحال موصوف کے سال ولادت ہی سے مصنف انوار کے بہت سارے مزعومات کی تکذیب ہوتی ہے۔

مصنف انوار نے امام عبداللہ بن ادریس کے متعدد اوصاف میں سے یہ وصف بھی بیان کیا ہے کہ موصوف امام عبداللہ صاحب سنت وجماعت تھے اور عام محدثین نے بھی یہ بات کہی ہے۔ نیز حافظ ابن حبان نے کہا: ''كان صلبا في السنة'' یعنی موصوف سنت کے بہت سخت حامی وداعی تھے۔[4] نیز اہل علم نے تصریح کر رکھی ہے:

''كان عابدا فاضلا يسلك في كثير من فتياه مسلك أهل المدينة، ويخالف الكوفيين، وكان صديقا لمالك، وقيل: جميع ما يرويه مالك في الموطأ بلغني عن علي أنه سمعه من ابن إدريس،[5] وقال: كذاب من زعم أن الإيمان لا يزيد ولاينقص.''[6]

''موصوف امام عبداللہ عابد و فاضل تھے، نیز بہت سارے فتاویٰ میں مسلکِ اہل مدینہ پر عامل اور کوفیوں کے مخالف تھے، امام مالک کے دوست تھے حتی کہ ''بلغني عن علي'' کے لفظ سے امام مالک موطأ میں جو احادیث روایت کرتے ہیں ان کو بعض قول کے مطابق امام مالک نے امام عبداللہ بن ادریس ہی سے روایت کیا ہے۔ (یہ طے شدہ ہے کہ امام مالک نے عبداللہ بن ادریس سے روایتِ حدیث کی ہے) جو ایمان میں کمی بیشی ہونے کا عقیدہ نہ رکھے وہ کذاب ہے، میری دلی تمنا ہے کہ کوفہ میں یا دنیا میں کہیں مذہب ابی حنیفہ اور شراب خوری کا وجود نہ رہ جائے۔''

یہ معلوم ہے کہ محدثین کی اصطلاح میں عموماً صاحب سنت مذہبِ اہل حدیث کے پیرو کو کہتے ہیں جو اہل الرای حنفی المذہب فقیہ نہ ہو، نیز امام عبداللہ کا امام مالک کا دوست ہونا اور ان سے امام مالک کا روایت حدیث کرنا اور مدح وتوصیف بھی

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۵) [2] خطیب (۹/ ۴۱۶ و ۴۲۰، ۴۲۱) [3] تذکرة الحفاظ (۱/ ۲۸۴)
[4] ثقات ابن حبان (۷/ ۶۰) [5] خطیب (۹/ ۴۲۰) وتهذيب التهذيب (۵/ ۱۴۵) وتذكرة الحفاظ (۱/ ۲۸۲)
[6] خطیب (۱۳/ ۳۸۳، نیز ۱۳/ ۴۱۰ و ۱۴/ ۲۵۷)

کرنا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ موصوف حنفی المذہب نہیں تھے کیونکہ امام مالک امام صاحب اور ان کے ہم مذہب اصحاب کو استاذ بنانے کے روادار نہیں تھے، اسی طرح امام عبداللہ بن ادریس کا ان لوگوں کو کذاب کہنا جو ایمان میں کمی بیشی کے معتقد نہیں اس امر کی واضح دلیل ہے کہ موصوف حنفی المذہب نہیں تھے حتی کہ موصوف امام صاحب پر تجریح وتنقید کرنے والوں میں تھے اور مذہب امام صاحب کا وجود بھی دنیا میں برداشت نہیں کر پاتے تھے، دریں صورت موصوف کو حنفی المذہب ہی نہیں بلکہ حنفی فقہ کی تدوین کرنے والی فرضی مجلس تدوین کا رکن قرار دینا کون سی خالص علمی ودینی اور تحقیقی خدمت نیز دیانتداری ہے؟

امام عبداللہ بن ادریس کی مدح امام احمد بن حنبل نے بھی کی ہے اور ان سے روایت بھی کی ہے۔[1] اور یہ معلوم ہے کہ امام احمد حنفی لوگوں سے روایت کے روادار نہیں تھے۔

مصنف انوار نے امام عبداللہ بن ادریس کے تلامذہ میں امام عبداللہ بن المبارک کو بھی شمار کیا ہے۔[2] اور یہ معلوم ہے کہ مصنف انوار امام ابن المبارک کو بھی چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن مانتے ہیں جب باعتراف مصنف انوار امام عبداللہ بن ادریس ۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے تو دیانتداری اور عقل وتمیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے مصنف انوار نے اس بات کی وضاحت وتحقیق کیوں نہیں فرمائی کہ ۱۱۵ھ میں پیدا ہونے والے امام عبداللہ بن ادریس نے کس سن وسال میں اور کب مسند درس پر بیٹھ کر ابن المبارک کو پڑھایا ہوگا؟ نیز یہ بھی معروف بات ہے کہ خود امام ابن المبارک بھی ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۸ھ میں پیدا ہونے والے ابن المبارک نے آخر درسگاہِ عبداللہ بن ادریس میں داخل ہوکر کب پڑھا اور کب فارغ التحصیل ہوکر موصوف جمیع علوم وفنون میں ماہر ومجتہد ہوئے اور کب مجلس تدوین کے رکن منتخب کیے گئے؟ جب بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب بذات خود پچاس سال کی عمر میں حماد وغیرہ سے پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے تو بھلا امام صاحب کے یہ تلامذہ امام صاحب اور دوسروں سے کس عمر میں پڑھ کر فارغ ہوکر مجتہد بنے؟ پھر کب اور کس سال رکن مجلس تدوین منتخب کیے گئے؟ امام عبداللہ باعتراف مصنف انوار امام مالک، اعمش، سفیان ثوری، یحییٰ بن سعید انصاری، ابن جریج، شعبہ وغیرہ کے بھی شاگرد تھے، پھر مصنف انوار نے موصوف کو ان اساتذہ کا ہم مذہب اور ان کی قائم کردہ کسی مجلس تدوین کا رکن کیوں نہیں قرار دیا؟ خصوصاً اس صورت میں کہ امام عبداللہ اپنے نقطۂ نظر سے امام صاحب کو ضال ومُضِل کہا کرتے تھے۔[3]

مروی ہے کہ ہارون رشید نے امام عبداللہ سے درخواست کی کہ وہ عہدۂ قضا قبول کرلیں مگر انھوں نے قبول نہیں کیا بلکہ سختی سے رد کردیا اور ہارون کی درخواست پر عہدۂ قضا کو قبول کرنے والے امام حفص بن غیاث سے قطع تعلق کرلیا۔[4] جب حفص بن غیاث کے قبول عہدۂ قضا کے سبب امام عبداللہ پر یہ ردعمل ہوا تو امام ابو یوسف کے معاملہ میں ان پر کیا اثر ہوا ہوگا جو حکومت کی حمایت میں سرگرمِ عمل رہا کرتے تھے؟

مصنف انوار نے کہا:

''عبداللہ بن ادریس کی وفات کے وقت ان کی صاحب زادی رونے لگیں تو فرمایا مت رو، میں نے اس گھر میں

---

[1] عام كتب رجال.　[2] مقدمه انوار (۱/ ۲۰۵)

[3] خطيب (۱٤/ ۲۵۷، ۲۵۸)　[4] خطيب (۹/ ٤۱٦، ٤۱۷) و تهذيب التهذيب.

چار ہزار ختمِ قرآن مجید کیے ہیں۔'' [1]

ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا روایت کے راوی حسین بن عمرو بن محمد ریحان شاہ اسفرم عنقری کی بابت امام ابوزرعہ نے کہا:

''کان لا یصدق.'' [2] یعنی یہ شخص سچ نہیں بولتا تھا۔ مراد یہ کہ عنقری موصوف کذاب تھا۔ اس کذاب کو دوسرے ائمہ جرح وتعدیل نے بھی مجروح کہا ہے۔ [3] نیز اس کی سند کے ایک راوی احمد بن محمد بن زیاد ابوسعید الاعرابی ثقہ ہونے کے ساتھ صاحب اوہام تھے۔ [4] دریں صورت روایت مذکورہ کو حجت بنانا کیونکر درست ہے؟

تنبیہ:

حافظ خطیب نے مختلف اشخاص سے نقل کیا ہے کہ امام عبداللہ بن ادریس نے بذات خود کہا کہ میں ۱۱۵ھ میں پیدا ہوا، یہی بات موصوف خطیب نے احمد بن جواس سے بھی نقل کی ہے۔ [5] مگر تہذیب التہذیب (۵/ ۱۴۵، مطبوعہ حیدر آباد ۱۳۲۶ھ) میں بذریعہ تصحیف لکھا ہوا ہے:

''قال أحمد بن جواس: سمعته يقول ولدت ۱۱۰ھ، وكذا رواه غير واحد.''

''میں نے عبداللہ بن ادریس سے کہتے سنا کہ میں ۱۱۰ھ میں پیدا ہوا، اسی طرح کئی افراد نے بھی روایت کی ہے۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ تہذیب کے نسخہ حیدر آباد میں تصحیف کے ذریعہ ۱۱۵ھ کو ۱۱۰ھ کر دیا گیا ہے، حاشیہ جواہر المضیہ (۱/ ۲۷۲) میں بحوالہ تہذیب التہذیب موصوف کا سال ولادت ۱۱۰ھ لکھا ہے جو قطعاً غلط اور تصحیف ہے۔

مصنف انوار نے کہا:

''امام بخاری نے تاریخ میں ذکر کیا کہ امام مالک نے بھی ان عبداللہ بن ادریس سے روایت کی ہے، محدث خوارزمی نے لکھا کہ اس طرح وہ امام مالک کے شیخ ہوئے اور امام مالک شیخ شیوخ بخاری ومسلم وامام شافعی واحمد ہیں، اس جلالتِ قدر کے ساتھ امام اعظم سے روایت حدیث کرتے ہیں۔'' [6]

ہم کہتے ہیں کہ امام عبداللہ بن ادریس سے امام مالک کا روایتِ حدیث کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ امام عبداللہ امام صاحب کے مذہب رائے کے پیرو نہیں تھے۔ (كما سيأتي في ترجمة مالك) ''محدث خوارزمی'' ایک جامع اکاذیب وموضوعات آدمی ہیں جو موصوف اکاذیب وموضوعات کو احادیث نبویہ وآثار واقوال صحابہ وفرامین تابعین وارشادات ائمہ قرار دینے میں بہت سرگرم ہیں، ان کی جمع کردہ کتاب جامع مسانید ابی حنیفہ بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مجموعۂ اکاذیب ہے، اسی مجموعۂ اکاذیب میں ظاہر کیا گیا ہے کہ امام عبداللہ بن ادریس امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں ورنہ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام عبداللہ بن ادریس نے کہا ہے کہ مجھے کوفہ میں (مراد دنیا میں کہیں بھی) مذہب ابی حنیفہ وشراب خوری کا پایا جانا گوارا نہیں، میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۲۰۵، ۲۰۶ بحواله جواهر المضية وأماني الأحبار)　[2] ميزان الاعتدال.

[3] أنساب سمعاني (۹/ ۳۹۸، ۳۹۹) ولسان الميزان (۲/ ۳۰۷) وديوان الضعفاء للذهبي (ص: ٦٤)

[4] لسان الميزان (۱/ ۳۰۸، ۳۰۹)　[5] تاريخ خطيب (۹/ ٤۲۰، مطبوع مصر ۱۹۳۱ء)

[6] مقدمه انوار (۱/ ۲۰٦)

چیزوں کا وجود کہیں نہ رہ جائے، نیز یہ کہ موصوف امام عبداللہ نے امام صاحب پر سخت نقد ونظر کیا ہے جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے،اس کے باوجود موصوف کو مدحِ ابی حنیفہ و مدحِ مذہب حنفی کے سلسلے میں ذکر کرنا بھلا کیا معنی رکھتا ہے؟

یہ مستبعد نہیں کہ امام عبداللہ نے امام صاحب سے پڑھا ہو اور روایتِ حدیث بھی کیا ہو، آخر امام صاحب نے جابر جعفی، کلبی، عمرو بن عبید اور اس قسم کے متعدد اشخاص سے پڑھا ہے اور ان سے روایت حدیث کی ہے، بایں ہمہ ان میں سے بعض کی مذمت اپنی زبان سے کی حتی کہ انھیں کذاب وگمراہ کہا ہے، خصوصاً امام صاحب ابتداء میں متکلمین کے شاگرد وزیر اثر اور ان کے مذہب کے پیرو و پابند رہے اور متکلمین بعض روایات کے مطابق خود امام صاحب اور دیگر ائمہ احناف کی حسب تصریح زندیق و بے دین اور غلط کار ہوا کرتے تھے، آخر امام صاحب نے متکلمین اور مذہب متکلمین کو خیر باد بھی کہہ دیا تھا جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آ چکی ہے۔ خوارزمی کی مرتب کردہ مسانید ابی حنیفہ کی حقیقت بڑی حد تک ناظرین کرام کے سامنے واضح ہو چکی ہے اور آگے چل کر بخوبی واضح ہو جائے گی۔

۲۶۔ امام فضل بن موسیٰ سینانی (مولود ۱۱۵ھ ومتوفی ۱۹۲ھ):

مصنف انوار نے کہا:

> ''امام فضل بن موسیٰ سینانی (مولود ۱۱۵ھ ومتوفی ۱۹۲ھ) مشہور محدث فقیہ حضرت ابن مبارک کے ساتھیوں میں سے امام اعظم کے تلمیذ خاص وشریک تدوین فقہ ہیں، ابن مبارک کے برابر عمر وعلم میں سمجھے جاتے تھے، حدیث لیث، اعمش، عبداللہ بن ابی سعید بن ابی ہند وغیرہ سے بھی حاصل کی اور امام اعظم کے مسانید میں امام اعظم سے بہ کثرت روایت کی ہے۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ باعتراف مصنف انوار جب امام فضل سینانی ۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے تو وہ خود بتلائیں کہ موصوف امام فضل کس سن وسال اور زمانہ میں فقیہ ومجتہد بن کر رکن مجلس تدوین منتخب ہوئے؟ یہ بات اہل نظر پر مخفی نہیں رہ سکتی کہ امام سینانی کا جو سال ولادت مصنف انوار نے بیان کیا ہے وہ بذات خود مصنف انوار کے بہت سارے مزعومات اور اختراع کردہ تحقیقات کی تکذیب کے لیے بہت کافی اور وافی ہے، بھلا سوچیئے کہ جو امام فضل سینانی کوفہ سے بہت دور خراسان کے دیہاتی گاؤں سینان میں ۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے، وہ اپنے وطن سے کس سال کوفہ آکر درسگاہِ امام صاحب میں داخل ہوئے ہوں گے، پھر کب فارغ ہو کر رکن مجلس بنے ہوں گے؟

یہ واضح بات ہے کہ فضل سینانی یا کسی کے مشہور محدث فقیہ ہونے اور ابن مبارک کے ساتھی نیز امام صاحب کے تلمیذ خاص ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ مذہب ابی حنیفہ کے بھی پیرو تھے، چہ جائیکہ امام صاحب کی قائم کردہ کسی فرضی مجلس تدوین کا رکن ہونا اور اس میں تیس سال امام صاحب کی زیر پرستی تدوین فقہ کرنا لازم آئے، امام فضل سینانی باعتراف مصنف انوار امام لیث، اعمش اور عبداللہ بن ابی سعید بن ابی ہند وغیرہم کے شاگرد تھے، پھر مصنف انوار نے انھیں ان کے ان اساتذہ کا ہم مذہب اور ان کی قائم کردہ مجلس تدوین کا رکن کیوں نہیں قرار دیا؟

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۲۰۶)

امام عقیلی نے کہا:

"حدثنا أحمد بن علي حدثنا أبو عمار الحسين بن حريث قال: حدثنا الفضل بن موسى: كان أبوحنيفة يحدث عن أبي العطوف، فإذا لم يحدث عنه قال: زعم حماد، قال الفضل: زعم كنية الكذب."[1]

''امام فضل بن موسیٰ سینانی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ ابوالعطوف جراح بن منہال کذاب سے روایت کیا کرتے تھے لیکن کبھی کبھی جب ابوالعطوف سے روایت نہیں کرتے تھے تو فرمانے لگتے تھے کہ ''زعم حماد حالانکہ "زعم" کا لفظ کذب بیانی کے مترادف ہے۔''

مذکورہ بالا روایت سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ امام فضل بن موسیٰ سینانی امام صاحب پر سخت جرح وقدح اور نقد ونظر کرتے تھے، پھر وہ بھلا امام صاحب کے اس مذہب کے پیرو کیسے ہوگئے جس کی بابت خود امام صاحب آخری عمر میں فرمانے لگے کہ میری بیان کردہ عام باتیں مجموعۂ اغلاط ہیں؟ امام وکیع نے امام فضل سینانی کو ''صاحبِ سنت'' کہا ہے۔[2] اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ یہ لفظ عام طور سے ان لوگوں کے بارے میں بولا جاتا ہے جو رائے پرست اور حنفی المذہب نہیں ہوتے بلکہ مذہب اہل حدیث کے پیرو ہوتے ہیں۔

مصنف انوار نے جو یہ کہا کہ ''امام فضل حضرت ابن المبارک کے ساتھیوں میں سے تھے ..الخ'' تو یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابن المبارک نے امام صاحب کو متروک قرار دے دیا تھا، نیز یہ کہ موصوف ابن المبارک مذہب رائے وقیاس سے بیزار رہا کرتے تھے، لہٰذا مصنف انوار بدلیل معتبر پہلے یہ ثابت کریں کہ امام ابن المبارک کے یہ ساتھی یعنی امام فضل امام صاحب کے مذہب رائے وقیاس کے پیرو تھے جبکہ انھیں امام وکیع اور دوسرے اہل علم نے ''صاحب سنت'' یعنی اہل حدیث کہا ہے، پھر معدوم الوجود افسانوی فرضی چہل رکنی مجلس تدوین سے موصوف فضل کی وابستگی کا ثبوت دیں کہ وہ کس سال فقیہ ومجتہد بن کر رکن مجلس منتخب ہوئے اور کب سے کب تک امام صاحب کی سرپرستی میں تیس سال مسلسل دیگر ارکان مجلس کی معیت میں تدوین فقہ کا کام کرتے رہے؟ جبکہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کی تحریروں کے مطابق امام صاحب ۱۴۷ھ میں ہمیشہ کے لیے جیل خانہ بغداد میں مقید کر دیے گئے تھے اور ۱۳۰ھ کے بعد سے لے کر ایک زمانہ تک کوفہ سے باہر حجاز میں رہے تھے اور ۱۲۰ھ تک موصوف امام صاحب درسگاہِ حماد میں زیر تعلیم تھے!

مصنف انوار نے کہا:

''امام فضل بن موسیٰ سینانی کی کرامت کا قصہ مشہور ہے کہ ان کی علمی شہرت کی وجہ سے کثرت سے شاگرد جمع ہوئے تو دوسروں کو ان پر حسد ہو گیا اور بدخواہوں نے کسی عورت کو بہکا کر ان پر تہمت رکھوا دی، وہ اس بات سے ناراض ہو کر سینان (اپنے وطن) سے چلے گئے اور اس علاقہ میں قحط سالی ہو گئی، لوگ نادم وپریشان ہو کر ان کے پاس گئے اور واپس آنے کی درخواست کی، انھوں نے کہا کہ پہلے اپنے جھوٹ کا اقرار کرو، جب اقرار کر لیا تو فرمایا کہ میں

---

[1] الضعفاء للعقيلي مخطوطه (٣/ ٤٣٤)　[2] تذكرة الحفاظ (١/ ٢٩٧) وتهذيب التهذيب (٨/ ٢٨٧)

جھوٹوں کے ساتھ رہنے سے معذور ہوں۔“[1]

ہم کہتے ہیں مذکورہ بالا قصہ مصنف انوار نے جواہر المضیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور جواہر المضیہ (۱/ ۴۰۸) میں یہ قصہ بلا ذکر سند منقول ہے، پہلے مصنف انوار یہ بتلائیں کہ بلاسند والی روایت کا معتبر وصحیح ہونا انھیں کیسے معلوم ہوا کہ اسے اس دعوی کے ساتھ نقل کر دیا کہ ہم نے خالص علمی ودینی وتحقیقی نقطۂ نظر سے صرف صحیح ومعتبر باتیں ہی انوار الباری میں لکھی ہیں؟

مصنف انوار کے ذکر کردہ قصۂ مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ مجلس تدوین کے رکن موصوف نے جھوٹوں کے ساتھ قیام اور رہنا سہنا گوارا نہیں کیا مگر ہم کہتے ہیں کہ امام صاحب نے بزبان خویش یہ صراحت فرمائی کہ امام ابو یوسف کذاب ہیں اور کتابوں میں بھی جھوٹی باتیں بکثرت لکھا کرتے ہیں، پھر بھی بدعوئ مصنف انوار مسلسل تیس سال امام ابو یوسف امام صاحب کی سرپرستی میں تدوین فقہ کرنے والی چہل رکنی مجلس تدوین کے ذریعہ تدوین کردہ فقہ حنفی کے نہ صرف یہ کہ رکن رکین تھے بلکہ اس کی تدوین کردہ فقہ کو قید تحریر میں لانے کے ذمہ دار بھی تھے حتی کہ مذہب حنفی کے ناشر اول امام ابو یوسف ہی کہے جاتے ہیں۔

ذرا ناظرین کرام مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں اس معاملہ پر غور فرمائیں، اسی طرح مصنف انوار کے قرار دیے ہوئے مجلس تدوین کے متعدد ارکان بتصریح ائمہ جرح وتعدیل کذاب ووضاع تھے، ان سب کو مجلس تدوین کا رکن بنا کر ان کے ذریعہ تیس سال تک تدوین فقہ کرانا اور ان کی تدوین کردہ فقہ کو اپنا دین ومذہب قرار دینا اور اس کی پیروی وتقلید کی تمام لوگوں کو دعوت دینا اور اس کی برتری وعظمت ثابت کرنے کے لیے بہت بڑے پیمانے پر استعمالِ اکاذیب کرنا شرعاً کیسا ہے؟ ناظرین کرام اس مسئلہ پر توجہ سے غور فرمائیں!

انساب سمعانی میں بھی قصۂ مذکورہ منقول ہے مگر اس میں کہا گیا ہے کہ سینان میں فضل کے پاس طلبہ کی کثرت آمد سے اہل سینان تنگی میں مبتلا ہونے لگے، اس لیے انھوں نے ایک عورت کے ذریعہ موصوف پر تہمت لگائی۔[2] نیز روایت مذکورہ معجم البلدان ولباب تلخیص الانساب میں بھی بلاسند ہی مذکور ہے مگر اس میں بھی حسد کا ذکر نہیں بلکہ تبرم کا ذکر ہے، یعنی طلباء کی کثرت آمد سے اہل سینان نے تنگ آکر امام سینانی کے ساتھ یہ اقدام کیا تھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ جواہر المضیہ میں حسد کا لفظ بطور اضافہ لکھ دیا گیا ہے۔

مصنف انوار نے کہا:

> ”فضل بن موسیٰ سینانی امام صاحب کے زمانہ میں بڑے مشہور ومعروف حفاظ حدیث میں سے تھے، امام صاحب سے بکثرت روایت حدیث کی ہے، امام صاحب کی شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے اور مخالف علماء سے جھگڑتے تھے، لوگوں کو امام صاحب کے مذہب کی طرف ترغیب دیا کرتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم حجاز وعراق کے مشائخ علم کی مجالس میں آیا جایا کرتے تھے کسی مجلس کو امام صاحب کی مجلس سے زیادہ عظیم المرتبت اور کثیر المنفعہ نہیں پایا۔“[3]

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے مندرجہ بالا عبارت موفق (۲/ ۵۰) کے حوالے سے تحریر کی ہے، موفق (۲/۵۰) میں یہ بات اس طرح مذکور ہے:

---

❶ مقدمه انوار (۱/ ۲۰۶ بحواله جواهر المضية)

❷ أنساب سمعاني (۷/ ۳۵۷، ۳۵۸)　　❸ مقدمه انوار (۱/ ۱۰۰، ۱۰۱، بحواله موفق : ۲/ ۵۰)

"وبه قال: حدثنا محمد بن علي بن سهل أنبأ أحمد بن يحيى الباهلي سمعت الفضل بن موسى السيناني يقول: كنا نختلف إلى المشائخ بالحجاز والعراق فلم يكن مجلس أعظم بركة ولا أكثر نفعا من مجلس أبي حنيفة، قلت: سينان قرية من قرى مرو، والفضل بن موسى أحفظ الناس للأحاديث في زمن أبي حنيفة الكثير، وكان يختلف مع العلماء ويفتخر به، و يحث الناس على مذهبه، وصيت فضل بن موسى في أصحاب الحديث أعظم من أن يخفى على أحد."

"فضل سینانی نے کہا کہ ہم حجاز وعراق کے مشائخ کے پاس آتے جاتے تھے مگر امام صاحب کی مجلس سے زیادہ بابرکت ونفع بخش کوئی بھی مجلس نہیں تھی، میں یعنی موفق نے کہا کہ فضل کا وطن سینان مروشہر کے دیہاتی گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ فضل زمانۂ ابی حنیفہ میں سب سے زیادہ احادیث کو یاد رکھنے والے تھے، موصوف نے امام صاحب سے بہت ساری روایات نقل کی ہیں، وہ علماء کے ساتھ بحث کرتے اور امام صاحب کی شاگردی پر فخر کرتے اور لوگوں کو مذہب ابی حنیفہ کی پیروی کی ترغیب دیتے تھے، موصوف فضل کی شہرت علمائے اہلحدیث میں کسی شخص پر مخفی رہنے سے کہیں بڑی چیز ہے۔"

اوّلاً: روایت مذکورہ کی جو سند موفق میں منقول ہے اس کے مطابق "وبه قال" میں "قال" کی ضمیر کا مرجع حارثی کذاب ہے اور صرف یہی چیز روایت مذکورہ کے مکذوبہ قرار پانے کے لیے کافی ہے۔

ثانیاً: حارثی کذاب کی جعلی سند میں واقع شدہ محمد بن علی بن سہل انصاری مروزی (متوفی ۲۹۶ھ) کی بابت امام اسماعیل نے کہا:

"لم يكن بذاك يعني ثقة."[1] یعنی موصوف محمد بن علی بن سہل غیر ثقہ تھے۔

حافظ ذہبی نے موصوف کو وضع حدیث کے ساتھ متہم کیا ہے، یعنی موصوف کذاب ووضاع تھا۔[2] نیز محمد بن علی نے جس احمد بن یحییٰ باہلی سے یہ روایت نقل کی ہے اس کا حال بھی معلوم نہیں۔ باعتبار سند روایت مذکورہ کا یہ حال ہے، باعتبار متن اس کا حال مندرجہ ذیل روایت سے ظاہر ہوتا ہے:

"قال الفضل بن موسى السيناني: سمعت أبا حنيفة يقول: من أصحابي من يبول قلتين، يرد على النبي ﷺ."[3]

"فضل بن موسیٰ سینانی نے کہا کہ امام صاحب قلتین سے متعلق حدیث نبوی کو رد کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ میرے بعض تلامذہ دوقلہ بھر (دومٹکا بھر) پیشاب کر ڈالتے ہیں۔"

صاف ظاہر ہے کہ امام سینانی نے امام صاحب پر سخت تنقید کر رکھی ہے، نیز انھیں اہل علم نے صاحبِ سنت کہا ہے جو موصوف کے صاحب الرای یعنی مذہب رائے کے پیرو نہ ہونے پر دال ہے۔

---

[1] تاريخ جرجان (ص: ٤٥١، ٤٥٢) [2] لسان الميزان (٥/ ٢٩٥) وميزان الاعتدال.

[3] خطيب (١٣/ ٣٨٩)

حاتم بن آدم کذاب کی سند سے الانتقاء (ص:۱۳۶) وموفق (۲/۲۰) میں منقول ہے کہ لوگ حسد کے سبب امام صاحب پر کلام کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ کذاب کی بات معتبر نہیں۔

۲۷۔ امام علی بن ظبیان (متوفی ۱۹۲ھ):

مصنف انوار نے قاضی علی بن ظبیان کو بھی فرضی مجلس تدوین کا رکن بتلایا ہے، موصوف کا سال ولادت ہم کو معلوم ہوسکا نہ مصنف انوار ہی نے موصوف کا سالِ ولادت بتلایا ہے مگر موصوف ۱۹۲ھ میں فوت ہوئے تھے، اور ۱۹۲ھ یا اس کے لگ بھگ فوت ہونے والے لوگوں کا سال ولادت عام طور سے ۱۲۰ھ و۱۳۰ھ کے درمیان ہے، اگر فرض کیا جائے کہ موصوف ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے تو لازم آئے گا کہ اپنی ولادت سے پانچ سال پہلے موصوف مشہور محدث وفقیہ ومجتہد بن کر رکن مجلس منتخب کر لیے گئے تھے، اس قسم کی باتیں مصنف انوار کے دین ومذہب میں عام ہیں مگر ہم اس سلسلے میں زیادہ نہیں کہنا چاہتے۔

مصنف انوار نے کہا:

"امام علی بن ظبیان محدث، فقیہ، عالم، عارف، صاحب ورع وتقوی امام اعظم کے تلمیذ وشریک تدوین فقہ تھے۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ مجلس تدوین اور ان کے جملہ اراکین کی کہانی تو بالکل اوہام وخرافات ہے، البتہ موصوف علی بن ظبیان کو امام ابن معین نے کذاب، خبیث، لیس بثقة، لیس بشيء کہا۔ امام نسائی، ابوحاتم محمد بن ادریس رازی، ابوالفتح ازدی نے متروک اور دوسرے کئی اماموں نے غیر ثقہ وساقط الاعتبار کہا۔[2] موصوف کو مصنف انوار نے اگرچہ "محدث" کہا مگر امام یحییٰ بن سعید قطان نے کہا کہ "لا یبصر الحدیث"، یعنی موصوف علی بن ظبیان حدیث کی بصیرت سے بے بہرہ ومحروم تھا۔[3] ایک معتزلی بدعتی طلحہ بن محمد بن جعفر نے علی بن ظبیان کی بابت کہا: "رجل جلیل متواضع حسن العلم بالفقه من أصحاب أبي حنیفة"[4] یعنی علی بن ظبیان جلیل القدر، متواضع اور علم فقہ میں اچھے تھے۔ مگر اس بات کا قائل طلحہ بن محمد بذات خود معتزلی وغیر ثقہ تھا۔[5]

مصنف انوار نے کہا:

"ابن ماجہ نے آپ سے تخریج کی اور حاکم نے مستدرک میں بھی روایت کی اور صدوق کہا، موصوف امام صاحب کے ان بارہ اصحاب میں سے تھے جن کی صلاحیتِ قضا کی طرف امام صاحب نے اشارہ فرمایا تھا، یعنی ابو یوسف وغیرہ کے طبقہ کے تھے۔"[6]

ہم کہتے ہیں کہ ابن ماجہ کا موصوف سے روایت کرنا موصوف کے کذاب، خبیث، غیر ثقہ، لا یبصر الحدیث کے اوصاف کے ساتھ متصف ہونے سے مانع نہیں اور حاکم نے مستدرک میں متعدد وضاع وکذاب کی روایات نقل کر دی ہیں اور ان کے رواۃ کی توثیق کر دی ہے۔ (کما لا یخفی) اور اس کہانی کی حقیقت واضح ہو چکی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے بشمول علی بن ظبیان بارہ اشخاص کو لائق قضا کہا تھا۔ فافهم!

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۶)

[2] تهذيب التهذيب (۷/ ۳٤۲، ۳٤۳) خطيب (۱۱/ ٤٤٤، ٤٤٥) ميزان الاعتدال (۲/ ۲۲۸) المجروحين (۲/ ۱۰٤)

[3] خطيب وتهذيب. [4] خطيب (۱۱/ ٤٤٥) وتهذيب التهذيب (۷/ ۳٤۳)

[5] خطيب (۹/ ۳۷٥) ولسان الميزان (۳/ ۳۱۲) [6] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰٦)

۲۸۔ امام حفص بن غیاث (مولود ۱۱۷ھ ومتوفی ۱۹۴ھ):

مصنف انوار نے کہا:

''امام حفص مشہور ومعروف عالم، محدث، ثقہ، فقیہ، زاہد وعابد امام اعظم کے ممتاز کبار اصحاب وشرکاء تدوین فقہ میں تھے، امام اعظم سے مسانید امام میں بکثرت حدیث روایت کی ہیں۔'' [1]

ہم کہتے ہیں کہ تاریخ خطیب وعام کتب رجال میں موصوف حفص کا سال ولادت ۱۱۷ھ بتلایا گیا ہے، دریں صورت ۱۲۰ھ میں تاسیس مجلس تدوین کے وقت موصوف حفص کی عمر تین سال ہوگی، کیا تین سال کا بچہ مشہور ومعروف عالم، محدث، فقیہ ومجتہد بن کر رکن مجلس تدوین منتخب ہوگیا تھا؟ صرف اتنی بات ہی سے مصنف انوار کی صدق مقالی کا اندازہ ہوگیا ہوگا، مصنف انوار نے اپنی مندرجہ بالا بات کے لیے جامع المسانید (۲/ ۴۳۰) کا حوالہ دیا ہے مگر جامع المسانید (۲/ ۴۳۰) میں یہ مذکور نہیں کہ موصوف حفص شرکائے تدوین میں سے تھے، یہ بات مصنف انوار نے اپنی عام باتوں کی طرح بقلم خویش ایجاد واختراع کر کے لکھی اور جامع المسانید کی طرف منسوب کر دی ہے۔

یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ امام حفص نے درسگاہِ امام صاحب کا یہ حال دیکھ کر کہ موصوف امام صاحب ایک ہی دن میں ایک مسئلہ میں پانچ پانچ مرتبہ اپنی رائے بدلا کرتے ہیں امام صاحب کو ترک کر کے حدیث کی طرف توجہ دی۔ [2] نیز یہ بتلایا جاچکا ہے کہ امام حفص کے اس بیان کا واضح مفاد یہ ہے کہ امام صاحب صرف رائے وقیاس کا درس دیتے تھے، انھیں حدیث نبوی سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ ''امام حفص امام اعظم سے مسانید (جامع مسانید) میں بکثرت روایت کرتے ہیں۔'' تو یہ بتلایا جا چکا ہے کہ بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جامع مسانید مجموعۂ اکاذیب ہے۔

مصنف انوار نے کہا:

''حفص نے امام صاحب کی کتابیں پڑھیں اور ان سے روایات نقل کیں اور انھیں یکتائے روزگار، صحیح وفاسد کا زیادہ علم رکھنے والا بتلایا۔'' [3]

ہم کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ حارثی کذاب کی وضع کردہ ہے اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حفص نے امام صاحب کو متروک قرار دے دیا تھا۔

مصنف انوار نے کہا:

''امام صاحب نے جن اصحاب کو وجہ سرور اور رافع غم فرمایا تھا حفص بھی ان میں سے ایک ہیں۔''

ہم مصنف انوار کی مندرجہ بالا بات کا مکذوب ہونا واضح کر چکے ہیں، پھر ایسی بات کو مصنف انوار کا بار بار دہرانا کیا معنی رکھتا ہے؟

مصنف انوار نے کہا:

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۶، بحوالہ جامع المسانید: ۲/ ۴۳۰)　[2] اللمحات (۱/ ۴۹۰)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۵۹ و ۱۰۳) بحوالہ موفق (۲/ ۴۰) وکردری.

''حفص نے امام صاحب سے فقہ میں بھی تخصص کا درجہ حاصل کیا اور حدیث امام ابو یوسف وثوری واعمش واسماعیل بن ابی خالد، عاصم، احول وہشام بن عروہ وغیرہ سے حاصل کی۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار یہ کیوں نہیں بتلاتے کہ ۱۱۷ھ میں پیدا ہونے والے امام حفص نے ۱۱۳ھ یا ۱۱۶ھ میں پیدا ہونے والے امام ابو یوسف سے کس زمانے میں حدیث پڑھنا شروع کی جس کے بعد موصوف محدث وفقیہ بن کر مجلس تدوین کے رکن بنے؟ کیونکہ مصنف انوار کی مستدل روایات سے ثابت ہے کہ ۱۵۰ھ میں وفات ابی حنیفہ کے بعد ہی امام ابو یوسف کی درسگاہ قائم ہوئی، یعنی یہ کیسے ممکن ہے کہ وفاتِ ابی حنیفہ کے بعد درسگاہِ ابی یوسف میں زیر تعلیم رہنے والے حفص ۱۲۰ھ میں قائم ہونے والی مجلس تدوین کی تاسیس کے وقت رکن مجلس منتخب کر لیے گئے؟ یعنی جب امام حفص باعتراف مصنف انوار امام اعمش وثوری و ہشام بن عروہ وغیرہ کے شاگرد تھے تو موصوف اپنے ان اساتذہ کے ہم مذہب ہونے کے بجائے مذہب ابی حنیفہ کے پیرو کس بنیاد پر مانے جائیں؟ مصنف انوار ان باتوں کا جواب مدلل طور پر عنایت فرمائیں۔

۲۹۔ امام وکیع بن الجرّاح (مولود ۱۲۸/ ۱۲۹ھ ومتوفی ۱۹۸ھ):

مصنف انوار نے ۱۲۸/ ۱۲۹ھ میں پیدا ہونے والے امام وکیع کو فرضی مجلس تدوین کا رکن اور حنفی المذہب قرار دیا ہے۔[2] مگر سوال یہ ہے کہ ۱۲۸/ ۱۲۹ھ میں پیدا ہونے والے امام وکیع اپنی ولادت سے کئی سال پہلے ۱۲۰ھ میں قائم ہونے والی مجلس تدوین کی تاسیس کے وقت مشہور محدث وفقیہ ومجتہد بن کر رکن مجلس کیسے منتخب ہو سکے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی عمر کے اٹھارہویں سال یعنی ۱۴۶/ ۱۴۷ھ میں امام وکیع مکہ مکرمہ کی درسگاہِ ابن جریج میں زیر تعلیم تھے۔[3] بلکہ امام وکیع کا سلسلہ تحصیل علم وفات ابی حنیفہ کے سولہ سترہ سال بعد ۱۶۱ھ تک جاری رہا اور موصوف بعمر تینتیس سال فارغ التحصیل ہو کر وفات ثوری کے بعد ۱۶۱ھ میں درسگاہِ ثوری کے جانشین ہوئے۔[4] اس میں شک نہیں کہ امام وکیع بتصریح اہل علم امام سفیان ثوری کے اصحاب خاص میں سے تھے۔[5]

امام وکیع حنفی المذہب نہیں بلکہ اہل حدیث تھے:

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ امام سفیان ثوری اور عام اہل علم اعمال کو جزو ایمان مانتے اور ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ رکھتے تھے اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم مذہب لوگوں کو ''مرجی'' کہتے تھے۔[6]

امام عقیلی نے کہا:

''حدثنا الفضل بن عبد الله قال: حدثنا محمد بن أبي رجاء المصيصي سمعت وكيع بن الجراح، وسئل عن أبي حنيفة، قال: كان مرجئا يرى السيف.''[7]

---

[1] مقدمه انوار (۱/ ۲۰۶) [2] مقدمه انوار (۱/ ۲۰۷) [3] الكفاية (ص: ٥٤)

[4] خطيب (۱۳/ ٤٦٨، ٤٦٩) وعام كتب رجال.

[5] تقدمه الجرح والتعديل (ص: ۲۲۲) وتسمية فقهاء الأمصار للنسائي (ص: ۹)

[6] نیز ملاحظہ ہو: كتاب السنة للإمام عبد الله بن أحمد بن حنبل (ص: ۷۰ تا ۱۰٦)

[7] كتاب الضعفاء للعقيلي مخطوطه (۳/ ٤٣٤)

''امام وکیع نے کہا کہ امام ابوحنیفہ مرجی المذہب تھے اورنظریۂ تیغ رکھتے تھے۔''

مذکورہ بالا روایت سے صاف ظاہر ہے کہ امام وکیع کا مذہب ومسلک امام صاحب کے مذہب ومسلک سے مختلف تھا، یہ بات گزر چکی ہے کہ امام وکیع نے فرمایا کہ مرجیہ ہی نے جہمیت کی بدعت ایجاد کی۔ [1] نیز امام وکیع اپنے ملنے جلنے والوں کو مذہبِ رائے وقیاس سے دور رہنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ [2] یہ معلوم ہے کہ محدثین کرام امام صاحب کے مذہب کو مذہب رائے وقیاس کہتے تھے بلکہ خود امام صاحب بھی ایسا ہی کہتے تھے، صرف امام وکیع ہی نہیں بلکہ مصنف انوار نے جن لوگوں کو ارکان مجلس تدوین قرار دیا ہے ان میں سے بہت سے لوگوں کا یہی مذہب تھا کہ اعمال جزو ایمان ہیں اور ایمان گھٹتا بڑھتا ہے، نیز مذہب رائے وقیاس سے دور رہنا چاہیے۔ امام احمد بن حنبل نے کہا:

"سمعت يحيى بن سعيد يقول ما أدركنا من أصحابنا، ولا بلغني إلا على الاستثناء، والإيمان قول وعمل."

''امام یحیٰ بن سعید قطان کو میں نے یہ کہتے سنا کہ ہمارے جتنے بھی اصحاب ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ ایمان میں عمل داخل ہے اور ایمان گھٹتا بڑھتا ہے نیز ''أنا مؤمن إن شاء اللّٰه'' کہنا صحیح ہے، یہی مذہب سفیان ثوری ووکیع وسفیان بن عیینہ کا تھا، امام یحیٰ بن قطان نے کہا کہ اس مذہب وعقیدہ کے خلاف میں نے اپنے اصحاب میں سے نہ کسی کو پایا نہ مجھے اس کی خبر ہوئی کہ میرے اصحاب میں سے کوئی آدمی اس کے خلاف بھی دوسرا عقیدہ ومذہب رکھتا ہے۔'' [3]

مصنف انوار نے امام یحیٰ بن سعید قطان کو رکن مجلس تدوین قرار دے رکھا ہے اور ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ موصوف یحیٰ بن سعید قطان کا ارشاد ہے کہ ہمارے اصحاب میں سے ہر فرد ایمان میں اعمال کو شامل مانتا نیز ایمان میں کمی بیشی اور استثناء کا قائل تھا، اور یہ معلوم ہے کہ امام صاحب اور ان کے ہم مسلک لوگوں کا مذہب وعقیدہ مذکورہ بالا عقیدہ ومذہب کے خلاف ہے، اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ امام یحیٰ قطان اور ان کے جملہ اصحاب امام ابوحنیفہ کے ہم مذہب نہیں تھے، پھر تو ان کا مجلس تدوین کا رکن ہونا محال ہی ہے، اس میں شک نہیں کہ مصنف انوار نے یحیٰ قطان کے متعدد اصحاب کو ارکان مجلس تدوین قرار دیا ہے بلکہ بدعوئ مصنف انوار جملہ اراکین مجلس تدوین امام یحیٰ قطان کے اصحاب تھے، دریں صورت لازم آیا کہ اراکین مجلس تدوین امام صاحب کے خلاف دوسرے مذہب ومسلک کے پیرو تھے۔ مصنف انوار نے امام فضیل بن عیاض کو بھی رکن مجلس تدوین کہا ہے اور ان کا یہ بیان گزر چکا ہے کہ اعمال کو داخلِ ایمان نہ ماننے والے نیز ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ نہ رکھنے والے مرجیہ وبدعت پرست ہیں، نیز وہ اہل سنت سے خارج ہیں، اسی طرح کی بات قاضی شریک سے بھی مروی ہے نیز متعدد ارکان مجلس تدوین کا بھی یہی کہنا ہے۔

امام عبدالرحمٰن سروجی معمر بن مخلد (متوفی ۲۳۱ھ) وطاہر بن محمد نے کہا:

---

[1] اللمحات (۲/ ۵، ٦)

[2] سير أعلام النبلاء ترجمة يحيى بن زكريا وحاظى (۱۰/ ٤٥٦)

[3] كتاب السنة للإمام عبد اللّٰه بن أحمد بن حنبل (ص: ۷۳)

"حدثنا وكيع أنه اجتمع في بيت بالكوفة ابن أبي ليلى وشريك والثوري و أبوحنيفة والحسن بن صالح، فقال أبوحنيفة: إيماني كإيمان جبرئيل، وإن نكح أمه، و كان شريك لايجيز شهادته، ولاشهادة أصحابه، وأما الثوري فما كلمه حتى مات."[1]

''امام وکیع نے کہا کہ کوفہ میں ایک گھر میں امام ابن ابی لیلیٰ وشریک وثوری وابوحنیفہ وحسن بن صالح اکٹھے تھے کہ اتنے میں امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اپنی ماں سے نکاح کرنے والے شخص کا ایمان بھی ایمانِ جبریل کے برابر ہے، امام وکیع کہتے ہیں کہ امام صاحب کی اس طرح کی باتوں کی بنا پر امام شریک امام صاحب اوران کے ہم مذہب اصحاب کومردود الشہادۃ قرار دیے ہوئے تھے، اور امام ثوری نے امام صاحب سے تازندگی کوئی بات نہیں کی۔''

امام وکیع نے امام صاحب کے متعلق قاضی شریک وامام ثوری کے طرزِ عمل کا ذکر بطور حجت کیا ہے، نیز موصوف امام ثوری کے جانشین بھی ہوئے تھے جس کا واضح مفاد ہے کہ امام وکیع امام ابوحنیفہ کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے، پھر انھیں مقلد ابی حنیفہ کہنا کیونکر درست ہے؟ امام وکیع سے اس روایت کی نقل میں طاہر بن محمد کی متابعت معمر بن مخلد جیسے بلند پایہ ثقہ محدث نے کر رکھی ہے مگر مصنف انوار کے استاذ کوثری نے کہا کہ طاہر بن محمد مجہول ہیں۔[2] حالانکہ طاہر بن محمد بن حسین تمیمی حلبی کو امام ابوبکر حلال نے جلیل، اعظم القدر، جمیل الذکر و رفیع المرتبت کہا ہے۔[3] روایت مذکورہ کی دوسندیں ہیں جو ایک دوسرے کی متابعت کرتی ہیں۔

امام وکیع سے واضح طور پر مروی ہے:

"سمعت الثوري يقول: نحن مؤمنون ولنا ذنوب، لاندري ما حالنا عند الله؟ وقال أبوحنيفة: من قال بقول سفيان فهو شك، قال وكيع: نحن نقول بقول سفيان وقول أبي حنيفة عندنا جرأة."[4]

''امام وکیع نے کہا کہ میں نے امام سفیان ثوری کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم مومن تو ہیں مگر ہمارے کچھ گناہ بھی ہیں، اس لیے ہم قطعی طور پر یہ نہیں جانتے کہ اللہ کے یہاں ہمارا کیا حال ہوگا؟ لیکن امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ جو آدمی سفیان کی بات کا قائل ہو وہ ''شاک'' ہے، امام وکیع نے کہا کہ ہم تو سفیان ہی کے ہم مذہب ہیں اور قولِ ابی حنیفہ ہمارے نزدیک جرأت وجسارت ہے۔''

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مذکورہ بالا روایت میں پوری وضاحت سے امام وکیع نے اپنے آپ کو مذہبِ ثوری کا پیرو اور مذہب ابی حنیفہ کا مخالف قرار دیا ہے، مصنف انوار کے استاذ کوثری نے حسب عادت مذکورہ بالا روایت کے بعض ثقہ رواۃ کو بلا وجہ مجروح کہا ہے جس کی حقیقت التنکیل میں واضح کر دی گئی ہے۔ کوثری نے اپنی کج فہمی کی وجہ سے کتاب ابن ابی العوام میں مروی مندرجہ ذیل قولِ وکیع کو مذکورہ بالا روایت صحیحہ کا معارض سمجھ لیا ہے، چنانچہ موصوف ناقل ہیں:

"كان الثوري إذا قيل له أ مؤمن أنت؟ قال: نعم... وقال أبوحنيفة: أنا مؤمن، قال وكيع:

---

[1] الكامل لابن عدي مخطوطه (٣/ ٧٩) خطيب (١٣/ ٣٧٤)
[2] تانيب.
[3] طبقات الحنابلة لابن أبي يعلى (ص: ١٣٠)
[4] خطيب (١٣/ ٣٧٠)

قول سفيان أحب إلينا." [1]

اگر چہ ابن ابی العوام والی یہ روایت روایتِ خطیب کے معارض نہیں بلکہ مؤید ہے مگر یہ بتلایا جاچکا ہے کہ ابن ابی العوام مجہول ہے اور اس کی کتاب کے سلسلۂ سند میں کم ازکم تین مجہول رواۃ ہیں، نیز سلسلۂ مجہولین والی اس سند کا ایک راوی ابو بشر دولابی کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا ساقط الاعتبار ہونا بیان کیا جاچکا ہے۔

کوثری نے یہاں موسی بن کثیر سے نقل کیا کہ ابن عمر (صحابی) نے ایک ایسے شخص کو بکری ذبح کرنے سے روک دیا جو "أنا مؤمن إن شاء اللّٰه" کہتا تھا، یعنی بدعویٔ کوثری اس معاملہ میں ابن عمر امام ثوری ووکیع کے خلاف عقیدہ رکھتے تھے۔ کوثری نے یہ روایت بحوالۂ طبقات الحنفیہ للقرشی یعنی بحوالۂ جواہر المضیہ نقل کی ہے مگر چونکہ مصنف طبقات الحنفیہ قرشی نے اس روایت کے راوی موسی بن کثیر کو مجہول کہہ کر روایت مذکورہ کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا ہے اس لیے اپنی تلبیس کاری والی عادت سے کام لے کر مصنف انوار نے تحریف کرتے ہوئے کہا کہ موسی بن کثیر سے مراد موسیٰ بن ابی کثیر انصاری معاصر سعید بن المسیب ہیں۔ [2]

ہم کہتے ہیں کہ موسی بن ابی کثیر انصاری بتصریح حافظ ابن حجر طبقۂ سادسہ کے راوی ہیں جس کا مطلب ہے کہ موصوف نے کسی صحابی کو دیکھا بھی نہیں مگر کوثری کی ذکر کردہ روایت میں موسیٰ کا یہ قول مذکور ہے کہ "أخرج علينا ابن عمر شاة له" جس کا مفاد ہے کہ ابن عمر صحابی موسیٰ کے سامنے بکری ذبح کرنے لائے تھے، دریں صورت بذریعہ تحریف کوثری کا یہ کہنا کہ روایت مذکورہ کے راوی موسیٰ بن ابی کثیر سے مراد موسی بن کثیر انصاری ہیں، دجل وفریب کے علاوہ اور کیا ہے؟ لطف کی بات یہ ہے کہ موسی بن ابی کثیر انصاری کو بھی متعدد ائمہ جرح وتعدیل نے غیر معتبر کہا ہے۔ [3] حاصل یہ ہے کہ روایت مذکورہ بہرحال ساقط الاعتبار ہے۔ ابن عمر سے مروی روایت مذکورہ کو حجت بنانے والے کوثری ومصنف انوار شاید ابن عمر کے اس فرمان سے باخبر نہیں کہ کذب بیانی چھوڑے بغیر آدمی کامل الایمان نہیں ہوسکتا۔ [4]

مذکورہ بالا روایت میں جس طرح امام صاحب نے اپنے استاد سفیان ثوری اور ان کے ہم مذہب اہلحدیثوں کو شاک کہا ہے اسی طرح امام صاحب کے مرجی المذہب استاذ حماد بن ابی سلیمان بھی اپنے استاذ خاص ابراہیم نخعی اور ان کے ہم مذہب اہل حدیثوں کو "شاک" کہتے تھے، جیسا کہ اللمحات (۱/ ۴۲۵) میں ہم ذکر کر آئے ہیں، اللمحات کے مقام مذکور میں ہم نے حماد والی یہ روایت میزان الاعتدال کے حوالے سے نقل کی ہے جس کے راوی ابوشعیب صلت بن دینار ضعیف ہیں، ہم نے کہا تھا کہ یہ روایت ہم محض متابع کے طور پر ذکر کر رہے ہیں، ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ دوسری سند سے بھی اس روایت کو یہاں نقل کر دیں۔

امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے فرمایا:

"حدثني أبي حدثنا مؤمل بن إسماعيل حدثنا حماد بن زيد حدثني محمد بن ذكوان يعني خال ولد حماد قال: قلت لحماد: كان إبراهيم يقول بقولكم في الإرجاء؟ قال: لا كان شاكاً مثلك." [5]

"حماد بن زید کے سالے محمد بن ذکوان نے کہا کہ میں نے حماد بن ابی سلیمان (استاذ ابی حنیفہ) سے کہا کہ کیا آپ

---

[1] تانيب (ص: ٣٥) [2] تانيب (ص: ٣٥) نیز ملاحظہ ہو: جواهر المضية (١/ ٣٣٢)

[3] ميزان الاعتدال. [4] كتاب الإيمان لأبي عبيد قاسم بن سلام (ص: ٦٢)

[5] كتاب السنة للإمام عبد اللّٰه بن أحمد بن حنبل (ص: ٩٠) وسير أعلام النبلاء للذهبي.

کے استاذ ابراہیم نخعی بھی آپ ہی لوگوں کی طرح مرجی المذہب تھے؟ حماد بن ابی سلیمان نے جواب دیا کہ نہیں ابراہیم نخعی مرجی نہیں بلکہ تمھاری طرح ''شاک'' تھے۔''

مندرجہ بالا روایت کی سند کا مفاد یہ ہے کہ حماد بن ابی سلیمان کے قول مذکور کو حماد سے نقل کرنے میں محمد بن ذکوان نے ابوشعیب صلت بن دینار کی متابعت کر رکھی ہے، یہ محمد بن ذکوان ازدی بصری جہضمی امام حماد بن زید کے سالے ہیں۔ موصوف اکابر تابعین مثلاً ثابت بنانی، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، نافع مولی ابن عمر وغیرہم کے شاگرد اور امام ابوحنیفہ کے استاذ امام شعبہ، ابن جریج، محمد بن اسحاق وابراہیم بن طہمان وغیرہم کے استاذ ہیں۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ امام ابن تیمیہ، سبکی وسخاوی کی ایک ایسی عبارت کو مصنف انوار نے دلیل بنا رکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ امام شعبہ واحمد وغیرہ صرف ثقہ راوی ہی سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ موصوف مصنف انوار نے اسد بن عمرو بجلی کو اس بنا پر ثقہ قرار دیا ہے کہ ان سے امام احمد نے روایت کر رکھی ہے، حالانکہ موصوف اسد کو امام ابن معین وغیرہ نے کذاب کہا ہے، نیز دوسرے اہل علم نے متروک وساقط کہا ہے۔ مصنف انوار کے اس اصول کے مطابق محمد بن ذکوان موصوف ثقہ ہیں کیونکہ ان سے امام شعبہ نے روایت کی ہے، نیز امام شعبہ نے موصوف کو ''کخیر الرجال'' کہا ہے جو کلمہ مدح ہے، نیز موصوف کو ابن معین نے ثقہ کہا اور حافظ ابن حبان نے موصوف کو الثقات میں ذکر کیا ہے۔[1] حافظ ذہبی نے کہا: ''وقواه ابن حبان.''[2]

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن ذکوان ثقہ ہیں مگر بعض اہل علم نے موصوف پر کلام بھی کیا ہے۔ حافظ مزی نے اگرچہ یہ کہا ہے کہ موصوف محمد بن ذکوان کو حافظ ابن حبان نے ثقات میں داخل کیا ہے، نیز ذہبی نے کہا کہ ابن حبان نے موصوف کو قوی قرار دیا ہے مگر حافظ ابن حجر نے کہا کہ حافظ ابن حبان نے موصوف کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ نیز فرمایا ہے: ''سقط الاحتجاج به'' موصوف ساقط الاعتبار ہیں۔[3] چنانچہ المجروحین لابن حبان (۲/ ۲۵۹) میں حافظ ابن حبان نے موصوف کی بابت فی الواقع وہی بات کہی ہے جو ان سے حافظ ابن حجر نے نقل کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کی بابت حافظ ابن حبان کے دو مختلف اقوال ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہیں، اس لیے صورت تطبیق وترجیح نہ ہونے پر ''إذا تعارضا تساقطا'' کے اصول سے دونوں کو کالعدم ماننا ہوگا۔

حافظ ابن عدی نے کہا کہ ''ومع ضعفه يكتب حديثه'' یعنی موصوف اس درجہ کے ضعیف راوی ہیں کہ ان کی حدیث لکھی جا سکتی ہے۔[4] کتب مصطلح حدیث کے مطابق جس راوی کے بارے میں کلمۂ مذکورہ کہا جائے وہ بطور متابع معتبر راوی ہے، امام دارقطنی نے بھی موصوف کو ''ضعیف'' کہا ہے۔[5] اور کتب مصطلح حدیث کے مطابق اس وصف سے متصف راوی بھی بشرط متابع معتبر ہے۔ ساجی نے موصوف کی بابت کہا کہ ''عنده مناكير'' ابوحاتم محمد بن ادریس نے موصوف کو ''منكر الحديث ضعيف الحديث'' اور نسائی نے بھی ایک قول میں ''منكر الحديث'' کہا ہے۔[6] ان اہل علم کی اصطلاح کے مطابق اس وصف سے متصف ہونے والا راوی بھی بشرط متابع معتبر ہے البتہ امام نسائی سے ایک قول ان کی بابت ''ليس بثقة ولا يكتب

---

❶ تهذيب التهذيب ترجمة محمد بن ذكوان أزدي (٦/ ١٥٦) ❷ ميزان الاعتدال. ❸ تهذيب.
❹ تهذيب. ❺ تهذيب و ديوان الضعفاء للذهبي. ❻ تهذيب وميزان وغيره.

حدیثہ" بھی مروی ہے۔[1] اور امام بخاری نے موصوف کو منکر الحدیث کہا ہے۔[2] امام نسائی کی یہ جرح قوی ہے، نیز امام بخاری جس کی بابت منکر الحدیث کہیں اس پر ان کی جرح قوی مانی جاتی ہے مگر بعض اوقات امام بخاری بھی یہ لفظ جرح خفیف کے لیے استعمال کرتے ہیں، چونکہ امام شعبہ وابن معین نے موصوف کی توثیق کی ہے اور ابن عدی نے بھی ہلکے الفاظ میں توثیق کی ہے، اس لیے تمام اقوال جرح وتعدیل کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ بشرط متابع موصوف معتبر ومقبول راوی ہیں اور یہ معلوم ہے کہ موصوف محمد بن ذکوان کے متابع موجود ہیں۔

امام ابوہاشم یحییٰ بن دینار ابی الاسود (متوفی ۱۲۲ھ) نے کہا:

"أتيت حماد بن أبي سليمان فقلت: ما هذا الرأي الذي أحدثت لم يكن على عهد إبراهيم النخعي؟ فقال: لو كان حيا لتابعني عليه، يعني الإرجاء."[3]

"میں حماد بن ابی سلیمان کے پاس آیا اور میں نے ان سے کہا کہ یہ ارجاء والا جو نظریہ وعقیدہ آپ نے ایجاد کر لیا ہے اس پر آپ اپنے استاذ ابراہیم نخعی کے زمانہ میں کاربند نہیں تھے تو موصوف حماد نے کہا کہ اگر ابراہیم نخعی اس وقت زندہ ہوتے تو موصوف اس عقیدۂ ارجاء میں میری متابعت وپیروی ضرور کرتے۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حماد مرجی مذہب کے غالی پیرو تھے اور سمجھتے تھے کہ میرے مرجی ہونے کے بعد اگر امام نخعی زندہ رہے ہوتے تو وہ بھی مرجی ہو جاتے، حالانکہ امام نخعی اس مذہب سے بے حد بیزار تھے، اسی طرح دوسرے اکابرِ امت بھی مرجی مذہب سے بیزار تھے۔

مذہب اہل الرای یعنی حنفی مذہب سے امام وکیع کی بیزاری:

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام وکیع کا مذہب وعقیدہ امام صاحب کے مذہب وعقیدہ سے مختلف تھا، اور اس میں شک نہیں کہ امام وکیع جس مکتبۂ فکر کے فرد تھے (یعنی امام سفیان ثوری کے مکتبۂ فکر کے) وہ مکتبۂ فکر مذہبِ رائے وقیاس و مذہبِ ارجاء کا سخت مخالف ہے۔

حافظ خطیب ناقل ہیں:

"امام وکیع نے اپنے تلامذہ سے فرمایا کہ تم لوگ تفقہ فی الحدیث حاصل کر لو تو تمھیں فقہ اہل الرای کے امام کی ضرورت کبھی نہ پڑے، ایک مرتبہ امام صاحب سے میرا مناظرہ ہو گیا تو میرے یعنی وکیع کے بالمقابل امام صاحب کی شکست ہو گئی، اس دن سے امام صاحب اگر مجھے اپنی طرف آتا دیکھتے تو راستہ بدل دیا کرتے تھے تاکہ مجھ سے ملاقات نہ ہو جائے۔"[4]

مذکورہ بالا روایت کا واضح مفاد یہ ہے کہ امام وکیع مذہب ابی حنیفہ کے حریف ومخالف تھے، پھر کیسے ممکن ہے کہ ۱۲۸/ ۱۲۹ھ میں پیدا ہونے والے امام وکیع ۱۲۰ھ میں قائم ہونے والی مجلس تدوین کی تاسیس کے وقت بحیثیت مجتہد وفقیہ ومحدث رکن مجلس

---

[1] تهذيب.　[2] تاريخ صغير والضعفاء للبخاري وتهذيب.

[3] سير أعلام النبلاء (٤/ ٢٣٥)　[4] مختصر نصيحة أهل الحديث للخطيب.

تدوین بن کر ۱۵۰ھ تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ حنفی کرتے رہے؟

امام وکیع کے شاگرد خاص امام یوسف بن عیسیٰ ابویعقوب زہری مروزی (متوفی ۲۴۹ھ) نے کہا کہ امام وکیع نے اپنی درسگاہ میں اپنے تلامذہ کو خطاب کر کے کہا:

"لا تنظروا إلى قول أهل الرأي فإن قولهم بدعة و الإشعار سنة."[1]

"تم لوگ اہل الرای کے قول ومذہب کی طرف نظر التفات بھی نہ ڈالو کیونکہ ان اہل الرای کا مذہب بدعت ہے اور اشعار سنت ہے۔"

اس روایت کے صحیح ہونے میں مجالِ کلام نہیں کیونکہ امام وکیع سے اس کے ناقل یوسف زہری امام وکیع کے شاگرد خاص ہونے کے ساتھ صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں۔[2] اور مصنف انوار نیز ان کے شیخ انور معترف ہیں کہ صحیحین کے راوی ثقہ ومعتبر ہیں۔ (کما تقدم) یوسف سے روایت مذکورہ کے ناقل امام ترمذی باعتراف مصنف انوار ثقہ ہیں، دریں صورت ہر صاحب عقل بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مذہب ابی حنیفہ کو بدعت قرار دینے والے امام وکیع کا حنفی المذہب ہونا مستبعد ہے اور موصوف کا مجلس تدوین فقہ حنفی کا رکن ہونا بعید تر۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ۱۲۸/ ۱۲۹ھ میں پیدا ہونے والے امام وکیع کا ۱۲۰ھ میں قائم مقام ہونے والی مجلس تدوین کی تاسیس کے وقت محدث وفقیہ ہونا محال درمحال ہے مگر اس قسم کی محال باتوں کو معتبر قرار دے کر لکھنا مصنف انوار کا دین وایمان بن چکا ہے۔

امام وکیع کے ایک دوسرے شاگرد خاص ابوالسائب سلم بن جنادہ (مولود ۱۷۴ھ ومتوفی ۲۵۴ھ) نے کہا:

"كنا عند وكيع فقال لرجل من ينظر في الرأي: أشعر رسول الله ﷺ يقول أبوحنيفة: هو مثلة. الحديث."

"امام وکیع نے فرقۂ اہل الرای سے تعلق رکھنے والے ایک شخص سے کہا کہ دیکھو! رسول اللہ ﷺ نے تو اشعار کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اشعار سنت ہے مگر فرقہ اہل الرای کے امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اشعار مثلہ ہے، فرقۂ اہل الرای کا یہ شخص اس وقت شامت کا مارا تھا، لہٰذا اس نے امام ابوحنیفہ کی حمایت میں کہہ دیا کہ ابراہیم نخعی سے بھی امام ابوحنیفہ ہی جیسا قول منقول ہے، امام وکیع کو حمایتِ ابی حنیفہ میں حدیث نبوی کے خلاف قولِ نخعی پیش کرنے پر اتنا غصہ آیا کہ انھوں نے فرمایا کہ میں حدیث نبوی پیش کرتا ہوں اور تم تائید مذہب ابی حنیفہ میں قول نخعی کا ذکر کرتے ہو، میرا خیال یہ ہے کہ تمھیں جیل خانہ میں بند کر دیا جائے اور اس وقت تک بند رکھا جائے جب تک کہ تم توبہ نہ کرلو۔"[3]

امام وکیع کا یہ فرمان پہلے والے فرمان کی مزید توضیح کرتا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ فرقۂ اہل الرای اور مذہب اہل الرای کو مبغوض ومکروہ سمجھتے تھے، اور اس کی تائید میں نخعی کی طرف منسوب کردہ قول پیش کرنے پر اس لیے خفا ہوتے تھے کہ

---

[1] سنن الترمذي مع تحفة الأحوذي أبواب الحج (٢/ ١٠٦)
[2] الجمع بين رجال الصحيحين وتهذيب التهذيب ترجمة يوسف بن عيسى.
[3] سنن الترمذي (١/ ١٠٦)

حدیث نبوی کے مقابلے میں کسی کی تقلید جائز نہیں، خواہ وہ کوئی بھی ہو، جب امام وکیع حدیث نبوی کے مقابلے میں قول نخعی کو مردود سمجھتے تھے تو قول ابی حنیفہ کی ان کی نظر میں کیا قدر ہوسکتی تھی؟ دراصل امام نخعی سے اشعار کے مثلہ ہونے کا قول منقول نہیں ہے، فرقۂ اہل الرای کے اس شخص نے بلا دلیل امام نخعی کی طرف یہ بات منسوب کردی تھی اور امام وکیع کو غصہ اس لیے آیا کہ اگر بالفرض نخعی سے یہ قول ثابت بھی ہو تو حدیث کے بالمقابل مردود ہے، مصنف انوار کے ان اساتذہ نے اس روایت پر کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں پائی جن کے افادات کے مجموعہ کے نام سے مصنف انوار، انوار الباری شائع کر رہے ہیں، اسی بنا پر مصنف انوار کے ان اساتذہ نے اس روایت کی بابت تاویل بعید وسخن سازی کی سعی کی۔ ❶

لیکن اکاذیب واباطیل کو معتبر وصحیح باتیں کہہ کر شائع کرنے والے مصنف انوار کی جرأت وجسارت قابل داد ہے کہ انہوں نے اس روایت کے متعلق اپنے اساتذہ کی مقلدانہ تاویل وسخن سازی پر اکتفا نہ کرکے انوار الباری کو علامہ انور شاہ کا مجموعۂ افادات قرار دینے کے باوجود بڑی شان سے فرمایا:

''اس کی نسبت امام وکیع کی طرف ازروئے درایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔'' ❷

حالانکہ خدا کی بعض مخلوقات کو سورج کی روشنی میں بھی کوئی چیز صحیح طور پر سجھائی نہیں دیتی، اگر مصنف انوار کو یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی تو اس میں سارا قصور اندھی تقلید پرستی کا ہے کیونکہ یہ روایت امام ترمذی نے امام وکیع کے خصوصی شاگرد سلم بن جنادة سے نقل کی جو امام وکیع کی خدمت میں سات سال بڑی پابندی والتزام سے رہ چکے تھے اور بقول امام ابوحاتم ''صدوق'' بقول نسائی ''صالح''، بقول برقانی ''ثقة وحجة لاشك فيه'' بقول مسلمہ بن قاسم ''كثير الحديث ثقة'' تھے۔ ❸

مصنف انوار اپنا کمالِ تحقیق صرف کرتے ہوئے پوری دیانتداری کے ساتھ اپنے خالص علمی وتحقیقی ودینی نقطۂ نظر سے فرماتے ہیں کہ سلم متقن نہیں تھے، اور حاکم کبیر نے کہا کہ وہ بعض احادیث میں مخالفت کرتے تھے۔ ❹ حالانکہ بعض احادیث میں تو امام وکیع بھی مخالفت کرتے تھے، اتنی سی بات سے ایک ثقہ وصدوق کا غیر معتبر وغیر متقن ہونا کہاں سے لازم آیا؟ مصنف انوار ذرا ازراہِ دیانتداری فرمائیں کہ سلم کو کسی امام جرح وتعدیل نے غیر متقن کہا ہے؟ محض اتنی سی بات کو سقوطِ روایت کی دلیل بنا لینا کمال دیانتداری ہے، خصوصاً ایسی صورت میں کہ امام سلم بن جنادہ اس روایت میں منفرد نہیں ہیں بلکہ اس کی معنوی متابعت امام یوسف مروزی نے بھی کی ہے جس کی تفصیل گزر چکی، اگر بالفرض امام سلم غیر متقن تھے تو چونکہ وہ ثقہ وصدوق ہیں اور ان کی معنوی متابعت دوسرے ثقہ ترین امام نے بھی کی ہے، لہٰذا اس کو رد کرنے کا کوئی سوال نہیں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ سلم کی روایت پر مصنف انوار نے یہ محققانہ کلام کرکے اس سے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی مگر یوسف مروزی والی روایت کے ذکر سے خاموش رہے، حالانکہ وہ سلم کی روایت سے زیادہ امام وکیع کو حنفی مذہب کا مخالف ثابت کرتی ہے کیونکہ انہوں نے اس روایت میں اپنے شاگردوں کو ہدایت کی ہے کہ دیکھو مذہب اہل الرای بدعتی مذہب ہے اس سے بچ کر رہو، اس کی طرف نظر التفات بھی نہ ڈالو۔ معلوم نہیں مصنف انوار کی آنکھوں کو اس روایت کی روشنی نے کس قدر چندھیا دیا

❶ فيض الباري، كتاب المناسك (٣/ ١١٦) والعرف الشذي والكوكب الدري وغيره.

❷ مقدمه انوار (١/ ١٦٣)　　❸ تهذيب التهذيب (٤/ ١٢٩)　　❹ مقدمه انوار.

تھا کہ وہ اس کے مطالب ومعانی کو نہیں دیکھ سکے ورنہ ہر صاحب نظر اس روایت کا مطلب سمجھ کر یقین کر لے گا کہ سلم والی روایت یوسف والی روایت کی دوسرے لفظوں میں تعبیر ہے۔

الغرض سلم بن جنادہ والی روایت بھی اپنی جگہ صحیح ہے اور مصنف انوار کے اس زعم باطل پر رد بلیغ ہے کہ امام وکیع حنفی تھے، مصنف انوار نے یہ بھی کہا کہ ''سلم بن جنادہ ابوحنیفہ سے منحرف تھے، اس لیے وہ ان کے خلاف روایات نقل کرتے تھے'' مگر مصنف انوار خود غور فرمالیں کہ ان کی چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن رکین امام وکیع ہی کا جب یہ حکم تھا کہ اہل الرای سے دور رہو تو وہ کیوں نہ امام صاحب سے منحرف رہیں؟ لیکن اس انحراف کے باوجود وہ چونکہ ثقہ وصدوق اور متقی و پرہیزگار تھے، اس لیے وہ کذابین کی طرح اماموں کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرکے انھیں صحیح اور معتبر باتیں کہہ کر شائع کرنے کے عادی نہیں ہوئے، لہٰذا اگر سلم امام ابوحنیفہ سے منحرف بھی ہوں تو ان کی نقل کردہ روایت کو رد نہیں کیا جا سکتا، بہرحال اشعار کو صرف امام ابوحنیفہ ہی مثلہ کہتے ہیں۔[1]

سلم سے مروی قول مذکور کی تائید امام وکیع سے منقول اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

"ينبغي أن يرمى بهذا الباب من قول أصحاب الرأي."[2]

''اس باب کی احادیث کے ذریعہ اہل الرای (مراد حنفی مذہب کی پیروی کرنے والے) کی تردید کی جائے۔''

روایت مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ امام وکیع اہل الرای کو اپنا حریف سمجھتے تھے۔ اس بات کا ذکر آ چکا ہے کہ بوقت رکوع امام ابن المبارک کے رفع الیدین کرنے پر بطور اعتراض امام صاحب نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پرواز کرنا چاہتے ہیں، اس پر امام ابن المبارک نے جواب دیا کہ اگر آپ تحریمہ کے وقت پرواز کیا کرتے ہو تو بوقت رکوع میرے پرواز کرنے میں کیا بات ہے؟ امام ابن المبارک کے اس مسکت جواب کی تحسین امام وکیع بار بار فرماتے تھے۔[3] آخر اس کا کیا معنی ومطلب ہے؟ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ امام صاحب اپنے استاذ جابر جعفی کو اگرچہ "أكذب الناس" کہتے تھے مگر وکیع انھیں "أوثق الناس" کہتے تھے۔ انھیں سلم بن جنادہ نے کہا:

"قال وكيع: وجدت أبا حنيفة خالف مائتي حديث عن رسول الله ﷺ."[4]

''امام وکیع نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ نے دوسو احادیث نبویہ کی مخالفت کر رکھی ہے۔''

واضح رہے کہ امام وکیع نے مندرجہ بالا بات ایسی مجلس میں کہی تھی جس میں سلم بن جنادہ (مولود ۱۷۴ھ) موجود تھے، یعنی موصوف سلم بن جنادہ وفاتِ ابی حنیفہ کے چوبیس سال بعد پیدا ہوئے، ظاہر ہے کہ امام وکیع نے یہ بات وفاتِ امام صاحب کے زمانہ بعد کہی تھی جس کا لازمی مفاد یہ ہے کہ امام وکیع امام صاحب پر وفاتِ امام صاحب کے بعد بھی سخت تنقید کرتے تھے۔ اس سے مصنف انوار کے مندرجہ ذیل بیان کی تکذیب ہوتی ہے:

---

[1] اختلاف أبي حنيفة وابن أبي ليلى (ص: ١٣٨) ومبسوط للسرخسي (٤/ ١٣٨) وكتاب الأم (٧/ ١٣٤)

[2] سنن الترمذي مع تحفة الأحوذي (٢/ ١٨٦)

[3] نیز ملاحظہ ہو: كتاب السنة للإمام عبد الله بن أحمد بن حنبل (ص: ٥٩)

[4] الانتقاء لابن عبد البر (ص: ١٥١) وخطيب (١٣/ ٣٩٠)

''امام وکیع ابتدا میں حاسدوں کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر امام صاحب پر جرح کرتے تھے، پھر بعد میں تعریف کرنے لگے۔''❶

اگر مصنف انوار اپنے مندرجہ بالا بیان میں سچے ہیں تو اسے اہل علم کے ان اصول وضوابط کی روشنی میں ثابت کریں جو اہل علم کے یہاں رائج ومقبول ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ امام وکیع نے مندرجہ بالا بات اپنی معلومات کے مطابق کہی ہے ورنہ امام یوسف بن اسباط کا کہنا ہے کہ امام صاحب نے چار سو احادیث نبویہ کو رد کر دیا ہے۔❷ ہم بیان کر آئے ہیں کہ مصنف انوار کے اصول سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب نے لاکھوں احادیث نبویہ کی مخالفت کر رکھی ہے۔❸

امام یحییٰ بن معین نے کہا:

"أصحاب الحديث أربعة: وكيع، ويعلى، والقعنبي، و أحمد."❹

''امام وکیع اصحاب الحدیث میں سے تھے۔''

یہ معلوم ہے کہ مسلک وعقیدہ کے اعتبار سے اصحاب الحدیث اہل الرای یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم مذہب لوگوں سے مختلف ہیں۔ منقول ہے کہ ابن معین نے دیکھا کہ مروان بن معاویہ نے امام وکیع کو رافضی کہہ دیا، اس پر امام ابن معین نے نکیر کی تو مروان چپ ہو گئے، ابن معین کہتے ہیں کہ اگر موصوف چپ نہ ہوتے تو اصحاب الحدیث موصوف کی درگت بنا دیتے۔❺ ابن معین کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ امام وکیع اہل حدیث تھے ورنہ ان کی حمایت میں اصحاب الحدیث کے بجائے اصحاب الرای مستعد ہوتے۔

کیا امام وکیع امام ابوحنیفہ کے مقلد تھے؟

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ امام وکیع مذہبِ اہل الرای والارجاء، یعنی مذہب ابی حنیفہ کے مخالف اور مذہب اہل حدیث کے پیرو تھے، دریں صورت موصوف کو کسی طرح بھی مقلد ابی حنیفہ نہیں کہا جا سکتا، خصوصاً اس وجہ سے کہ تقلید پرستی کا رواج چوتھی صدی کے بعد ہوا ہے مگر امام یحییٰ بن معین سے مروی ہے:

يفتي بقول أبي حنيفة، وكان يحيى بن سعيد القطان يفتي بقوله أيضا."❻

''امام وکیع ویحییٰ بن سعید قطان قولِ ابی حنیفہ پر فتوی دیتے تھے۔''

اس بات کو مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں خصوصاً علامہ انور شاہ وکوثری نے اس چیز کی دلیل قرار دے لیا ہے کہ وکیع ویحییٰ قطان امام صاحب کے مقلد و ہم مذہب تھے۔❼ کوثری کا دعوی ہے کہ ابن معین کی یہ بات تاریخ ابن معین بروایت عباس دوری میں موجود ہے، حالانکہ ابن معین کی تاریخ مذکور میں بایں الفاظ یہ بات ہم کو نظر نہیں آئی، تاریخ خطیب میں منقول

---

❶ مقدمه انوار (١/ ٧٢)　❷ خطیب.　❸ اللمحات (١/ ٤٢٠)

❹ خطیب (١٣/ ٤٧٤) وعام کتب رجال.

❺ خطیب (١٣/ ٤٧٠)　❻ خطیب (١٣/ ٤٧٠، ٤٧١)

❼ فيض الباري (١/ ١٦٩) العرف الشذي، تانيب (ص: ٤٣ و ٨٩، ٩٠)

اس روایت کی سند میں نظر ہے مگر اس سے قطع نظر بسند صحیح مروی ہے کہ امام ابن المدینی نے کہا:

"سمعت يحيى بن سعيد القطان يقول: مر بي أبوحنيفة، وأنا في سوق الكوفة فلم أسأله عن شيء، وكان جاري بالكوفة، فما قربته ولا سألته عن شيء."[1]

''میں نے امام یحییٰ قطان کو یہ کہتے سنا کہ بازار کوفہ میں مجھ پر امام صاحب کا گزر ہوا مگر میں نے موصوف سے کچھ نہیں پوچھا، اگرچہ کوفہ میں میرے قیام کے دوران امام صاحب میرے پڑوس میں تھے مگر میں ان کے قریب بھی نہیں گیا اور نہ میں نے ان سے کوئی علمی بات معلوم کی۔''

مذکورہ بالا روایت صحیحہ سے صاف ظاہر ہے کہ امام یحییٰ قطان امام صاحب سے ملاقات اور سلام و کلام کے بھی روادار نہ تھے، چہ جائیکہ موصوف کے مقلد وہم مذہب ہوتے۔ امام ابن المدینی کا یہ قول بھی ہے:

"كان بعد سفيان الثوري يحيى بن سعيد القطان، كان يذهب مذهب سفيان الثوري وأصحاب عبد الله بن مسعود."[2]

''سفیان ثوری کے بعد ان کے ہم پلہ وہم رتبہ امام یحییٰ بن سعید قطان ہوئے، موصوف یحییٰ قطان سفیان ثوری اور اصحاب ابن مسعود کے ہم مذہب تھے۔''

مذکورہ بالا روایت صحیحہ کا مطلب یہ ہے کہ امام یحییٰ قطان مذہبِ ثوری و مذہب ابن مسعود کے پیرو تھے اور یہ معلوم ہے کہ امام صاحب کے استاذ حماد وارثِ علومِ ابن مسعود ابراہیم نخعی کے مذہب سے منحرف ہو کر مرجی المذہب ہو گئے تھے، اور امام صاحب انھیں حماد کے تبدیل شدہ مذہب کے پیرو تھے لیکن سفیان ثوری امام نخعی کے مذہب پر قائم تھے اور وصیتِ نخعی کے مطابق عام اصحاب نخعی کی طرح حماد اور ان کے ہم مذہب اصحاب سے بیزار تھے حتی کہ موصوف حماد سے سلام وکلام کے بھی روادار نہ تھے، اور امام صاحب کے ساتھ بھی موصوف سفیان ثوری کا یہی برتاؤ تھا، جب یحییٰ قطان انھیں امام ثوری کے ہم مذہب تھے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ موصوف امام صاحب کے مقلد یا ہم مذہب ہوں؟ اور جب یہ بات ہے تو امام وکیع کا مقلد ابی حنیفہ ہونا بھی مستبعد ہے کیونکہ امام وکیع جانشین ثوری تھے، البتہ ہم تاریخ ابن معین والانتقاء کے حوالے سے بتلا آئے ہیں کہ امام یحییٰ قطان سے مروی کئی اقوال کا حاصل یہ ہے کہ ہم اگرچہ امام ابوحنیفہ کی بہت سی باتوں کو قبیح ومعیوب مانتے ہیں مگر ان کی بعض باتوں کو جب تحقیق کی کسوٹی پر مستحسن پاتے ہیں تو قبول کر لیتے ہیں۔[3]

اور یہ واضح بات ہے کہ جس کی جو باتیں تحقیق کی کسوٹی پر مستحسن اتریں انھیں قبول کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ ظاہر ہے کہ ابن معین سے مروی روایت کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ کسی خاص مسئلہ میں وکیع و یحییٰ قطان نے امام صاحب کے فتوی کے ساتھ موافقت کی ہے، صاحب تحفۃ الاحوذی نے اسے مسئلہ نبیذ کے ساتھ خاص مانا ہے۔[4] کوثری نے اگرچہ اس پر رد وقدح

---

[1] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم ترجمة نعمان بن ثابت (٨/ ٤٤٩، ٤٥٠) والكامل لابن عدي مخطوطه (٣/ ٧٧)

[2] تقدمة الجرح والتعديل (ص: ٢٣٤)　[3] اللمحات (٣/ ٥٢٤)　[4] تحفة الأحوذي (١/ ٨، ٩)

کی ہے مگر مذکورہ بالا تفصیل کو پیش نظر رکھنے والے تحقیق پسند حضرات بہرحال یہ فیصلہ کیے بغیر چارہ کار نہیں پاسکتے کہ امام وکیع و یحییٰ قطان مقلد ابی حنیفہ ہونے کے بجائے مذہب ابی حنیفہ کے مخالف اور مذہب اہل حدیث کے پیرو تھے۔ امام وکیع کی طرح یحییٰ قطان بھی اعمال کو داخلِ ایمان مانتے اور ایمان میں کمی بیشی کے قائل تھے، اس کے خلاف مرجیہ پر موصوف یحییٰ قطان بھی بہت خفا تھے۔[1] مدح ابی حنیفہ میں وکیع کی طرف منسوب روایات کی تردید گزشتہ صفحات میں آچکی ہے۔

امام وکیع کے غیر حنفی ہونے کی ایک واضح دلیل:

یہ بات عرض کی چکی ہے کہ امام احمد بن حنبل نے بالصراحت فرمایا ہے: "لا ينبغي أن يروى عن أصحاب أبي حنيفة ولا ينبغي أن يروى عن أهل الرأي." یعنی اہل الرای احناف سے روایت حدیث کرنی مناسب نہیں ہے، اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ امام احمد نے امام وکیع سے نہ صرف یہ کہ بکثرت روایتِ حدیث کی ہے بلکہ موصوف نے امام وکیع کی مدح وتوصیف بھی متعدد اقوال کے ذریعہ کی ہے، جیسا کہ کتب رجال وتواریخ میں تفصیل موجود ہے۔ اگر امام وکیع حنفی المذہب اور مقلد ابی حنیفہ ہوتے اور وہ مذہب اہل الرای کے پابند وپیرو ہوتے تو امام احمد کی زبانی موصوف کی اس قدر قدر مدح وتوصیف کی توقع نہیں جا سکتی تھی، لہٰذا امام احمد کی موصوف سے روایت اور ان کی مدح وتوصیف سے بھی یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ موصوف حنفی المسلک نہیں تھے۔ نیز مصنف انوار نے امام وکیع کے اساتذہ میں امام سفیان بن عیینہ کو بھی شمار کیا ہے، اور یہ بات بھی گزر چکی ہے کہ امام سفیان بن عیینہ کسی اہل الرای سے یہ روابط پسند نہیں فرماتے تھے اور حنفی المذہب لوگوں سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے، امام سفیان بن عیینہ کا اپنی درسگاہ میں امام وکیع کو پڑھنے کی اجازت دینا بھی ان دلائل میں سے ایک دلیل ہے جن کی بنیاد پر امام وکیع کو حنفی المذہب نہیں قرار دیا جا سکتا۔

مصنف انوار ہی ناقل ہیں کہ امام احمد کو امام وکیع کی شاگردی پر فخر تھا، جب ان سے روایت حدیث کرتے تو یہ کہتے کہ حدیث مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی ہے کہ تمھاری آنکھوں نے اس کا مثل نہ دیکھا ہوگا۔[2] نیز امام سفیان ثوری سے امام وکیع کے تلمذ اور خوشگوار تعلقات سے بھی یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ امام وکیع نے اپنے ایک لڑکے کا نام ہی اپنے اس معزز استاذ وشیخ کے نام پر سفیان رکھ لیا تھا اور اسی مناسبت سے امام وکیع کی کنیت ابوسفیان تھی، اور یہ معلوم ہے کہ امام سفیان ثوری امام صاحب کی درسگاہ میں جانے سے بھی اپنے تلامذہ کو منع فرمایا کرتے تھے، آخر مصنف انوار یہ کیوں نہیں کہتے کہ امام وکیع اپنے اساتذہ میں سے امام ثوری یا سفیان بن عیینہ یا اعمش واوزاعی وغیرہ میں سے کسی کے مقلد تھے، امام اوزاعی بھی تو مذاہبِ متبوعہ کے اماموں میں سے ایک ہیں۔

مصنف انوار کے اصول سے امام وکیع امام احمد کے مقلد تھے:

طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلی (ص: ۲۵۷) میں ہے کہ امام وکیع سے پوچھا گیا کہ خارجہ بن مصعب سے روایتِ حدیث کی جا سکتی ہے؟ امام وکیع نے جواب دیا:

"لست أحدث عنه نهاني أحمد بن حنبل أن أحدث عنه."

---

[1] كتاب السنة للإمام عبد الله بن أحمد. [2] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۷)

''مجھے چونکہ امام احمد نے خارجہ سے روایت کرنے کی ممانعت کر دی ہے، لہٰذا میں ان سے روایت نہیں کرتا۔''

یعنی امام احمد کے کہنے کے سبب میں نے خارجہ کو متروک قرار دیا ہے۔ اس روایت کے پیش نظر یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ امام وکیع امام احمد کے مقلد تھے، حالانکہ یہ بات غلط ہے، البتہ اس سے معلوم ہوا کہ امام وکیع امام احمد کے فرامین کا خاص لحاظ رکھتے تھے، لہٰذا امام احمد کا درج ذیل فرمان ملاحظہ ہو:

"قال أحمد بن حنبل وعلي بن عبد الله: إذا رأيت الرجل يجتنب أبا حنيفة ورأيه و النظر فيه، ولا يطمئن إليه، ولا إلى مذهبه، ولا يتخذه إماما فارج خيره.[1] قال الوحاظي: كنت عند أبي سليمان فجاءه كتاب أحمد، ذكر فيه: لو تركت رواية أبي حنيفة أتيناك، وتسمعنا كتاب ابن المبارك."[2]

ان فرامین میں امام احمد نے مذہبِ ابی حنیفہ سے پرہیز کرنے اور دور رہنے کا اور امام ابوحنیفہ کے مذہب سے غیر مطمئن رہنے کی ہدایت کی ہے، اور اس شرط پر آدمی کو امید خیر دلائی ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ کو امام اور ان کے مذہب کو قابل اطمینان نہ سمجھے، اور امام ابوحنیفہ سے ترکِ روایت کی شرط پر ان کے کسی شاگرد سے ملنے کی خواہش کی ہے۔

ظاہر ہے کہ امام وکیع نے امام احمد کے فرامین کو مانا ہوگا، کوئی وجہ نہیں کہ ابن معین کے اس قول کی بنا پر امام وکیع کو امام ابوحنیفہ کا مقلد مان لیا جائے کہ وہ قول ابی حنیفہ پر فتویٰ دیتے تھے اور انھیں امام احمد کا مقلد نہ مانا جائے، حالانکہ وہ فرماتے تھے کہ چونکہ مجھے امام احمد نے فلاں راوی سے نقل روایت کرنے کی ممانعت کر دی ہے، اس لیے میں ان سے روایت نہیں کر سکتا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلاف میں رواج تھا کہ اپنے استاذ یا کسی کا قول نقل کر کے کہہ دیتے تھے کہ "به نقول" ہمارا فتویٰ و مذہب بھی اسی طرح ہے۔ امام محمد بن حسن شاگرد امام صاحب نے ایک فتویٰ نخعی نقل کر کے کہا: "لسنا نأخذ بهذا، ولكنا نأخذ، وفي نسخة: نقول بقول سعيد بن المسيب" ہم نخعی کی بات نہیں مانتے بلکہ ابن المسیب کی بات مانتے ہیں۔[3] دریں صورت کیا امام محمد و ابوحنیفہ مقلد ابن المسیب تھے؟ یا کیا بات ہے؟

۳۰۔ امام ہشام بن یوسف (متوفی ۱۹۷ھ):

مصنف انوار نے کہا:

''امام ہشام بن یوسف محدث فقیہ امام صاحب کے تلمیذِ خاص اور شرکاءِ تدوین فقہ میں سے تھے۔''[4]

مصنف انوار نے اپنی مذکورہ بالا طویل و عریض بات تہذیب التہذیب اور جامع المسانید کے حوالے سے لکھی ہے۔ ناظرین کرام سمجھتے ہوں گے کہ ان دونوں کتابوں میں یہ بات مذکور ہوگی کہ امام ہشام امام صاحب کے تلمیذ خاص اور شرکاء تدوین فقہ میں سے تھے، حالانکہ ان دونوں کتابوں میں اس بات کا کوئی ذکر بلکہ اشارہ تک نہیں، یہ بات مصنف انوار اور ان جیسے لوگوں نے چودھویں صدی میں اختراع و ایجاد کر کے لکھ دی ہے اور جعل سازی کرتے ہوئے دوسری کتابوں کی طرف اپنی ایجاد کردہ مکذوبہ باتوں کو منسوب

---

[1] طبقات الحنابلة (ص: ١٨٢) [2] طبقات الحنابلة (ص: ٢٨٨) [3] كتاب الآثار باب من يسلم على قوم في الخطبة.

[4] مقدمه انوار (ص: ٢٠٧، بحواله تهذيب التهذيب: ١١/ ٥٨) وجامع المسانيد.

کر دیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ۱۹۷ھ میں فوت ہونے والے امام ہشام بن یوسف کی بابت امام ذہبی نے لکھا:

"توفي ۱۹۷ھ في عشر السبعين." [1] یعنی موصوف ستر سال کے دہے میں فوت ہوئے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ موصوف امام ہشام ۱۲۰ھ کے بعد پیدا ہوئے اور ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ۱۲۰ھ کے بعد پیدا ہونے والے امام ہشام کا ۱۲۰ھ میں قائم ہونے والی مجلس تدوین کی تاسیس کے وقت محدث وفقیہ ومجتہد ہونا ناممکن ہے، اور موصوف کا امام صاحب کے ساتھ تیس سال تک کارنامۂ تدوینِ فقہ انجام دینا محال در محال ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی محال وناممکن باتوں کو امر واقع کے طور پر اپنا دین قرار دے کر پیش کرنے والے مصنف انوار کی یہ باتیں کارگاہِ تحقیق میں کذابین کی بکواس کے علاوہ کچھ اور حیثیت نہیں رکھتیں، عجیب بات یہ ہے کہ عام کتب احناف میں موصوف ہشام کو حنفی المذہب تک نہیں کہا گیا مگر مصنف انوار نے کذب بیانی کے زور پر موصوف کو مجلس تدوین کا رکن بنا دیا۔ امام ہشام باعتراف مصنف انوار امام سفیان ثوری کے شاگرد تھے، پھر ہشام کو مذہبِ ثوری کا پیرو اور ثوری کی مجلس تدوین فقہ کا رکن کیوں نہ کہا جائے؟

۳۱۔ امام نقد رجال یحییٰ بن سعید قطان البصری (متوفی ۱۹۸ھ، عمر ۷۸):

مصنف انوار نے کہا:

"حافظ ذہبی نے امام یحییٰ بن سعید قطان کو الإمام العلم، سید الحفاظ کے لقب سے ذکر کیا ہے، حدیث کے امام، حافظ، ثقہ، متقن، قدوہ تھے، امام مالک، سفیان بن عیینہ اور شعبہ وغیرہ سے حدیث حاصل کی... إلى أن قال: امام اعظم کے حدیث وفقہ میں شاگرد اور تدوین فقہ کی مجلس کے رکن رکین تھے۔" [2]

ہم کہتے ہیں کہ عام کتب رجال کی تصریح ہے کہ امام یحییٰ قطان ۱۲۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے، جہاں امام صاحب کے قابلِ فخر استاذ امام شعبہ کی درسگاہ قائم تھی، امام یحییٰ قطان بقول خویش درسگاہِ شعبہ میں بیس سال بالالتزام پڑھتے رہے جیسا کہ موصوف سے منقول ہے: "لزمت شعبة عشرين سنة" [3] اگر فرض کیجیے کہ موصوف قطان دس سال کی عمر میں درسگاہِ شعبہ میں داخل ہوئے تو لازم آتا ہے کہ موصوف درسگاہِ شعبہ میں ۱۵۰ھ تک یعنی امام ابوحنیفہ کے سالِ وفات تک پڑھتے رہے، دریں صورت امام صاحب سے قطان کی ملاقات یا تو بصرہ میں ہوئی جبکہ وہاں امام صاحب بطور مہمان یا مسافر چند دنوں کے لیے آئے یا پھر قطان چند دنوں کے لیے وارد کوفہ حیاتِ ابی حنیفہ میں ہوئے تو امام صاحب سے مل سکے یا پھر کہیں دوسری جگہ امام صاحب سے موصوف کی مختصر سی ملاقات ہوئی، پھر ۱۲۰ھ میں پیدا ہونے والے امام قطان چہل رکنی مجلس تدوین کی تاسیس سے پہلے، یعنی ۱۲۰ھ سے پہلے، محدث وفقیہ ہو کر رکن مجلس تدوین بن کر امام صاحب کے ساتھ تیس سال تک تدوین فقہ کیسے کرتے رہے جبکہ تذکرۂ وکیع میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ امام قطان بقول خویش امام صاحب کے قریب جانا بھی گوارا نہ کرتے تھے، نہ ان سے موصوف کوئی بات کرنی روا رکھتے تھے؟ خصوصاً ایسی صورت میں کہ باعتراف مصنف انوار امام قطان امام سفیان بن عیینہ کے بھی شاگرد تھے اور بتصریح امام ابن المدینی موصوف قطان مذہبِ سفیان ثوری کے پیرو تھے۔ (كما تقدم في تذكرة وكيع)

---

[1] سیر أعلام النبلاء (۹/ ۵۸۱)
[2] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۸)
[3] تقدمه الجرح والتعديل (ص: ۲۴۹) وخطیب (۱۴/ ۱۳۶) وعام کتب رجال.

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام قطان نے امام صاحب کو "لم یکن بصاحب حدیث" کہا ہے، نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم امام ابوحنیفہ کی کچھ باتوں کو معیوب و منکر سمجھتے ہیں بایں ہمہ مصنف انوار کا دعوی ہے:

''امام قطان کے زمانہ میں امام ابوحنیفہ پر کوئی کلام نہیں تھا بعد میں امام بخاری وغیرہ کے دور میں غلط پروپیگنڈہ کے سبب امام صاحب سے بدگمانیاں ہوئیں۔'' (1)

مصنف انوار کی مذکورہ بالا بات سے اس حقیقت کا مطلب بخوبی سمجھ میں آتا ہے کہ "حبك الشيء يعمي ويصم" اندھی عقیدت آدمی کو اندھا و بہرا بنا دیتی ہے ورنہ یہ معلوم ہے کہ ولادتِ یحییٰ قطان سے پہلے امام صاحب کے استاذ حماد بن ابی سلیمان (متوفی ۱۲۰ھ) امام صاحب پر سخت تنقیدیں کر چکے تھے۔ (2) ۱۳۰/ ۱۳۱ھ میں فوت ہونے والے امام صاحب کے استاذ امام ایوب سختیانی نے بھی امام صاحب پر سخت جرح کی ہے حتی کہ مصنف انوار کہتے ہیں کہ ایوب نے کہا کہ اوزاعی وثوری کے مذاہب امام صاحب پر تنقید کے سبب مٹ گئے، جس کا مفاد یہ ہے کہ امام اوزاعی وثوری ایوب کی زندگی میں یعنی ۱۳۱ھ سے پہلے امام صاحب پر تنقید وتجریح کرتے تھے۔ (3) امام صاحب کے استاذ امام شعبہ، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن شبرمہ، امام جعفر صادق، امام جعفر صادق کے باپ باقر وغیرہم نے امام صاحب پر تنقید وتجریح کی ہے جس کی تفصیل صفحاتِ گزشتہ میں آچکی ہے، اور امام شعبہ کے علاوہ ان میں سے ہر امام امام ابوحنیفہ کی زندگی میں فوت ہو چکا تھا، مجلسِ تدوین کے متعدد حضرات نے بھی امام صاحب پر سخت تنقید وتجریح کی ہے جیسا کہ ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے۔ خود امام صاحب نے اپنی بابت فرما دیا ہے کہ "عامة ما أحدثكم به خطأ، هذا الذي حدثتكم كله ريح وباطل" ان حقائق کے باوجود مصنف انوار کی مذکورہ بالا بکواس آخر کیا معنی رکھتی ہے؟ خود امام قطان نے جو یہ کہہ رکھا ہے کہ امام صاحب کے پڑوس میں رہنے کے باوجود بھی میں نے امام صاحب کے قریب جانا اور ان سے علمی معلومات حاصل کرنا گوارا نہیں کیا، وہ مصنف انوار کی تکذیب کے لیے بہت کافی ہے، حالانکہ ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ امام قطان نے یہ طرزِ عمل امام شعبہ وسفیان ثوری وسفیان بن عیینہ اور دوسرے اہل علم کے مطابق اختیار کیا تھا۔

یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام قطان اعمال کو داخلِ ایمان مانتے اور ایمان میں کمی بیشی کے قائل تھے، اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم خیال لوگوں کو مرجی وبدعتی کہہ کر سخت مطعون کرتے تھے۔ بایں ہمہ مصنف انوار کہتے ہیں:

''امام قطان نے کہا: واللہ ہم امام صاحب کی خدمت میں بیٹھے، ان سے حدیث سنی، جب بھی میں ان کی طرف نظر کرتا مجھے یقین ہوتا کہ وہ اللہ عزوجل سے ڈرتے ہیں۔'' (4)

روایت مذکورہ تاریخ خطیب (۱۳/ ۳۵۲) میں منقول ہے، اس روایت کی سند میں محمد بن سعد عوفی ہیں جن کو مصنف انوار کے استاذ کوثری نے غیر معتبر کہا ہے۔ (5) پھر مصنف انوار نے اسے کیوں حجت بنایا؟ نیز اس کی سند میں محمد بن احمد بن عصام مجہول راوی ہے، مجہول کی روایت غیر معتبر ہے، کوثری ومصنف انوار کا بھی یہی دعوی ہے کہ مجہول کی روایت غیر معتبر ہے، پھر کس بنیاد پر یہ روایت مصنف انوار کے نزدیک معتبر ہوگئی؟

---

(1) مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۸)
(2) اللمحات (۲/ ۱۸ تا ۳۵ و ۷۴]
(3) ملاحظہ ہو: اللمحات (۱/ ۱۴۰ تا ۱۵۱ و ۲/ ۴۴۹)
(4) مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۸)
(5) تانیب الخطیب (ص: ۱۸۷)

البتہ بسند صحیح یہ مروی ہے:

"قال القطان: أرأيتم إن عبنا على أبي حنيفة شيئا، وأنكرنا بعض قوله أتريدون أن نترك ما نستحسن من قوله الذي يوافقنا عليه؟"[1]

''امام قطان نے اپنے مخاطبین سے فرمایا کہ اگر چہ ہم امام ابوحنیفہ پر نقد وجرح اور ردو قدح کرتے ہیں اور ان کی بعض باتوں پر نکیر ونکتہ چینی کرتے ہیں مگر تم یہ چاہتے ہو کہ امام ابوحنیفہ ہماری جس پسندیدہ بات کے موافق ہیں ہم اسے بھی محض امام ابوحنیفہ کی مخالفت کے سبب ترک کر دیں؟''

یہ روایت صاف بتلاتی ہے کہ امام قطان امام ابوحنیفہ کی بعض باتوں کو قابل نکیر قرار دیتے ہیں مگر بعض متشدد لوگ ایسے تھے جو چاہتے کہ امام قطان جن باتوں میں امام ابوحنیفہ کی موافقت بھی کرتے ہیں وہ بھی مخالفت ابی حنیفہ کے سبب ترک کر دیں، حالانکہ یہ بات مناسب نہیں کہ کسی غیر اہلحدیث شخص کی مخالفت میں اہل حدیث کے اس مسئلے کو بھی ترک کر دیا جائے جس میں اس نے اہل حدیث کی موافقت کی ہے، جس طرح کہ بعض صحابہ یہود کی ضد میں چاہتے تھے کہ بحالت حیض بھی وطی کی جائے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ محض یہود کی مخالفت میں ہمیں ایسا کرنا ٹھیک نہیں، یہ روایت اس زعمِ باطل کی تردید کرتی ہے کہ امام قطان مقلد ابی حنیفہ تھے، البتہ مذکورہ بالا روایت کو بعض رواۃ نے بعض ایسے الفاظ میں بیان کر دیا ہے جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ امام قطان بعض اقوال ابی حنیفہ کی پیروی کرتے تھے، حالانکہ اس سے بھی موصوف کا مقلد ابی حنیفہ ہونا لازم نہیں آتا، اور یہ ثابت ہے کہ امام قطان بقول خویش امام صاحب کے قریب جانا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

امام صاحب کی بعض باتوں کو قطان کا پسند کر لینا اور اسے رد نہ کرنا اس امر کی دلیل ہرگز نہیں کہ امام قطان امام صاحب کے شاگرد تھے یا ان کے ہم مسلک تھے۔ ہم مولانا ابوالاعلی مودودی کے شاگرد ہیں نہ ہم مسلک بلکہ ہم نے انھیں دیکھا تک نہیں، نیز ہم ان سے اختلافِ مذہب بھی رکھتے ہیں، پھر بھی موصوف کی بہت ساری باتوں کو ہم مستحسن سمجھتے اور نا قابل نکیر وتنقید قرار دیتے ہیں جبکہ موصوف سے ہم کو بنیادی اختلاف ہے۔

مصنف انوار نے مقدمہ انوار (۱/ ۲۵، ۹۲) میں بحوالہ کتاب التعلیم لمسعود بن شیبہ سندی کہا:

''واللہ ابوحنیفہ اس امت میں علوم قرآن وحدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔''

حالانکہ مسعود بن شیبہ کوئی فرضی یا مجہول شخص ہے جو کذاب ہے۔[2] امام قطان سے متعلق ہماری مذکورہ بالا معروضات سے مصنف انوار کی بھرپور تکذیب ہوتی ہے۔

۳۲۔ امام شعیب بن اسحاق دمشقی (مولود ۱۱۸ھ ومتوفی ۱۸۹ھ)

مصنف انوار نے کہا:

''امام شعیب بن اسحاق امام اعظم کے اصحاب وشرکاء تدوین میں بڑے پایہ کے محدث وفقیہ تھے، آپ امام اوزاعی، امام شافعی اور ولید بن مسلم کے طبقہ کے تھے، امام بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے آپ سے تخریج کی۔''[3]

[1] الانتقاء (ص: ۱۳۱) [2] لسان المیزان (۶/ ۲۶) [3] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۸)

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے تذکرۂ شعیب کے لیے جو سرخی قائم کی ہے اس میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ ''امام شعیب بن اسحاق دمشقی (متوفی ۱۹۸ھ) عمر۷۲ سال'' جس کا مطلب یہ ہوا کہ امام شعیب ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے، یہی بات جواہر المضیہ تذکرۂ شعیب (۱/ ۲۵۷) میں بھی مذکور ہے، دریں صورت لازم آتا ہے کہ موصوف شعیب اپنی ولادت سے چھ سال پہلے محدث وفقیہ اور مجتہد بن کر رکن مجلس تدوین منتخب کر لیے گئے تھے، اور کوئی شک نہیں کہ مصنف انوار کے یہاں یہ عام بات ہے کہ غیر مولود اور فوت شدہ لوگ دنیا میں بہت سے کارنامے انجام دیتے ہیں۔

تہذیب التہذیب ترجمہ شعیب (۴/ ۳۴۸) میں تصریح ہے کہ شعیب ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۸ھ میں کوفہ سے بہت دور شہر دمشق میں پیدا ہونے والے امام شعیب آخر کس زمانے میں کوفہ کی مجلس تدوین کے رکن بنے؟ ہر شخص اس تفصیل سے بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ فرضی مجلس تدوین کی پوری کہانی نشہ میں بدمست آدمی یا کسی مجنون کی خیال آرائی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اس میں شک نہیں کہ شعیب ثقہ راوی تھے لیکن موصوف کا رکن مجلسِ تدوین ہونا خرافات والی بات ہے۔

۳۳۔ امام ابوعمرو حفص بن عبدالرحمٰن بلخی رحمہ اللہ (مولود ۱۱۹ھ و متوفی ۱۹۹ھ):

مصنف انوار نے کہا:

''امام ابوعمرو حفص بن عبدالرحمٰن امام اعظم کے اصحاب میں محدث، صدوق، تمام خراسانی تلامذہ میں افقہ اور شرکاء تدوین میں سے تھے، اسرائیل، حجاج بن ارطاۃ اور ثوری وغیرہ سے روایت کی۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ حافظ ذہبی نے فرمایا:

"توفي ١٩٩ هـ وكان من أبناء الثمانين."[2] موصوف ابوعمرو حفص ۱۹۹ھ میں بعمر اسّی سال فوت ہوئے۔

مذکورہ بالا تصریحِ ذہبی کا مطلب یہ ہے کہ حفص ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے تھے، دریں صورت لازم آیا کہ موصوف جس وقت ایک سال کے دودھ پیتے ہوئے بچے تھے اس وقت محدث وفقیہ ومجتہد بن کر رکن مجلس تدوین منتخب کر لیے گئے اور اس وقت سے لے کر تیس سال تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کرتے رہے، ظاہر ہے کہ ایسی حیرت انگیز بات نشہ میں بدمست آدمی ہی کر سکتا ہے۔ مصنف انوار نے یہ نہیں بتلایا کہ کوفہ سے بہت دور سرزمین بلخ میں ۱۱۹ھ میں پیدا ہونے والے امام حفص کس زمانے میں فقیہ ومجتہد ہو کر کوفہ میں قائم شدہ مجلس تدوین کے رکن بنے؟

مصنف انوار رقم طراز ہیں:

''حفص نے کہا کہ امام صاحب علماء، فقہاء اور اہل ورع کی صفات کے جامع تھے۔''[3]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے مذکورہ بالا روایت موفق (۱/ ۲۰۰) کے حوالے سے نقل کی ہے اور موفق کے مقامِ مذکور پر اس روایت کی سند اس طرح بیان کی گئی ہے:

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۹) [2] سير أعلام النبلاء (۹/ ۳۱۱)

[3] مقدمہ انوار (۱/ ۹۹، بحوالہ موفق: ۱/ ۲۰۰، ۲۰۱)

”وبه قال: حدثنا محمد بن نصر الهروي أنبأ محمش النيشابوري سمعت حفص.“

اور ”وبه قال حدثنا“ میں ”قال“ کی ضمیر کا مرجع موفق (۱/ ۹۹) میں حارثی مرقوم ہے اور یہ معلوم ہے کہ حارثی کذاب اور وضاع ہے۔ روایت مذکورہ کو نقل کرنے کے بعد مصنف انوار کے ہم مزاج موفق معتزلی نے کہا:

”حفص هذا هو شريكه في التجارة صحبه ثلاثين سنة.“ ❶

”حفص مذکور امام صاحب کے شریکِ تجارت تھے، موصوف امام صاحب کے ساتھ تیس سال رہے۔“

۱۱۹ھ میں پیدا ہونے والا آدمی بھلا ۱۵۰ھ میں فوت ہونے والے امام صاحب کے ساتھ تیس سال کیسے تجارت کرتا رہا؟ جو شخص بلخ میں پیدا ہوا وہ آخر کس زمانے میں امام صاحب کے شہر کوفہ میں آکر امام صاحب کے تجارتی کاروبار میں شریک ہوا اور کب سے کب تک تیس سال امام صاحب کے ساتھ رہا؟ الغرض مصنف انوار کے جملہ ہم مزاج دروغ بافی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کے لیے کوشاں ہیں۔ انھیں حفص سے مروی ہے کہ اصحاب ابن عون نے امام صاحب کا یہ وصف خاص بتلایا ہے کہ موصوف آئے دن اپنی رائے بدلتے رہتے ہیں۔ امام صاحب کے اس وصف خاص کو تقویٰ شعاری قرار دے لیا گیا ہے۔ ❷

۳۴۔ امام ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی (مولود ۱۱۵ھ ومتوفی ۱۹۹ھ):

مصنف انوار نے ۱۱۵ھ میں سرزمین بلخ میں پیدا ہونے والے ابو مطیع بلخی کو بھی رکن مجلس تدوین قرار دے رکھا ہے۔ ❸

موصوف کا تذکرہ اوائل کتاب میں نیز تذکرۂ ابی یوسف میں آچکا ہے اور آئندہ بھی آئے گا۔

ناظرین کرام سوچیں کہ ۱۱۵ھ میں کوفہ سے دور بلخ میں پیدا ہونے والے ابو مطیع ۱۲۰ھ میں قائم ہونے والی مجلس کی تاسیس کے وقت مجتہد وفقیہ کیسے بن گئے تھے؟ اس جگہ ہم ابو مطیع کے سلسلے میں صرف اتنی ہی بات پر اکتفا کر رہے ہیں۔

۳۵۔ امام خالد بن سلیمان بلخی (مولود ۱۱۵ھ ومتوفی ۱۹۹ھ):

مصنف انوار نے کہا:

”امام خالد بن سلیمان بلخی (متوفی ۱۹۹ھ) عمر ۸۴ سال محدث وفقیہ امام اعظم کے تلامذہ میں سے اہل بلخ کے امام اور شرکاء مجلس تدوین میں تھے، نیز امام صاحب نے ان میں افتا کی صلاحیت دیکھ کر فتوی نویسی میں ان کو متخصص بنایا تھا، محمد بن طلحہ شیخ بخاری کے استاذ ہیں، لہٰذا امام بخاری کے شیخ الشیخ اور امام اعظم سے مسانید میں روایت کرتے ہیں۔“ ❹

ہم کہتے ہیں کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے لکھا ہے:

”أبو معاذ البلخي كان من تلامذة الإمام وأحد من عده الإمام للفتوى، ذكره القارئ، وذكر أبو الليث السمرقندي آخر النوازل أن اسمه خالد بن سليمان إمام أهل بلخ، مات يوم الجمعة لأربع بقين من المحرم ١٩٩هـ وهو ابن أربع وثمانين انتهى.“ ❺

---

❶ موفق (۱/ ۲۰۰) ❷ موفق (۱/ ۲۰۰ وقد تقدم) ❸ مقدمه انوار (۱/ ۲۰۹)

❹ مقدمه انوار (۱/ ۲۱۰ بحواله جامع المسانيد، جواهر و حدائق. ❺ فوائد البهية (ص: ۲۳۶)

''ابومعاذ بلخی تلامذۂ امام صاحب میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے ایک تھے جن کو امام صاحب نے فتوی دینے کے لیے تیار کیا تھا، یہ بات ملاعلی قاری نے بیان کی ہے، اور ابواللیث سمرقندی نے کتاب النوازل کے آخر میں کہا کہ ابومعاذ کا نام خالد بن سلیمان ہے جو باشندگان بلخ میں سے تھے، بروز جمعہ ۲۶/محرم ۱۹۹ھ کو بعمر چوراسی سال فوت ہوئے۔'' [1]

عبارت مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ امام خالد بن سلیمان ابومعاذ بلخی متوفی ۱۹۹ھ بتصریح ابواللیث سمرقندی چوراسی سال کی عمر میں ۱۹۹ھ میں فوت ہوئے، بلفظ دیگر موصوف خالد ۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے، مصنف انوار نے بھی یہی بات لکھی ہے اور ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ کوفہ سے بہت دور دوسرے ملک خراسان کے خطۂ بلخ میں ۱۱۵ھ میں پیدا ہونے والے امام خالد کی ابتدائی نشو ونما اور تعلیم وتربیت اپنے ہی وطن میں ہوئی ہوگی، جس کے بعد موصوف تحصیل علم کے لیے اپنے وطن سے باہر گئے ہوں گے، اگر فرض کیجیے کہ موصوف پندرہ سال کی عمر میں اپنے وطن سے باہر نکل کر تحصیل علم کے لیے درسگاہِ امام صاحب میں داخل ہوئے تو لازم آتا ہے کہ موصوف ۱۳۰ھ میں درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہوئے، اور یہ بات اہل نظر پر مخفی نہیں رہ سکتی کہ اس سے مصنف انوار کے بہت سے اختراعی مزعومات کی تکذیب ہوتی ہے۔

مصنف مشائخ بلخ نے بعنوان ''المحدثون من البلخيين'' لکھا ہے:

''خالد بن سليمان من تلامذة أبي حنيفة، شارك أبا يوسف وأبا مطيع البلخي في الدرس، وكان إماما معروفا ببلخ، وكتب عنه سفيان الثوري أربعين حديثا.'' [2]

''خالد محدثین بلخ میں سے تھے، درسگاہِ امام صاحب میں امام ابویوسف وابومطیع بلخی کے رفیقِ درس رہے، موصوف بلخ کے امام معروف تھے، ان سے امام سفیان ثوری نے چالیس احادیث لکھیں۔''

اپنی مذکورہ بالا بات کو مصنف مشائخ بلخ نے مختلف عناوین کے تحت متعدد حوالوں سے قدرے ترمیم واضافہ کے ساتھ متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ ''الفقهاء من البلخيين'' کے عنوان کے تحت بھی موصوف کا ذکر مصنف مشائخ بلخ نے کیا ہے۔ [3] مگر آگے چل کر فصل رابع میں سعید مقبری ومتوکل بن حمران وخالد بن سلیمان کی بابت کہا:

''فهؤلاء كانت تغلب عليهم صفة الحديث، ولم يذكروا واحدا منهم بالفقه.'' [4]

''بشمول خالد ان تینوں حضرات پر صفتِ حدیث کا غلبہ تھا، ان میں سے کسی ایک کو اہل علم نے فقہ سے متصف نہیں کیا، خالد ومتوکل اگرچہ امام مالک کے شاگرد تھے مگر یہ لوگ امام صاحب کے بھی شاگرد تھے۔''

مصنف مشائخ بلخ کے مندرجہ بالا بیان کا مفاد یہ ہے کہ خالد فقیہ ہونے کے بجائے محدث تھے، اور موصوف شاگرد امام صاحب کی طرح شاگرد امام مالک بھی تھے۔ مصنف مشائخ بلخ نے بعض کتابوں کے حوالے سے یہ بھی کہا ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ میں خراسان کے تین افراد سعید مقبری، متوکل بن حمران اور خالد سے محبت رکھتا ہوں۔ [5]

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: حاشيه جواهر المضية (٢/ ٢٦٦ باب الكنى)

[2] مشائخ بلخ (ص: ٦٠، بحواله فضائل بلخ والنوازل) وطبقات خليفه بن خياط و المجروحين لابن حبان (١/ ٢٧٨)

[3] مشائخ بلخ (ص: ٨٥)

[4] مشائخ بلخ (ص: ١٢٣)

[5] ملاحظہ ہو: مشائخ بلخ (ص: ٨٥ و ١٥٥، بحواله النوازل) وفضائل بلخ (ص: ١٤٢)

دریں صورت موصوف خالد کو مالکی المذہب اور فقہ مالکی کی تدوین کرنے والی کسی مجلس کا رکن مصنف انوار نے کیوں نہیں قرار دیا؟ اس میں شک نہیں کہ موصوف کو شرکاء تدوین فقہ حنفی میں سے قرار دینا مصنف انوار کا اختراعی کارنامہ ہے، نیز یہ دعوی بھی بے دلیل وسند ہے کہ امام صاحب نے موصوف خالد کو فتوی کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ نیز مصنف انوار کی یہ بات بھی مکذوب محض ہے کہ خالد موصوف محمد بن طلحہ شیخ بخاری کے استاذ ہیں کیونکہ جو خالد بن سلیمان، محمد بن طلحہ کے استاذ ہیں وہ مدنی الاصل انصاری ہیں، اور مصنف انوار کے ذکر کردہ خالد خراسانی الاصل بلخی ہیں، دونوں میں بہت فرق ہے۔ امام بخاری نے خالد مدنی انصاری کے ترجمہ میں کہا:

"خالد بن سليمان الأنصاري، قال إسماعيل: (وهو إسماعيل بن عبد الله بن أدريس) حدثني محمد بن طلحة (وهو التيمي المدني) عن خالد بن سليمان بن عبد الله بن خالد بن سماك بن خرشه عن أبيه عن جده أن أبا دجانة (وهو سماك بن خرشه) اختال يوم أحد، فقال النبي ﷺ: إنها يبغض الله إلا في هذا الموطن."[1]

''امام بخاری نے فرمایا کہ ہم سے اسماعیل بن عبداللہ بن ابی اویس نے بیان کیا کہ مجھ سے محمد بن طلحہ تیمی نے کہا کہ خالد بن سلیمان بن عبداللہ بن خالد بن سماک بن خرشہ سے روایت ہے کہ ابودجانہ یعنی سماک بن خرشہ کفار کے بالمقابل جنگ احد کے موقع پر اکڑ کر چل رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس موقع پر تو یہ چال ٹھیک ہے مگر دوسرے مواقع پر مبغوض ہے۔''

امام بخاری کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ جو خالد امام بخاری کے سلسلۂ اساتذہ میں سے ہیں، وہ حضرت ابودجانہ سماک بن خرشہ انصاری کی نسل سے ہیں اور مدینے کے باشندے ہیں، ان سے روایت کرنے والے محمد بن طلحہ تیمی بھی مدنی ہیں، اور محمد بن طلحہ و امام بخاری کے درمیان اسماعیل بن عبداللہ بن ابی اویس بھی مدنی ہیں، نیز موصوف خالد انصاری کی روایت امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل نہیں کی، اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے، ان کی توثیق وتجریح سے متعلق کوئی صراحت ہم کو نہیں مل سکی، ان کا تذکرہ امام ابن ابی حاتم نے بھی بلا ذکر جرح وتعدیل کیا ہے۔[2] جامع مسانید کے مصنف خوارزمی نے انھیں انصاری مدنی خالد کا ذکر جامع مسانید میں کیا ہے لیکن مصنف انوار نے حسب عادت اپنی معروف دیانتداری سے کام لے کر خالد بلخی سے متعلق اپنی تحریر کردہ باتوں کے لیے جامع المسانید کا حوالہ دے دیا ہے۔

مصنف انوار نے جن خالد بلخی کو رکن مجلس تدوین کہا ہے ان کا ذکر میزان الاعتدال ولسان المیز ان میں کیا گیا ہے، ان کی کنیت ابومعاذ ہے اور مشائخ بلخ میں بھی ان کا ذکر ہے، موصوف کو امام ابن معین نے ضعیف کہا ہے، نیز بعض دوسرے اہل علم کو بھی ان پر کلام ہے۔[3] امام ابن حبان نے موصوف کو مجروحین میں ذکر کرتے ہوئے کہا:

"قال ابن عدي: له أحاديث شبه الموضوعة، فلا أدرى من قبله أو من قبل الراوي عنه؟"[4]

---

[1] تاريخ كبير للبخاري (٢/ ١٥٤، ق: ٢)
[2] الجرح والتعديل (٢/ ٣٣٥، ق: ٢)
[3] لسان الميزان (٢/ ٣٧٧)
[4] المجروحين (١/ ٢٧١)

''امام ابن عدی نے فرمایا کہ خالد موصوف کی احادیث، احادیث موضوعہ کے مانند ہیں، پتہ نہیں کہ خالد نے انھیں خود وضع کیا ہے یا ان کے تلامذہ نے؟''

حاصل یہ کہ موصوف ساقط الاعتبار ہیں۔

۳۶۔ امام عبدالحمید بن عبدالرحمٰن الکوفی الحمانی (مولود ۱۲۰ھ متوفی ۲۰۲ھ):

مصنف انوار نے کہا:

''امام عبدالحمید بن عبدالرحمٰن حمانی محدث جلیل القدر، امام صاحب کے اصحاب اور شرکاءِ تدوین میں سے تھے۔''❶

ہم کہتے ہیں کہ چہل رکنی مجلس تدوین کی پوری کہانی مکذوب ہے، عبدالحمید حمانی موصوف کا رکن مجلس تدوین ہونا بھی اس مکذوبہ کہانی کا ایک جزو ہے، البتہ موصوف بتصریح حافظ ذہبی ۱۲۰ھ کے بعد پیدا ہوئے۔❷ دریں صورت موصوف ۱۲۰ھ میں قائم ہونے والی مجلس تدوین کی تاسیس سے پہلے کس طرح محدث ومجتہد ہو کر رکن مجلس منتخب کیے گئے؟

۳۷۔ امام حسن بن زیاد لؤلؤی (مولود ۱۱۶ھ ومتوفی ۲۰۴ھ):

مصنف انوار نے کہا:

''امام حسن بن زیاد لؤلؤی امام اعظم کے تلامذہ واصحاب وشرکاء تدوین فقہ میں سے بڑے بیدار مغز فقیہ ودانش مند اور محدث تھے۔''❸

ہم کہتے ہیں کہ متقدمین میں سے کسی نے موصوف حسن بن زیاد لولؤی کے سالِ ولادت کی تصریح نہیں کی، بعض متاخرین نے تخمین سے موصوف کا سالِ ولادت ۱۱۶ھ بتلایا ہے۔❹

قرینِ قیاس یہ ہے کہ موصوف ۱۱۶ھ یا اس کے بعد ہی پیدا ہوتے ہوں گے، مصنف انوار نے موصوف کو امام زفر (مولود ۱۱۰/ ۱۱۶ھ) اور ابو یوسف (مولود ۱۱۳ھ) کا شاگرد کہا ہے، عموماً دیکھا جاتا ہے کہ تلامذہ کی عمر اپنے اساتذہ سے کم ہوتی ہے، اس اعتبار سے بھی ظن غالب ہے کہ موصوف حسن بن زیاد لولؤی ۱۱۶ھ میں یا اس کے بعد پیدا ہوئے، اس زمانے میں پیدا ہونے والے شخص کو رکن مجلس تدوین قرار دینے سے خود مصنف انوار کے بہت سارے مزعومات کی تکذیب ہوتی ہے۔ (کمامر) لیکن بالفرض موصوف لؤلؤی امام صاحب سے بھی زمانہ پہلے پیدا ہو گئے ہوں تو موصوف کے رکن مجلس تدوین ہونے پر مصنف انوار کی خانہ ساز اختراعات کے علاوہ کوئی بھی دلیل نہیں ہے ہم تذکرۂ نوح میں بیان کر آئے ہیں کہ کتب مناقب کے مطابق لؤلؤی موصوف وفاتِ امام زفر تک یعنی ۱۵۸ھ تک درسگاہِ زفر میں پڑھتے رہے تھے، اس کے بعد درسگاہِ نوح میں پڑھتے رہے، پھر وہ کب فارغ التحصیل ہو کر رکن مجلس بنے تھے؟ تذکرہ ابی یوسف میں اس بات پر مفصل بحث ہو چکی ہے کہ کسی رکن مجلس کا ولادتِ امام صاحب سے پہلے پیدا ہونا بھی مصنف انوار کی فرضی مجلس تدوین کے حق میں مفید نہیں ہے۔

مصنف انوار نے موصوف لولؤی کو جو بڑا بیدار مغز، فقیہ ودانش مند ومحدث کہا ہے، اس کی حقیقت موصوف پر ائمہ جرح

---

❶ ملخص از مقدمہ انوار (۱/ ۲۱۰)
❷ سیر أعلام النبلاء (۱۰/ ۵٤۰)
❸ مقدمہ انوار (۱/ ۲۱۰)
❹ معجم المؤلفين للكحالة (۳/ ۲۲٦)

وتعدیل کے وارد شدہ کلمات جرح سے بخوبی واضح ہے اور اسی سے مصنف انوار کی صدق مقالی بھی واضح ہو جاتی ہے۔ مصنف انوار امام ابن معین کو معتدل مزاج، حنفی المسلک امام جرح وتعدیل مانتے ہیں، اور متعدد اسانید سے منقول ہے کہ امام ابن معین نے نہایت واضح طور پر حسن بن زیاد لولوی کو خبیث، کذاب کہا ہے، اور امام ابن نمیر نے فرمایا کہ "یکذب علی ابن جریج" امام ابو داود و ابو ثور و نسائی و یعقوب بن سفیان وعقیلی و ساجی و دارقطنی نے بھی موصوف کو بالصراحت کذاب کہا ہے۔[1] امام نسائی نے اپنی کتاب الطبقات میں کہا: "والحسن بن زیاد اللؤلؤي كذاب خبيث"[2] اور کتاب الضعفاء (ص: ۱۰) میں فرمایا: "ليس بثقة ولا مأمون" امام یزید بن ہارون نے موصوف کا مسلمان ہونا بھی مستبعد بتلایا ہے۔ حالت نماز میں موصوف کو امرد لڑکے کا بوسہ لیتے ہوئے امام حسن بن علی حلوانی واحمد بن سلیمان رہاوی نے دیکھا۔ امام محمد بن رافع نیشاپوری ومحمد بن حمید رازی نے کہا کہ یہ شخص نماز بھی ٹھیک سے نہیں پڑھتا تھا۔[3] صرف اتنی تفصیل سے موصوف کے بیدار مغز، فقیہ ودانش مند ومحدث ہونے کی حقیقت واضح ہے مگر ہم موصوف سے متعلق مصنف انوار کے بیان کردہ دوسرے اکاذیب کی حقیقت واضح کر دینا بھی مناسب سمجھتے ہیں۔

امام بویطی نے کہا:

"سمعت الشافعي يقول: قال لي الفضل بن الربيع: أنا أشتهي مناظرتك واللؤلؤي، فقلت إنه ليس هناك، فقال: أنا أشتهي ذلك، قال: فأحضرنا وأتينا بطعام فأكلنا، فقال رجل يعني له: ما تقول في رجل قهقه في الصلوة؟ قال: بطلت صلوته، قال: فطهارته، قال...؟ فما تقول في رجل قذف محصنة في الصلٰوة؟ قال: بطلت صلوته، قال: فطهارته؟ قال: بحالها، فقال له: قذف المحصنات أشد من الضحك في الصلوة؟ قال: فأخذ اللؤلؤي نعليه وقام، فقلت للفضل: قد قلت لك: إنه ليس هناك."[4]

"میں نے امام شافعی کو کہتے ہوئے سنا کہ مجھ سے خلیفہ ہارون رشید کے وزیر فضل بن ربیع نے کہا کہ میں آپ اور حسن بن زیاد لولوی کے مابین مناظرہ دیکھنا چاہتا ہوں تو میں نے یعنی امام شافعی نے کہا کہ حسن بن زیادہ لولوی میں مجھ سے مناظرہ کرنے کی صلاحیت ولیاقت نہیں ہے مگر وزیر موصوف نے کہا میں بہرحال یہ دیکھنا چاہتا ہوں، چنانچہ ہم کو وزیر موصوف نے جمع کیا اور کھانے کے بعد میرے ساتھ کے ایک آدمی نے موصوف حسن بن زیاد لولوی سے کہا کہ جو آدمی نماز میں قہقہہ کے ساتھ ہنسے اس کی بابت آپ کیا کہتے ہیں؟ لولوی نے کہا کہ اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اس آدمی نے کہا کہ اس کا وضو برقرار رہے گا یا ٹوٹ جائے گا؟ لولوی نے کہا وضو ٹوٹ جائے گا، اس آدمی نے کہا کہ اگر نماز میں کسی پاک دامن عورت کو تہمت زنا لگا دے تو کیا ہوگا؟ لولوی نے کہا نماز باطل ہو جائے گی مگر وضو برقرار رہے گا، اس آدمی نے کہا کہ آپ کی ان باتوں سے معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک پاک دامن عورت پر تہمتِ زنا کے بالمقابل ہنسی زیادہ بھاری جرم ہے۔ اتنا سننا

---

[1] لسان الميزان (۲/ ۲۰۸، ۲۰۹) [2] طبقات للنسائي (ص: ۳۵) [3] لسان الميزان (۲/ ۲۰۹)

[4] ميزان الاعتدال (۱/ ۲۰۰) ولسان الميزان (۲/ ۲۰۸) والهسهسة بنقض الوضوء بالقهقهة للشيخ فرنگی محلی (ص: ۱۹ وغیرہ)

تھا کہ لؤلؤی اپنے جوتے سنبھال کر چلتے بنے، اس وقت میں نے وزیر فضل سے کہا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لؤلؤی مجھ سے مناظرہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔''

مذکورہ بالا روایت سے موصوف حسن بن زیاد لؤلؤی کے فقیہ ومحدث ہونے کی حقیقت بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اہل الحدیث واہل الرای کے مابین اتنے معرکۃ الآراء مسئلہ کے متعلق مناظرہ میں بھی موصوف امام شافعی کے ایک ساتھی کے سامنے نہیں ٹھہر سکے اور ان کے معارضہ کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ مولانا فرنگی محلی نے واقعۂ مذکورہ کو نقل کر کے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں لؤلؤی کا جواب سے عاجز ہونا مسلک حنفی کے لیے مضر نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ لولؤی کو اس سلسلے کی حدیث معلوم نہ ہو سکی ہو۔[1]

ہم کہتے ہیں کہ بالفرض لؤلؤی کی شکست مسلک حنفی کے لیے مضر نہ ہو مگر اس سے لولؤی کی فقاہت وعلم حدیث میں معرفت اور علمی مناظرہ ومباحثہ میں صلاحیت کا حال معلوم ہو گیا کہ اتنے مشہور ومعروف معرکۃ الآراء مسئلہ میں موصوف ایک قدم بھی نہیں چل سکے، البتہ مسئلۂ مذکورہ میں ہم علمائے احناف کے دلائل کا جائزہ آگے چل کر لیں گے۔

مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی مسانید ابی حنیفہ میں مسند حسن بن زیاد سے نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹنے سے متعلق ساقط الاعتبار حدیث منقول ہے۔[2] اس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۵۰ھ سے پہلے یعنی وفات ابی حنیفہ سے پہلے لؤلؤی کو حدیث مذکور امام صاحب پڑھا چکے تھے، پھر لؤلؤی کے بارے میں یہ کہنا کہ مجلس امام شافعی میں مناظرہ کے وقت موصوف کو حدیث مذکور معلوم نہیں تھی کیا معنی رکھتا ہے؟

اگر مسئلہ مذکورہ سے متعلق مجلس مناظرہ میں لولؤی سے یہ پوچھا جاتا کہ نماز میں امرد لڑکے کو بوسہ لینے سے نماز اور وضو دونوں چیزیں برقرار رہتی ہیں یا دونوں باطل ہو جاتی ہیں یا ان میں سے ایک باطل ہوتی ہے اور دوسری برقرار رہتی ہے تو زیادہ مؤثر ہوتا کیونکہ یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ امام حسن بن علی حلوانی واحمد بن سلیمان رہاوی نے بتلایا ہے کہ بحالت نماز لولؤی موصوف امرد لڑکے کو بوسہ دیتے اور چھیڑ چھاڑ کرتے تھے، نیز امام محمد بن رافع نیساپوری نے کہا کہ موصوف لولؤی امام کے پہلے سجدہ سے سر اٹھا لیا کرتے تھے اور سجدہ میں چلے بھی جایا کرتے تھے۔[3] کیا اس طرح کی حرکت کسی بیدار مغز فقیہ ودانشمند محدث سے متوقع ہے؟

مصنف انور نے اپنی عادت کے مطابق تحریف وتزویر سے کام لیتے ہوئے بحوالہ خطیب کہا ہے:

''خطیب نے لکھا کہ حفص بن غیاث کی وفات ۱۷۴ھ میں ہوئی تو ان کی جگہ حسن بن زیاد لولؤی قاضی بنائے گئے لیکن قضا ان کو موافق نہ آئی، امام داود طائی نے ان کو کہلا بھیجا کہ تمھارا بھلا ہو قضا موافق نہ آئی، مجھے امید ہے کہ اللہ نے ناموافقت سے تمھارے لیے بڑی خیر کا ارادہ فرمایا ہے مناسب ہے کہ اس سے استعفا دے دو، چنانچہ آپ نے استعفا دے دیا اور راحت پائی، اس ناموافقت کی تفصیل بھی عجیب ہے، سمعانی نے لکھا ہے کہ جب قضا کے لیے بیٹھتے تو اللہ کی شان اپنا سارا علم بھول جاتے حتی کہ اپنے اصحاب سے مسئلہ پوچھ کر حکم دیتے اور جب اجلاس سے اٹھتے تو تمام علوم مستحضر ہو جاتے۔ چالیس سال تک افتاء کا کام کیا۔''[4]

---

[1] الهسهسة (ص: ١٩ وغيره)　[2] جامع المسانيد (١/ ٢٤٨)
[3] لسان الميزان (٢/ ٣٩)　[4] مقدمه انوار (١/ ٢١٠)

مصنف انوار کی مندرجہ بالا عبارت میں ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ یہ صراحت موجود ہے کہ ''لولؤی قاضی ہوئے تو قضا انھیں موافق نہیں آئی کیونکہ قضا کے لیے بیٹھتے تو موصوف اپنا سارا علم بھول جاتے تھے حتی کہ اپنے اصحاب سے پوچھ کر فیصلے کرتے۔ ظاہر ہے کہ مصنف انوار نے یہ بات اپنے خالص علمی وتحقیقی ودینی نقطۂ نظر سے صحیح ومعتبر کہہ کر لکھی ہے اور جو شخص عدالت میں اپنے سارے علوم بھول بیٹھے، بنابریں اسے عہدہ قضا موافق نہ آئے اور مجبوراً اس سے مستعفی ہوجائے وہ آخر کس طرح کا بیدار مغز، فقیہ ودانش مند محدث ہے؟ اب ناظرین کرام مندرجہ بالا عبارت میں مصنف انوار کی گل افشانیوں کا حال ملاحظہ فرمائیں۔

مصنف انوار نے لکھ رکھا ہے کہ خطیب نے لکھا کہ حفص بن غیاث کی وفات ۱۷۴ھ میں ہوئی تو ان کی جگہ حسن بن زیاد لولؤی قاضی بنائے گئے۔ حالانکہ حافظ خطیب نے بسند متصل یہ لکھا ہے:

''توفي حفص بن غياث في سنة أربع وتسعين ومائة فجعل مكانه الحسن اللؤلؤي.'' [1]

''حفص بن غیاث ۱۹۴ھ میں فوت ہوگئے تو ان کی جگہ پر لؤلؤی قاضی بنائے گئے یعنی ۱۹۴ھ میں۔''

مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب جامع المسانید (۲/ ۴۲۹) میں حفص بن غیاث کا سالِ وفات ۱۹۶ھ بتلایا گیا ہے۔ خود مصنف انوار نے مقدمہ انوار (۱/ ۲۰۶) میں حفص بن غیاث کا سالِ وفات ۱۹۴ھ لکھا ہے مگر معلوم نہیں موصوف نے اس میں تحریف وتصرف کی کیا ضرورت محسوس کی کہ مندرجہ بالا عبارت میں خطیب کے بیان میں تحریف کر کے یہ لکھ دیا کہ حفص کی وفات ۱۷۴ھ میں ہوئی تو لولؤی قاضی بنائے گئے؟ یہ کام مصنف انوار نے جامع المسانید ترجمہ حسن بن زیاد لولؤی (۲/۴۴۴) کی تقلید میں کیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ ۱۷۴ھ میں وفات حفص کے بعد لولؤی قاضی بنے!

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے یہ بھی لکھا ہے کہ لؤلؤی کو قضا موافق نہ آئی تو امام داود طائی نے ان کو کہلا بھیجا کہ مناسب ہے کہ اس سے استعفا دے دو۔ حالانکہ مصنف انوار (۱/ ۱۶۷) لکھ آئے ہیں کہ ''داود طائی ۱۶۰ھ میں فوت ہوگئے تھے۔'' ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ۱۶۰ھ میں فوت ہو جانے والے داود طائی کا ۱۷۴ھ میں یا اس کے بعد یعنی اپنی وفات کے چودہ سال بعد قاضی بنائے جانے والے لولؤی کو مستعفی ہونے کا مشورہ دینا محال ہے مگر مصنف انوار کے خالص علمی وتحقیقی ودینی نقطۂ نظر سے اس طرح کی محال باتیں امر واقع کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اس سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ خطیب وسمعانی اور دوسرے اہل علم کی نقل کردہ روایت میں صراحت ہے کہ لولؤی کو مشورۂ استعفی دینے والے صاحب کا نام ''بکائی'' تھا مگر مصنف انوار نے بذریعہ تحریف بکائی کو ''امام داوطائی'' بنا دیا جو لولؤی کے قاضی بنائے جانے سے چونتیس سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ روایت مذکورہ میں واقع شدہ بکائی کی تعیین ہم نہیں کر سکے کہ یہ کون صاحب ہیں جنھوں نے لولؤی کو عہدۂ قضا سے مستعفی ہو جانے کا مشورہ دیا تھا مگر روایت مذکورہ کی سند میں احمد بن عطیہ المعروف با بن المغلس کذاب موجود ہے اور اس روایت مذکورہ کا ناقل مکرم قاضی کو ظاہر کیا گیا ہے جن کی کتاب مناقب ابی حنیفہ تبصریح اہل علم مجموعۂ اکاذیب ہے۔ (کمامر) دریں صورت روایت مذکورہ کو صحیح ومعتبر کہہ کر نقل کرنا اور اس کے مضمون میں تحریف وترمیم بھی کر لینا کون سی دیانت داری ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اس روایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام زکریا ساجی نے کہا ہے:

---

[1] خطیب (٧/ ٣١٤)

"يقال: كان اللؤلؤي على القضاة."[1]

''کہا جاتا ہے لوٗلوٗی قاضی بنائے گئے تھے تو معاملہ مذکورہ پیش آیا۔''

امام ساجی نے صیغۂ تمریض کے ساتھ اس افسانے کا ذکر کر کے ظاہر کر دیا ہے کہ یہ ساقط الاعتبار خانہ ساز افسانہ ہے مگر یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی مصنف انوار اس مکذوبہ افسانے کو معتبر کہہ کر نقل کیے ہوئے ہیں، حاصل یہ کہ یہ افسانہ مکذوبہ ہے اور اس کی نقل میں مصنف انوار نے تحریف وترمیم سے کام لیا ہے اور باوجودیکہ اس حکایت سے لولؤی کی قدح کا پہلو نکلتا ہے مگر اسے مصنف انوار نے مدح کی چیز قرار دے لیا ہے، آخر جو شخص بدعویٰ کذابین اپنے اصحاب الرای کی آراء کا حافظ ہو وہ کرسیِ قضا پر بیٹھتے ہی حواس باختہ ہو کر اگر اپنے تمام علوم سے تہی دست ہو جائے تو اس کا یہ وصف کس قدر ممدوح قرار دیا جا سکتا ہے؟

مصنف انوار نے لکھ رکھا ہے کہ لولؤی نے چالیس سال تک افتاء کا کام کیا، وہ آخر مصنف انوار کی حوالہ دی ہوئی کتابوں میں سے کس جگہ لکھا ہے؟ مصنف انوار نے لولؤی سے متعلق اپنی تحریر کردہ عبارتوں کے لیے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے وہ جواہر المضیہ وجامع مسانید وحدائق الحنفیہ وتاریخ خطیب وانساب سمعانی وغیرہ ہیں مگر ان ساری کتابوں میں سے صرف حدائق الحنفیہ میں ہم یہ مرقوم دیکھتے ہیں:

> ''کہتے ہیں کہ جب آپ کی یعنی لولؤی کی عمر تیس سال گزری تو آپ نے فقہ پڑھنا شروع کی اور چالیسویں سال تک اس میں مشغول رہے، چنانچہ اس عرصہ میں آپ نے اچھی طرح بستر پر اپنی پیٹھ نہ رکھی، پھر چالیس سال آپ نے فتویٰ دینے میں صرف کیے۔''[2]

حدائق الحنفیہ کی عبارت مذکورہ میں یہ کہا گیا ہے کہ لولؤی چالیس سال تک فتویٰ دیتے رہے مگر اسی میں یہ صراحت بھی ہے کہ لولؤی نے تیس سال کی عمر میں فقہ پڑھنا شروع کیا اور اپنی عمر کے چالیسویں سال تک تحصیل فقہ میں مصروف رہے یعنی موصوف دس سال تک پڑھتے رہے، لیکن مصنف انوار نے نہ جانے کیوں حدائق الحنفیہ کی یہ عبارت نصوصِ کتاب وسنت کی طرح حجت نہیں بنائی، نہ یہ بتلایا کہ لولؤی کس سال پیدا ہوئے اور کس سن میں تیس سال کا ہو کر موصوف نے پڑھنا شروع کیا جس کے بعد موصوف چالیس سال کی عمر تک پڑھتے رہے؟

ہم عرض کر آئے ہیں کہ بعض متاخر اہل علم نے موصوف کا سال ولادت ۱۱۶ھ بتلایا ہے اس اعتبار سے لازم آتا ہے کہ لولؤی موصوف نے ۱۴۶ھ میں تحصیل علم فقہ شروع کیا اور ۱۵۶ھ میں موصوف پڑھ کر فارغ ہوئے، لیکن یہ کہا جا چکا ہے کہ موصوف لوٗلوٗی وفاتِ زفر تک یعنی ۱۵۸ھ تک درسگاہِ زفر میں پھر درسگاہِ نوح میں پڑھتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ چیز مصنف انوار کے بہت سارے مزعومات کی تکذیب کرتی ہے، غالباً اسی وجہ سے مصنف انوار نے حدائق الحنفیہ کی عبارت مذکورہ کو معتبر کہہ کر نقل کیا ہے، ویسے یہ معلوم ہے کہ مصنف انوار اس طرح کی باتوں کو باہم بیک وقت نصوص کتاب وسنت کی طرح معتبر قرار دے کر قلم بند کرنے کے عادی ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ مصنف انوار کے خصوصی معتمد علیہ مصنف حدائق الحنفیہ کی تحریر کردہ مذکورہ بالا بات خانہ ساز ومکذوبہ اور بے سند ہے، البتہ مناقب ابی حنیفہ للصیمری میں ہے:

---

[1] خطيب (٧/ ٣١٤) [2] حدائق الحنفية (ص: ١٣٧)

”قال مکرم: ثنا عبد الوهاب بن محمد قال: سمعت الحسن بن أبي مالك كان الحسن بن زياد إذا جاء إلى أبي يوسف همته نفسه، قال ابن شجاع: سمعت ابن زياد يقول: مكثت أربعين سنة لا أبيت إلا والسراج بين يدي.“ ❶

”لولؤی جب امام ابو یوسف کے پاس آتے تو ابو یوسف کو اپنی خیر منانے کی فکر دامن گیر ہوتی تھی، لؤلؤی نے کہا کہ میں نے چالیس سال اس طرح گزارے ہیں کہ رات کے وقت چراغ میرے سامنے رہا کرتا تھا۔“

روایت مذکورہ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ امام ابو یوسف ولولؤی کے مابین علمی مذاکرات ومناظرات ہوا کرتے تھے اور لولؤی کے ساتھ مباحثہ میں امام ابو یوسف کی حالت اس قدر خراب وخستہ ہو جایا کرتی تھی کہ لولؤی کو دیکھتے ہی امام ابو یوسف کو اپنی خیریت منانے کی فکر دامن گیر ہو جایا کرتی تھی مگر معاملہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا کہانی مکذوبہ ہے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن شجاع کذاب ہے، نیز اس کی سند میں قاضی مکرم ہیں جن کی کتاب مناقب ابی حنیفہ بتصریح امام دارقطنی مجموعۂ اکاذیب ہے، اور روایت کا مضمون مصنف انوار کے متعدد مزعومات کی تکذیب کرتا ہے۔ (کما لا یخفی) صیمری ناقل ہیں:

”ہارون رشید نے لولؤی سے کہا کہ ہفتہ میں ایک دن آپ میرے لڑکے مامون کے ساتھ فقہی مذاکرہ، علم حدیث واختلافی مسائل سے متعلق سوالات کیا کیجیے چنانچہ لولؤی ایسا کیا کرتے تھے، ایک روز مامون اونگھ رہا تھا کہ لولؤی نے اسے متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ شاہ زادے! کیا تم میری باتیں سن نہیں رہے ہو؟ اس گستاخی پر مامون نے خفا ہو کر لولؤی کو بازاری آدمی قرار دے کر بذریعہ خدام اپنے گھر سے باہر نکلوا دیا، ہارون کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے مامون کے اس طرز عمل کی تحسین کی۔“ ❷

مصنف انوار نے نا جانے کیوں روایت مذکورہ کو معتبر کہہ کر نقل نہیں کیا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شاہی دربار میں امام ابو یوسف نیز دیگر ائمہ احناف عہدۂ قضا پر فائز تھے اس میں کس طرح کے لوگوں کی پذیرائی کی توقع ہو سکتی تھی؟

روایت مذکورہ بھی ساقط الاعتبار ہے مگر اسی طرح کی روایات کو مصنف انوار نصوص کتاب وسنت کی طرح نقل کرتے چلے جاتے ہیں اور ان میں تحریف وترمیم الگ سے کرتے ہیں۔

مصنف انوار نے کہا ہے کہ ”یحییٰ بن آدم کا قول ہے کہ میں نے لولؤی سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔“ ❸

ہم کہتے ہیں کہ روایت مذکورہ کی سند میں محمد بن عبید اللہ ہمدانی ومحمد بن منصور متعین ومعروف نہیں ہیں۔ ❹ دریں صورت روایت مذکورہ کو بطور وحجت نقل کرنا کون سی دیانتداری ہے؟ ایسی ساقط الاعتبار روایت کو بطور حجت نقل کرنے کے ساتھ ہی ایک سانس میں مصنف انوار نے یہ بھی کہا کہ ”حتیٰ کہ بعض لوگوں نے لؤلؤی کو امام محمد سے بھی زیادہ فقیہ کہا ہے۔“ ❺

---

❶ أخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري (ص: ١٣٣)
❷ أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٣٣) وكردري (٢/ ٣١١)
❸ مقدمه انوار (١/ ٢١٠)
❹ أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٣١)
❺ مقدمه انوار (١/ ٢١٠)

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کی مندرجہ بالا بات حسب ذیل روایت پر قائم ہے:

”قال محمد بن منصور الأسدي: سألت نمر بن جدار فقلت: أيما أفقه الحسن بن زياد أم محمد بن الحسن، فقال: الحسن.“ ❶

”محمد بن منصور اسدی نے نمر بن جدار سے کہا کہ لولؤی زیادہ فقیہ ہیں یا محمد بن حسن شیبانی؟ نمر نے کہا لولؤی۔ کیونکہ لولؤی امام محمد سے اپنے پوچھے ہوئے سوالات کے جواب کی اس قدر تغلیظ کرتے تھے کہ امام محمد رو پڑتے تھے، امام محمد جواب تو اچھا دیتے مگر سوال کرنے میں اتنے اچھے نہیں تھے لیکن لولؤی ان کے برعکس تھے، وہ سوال میں اچھے تھے جواب میں کچے تھے اور ابو یوسف دونوں میں اچھے تھے۔“

ہم کہتے ہیں کہ اس روایت کے بنیادی راوی نمر بن جدار اور محمد بن منصور اسدی مجہول ہیں، نیز اس روایت کے مطابق امام محمد و لولؤی میں ایک ایک خامی علمی نقطۂ نظر سے بنیادی قسم کی تھی، ایسی ساقط الاعتبار روایت کو حجت بنانا کیونکر روا ہے؟

مصنف انوار نے کہا:

”لؤلوی سنت نبوی کے بڑے عامل تھے، حدیث میں ہے کہ غلاموں کو بھی اپنے جیسا پہناؤ تو امام حسن اپنے غلاموں کو بھی اپنے ہی جیسے کپڑے پہناتے۔“ ❷

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کی مذکورہ بالا بات اخبار ابی حنیفہ للصیمری (ص: ۱۳۱) وخطیب (۷/ ۳۱۴) سے ماخوذ ہے۔ ❸ مگر اس کی سند میں احمد بن محمد مکی ساقط الاعتبار ہے۔ ❹ لولؤی سے متعلق بعض روایات کا تذکرہ ترجمہ ابی یوسف میں نیز دوسرے مقامات پر آچکا ہے۔

مصنف انوار نے کہا:

”محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ لولؤی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن جریج سے بارہ ہزار احادیث لکھیں۔“ ❺

ہم کہتے ہیں کہ لؤلؤی خود کذاب ہے مگر اس روایت کی سند میں احمد بن المغلس بھی کذاب ہے اور کوئی شک نہیں کہ یہ روایت مکذوبہ ہے۔ روایت مذکورہ اخبار ابی حنیفہ للصیمری (ص: ۱۳۲) وخطیب (۷/ ۳۱۴) وعام کتب تراجم میں جعلی سند کے ساتھ منقول ہے، اس کے بالمقابل امام ابوثور نے فرمایا ہے:

”ما رأيت أكذب من اللؤلؤي كان على طرف لسانه: ابن جريج عن عطاء.“ ❻

”میں نے لولؤی سے بڑا کذاب نہیں دیکھا، ان کی نوک زبان میں ابن جریج عن عطا رہا کرتا تھا۔“

امام ابن نمیر نے فرمایا: ”يكذب على ابن جريج“ لولؤی ابن جریج پر جھوٹ بولتے تھے۔ ❼

---

❶ أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ١٣٢)
❷ مقدمه انوار (١/ ٢١٠)
❸ نیز ملاحظہ ہو: جواهر المضيه (١/ ١٩٣)
❹ لسان الميزان (١/ ٢٨٣، ٢٨٤)
❺ مقدمه انوار (١/ ١١٠)
❻ خطيب (٧/ ٣١٧) ولسان الميزان (٢/ ٢٠٩)
❼ لسان الميزان (٢/ ٢٠٨) وكشف الأحوال في نقد الرجال (ص: ٣٤)

مصنف انوار نے مزید کہا:

سمعانی نے کہا کہ حسن امام ابوحنیفہ کی حدیثی روایات کے بڑے عالم اور خوش خلق تھے۔"[1]

ہم کہتے ہیں کہ سمعانی نے حسن کو امام ابوحنیفہ کی حدیثی روایات کا بڑا عالم اور خوش خلق نہیں کہا بلکہ یہ کہا ہے:

"كان الناس تكلموا فيه، وليس في الحديث بشيء."[2]

"لوگوں نے (مراد علمائے جرح وتعدیل) نے لولؤی پر کلام کیا ہے، موصوف لولؤی حدیث میں کچھ بھی نہیں، یعنی ساقط الاعتبار ومتروک ہے۔"

البتہ سمعانی نے یہ کہا ہے کہ لولؤی امام صاحب کی روایات کے حافظ تھے، ممکن ہے کہ مصنف انوار نے حافظ کا مطلب عالم سمجھ لیا ہو، حالانکہ دونوں میں فرق ہے، پھر حافظ روایات کو عالم کہنا اور اس کے ساتھ "بڑا" کا لفظ بھی جوڑ دینا معنوی تحریف وترمیم ہے جو مصنف انوار کا خصوصی شیوہ وشعار ہے لیکن موصوف کو روایات ابی حنیفہ کا بڑا عالم کہنا کیونکر درست ہے جبکہ مصنف انوار کے ہم مزاج لوگوں نے یہ بیان کر رکھا ہے کہ امام زفر نے فرمایا کہ کہ لولؤی اس حد تک بلید وکند ذہن اور ناسمجھ وبے عقل تھے کہ پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے، نیز یہ کرسیٔ عدالت پر بیٹھتے ہی موصوف اس قدر حواس باختہ ہو جاتے تھے کہ محکمۂ عدالت سے متعلق انھیں کوئی بھی علمی بات یاد نہیں آسکتی تھی، بنابریں موصوف نے بذریعہ استعفا عافیت حاصل کی، نیز سمعانی نے لولؤی کو خود خوش خلق نہیں کہا بلکہ احمد بن عبدالحمید حارثی سے نقل کیا ہے کہ لولؤی خوش خلق تھے، اور دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حارثی کا حال نامعلوم ہے، اس لیے یہ بات ساقط الاعتبار ہے، اسے خوش خلق کہنا بھلا کہاں تک درست ہے جو بتصریح امام ابن معین وابواسامہ وغیرہم خبیث وکذاب ہو۔

مصنف انوار نے کہا:

"شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ لولؤی فن سوال وتفریعِ مسائل میں سب کے پیشرو تھے۔"[3]

ہم کہتے ہیں کہ سرخسی کی طرف منسوب یہ بات امام زفر کی طرف منسوب اس بات کے معارض ہے کہ لولؤی اس حد تک بلید وبیکار تھے کہ تحصیل علم میں ان کا مشغول رہنا تضییعِ اوقات کے علاوہ کچھ نہ تھا، امام زفر کے بالمقابل سرخسی کی بات کا کیا وزن ہوسکتا ہے؟

مصنف انوار نے کہا:

"جامع المسانید امام اعظم کی ساتویں مسند لولؤی ہی کی تالیف ہے۔"[4]

ہم کہتے ہیں کہ بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جامع المسانید مجموعہ اکاذیب ہے، شاہ صاحب کے اس فرمان کی بابت مصنف انوار کیا فرماتے ہیں؟

مصنف انوار نے کہا:

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۱۰)
[2] أنساب سمعاني (۱۱/ ۲۳۱ لفظ لولؤی)
[3] مقدمہ انوار (۱/ ۲۱۰)
[4] مقدمہ انوار (۱/ ۲۱۰)

''ایک دفعہ لولؤی سے کسی مسئلہ میں غلطی ہوگئی، مستفتی کے واپس ہوجانے کے بعد احساس ہوا تو سخت پریشان ہوئے کیونکہ اس سے واقف نہ تھے، منادی کرائی کہ فلاں روز فلاں مسئلہ میں غلطی ہوئی ہے تاکہ وہ شخص آکر مسئلہ سمجھ لے۔''[1]

مذکورہ بالا روایت کے بنیادی راوی حسن بن زیاد لولؤی کے بیٹے احمد ہیں اور ان سے روایت مذکورہ کے ناقل محمد ہیں، یہ دونوں کے دونوں مجہول ہیں، لہٰذا روایت مذکورہ ساقط الاعتبار ہے۔ تعجب ہے کہ ایک فقہی مسئلہ میں لولؤی نے اس قدر احتیاط سے کام لیا مگر کذب بیانی میں موصوف بالکل ہی غیر محتاط تھے، بنابریں ائمہ جرح وتعدیل کی نظر میں متروک ومطعون قرار پائے۔

مدحِ لولؤی میں کردری کی ذکر کردہ مندرجہ ذیل روایت نہ جانے کیوں مصنف انوار نے نقل نہیں کی؟ ملاحظہ ہو۔ کردری نے کہا:

"ذكر السمعاني عن الفتح بن عمرو عنه (أي اللؤلؤي) قال: وافيت مكة فإذا أنا بيحيى بن سليم الطائفي جالسا، ونفر يقرؤن كتاب المناسك لابن جريج، وكان يقول: قال لي عطاء، وسألت عطاء، فأعجب بها، وقال: وأين أبوحنيفة من هذه المسائل؟ فقلت قد جاء وقت الكلام، فقلت له: رحمك الله أما الإمام فقد مضى لسبيله، وأنا من أحسن تلامذته، أفتأذن لي في الكلام؟ فقال لي: من أنت؟ فقلت: أنا الحسن بن زياد، قال: لا، قال: فلو أذن لي في الكلام لتركته نكالا للعالمين."[2]

''سمعانی نے فتح بن عمرو سے نقل کیا کہ لولؤی نے کہا کہ میں مکہ مکرمہ گیا، وہاں یحییٰ بن سلیم طائفی کچھ لوگوں کی موجودگی میں کتاب المناسک لابن جریج پڑھ رہے تھے، اور موصوف یحییٰ کہہ رہے تھے کہ ابن جریج نے کہا کہ مجھ سے امام عطاء نے اس طرح کہا، میں نے ان سے یہ سوال کیا جس کو عطاء نے پسند کیا، پھر کہا کہ اس طرح کے علمی مسائل کی معرفت امام ابوحنیفہ کو کہاں سے اور کیسے حاصل ہوسکتی تھی؟ میں نے یعنی لولؤی نے دل میں کہا کہ اب بولنے کا وقت آگیا ہے، چنانچہ میں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کا انتقال ہو چکا ہے، میں ان کے بہترین تلامذہ میں سے ہوں، کیا مجھے آپ بولنے کی اجازت دیتے ہیں؟ یحییٰ نے کہا کہ تم کون ہو؟ میں نے اپنا نام بتلایا تو انھوں نے اجازت کلام نہیں دی اگر اجازت دیتے تو میں ایسی بات کہتا کہ سارے جہانوں کے لیے موصوف عبرت بن جاتے۔''

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ یحییٰ طائفی کی نظر میں امام صاحب علم ومعرفت نہیں رکھتے تھے، یحییٰ کی اس بات پر لولؤی نے اعتراض کرنا چاہا مگر موصوف کو اس کی اجازت نہیں مل سکی ورنہ لولؤی بزعم خویش سمجھتے تھے کہ میں یحییٰ کو منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہوں مگر جب کتب مناقب کے مطابق موصوف کو امام زفر اس حد تک ناکارہ سمجھتے تھے کہ ان کا تحصیل علم کرنا تضییع اوقات تھا تو بھلا موصوف یحییٰ طائفی سے کیا بات کر سکتے تھے جن کی درسگاہ میں موصوف لولؤی جیسے لوگوں کو بولنے تک کی اجازت نہیں مل سکتی تھی؟ چونکہ اس حکایت کے بیان کنندہ لولؤی ہیں جو غیر ثقہ ہیں، اس لیے روایت مذکورہ ساقط ہے۔

کردری ناقل ہیں:

''لولؤی بغداد آئے تو ان سے ملاقات کے لیے امام ابو یوسف بھی گئے، لولؤی نے امام ابو یوسف سے کہا کہ کیا

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۱۰)　[2] کردري (۲/ ۲۰۹)

آپ نے کوئی شاگرد بھی بنایا ہے؟ امام ابو یوسف نے کہا کہ ہاں، بشر کو شاگرد بنا کر تیار کیا ہے، لولؤی نے بشر سے ایک مسئلہ پوچھا مگر موصوف نے جواب دینے میں غلطی کی مکرر سہ کرر سوال کو دہرایا گیا مگر جواب غلط رہا، لولؤی نے امام ابو یوسف سے کہا کہ خلیفہ کی نعمت (یعنی ملازمت کے سبب حاصل ہونے والی دولت) نے آپ کو بگاڑ کر خراب کر دیا، آپ کوفہ واپس چل کر رہیں اور اسی کھانے پر گزر بسر کریں جس پر پہلے کرتے تھے ورنہ آپ کا حال تباہ وخراب ہی رہے گا۔"[1]

معلوم نہیں کیا بات ہے کہ مصنف انوار نے مذکورہ بالا روایت کو حجت نہیں بنایا جس کا حاصل یہ ہے کہ بقول لولؤی خلیفہ کا ملازم ہونے کے بعد امام ابو یوسف میں بگاڑ وفساد آ گیا تھا اور وہ کسی کام کے نہیں رہے تھے؟ مجلس تدوین کے رکن لولؤی کا یہ بیان مجلس مذکور کے دوسرے رکن امام ابو یوسف کے بارے میں آخر مصنف انوار کو کیوں پسند نہیں آیا؟ اور اسے موصوف نے حسب عادت کیوں صحیح ومعتبر کہہ کر حجت نہیں بنایا؟

طبقات القاری میں بحوالہ مختصر غریب احادیث الکتب الستۃ لابن اثیر کہا گیا ہے کہ لولؤی مذکور دوسری صدی کے مجدد تھے۔[2] ہم کہتے ہیں کہ اگر کذاب لوگ ہی مجدد دین قرار دیے جانے لگیں تو پھر دین وایمان کا خدا حافظ! اسی طرح کتاب مذکور میں مامون رشید جیسے بدعقیدہ وگمراہ وگمراہ گر حکمران کو بھی مجدد دین کہا گیا ہے جس نے بزور شمشیر پورے عالم اسلام کو جہمی ومعتزلی بنانے کی مہم سرکاری پیمانے پر چلائی اور اس سلسلے میں بہت سارے ائمہ کرام کو شہید کیا۔ نعوذ باللّٰہ من شرور التقلید.

مصنف انوار کے پیشرو مصنف حدائق الحنفیہ نے مدحِ لولؤی میں ترویج اکاذیب کی بھر پور کوشش کے باوجود اس کا اعتراف کیا ہے کہ محدثین نے لؤلؤی کو ضعیف ومتروک بتلایا ہے۔[3] مگر مصنف انوار نے اشارۃً بھی اس کا ذکر نہیں کیا کہ عام علمائے جرح وتعدیل نے لولؤی کو کذاب ومتروک قرار دیا ہے۔ لولؤی کے کذاب ہونے کے باوجود ابوعوانہ نے اپنی صحیح اور حاکم نے مستدرک میں موصوف کی بعض روایات کا ذکر کر دیا تو کوثری نے اسے دلیل توثیق قرار دے لیا۔[4] حالانکہ ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن محمد بلوی سے بھی روایت کی جس کو خود کوثری نے کذاب کہا۔[5] اسی طرح صحیح ابی عوانہ میں عبداللہ بن عمرو وجابر جعفی جیسے کذابین کی روایات بھی موجود ہیں، یہی حال مستدرک کا ہے، جس کا اندازہ بڑی آسانی سے تلخیص مستدرک للذہبی کے مطالعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔[6] اور مسلمہ بن قاسم نے لولؤی کی توثیق کی ہے مگر ظاہر ہے کہ عام اہل علم نے جسے کذاب، خبیث اور متروک ہوا سے مسلمہ بن قاسم کی توثیق مفید نہیں ہو سکتی۔

کوثری گروپ کے جن لوگوں نے سیر اعلام النبلاء للذہبی پر تحقیق کے نام پر حاشیہ چڑھایا ہے انھوں نے تقلید کوثری میں حقائق کی تکذیب کر کے لولؤی کی توثیق وتحسین کی ہے۔[7] ابن معین کی تاریخ میں بھی لولؤی کو کذاب، خبیث کہا گیا ہے جو لوگ کذابین وفساق کی توثیق وتحسین کے ذریعہ اپنے دین ومذہب کی حمایت ضروری سمجھتے ہوں ان سے علمی وتحقیقی اصول پر بات کرنی فضول ہے۔

---

[1] کردری (۲/ ۲۰۹) [2] فوائد البھیة (ص: ٦١) وحدائق الحنفية (ص: ١٣٨)
[3] حدائق الحنفية (ص: ١٣٨) [4] تانيب (ص: ١٨٧) [5] تانيب (ص: ١٧)
[6] نیز ملاحظہ ہو: التنكيل ترجمة محمد بن سعد عوفى (١/ ٤٤٣)
[7] حاشيه بر سير أعلام النبلاء ترجمة لؤلؤى.

امام وکیع سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: لؤلؤی کے قاضی بنائے جانے کی نحوست سے ملک میں قحط سالی آ گئی ہے نیز حماد بن ابی حنیفہ کا فلاں معاملہ ہے۔[1] اس روایت میں یہ بات واضح طور پر نہیں بتلائی گئی کہ حماد بن ابی حنیفہ کا انتقال لولؤی کے قاضی بنائے جانے سے پہلے ہو گیا تھا اس لیے امام وکیع کے اس قول کی مراد واضح نہیں البتہ اتنا واضح ہے کہ انھوں نے لولؤی اور حماد دونوں کو مجروح و مطعون قرار دیا اور یہ معلوم ہے کہ امام وکیع بھی بدعوی مصنف انوار رکن مجلس تدوین ہیں جیسا کہ حماد اور لولؤی!

امام ابن المدینی نے کہا:

"سمعت المعيطي (هو أبو عبد الله محمد بن عمر المتوفى سنة ٢٢٢هـ أحد الثقات الأثبات كما في الأنساب للسمعاني (١٢/ ٣٦٣) وتاريخ بغداد للخطيب (٣/ ٢٢) والجرح التعديل) قال: كنا في طريق مكة، ومعنا الحسن اللؤلؤي، فقال: حدثنا عاصم عن ذر عن عمر قال: بهشتم تطليقة، قال: فأتيت عبد الرحمن بن مهدي فسألته، فقال إنما هذا عن عاصم عن ذر عن عمر قال: مترس أمان قال عبد الله: وسمعت أبي يقول: اللؤلؤي ضعيف الحديث."[2]

''میں نے امام ابوعبداللہ محمد بن عمر معیطی سے سنا کہ ہم مکہ مکرمہ کے راستے میں تھے، ہمارے ساتھ لؤلؤی بھی تھے، انھوں نے بیان کیا کہ عاصم نے ذر سے ذر نے عمر سے روایت کی کہ بیوی کو فارسی لفظ بہشتم کہنے سے طلاق ہو جاتی ہے، امام معیطی نے کہا کہ میں امام ابن مہدی کے پاس آیا اور ان سے لولؤی کی بیان کردہ اس روایت کے متعلق پوچھا تو انھوں نے کہا کہ یہ روایت بایں لفظ ہے کہ فارسی لفظ مترس کہنے کا مطلب امان دینا ہے، امام ابن المدینی نے کہا کہ لولؤی ضعیف الحدیث ہیں۔''

واضح رہے کہ ''بہشتم'' فارسی لفظ ہے بہشتن مصدر سے یہ صیغہ واحد متکلم ہے جس کا معنی چھوڑنا اور طلاق دینا ہوتا ہے، بہشتن طلاق کا لغوی معنی ہے، اس لیے بہشتم کو اگر عمر نے طلاق قرار دیا ہو تو مستبعد نہیں مگر چونکہ ابن مہدی کے علم میں حضرت عمر سے روایت مذکورہ اس لفظ کے بجائے ''مترس امان'' کے لفظ سے مروی ہے، اس لیے انھوں نے لولؤی کی روایت کی تغلیط کی، بہشتم کے لفظ پر تاریخ خطیب میں یہ حاشیہ دیا گیا ہے کہ بعض نسخوں میں لفظ ''ہشتم'' آیا ہوا ہے لیکن دونوں الفاظ کے معنی غیر واضح ہیں اور ہشت فارسی میں آٹھ کے عدد کو کہتے ہیں لیکن جو تفصیل ہم نے بیان کی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حاشیہ غلط ہے اور ہشتم و بہشتم کا حاصل معنی طلاق ہوتا ہے۔

اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ امام ابن مہدی نے لولؤی کی تغلیط کی اور ان کی اس بات کو امام معیطی نے بطور حجت نقل کیا، نیز امام ابن المدینی نے لولؤی کو ضعیف الحدیث کہا۔ ابن المدینی کا دوسرا قول یہ ہے: "أسد بن عمرو و اللؤلؤي لا يكتب حديثهما'' اسد بن عمرو اور لولؤی کی روایت ناقابل نوشت ہے۔[3] یہ کلمہ متروک کے ہم معنی ہے جس کا حاصل یہ ہے

---

[1] خطیب (٧/ ٣١٥)　[2] خطیب (٧/ ٣١٥)

[3] خطیب (٧/ ٣١٧) ولسان المیزان (٢/ ٢٠٨) وفوائد البهية (ص: ٦١)

کہ امام ابن المدینی نے لؤلؤی کو متروک کہا ہے۔

امام نضر بن شمیل نے لولؤی کی کتابوں کو "شر کثیر" قرار دیا۔[1] امام جزرہ ابوعلی بن صالح بن محمد نے لؤلؤی کو "لیس بشيء" کہنے کے ساتھ فرمایا:

"لا هو محمود عند أصحابنا ولا عندهم، فقلت: بأي شيء كان يتهم؟ قال: بدآء سوء، وليس هو في الحديث بشيء."[2]

"لولؤی ہمارے اصحاب (محدثین کرام) اور اپنے لوگوں مراد اہل الرای میں سے سب کے نزدیک غیر محمود ناپسندیدہ ہیں، راوی نے کہا کہ کس عیب کے ساتھ متہم ہونے کے سبب موصوف اپنے اور غیروں سب میں ناپسندیدہ قرار پائے؟ امام جزرہ نے کہا کہ بری بیماری یعنی فن رجال کے اعتبار سے موصوف خراب بیماری مراد خراب عادت میں مبتلا تھے۔"

امام جزرہ کے مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ لولؤی کے اندر ایسی قادح خرابی پائی جاتی تھی جس کے سبب موصوف متروک وساقط الاعتبار قرار پائے اور اپنی اس خرابی کی وجہ سے موصوف محدثین تو محدثین خود اپنے ہم طبقہ اہل الرای میں بھی مبغوض وناپسندیدہ ہو گئے تھے۔ امام جزرہ کے بیان میں اس علت قادحہ کی تعیین نہیں کی گئی جو لولؤی کو ساقط الاعتبار بناتی ہے لیکن گزشتہ تفصیل سے لولؤی موصوف میں پائی جانے والی جن خرابیوں کا پتہ مختلف علمائے رجال نے دیا ہے، ان کا حاصل یہ ہے کہ لولؤی موصوف کذاب ووضاع، نماز ٹھیک سے نہیں پڑھتے تھے حتی کہ ارکان نماز کی ادائیگی میں امام سے آگے رہا کرتے تھے، جس پر احادیث نبویہ میں سخت وعید آئی ہے اور علماء عام مسائل میں اختلاف رکھنے کے باوجود امام سے مقتدی کی سبقت کو بھاری جرم قرار دیتے ہیں، اسی طرح کذب کو بھاری جرم قرار دینے میں علماء متفق ہیں، نیز یہ کہ لولؤی موصوف کی اخلاقی گراوٹ کا یہ حال تھا کہ نماز میں بھی لڑکوں کو بوسہ دیا کرتے تھے، یہ تینوں خرابیاں ایسی ہیں جن سے محدثین کے علاوہ خود موصوف کے ہم مذہب لوگوں کو بھی لازمی طور پر کبیدگی ہوتی ہوگی، اگرچہ مکذوبہ روایات کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہے کہ موصوف لولؤی اپنوں اور غیروں میں ممدوح ومحمود تھے مگر ان مکذوبہ روایات کی حقیقت واضح کی جا چکی ہے، اور بطور مدح مذکور بعض روایات ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف لولؤی کو اپنے لوگ بھی بے کار ولغو آدمی سمجھتے تھے مثلاً امام زفر سے مروی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ لولؤی کو پڑھنے لکھنے کے مشغلہ کے بجائے محنت مزدوری کر کے پیٹ پالنا چاہیے، پھر اہل الرای کے یہاں کا ماحول بھی یہ ہے کہ اپنے لوگوں میں پائے جانے والے عیوب کے چرچا سے پرہیز کرتے ہیں اور ان عیوب کو منظر عام پر لانے سے بچتے ہیں۔

یہ بیان ہو چکا ہے کہ موصوف حسن بن زیاد نے کہا کہ امام صاحب نے فرمایا:

"قولنا، وفي رواية: علمنا هذا رأي."[3] یعنی ہمارا سارا علمی سرمایہ مجموعہ رائے وقیاس ہے۔

جب چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن رکین حسن بن زیاد یہ فرمان ابی حنیفہ نقل کر رہے ہیں کہ ہمارا سارا علمی سرمایہ رائے وقیاس کا مجموعہ ہے تو مصنف انوار کا محدثین کرام کی اس بات پر نکیر کرنا عجیب ہے کہ احناف اہل الرای والقیاس ہیں۔

---

[1] خطیب (٧/ ٣١٥) ولسان المیزان (٢/ ٢٠٩)

[2] خطیب (٧/ ٣١٥) ولسان المیزان. [3] خطیب (١٣/ ٣٥٢) والأحكام لابن حزم.

۳۸۔ امام ابو عاصم النبیل ضحاک بن مخلد (مولود ۱۲۲ھ ومتوفی ۲۱۳/۲۱۴ھ):

مصنف انوار نے کہا:

''امام ابو عاصم النبیل ضحاک امام اعظم کے تلامذہ واصحاب وشرکاءِ تدوین فقہ میں سے محدث ثقہ، فاضل معتمد، فقیہ کامل تھے۔''[1]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے تذکرۂ ابو عاصم کے عنوان میں صراحت کر رکھی ہے کہ ''متوفی ۲۱۲ھ عمر ۹۰ سال'' جس کا لازمی مطلب ہے کہ موصوف ۱۲۲ھ میں پیدا ہوئے، عام کتب رجال وتاریخ میں موصوف کا سال ولادت یہی ۱۲۲ھ لکھا ہوا ہے۔[2] بلکہ خود موصوف ابو عاصم نے صراحت کی ہے کہ میں ۱۲۲ھ میں پیدا ہوا۔[3]

ناظرین کرام سوچیں کہ ۱۲۲ھ میں کوفہ سے بہت دور اپنے وطن مکہ مکرمہ میں پیدا ہونے والے امام ابو عاصم ضحاک ۱۲۰ھ میں قائم ہونے والی مجلس کی تاسیس سے پہلے، یعنی اپنی ولادت سے پہلے، مجتہد وفقیہ بن کر کس طرح رکن مجلس منتخب ہوئے؟ جبکہ کتب رجال میں یہ صراحت بھی ہے کہ امام دارقطنی نے کہا:

''قال علي بن نصر الجهضمي عن أبي عاصم الضحاك: إنما كان قدم علينا أبوجعفر مكة فاجتمع الناس إليه، وسألوه أن يأمر مالكا أن يحدثهم فأمره فسمعته في ذلك الوقت، قال علي بن نصر: وكان ذلك في حياة ابن جريج، لأن أبا عاصم خرج من مكة إلى البصرة في حياة ابن جريج، أو حيث مات ابن جريج، ثم لم يعد إلى مكة حتى مات، وهذا يدل على أن أبا عاصم مكي تحول إلى البصرة.''[4]

''علی بن نصر جہضمی نے کہا کہ امام ضحاک نے فرمایا کہ ہمارے یہاں مکہ مکرمہ میں خلیفہ ابوجعفر منصور آیا تو اس کے پاس لوگوں نے جمع ہو کر کہا کہ امام مالک سے درس حدیث دینے کو کہیے، چنانچہ منصور کے کہنے پر امام مالک نے درس دیا تو ہم نے (یعنی ضحاک اور ان کے اصحاب نے) امام مالک کا درس سنا علی بن نصر جہضمی نے کہا کہ یہ واقعہ ضحاک کو ابن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) کی زندگی میں یعنی ۱۵۰ھ یا اس سے پہلے پیش آیا کیونکہ ابو عاصم ضحاک مکی آدمی ہیں، وہ اپنے وطن مکہ سے بصرہ ابن جریج کی زندگی میں اور اس زمانے میں جس زمانے میں کہ ابن جریج کی موت ہوئی تھی گئے تھے، پھر ضحاک دوبارہ مکہ واپس نہیں آئے اور بصرہ میں فوت ہو گئے، میں کہتا ہوں (یعنی حافظ ابن حجر کہتے ہیں) کہ علی بن نصر جہضمی کا یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ ضحاک کا اصل وطن مکہ مکرمہ ہے اور موصوف بعد میں اپنے وطن مکہ سے بصرہ منتقل ہو گئے تھے۔''

نیز الاعلام للزرکلی اور معجم المؤلفین میں صراحت ہے:

''ولد بمكة، وتحول إلى البصرة فسكنها، وتوفي بها.''[5]

---

[1] مقدمہ انوار (۱/ ۲۱۱) [2] الجمع بين رجال الصحيحين (۱/ ۲۲۸، ۲۲۹) سير أعلام النبلاء، تهذيب التهذيب.

[3] الجمع بين رجال الصحيحين وسير أعلام النبلاء.

[4] تهذيب التهذيب (٤/ ٤٥٢، ٤٥٣) [5] الأعلام للزركلي (۳/ ۳۱۰) ومعجم المؤلفين (٥/ ۲۹)

''موصوف ضحاک مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں منتقل ہو کر آباد ہو گئے اور بصرہ ہی میں فوت بھی ہوئے۔''

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ۱۲۲ھ میں پیدا ہونے والے امام ضحاک کی ولادت اپنے وطن مکہ مکرمہ میں ہوئی جو کوفہ سے بہت دور ہے۔ ظاہر ہے کہ موصوف ضحاک کی نشو ونما بھی وہیں ہوئی اور موصوف وہاں سے، یعنی مکہ مکرمہ سے، منصور کے خلیفہ ہونے کے بعد یعنی ۱۳۶ھ کے بعد کسی زمانے میں مکہ مکرمہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے، پھر ناظرین کرام سوچیں کہ موصوف ضحاک اپنی عمر کے کس زمانہ میں کوفہ آ کر کوفہ میں امام صاحب کی قائم کردہ فرضی مجلس تدوین کے رکن بن کر تدوین فقہ کا کام کرنے لگے ہوں گے اور مسلسل تیس سال امام صاحب کے ساتھ رہ کر تدوین فقہ کا کام کرتے رہے ہوں گے؟ مصنف انوار جن کتابوں کے مندرجات کو نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بنایا کرتے ہیں ان میں ایک جواہر المضیہ بھی ہے، اس میں منقول ہے کہ امام طحاوی نے یزید بن سنان (مولود ۱۷۸ھ ومتوفی ۲۶۴ھ) سے نقل کیا:

''ہم ابوعاصم ضحاک کے پاس تھے، ہم لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ ابوعاصم ضحاک کے لقب نبیل کا شان نزول کیا ہے؟ اتنے میں خود ضحاک نے کہا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم لوگ امام زفر کے پاس آمد ورفت رکھتے تھے، یعنی ان کی درسگاہ میں پڑھنے جاتے تھے، ہمارے ساتھ قبیلہ بنو سعد کے ایک آدمی اور ہمارے ہم نام یعنی ابوعاصم نام کے تھے جو پریشان حال رہا کرتے تھے اور وہ درسگاہِ زفر میں خراب لباس میں آتے تھے جبکہ میں عمدہ کپڑوں میں سواری پر سوار ہو کر آتا تھا، ایک دن میں دروازۂ زفر پر آیا اور میں نے طلب اجازت کے لیے دروازہ کھٹکھٹایا، زفر کی ایک باندی آئی جس کی زبان میں عجمیت پائی جاتی تھی، اس کا نام زہرہ تھا، اس نے مجھ سے میرا نام پوچھا میں نے کہا میرا نام ابوعاصم ہے، لونڈی زفر کے پاس گئی اور اس نے بتلایا کہ ابوعاصم آئے ہیں۔ زفر نے کہا کون سے ابوعاصم ہیں؟ یعنی ابوعاصم ضحاک یا ابوعاصم سعدی لونڈی نے کہا کہ ابوعاصم جو نبیل (یعنی خوش پوش وخوشحال) ہیں، زفر نے آنے کی اجازت دی اور ہنستے ہوئے مجھ سے کہا کہ لونڈی نے آپ کو نبیل کا لقب دے دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ ہمیشہ اس لقب سے پکارے جائیں گے، چنانچہ ابوعاصم نے کہا کہ میں اسی لقب سے ملقب ہو گیا۔''[1]

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ امام ابوعاصم ضحاک امام زفر کے بھی شاگرد تھے، ظاہر یہ ہے کہ جس زمانے میں امام زفر بصرہ میں آباد ہو گئے تھے اسی زمانے میں ان کی درسگاہِ بصرہ میں امام ضحاک پڑھنے جایا کرتے تھے، اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ مصنف انوار کی مستدل روایت کے مطابق امام زفر ۱۴۳ھ سے پہلے کوفہ چھوڑ کر بصرہ آباد ہو گئے تھے، چونکہ یہ معلوم ہے کہ امام ضحاک ۱۳۶ھ کے بعد اپنے وطن مکہ مکرمہ سے بصرہ سکونت پذیر ہوئے تھے اس لیے یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ ۱۳۶ھ کے بعد امام ضحاک بصرہ کے اساتذہ کی درسگاہوں میں زیر تعلیم تھے اور اس سے پہلے موصوف بہرحال مکہ مکرمہ کے اساتذہ کی درسگاہوں میں زیر تعلیم رہے، پھر مصنف انوار یہ کیوں نہیں بتلاتے کہ امام ضحاک کب سے کب تک درسگاہِ امام صاحب میں یعنی کوفہ میں زیر تعلیم رہ کر مجتہد وفقیہ بنے اور کب مجلسِ تدوین کے رکن منتخب ہوئے اور کب سے کب تک امام صاحب کی سرپرستی میں تدوین فقہ کا کارنامہ انجام دینے میں مصروف رہے؟

---

[1] جواهر المضية (١ / ٢٦٤)

اس سوال کا جواب دیتے وقت یہ ملحوظ رہے کہ مصنف انوار کی باتوں کا حاصل یہ ہے کہ امام ضحاک تیس سال تک امام صاحب کی سرپرستی میں دیگر ارکان مجلس کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرنے میں مصروف رہے۔

منقول ہے:

''جس زمانے میں ابوعاصم ضحاک اپنے وطن مکہ مکرمہ کی درسگاہِ ابن جریج میں زیر تعلیم تھے اس زمانے میں بصرہ میں ایک ہاتھی لایا گیا تھا، اسے دیکھنے کے لیے ابن جریج کے عام تلامذہ مکہ مکرمہ سے بصرہ کے سفر پر روانہ ہو گئے مگر ضحاک نہیں گئے، ابن جریج نے کہا کہ تم کیوں ہاتھی دیکھنے کے لیے بصرہ نہیں گئے؟ ضحاک نے کہا کہ اس لیے کہ مجھے علم کا نفع پہنچانے میں آپ کا بدل بصرہ میں ہاتھی دیکھنے سے نہیں حاصل ہوسکتا۔ اسی موقع پر ابن جریج نے ضحاک کو نبیل کا لقب دیا۔''❶

اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ موصوف امام ضحاک نے اپنی زندگی کا اچھا خاصہ حصہ اپنے وطن کی درسگاہ ابن جریج میں یعنی مکہ مکرمہ میں اس لیے گزارا کہ ان کی نظر میں درسگاہِ ابن جریج کا کوئی دوسرا بدل نہیں تھا، ظاہر ہے کہ درسگاہِ ابن جریج میں آسودہ ہوکر پڑھ چکنے کے بعد ہی موصوف اپنے وطن مکہ مکرمہ سے باہر نکلے ہوں گے۔ فرض کیجیے کہ موصوف لگ بھگ بیس سال کی عمر میں مکہ مکرمہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے ہوں، یعنی ۱۴۲ھ کے لگ بھگ تو بھلا کس زمانے میں وہ کوفہ میں درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہوکر امام صاحب سے پڑھنے لگے ہوں گے؟ پھر موصوف کب سے کب تک مجلس تدوین کے رکن کی حیثیت سے امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے ہوں گے؟

مصنف انوار نے کہا:

''محدث ابوعاصم النبیل امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے اور امام بخاری کے شیوخِ کبار میں تھے، کہا کرتے تھے مجھے امید ہے کہ امام ابوحنیفہ کے لیے ہر روز ایک صدیق کے برابر اعمال خدا کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کیوں؟ تو کہا اس لیے کہ لوگ برابر ان کے علم واقوال سے منتفع ہوتے رہتے ہیں، لہٰذا ان سب کے صحیح علم وعمل کا سبب امام صاحب ہوئے۔''❷

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے روایت مذکورہ موفق (۲/ ۴۵) کے حوالے سے نقل کی ہے اور موفق کے مقام مذکور پر یہ روایت درج ذیل سند سے منقول ہے:

"وبه قال: أخبرنا قبيصة بن الفضل أخبرنا عثمان بن عفان السنجري سمعت أبا عاصم وهو النبيل."

مذکورہ بالا سند کے لفظ "وبه قال" میں "قال" کی ضمیر کا مرجع حارثی کذاب ہے۔❸ اور ہر شخص جانتا ہے کہ جو روایت کذاب کی سند سے مروی ہو اسے صحیح ومعتبر کہہ کر نقل کرنا دیانتدار آدمی کا کام نہیں۔ حارثی کذاب کی جعلی سند میں عثمان بن عفان سنجری واقع ہے سنجری کو سجستانی بھی کہتے ہیں۔❹ یہ شخص وضاع ومتروک تھا۔❺

❶ تهذيب التهذيب (٤/ ٤٥٢) وجواهر المضية (١/ ٢٦٤)　❷ مقدمه انوار (١/ ١٠٥) بحواله موفق (٢/ ٤٥)
❸ موفق (٢/ ٣٨)　❹ ملاحظہ ہو: انساب سمعاني (٧/ ٨٠)　❺ لسان الميزان (٤/ ١٤٨)

حاصل یہ کہ روایت مذکورہ مکذوبہ ہے، اس کے برعکس موصوف ابوعاصم ضحاک نے امام سفیان ثوری سے امام صاحب پر سخت تجریح نقل کی ہے۔[1] اور خود ابوعاصم ضحاک لوگوں کو امام صاحب کے پاس جانے سے روکتے اور فرماتے تھے کہ امام صاحب ایسی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں جن سے توبہ بھلی۔[2] نیز ضحاک نے امام صاحب پر اعتراضات بھی کیے ہیں۔[3]

مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ جامع المسانید میں ضحاک نے امام صاحب سے روایتِ حدیث کی ہے۔[4] تو یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جامع المسانید مجموعۂ اکاذیب ہے۔ امام ابوعاصم کے پوتے امام احمد بن عمرو بن ضحاک ظاہری المذہب محدث اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔[5] ابوعاصم کے حنفی ہونے کی کہانی بھی افسانوی ہے۔

۳۹۔ امام مکی بن ابراہیم بلخی (مولود ۱۲۶ھ ومتوفی ۲۱۵ھ):

مصنف انوار نے کہا:

''امام مکی امام اعظم کے اصحاب وشرکاءِ تدوین فقہ میں سے جلیل القدر امام، حافظ حدیث وفقیہ تھے، خطیب نے لکھا ہے کہ آپ سے امام احمد وغیرہ نے روایت کی اور خلاصہ میں ہے کہ امام بخاری، ابن معین، ابن مثنی، ابن بشار نے آپ سے روایت کی۔ امام بخاری کے کبار شیوخ میں تھے، اکثر ثلاثیات ان ہی سے روایت کی ہیں۔''[6]

ہم کہتے ہیں کہ امام محمد بن علی بن جعفر بلخی نے کہا:

سألت مكي بن إبراهيم عن مولده فقال: سنة ١٢٦هـ، وطلبت الحديث، ولي سبع عشرة سنة.''[7]

''مکی نے کہا کہ میں ۱۲۶ھ میں پیدا ہوا اور سترہ سال کی عمر میں میں نے پڑھنا شروع کیا۔''[8]

مذکورہ بالا عبارت کا حاصل یہ ہے کہ امام مکی بقول خویش ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور انھوں نے بعمر سترہ سال پڑھنا شروع کیا، یعنی ۱۴۳ھ میں موصوف پڑھنے لگے، اور یہ معلوم ہے کہ موصوف مکی بلخی الاصل تھے، وہیں پیدا ہوئے اور وہیں ان کی ابتدائی نشوونما ہوئی، جب موصوف بقول خویش ۱۴۳ھ میں حصول علم میں مشغول ہوئے تو ظاہر ہے کہ پہلے اپنے وطن بلخ کی درسگاہوں میں داخل ہو کر پڑھتے ہوں گے، اس کے بعد یعنی ۱۴۳ھ کے زمانہ بعد موصوف نے عراق اور دوسرے بلادِ اسلام کی طرف رخ کیا ہوگا اور جو امام مکی ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے ہوں اور ۱۴۳ھ میں جنھوں نے بلخ کے اساتذۂ علم سے پڑھنا شروع کیا ہو وہ بھلا کس سال اور زمانے میں عراق کے شہر کوفہ میں واقع شدہ درسگاہِ ابی حنیفہ میں آ کر داخل ہوئے ہوں گے؟ اور کب وہ امام صاحب سے پڑھ کر مجتہد وفقیہ ومحدث بننے کے بعد مجلس تدوین کے رکن منتخب ہو کر امام صاحب کی سرپرستی میں تدوین فقہ کا کام کرنے لگے ہوں گے اور کب سے کب تک موصوف نے امام صاحب کے ساتھ رہ کر تیس سال کی طویل مدت تک کارنامۂ تدوین

---

[1] خطیب (١٣/ ٤٢٣)　[2] خطیب (١٣/ ٤٠٥)　[3] خطیب (١٣/ ٣٩١)

[4] مقدمہ انوار (١/ ٢١١)　[5] تاريخ أصبهان لأبي نعيم (١/ ١٠٠) وتذكرة الحفاظ (٢/ ٦٤٠)

[6] مقدمہ انوار (١/ ٢١١)　[7] تذكرة الحفاظ (١/ ٣٦٦) وتهذيب التهذيب (١١/ ٢٩٥)

[8] نیز ملاحظہ ہو: ثقات ابن حبان (٧/ ٥٢٦) وانساب سمعاني (٢/ ٣٠٤)

فقہ انجام دیا ہوگا؟ صاف ظاہر ہے کہ موصوف کو فرضی مجلس تدوین کا رکن قرار دینا مصنف انوار کا وہ کھلا ہوا سفید جھوٹ ہے جس کے واضح مکذوب ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ مصنف انوار کا کہنا ہے کہ چہل رکنی مجلس تدوین کے جملہ ارکان ۱۲۰ھ میں مجتہد ہو کر ارکان مجلس منتخب ہوگئے تھے اور اس وقت سے لے کر ۱۵۰ھ تک یہ چہل ارکان امام صاحب کی زیر سرپرستی تدوین فقہ کا کام کرتے رہے۔ بلفظ دیگر بدعوی مصنف انوار امام مکی اور بہت سے افراد اپنی ولادت سے پہلے ہی مجتہد ومحدث بن گئے تھے، بھلا اس طرح کے دروغ بےفروغ کو خالص علمی و دینی خدمت اور معتبر وصحیح باتیں کہنے والے مصنف انوار کتنے دیانتدار ہو سکتے ہیں؟

مذکورہ بالا تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ۱۴۳ھ کے بعد ہی امام مکی کا لقاء وسماع امام صاحب سے ہوا ہوگا لیکن اس کے باوجود مصنف انوار کے ممدوح ومعتمد علیہ موفق معتزلی نے کہا:

”هو إمام أهل بلخ، دخل الكوفة سنة ١٤٠هـ، ولزم أبا حنيفة، وسمع منه الحديث والفقه، وأكثر عنه الرواية.“ ❶

”مکی اہل بلخ کے امام ہیں، موصوف ۱۴۰ھ میں کوفہ آئے اور بالالتزام امام صاحب کے ساتھ رہ کر سماع حدیث وفقہ کرنے لگے، موصوف امام زصاحب سے بکثرت روایت کرتے ہیں۔“

موفق کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مکی ۱۴۰ھ میں درسگاہِ ابی حنیفہ میں داخل ہو گئے تھے لیکن اسے صحیح فرض کرنے کے بعد بھی مصنف انوار کے بہت سے مزعومات کی تکذیب ہوتی ہے، اور ہمارا خیال یہ ہے کہ عام عادت کے مطابق موفق نے ۱۴۰ھ کے بعد کسر کا عدد یا ”بضع ونیف“ کا لفظ حذف کر دیا ہے یا ناسخ وکاتب ہی سے سہواً ایسا ہو گیا ہے، یعنی موفق کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ۱۴۰ھ سے کچھ اوپر کے زمانے میں مکی خدمتِ امام صاحب میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے تھے، اس اعتبار سے امام صاحب کے ساتھ امام مکی کا رہنا زیادہ سے زیادہ چند سال متصور ہوسکتا ہے۔ بہرحال تفصیل مذکور کا حاصل یہ ہے کہ امام مکی کا لقا امام صاحب سے ۱۴۳ھ کے بعد ہی ہوا ہے۔ دریں صورت مصنف انوار کے ممدوح کردری کا یہ بیان بھی ملاحظہ ہو:

”مكي بن إبراهيم من مفاخر بلخ، كان تاجرا فنصحه الإمام فترك التجارة، ولزم الإمام حتى صار إماما.“ ❷

”امام مکی بلخ کے قابل فخر اہل علم میں سے ہیں، موصوف پہلے تاجر تھے لیکن امام صاحب کی نصیحت کے بعد ترکِ تجارت کر کے امام صاحب کی صحبت میں رہتے رہتے امام بن گئے۔“

اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ امام مکی ۱۴۳ھ کے بعد جب وارد کوفہ ہو کر امام صاحب سے ملے تھے تو موصوف محض تاجر تھے، طالب علم یا عالم نہیں تھے، یہ بات اگرچہ صریحاً غلط ہے مگر مصنف انوار اسی طرح کی باتوں کو نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بناتے رہتے ہیں، لہٰذا انھیں یہ ماننا چاہیے کہ مکی موصوف نے اپنی طالب علمانہ زندگی کا آغاز کوفہ میں ۱۴۳ھ کے زمانہ بعد پہنچنے پر کیا، پھر مصنف انوار نے موصوف مکی کو مجلس تدوین کا رکن کس طرح اور کیوں قرار دے لیا ہے؟

---

❶ موفق (١/ ٢٠٣، باب: ٩) وكردري (١/ ٢٢٥)

❷ كردري (٢/ ٢٤٢) ومشائخ بلخ (ص: ١٣١) وذيل جواهر المضية (٢/ ٥٥٥)

یہ بات گزر چکی ہے کہ کتبِ مناقب کے مطابق امام صاحب بھی ابتدا میں تاجر تھے اور نصیحتِ شعبی سے متاثر ہو کر ترکِ تجارت کر کے تحصیل علم میں لگ گئے تھے، اس کے باوجود امام صاحب مذہبِ شعبی کے بجائے بدعویٰ مصنف انوار مذہبِ حماد کے پیرو تھے جبکہ شعبی حماد کو الآرائیوں، صعافقہ، بنو استھا وغیرہ کہہ کر سخت مطعون کرتے اور ان کے مذہب وطریق سے اظہار بیزاری کرتے تھے۔ مصنف انوار نے اگرچہ اپنی طرح کے بعض لوگوں کی تقلید میں امام مکی کو مذہب ابی حنیفہ کا پیرو قرار دیا ہے مگر اوّلاً موصوف مکی کا ذکر تراجم احناف کے ساتھ مخصوص کتاب جواہر المضیہ وفوائد البہیہ وتاج التراجم وغیرہ میں نہیں ہے۔

ثانیًا: مصنف انوار نے صراحت کر رکھی ہے کہ موصوف مکی سے روایت حدیث کرنے والوں میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں نیز مشائخ بلخ (ص:۶۳) میں صراحت ہے کہ "أثنى عليه الامام أحمد بن حنبل "امام احمد بن حنبل نے امام مکی کی مدح وثنا کی ہے۔[1] اور یہ معلوم ہے کہ امام احمد بن حنبل کسی حنفی المذہب راوی سے روایت حدیث کے روادار نہ تھے۔

ثالثاً: امام مکی امام اعمش ومالک وابن جریج وغیرہم کے بھی شاگرد تھے، پھر موصوف کو ان اساتذہ کا ہم مذہب اور ان کی مجلس تدوین کا رکن مصنف انوار کیوں نہیں قرار دیتے؟

مصنف انوار کی یہ بات صحیح ہے کہ ''امام مکی بخاری کے کبار شیوخ میں تھے، اکثر ثلاثیات ان ہی سے روایت کی ہیں۔'' مگر اس سے مصنف انوار کی تحریک اور منصوبہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، نیز امام مکی سے امام صاحب نے بھی روایت حدیث کی ہے۔[2] اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ مکی سے روایت کرنے سے امام صاحب امام بخاری کے ہم طبقہ ہیں۔ (وسيأتي التفصيل)

مصنف انوار نے کہا:

> ''امام صاحب سے مسانید میں مکی نے کثرت سے روایت کی مگر امام بخاری نے امام صاحب سے مکی کی روایت کا ذکر نہیں کیا۔''[3]

أوّلاً: مسانید سے مصنف انوار کی مراد جامع مسانید ابی حنیفہ المعروف بمسند خوارزمی ہے اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مسند خوارزمی مجموعۂ اکاذیب ہے۔

ثانیاً: امام صاحب سے امام مکی نے بالفرض روایت حدیث کی ہو تو چونکہ امام بخاری امام صاحب کو متروک الحدیث والرای مانتے ہیں کیونکہ خود امام صاحب ہی نے فرمایا ہے: "لا تروعني شيئا" میری کسی بھی چیز کی روایت مت کرو، اس لیے امام صاحب سے مکی کی روایت کرنے کا کوئی تذکرہ امام بخاری نے نہیں کیا۔

ثالثاً: یہ ضروری نہیں کہ امام بخاری امام صاحب سے روایت کرنے والے ہر شخص کے نام کا تذکرہ کریں، آخر مصنف انوار نے بھی امام مکی کے متعدد اساتذہ کے نام کا ذکر چھوڑ دیا ہے کیوں؟ مختلف کتب تراجم میں منقول ہے کہ امام مکی نے کہا کہ میری نگاہ میں کوفہ کے لوگوں میں امام صاحب سب سے زیادہ اورع یعنی پرہیز گار ہیں۔[4] اس روایت کی سند میں سلیمان

---

[1] نیز ملاحظہ ہو: الكاشف للذهبي (٣/ ٢٤٧) وتهذيب التهذيب (١٠/ ٢٩٤) وتذكرة الحفاظ.

[2] مسند أبي حنيفة للحصفكي مع شرح ملا علي قاري (ص: ٢٤٧، ٢٤٨) [3] ماحصل از مقدمه انوار (١/ ٢١١)

[4] خطيب (١٣/ ٣٥٨) و موفق (١/ ٢٠٣) وعام كتب مناقب.

بن ربیع نہدی غیر معتبر راوی ہے۔[1]

اس روایت کو صحیح فرض کر لیا جائے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ موصوف مکی مذہب ابی حنیفہ کے پیرو تھے بلکہ اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ مکی کی نگاہ میں امام صاحب راوی کی حیثیت سے ثقہ تھے، جب امام صاحب خود فرماتے تھے کہ میری بیان کردہ عام علمی باتیں چونکہ مجموعۂ اغلاط ہیں اس لیے میری کسی بات کی روایت نہ کی جائے تو ظاہر ہے کہ امام مکی پر امام صاحب کی یہ بات مخفی نہ ہوگی۔

یہ بھی منقول ہے کہ امام مکی نے کہا: میری نظر میں امام صاحب سے زیادہ عالم کوئی نہیں۔[2] بشرط صحت یہ بات بھی مکی کے حنفی المذہب ہونے کی دلیل نہیں، نہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایتِ حدیث میں امام صاحب کو معتبر مانتے تھے، نیز یہ کہ اگر مکی کے نقطۂ نظر سے امام صاحب سب سے بڑے عالم تھے تو دوسروں کا نقطہ نظر اس کے خلاف بھی ہے۔ (كما مر و سيأتي) اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگوں کی نظر میں امام صاحب بہت بڑے عالم ہیں اور اس میں شک نہیں کہ موصوف فی الواقع ایک بڑے عالم وفقیہ تھے۔

موفق نے کہا:

”وكان مكي بن إبراهيم يحب أبا حنيفة حبا شديدا، ويتعصب لمذهبه، حتى قال إسماعيل بن بشر: كنا في مجلس المكي فقال: حدثنا أبوحنيفة فصاح رجل غريب حدثنا عن ابن جرج ولا تحدثنا عن أبي حنيفة، فقال المكي: إنا لا نحدث السفهاء حرجت عليك أن تكتب عني، قم من مجلسي.“[3]

”مکی امام صاحب سے بہت محبت رکھتے تھے اور ان کے مذہب کی طرفداری کرتے تھے، یہاں تک کہ اسماعیل بن بشر نے کہا کہ ہم مجلس مکی میں تھے کہ اجنبی نووارد نے کہا کہ آپ ابوحنیفہ کے بجائے ابن جریج سے حدیث بیان کیجیے اس پر مکی خفا ہو کر بولے کہ ہم سفہاء سے حدیث نہیں بیان کر سکتے، تم میری مجلس سے اٹھ جاؤ، چنانچہ شخص مذکور کو مجلسِ مکی سے نکال دیا گیا۔“

چھٹی صدی کے موفق معتزلی کی مذکورہ بات ظاہر ہے کہ بلاسند معتبر کے نہیں مانی جا سکتی، البتہ یہ مستبعد نہیں کہ بعض وجوہ کے پیش نظر مکی امام صاحب سے شدید محبت رکھتے ہوں اور کسی زمانے میں مذہب ابی حنیفہ کے طرفدار ہوں مگر امام ابن المبارک اور دیگر اہل علم کی طرح بعد میں امام صاحب اور ان کے مذہب کے معتقد نہ رہ گئے ہوں کیونکہ مکی سے امام احمد بن حنبل کی روایتِ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ موصوف مکی مذہب ابی حنیفہ کے بجائے مذہب اہل حدیث کے پیرو تھے۔

عبارت مذکورہ میں منقول روایت کی سند نامعلوم ہے اور اس کا بنیادی راوی اسماعیل بن بشر غیر متعین ہونے کے سبب بمنزلہ مجہول ہے۔

مسلم بن عبدالرحمٰن ابی مسلم جرمی (متوفی ۲۴۰ھ) نے کہا:

---

[1] لسان الميزان. [2] خطيب (١٣/ ٣٤٥) وعام كتب مناقب. [3] موفق (١/ ٢٠٤) وغيره

”حدثنا المكي قال: مات أبوحنيفة في سنة ثلاث وخمسين ومائة، و لقيته بالكوفة وببغداد وبمكة، وكان أبوحنيفة خزازًا.“ ❶

”امام مکی نے کہا کہ امام صاحب ۱۵۳ھ میں فوت ہوئے، ان سے میری ملاقات کوفہ، بغداد ومکہ مکرمہ میں ہوئی، موصوف خزاز ریشم فروش یا ریشم باف تھے۔“

امام مکی کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب ۱۵۳ھ میں فوت ہوئے، امام مکی تک اس روایت کی سند صحیح ہے مگر مکی کے اس بیان کو مصنف انوار اور عام لوگ صحیح نہیں مانتے، اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس طرح مکی کا مذکورہ بالا بیان امر واقع کے خلاف ہے اور مصنف انوار کی نظر میں بھی غیر صحیح ہے اسی طرح امام صاحب کی بابت مکی کے دوسرے خیالات وبیانات بھی غیر صحیح ہو سکتے ہیں یا کم از کم دوسرے اہل علم کی نظر میں مکی کے بیانات غلط ہو سکتے ہیں۔

امام مکی سے روایت مذکورہ کے ناقل مسلم بن عبدالرحمٰن المعروف مسلم بن ابی مسلم (متوفی ۲۴۰ھ) ثقہ ہیں۔ ❷ اور مسلم سے اس کے ناقل امام احمد بن علی ابار ہیں جنھوں نے سیرت ابی حنیفہ پر کتاب لکھی ہے، موصوف ثقہ وپختہ کار محدث ہیں، ظن غالب ہے کہ روایت مذکورہ موصوف کی کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ تاریخ خطیب میں ابار سے روایت مذکورہ کا ناقل امام دعلج کو ظاہر کیا گیا ہے جو مشہور ثقہ امام ہیں، ان کی بھی متعدد تصانیف ہیں اور ان کی کسی کتاب میں روایت مذکورہ منقول ہوگی، دعلج سے روایت مذکورہ کے ناقل امام محمد بن حسین بن الفضل ثقہ ہیں جن سے روایت مذکورہ کے ناقل امام خطیب ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام مکی تک روایت مذکورہ کی سند صحیح ہے، بلفظ دیگر اس قول کا انتساب امام مکی تک صحیح ہے کہ امام صاحب ۱۵۳ھ میں فوت ہوئے مگر اس کی تائید ومتابعت کرنے والی بھی ایک دوسری سند موجود ہے۔ ❸ اس کے باوجود بھی کوثری نے مکی کی طرف اس قول کا انتساب غیر صحیح بتلایا ہے۔ ❹ امام مکی کے اس بیان کو دلیل بنا کر اس بات کے پیش نظر کہ امام صاحب کی وفات ستر سال کی عمر میں ہوئی یہ کیوں نہیں کہا جا سکتا کہ امام صاحب کا سال ولادت ۱۸۳ھ ہے؟ اکاذیب واوہام کو موافق مزاج پا کر نصوص کتاب وسنت کی طرح حجت بنانے والے حضرات آخر اس معاملہ پر کیوں غور نہیں کرتے؟

امام ابن معین سے مروی ہے کہ امام صاحب ۱۵۱ھ میں فوت ہوئے۔ ❺ الغرض امام صاحب کا سال وفات اہل علم کے مابین مختلف فیہ ہے، اگرچہ صحیح یہ ہے کہ موصوف ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

۴۰۔ امام حماد بن دلیل قاضی مدائن:

مصنف انوار نے کہا:

”امام حماد بن دلیل فقیہ محدث صدوق تھے، امام اعظم کے ان بارہ اصحاب میں سے تھے جن کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ قضا کی صلاحیت رکھتے ہیں اور تقریباً سبھی قضا کے اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوئے، حماد کے علاوہ باقی لوگ یہ ہیں، (۲) قاضی ابویوسف، (۳) اسد بن عمرو بجلی، (۴) حسن بن زیاد، (۵) نوح بن ابی مریم، (۶) نوح بن

❶ خطیب (۱۳/ ۴۲۲) ❷ خطیب (۱۳/ ۱۰۰)
❸ خطیب (۱۳/ ۴۲۲) ❹ تانیب. ❺ خطیب (۱۳/ ۴۲۲)

دراج، (۷) عافیہ، (۸) علی بن ظبیان، (۹) علی بن حرملہ، (۱۰) قاسم بن معن، (۱۱) یحییٰ بن ابی زائدہ، (۱۲)۔"[1]

بارہویں کا نام مصنف انور نے نہیں لکھا۔ ہم کہتے ہیں کہ اولا: مصنف انوار کا یہ دعوی اختراعی وخانہ ساز ہے کہ حماد بن دلیل فرضی مجلس تدوین کے رکن رہ کر امام صاحب کی سرپرستی میں تیس سال تک تدوین فقہ کا کام کرتے رہے تھے۔

ثانیاً: مصنف انوار نے اگرچہ یہ کہا ہے کہ حماد ان بارہ افراد میں سے ہیں جنھیں امام صاحب نے نام بنام گنا کر بتلایا کہ یہ قاضی بننے کے لائق ہیں مگر مصنف انوار نے ان بارہ کے بجائے صرف گیارہ کے نام گنائے جس کا اصل سبب یہ ہے کہ مصنف انوار نے اپنے اس بیان کا جو ماخذ بتلایا ہے، یعنی جواہر المضیہ اور حدائق الحنفیہ ان میں سے جواہر المضیہ (۱/ ۲۲۵) میں ترجمۂ حماد میں ان حضرات کے ناموں میں سے ایک کا نام خود مصنف جواہر المضیہ نے چھوڑ دیا ہے یا ناسخ وکاتب نے ایسا کیا ہے مگر حدائق الحنفیہ (ص: ۱۳۷) میں حماد کے ترجمہ میں ان کے نام سرے سے گنائے ہی نہیں ہیں، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس فہرست کے ایک فرد علی بن حرملہ کو نا جانے کیوں مصنف انوار نے مجلس تدوین کا رکن نہیں قرار دیا؟ ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے اصول سے یہ ظلم ہونے کے ساتھ علی بن حرملہ کے خلاف مصنف انوار کا وہ جارحانہ اور معاندانہ اقدام ہے جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

مصنف انوار کا یہ قول ذکر ہو چکا ہے کہ امام حسن بن زیاد کرسیٔ عدالت پر بیٹھتے تھے تو اپنی ساری علمی صلاحیتیں کھو بیٹھتے تھے اور فریضۂ قضا کی ادائیگی سے بالکلیہ محروم ہو جاتے تھے بنابریں مستعفی ہونے پر مجبور ہوئے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب کی طرف منسوب مذکورہ بالا بات موصوف کی طرف منسوب دوسری بات کے معارض ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں ہی باتیں بذات خود مکذوب ہونے کے ساتھ ایک دوسرے کی تکذیب کرتی ہیں، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مذکورہ بالا حضرات میں سے کم از کم چھ حضرات یعنی آدھے لوگ کذاب تھے، اور مصنف انوار نے لکھا ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ کذاب آدمی قاضی بنائے جانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔[2] پھر ان کذابین کے بارے میں امام صاحب کی طرف جو یہ منسوب کیا گیا ہے کہ یہ لوگ قاضی بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

یہ بیان ہو چکا ہے کہ امام صاحب کی طرف منسوب ہے کہ امام ابو یوسف دنیا پرست اور مجنون ہو جائیں گے، امام صاحب کی طرف منسوب اس پیش گوئی کی بابت مصنف انوار کا کیا ارشاد ہے؟

مصنف انوار نے کہا:

"جب کوئی شخص حضرت فضیل بن عیاض سے مسئلہ پوچھتا وہ فرماتے کہ ابوزید (حماد کی کنیت) سے دریافت کرو۔"[3]

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی صحیح ومعتبر اس روایت کی طرف تذکرۂ فضیل بن عیاض میں اشارہ گزر چکا ہے۔ اصل روایت یہاں ملاحظہ ہو:

"عن الحسن بن عثمان كان الفضيل بن عياض يقول في أبي حنيفة وأصحابه، فإذا سئل

---

[1] مقدمہ انوار (ص: ۲۱۱) [2] مقدمہ انوار (۱/ ۱٤۷) [3] مقدمہ انوار (۱/ ۱۱۱ و ۲۱۲)

عن مسئلة يقول: ائتوا أبا زيد فسلوه، فقيل له: إنك تقول في أبي حنيفة وأصحابه ما تقول فإذا سئلت عن مسئلة دللت عليهم؟ قال: ويلك هم طلبوا هذا الأمر، وهم أحق بهذا الأمر.“ ❶

”فضیل بن عیاض امام صاحب اور ان کے اصحاب پر جرح وقدح کیا کرتے تھے لیکن ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے کہ حماد بن دلیل کے پاس جا کر پوچھو، فضیل بن عیاض سے کہا گیا کہ ایک طرف آپ امام صاحب اور ان کے اصحاب پر جرح وقدح کرتے ہیں اور دوسری طرف ان کے پاس مسئلہ پوچھنے بھیجتے ہیں، یہ کیا ماجرا ہے؟ فضیل بن عیاض نے کہا کہ اس طرح کے مسائل کی تحقیق میں یہ لوگ لگے رہے ہیں وہی اس طرح کے مسائل بتلانے کے زیادہ حق دار ہیں۔“

أولاً: ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار کی مستدل روایت میں صراحت ہے کہ مجلس تدوین کے رکن فضیل بن عیاض امام صاحب اور ان کے اصحاب پر تجریح وتنقید کرتے تھے مگر مصنف انوار نے کمال دیانتداری سے اپنی مستدل روایت کی یہ بات ظاہر نہیں کی۔

ثانیاً: اس روایت کا مفاد ہمارے نزدیک بغرضِ صحت یہ ہے کہ اہل الرائے کے خصوصی مسائل سے متعلق جو باتیں فضیل بن عیاض سے دریافت کی جاتیں ان کے جواب کی زحمت سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے موصوف کہہ دیا کرتے تھے کہ چونکہ اس طرح کے مسائل سے اہل الرای ہی شغف واشتغال رکھتے ہیں، ہم کو ان میں کوئی دلچسپی نہیں بلکہ ان سے اعراض وفرار ہے، اس لیے اس قسم کے مسائل کو حل کرنے سے اگر دلچسپی ہے تو انھیں اہل الرای کے پاس جا کر حل کیا کرو، ہم کو خواہ مخواہ کے لیے پریشان کرو نہ ہمارا وقت ضائع کرو۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عام محدثین حتی کہ امام نخعی اہل الرای والقیاس کی تدقیق ومقالات اور ان کے اختراعی مسائل سے بیزار ومتنفر رہا کرتے تھے، غیر وقوع پذیر وغیر مسئولہ مسائل سے محدثین کرام خصوصًا نہایت بے زار رہا کرتے تھے، عین ممکن ہے کہ اس طرح کے مسائل سے اعراض کرتے ہوئے امام فضیل فرما دیا کرتے ہوں کہ اس طرح کے مسائل سے اشتغال وانہماک چونکہ امام صاحب اور ان کے اصحاب کو رہا ہے اس لیے انھیں سے یہ باتیں دریافت کرو۔

ثالثاً: روایت مذکورہ کی سند کے بعض رواۃ کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

رابعًا: روایت مذکورہ کا مفاد ہے کہ امام فضیل بن عیاض امام صاحب کی جماعت ومسلک کے آدمی نہیں تھے، پھر انھیں حنفی المذہب حتی کہ مجلس تدوین کا رکن قرار دینا کیونکر درست ہے؟

یہ بات بہر حال طے شدہ ہے کہ موصوف حماد مسلک رائے کے پیرو تھے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

”كان حماد قاضي المدائن لم يكن صاحب حديث، كان صاحب رأي، سمعت منه حديثين.“ ❷

”حماد مدائن کے قاضی تھے، صاحب حدیث مراد اہل حدیث مذہب کے پیرو نہیں تھے بلکہ مذہب رائے کے پیرو تھے، ان سے میں نے دو حدیثیں سنی ہیں۔“

---

❶ خطیب (۱۳/ ۱۵۲) وتهذیب التهذیب (۳/ ۸)　❷ خطیب (۸/ ۱۵۲) وتهذیب التهذیب (۳/ ۸)

اس سے معلوم ہوا کہ امام احمد نے حماد بن دلیل سے دو حدیثوں کا سماع کیا ہے مگر چونکہ یہ معلوم ہے کہ امام احمد اہل الرای سے روایت حدیث کے روادار نہ تھے، اس لیے اس تفصیل کا لازمی مطلب ہے کہ موصوف سے امام احمد نے صرف سماع پر اکتفا کیا ہے ان سے روایت نہیں کی۔

موصوف حماد بذات خود ثقہ وصدوق تھے مگر ابوالفتح ازدی نے موصوف کو ضعیف کہا ہے اور مصنف انوار نے ازدی پر اعتماد کر کے امام نعیم بن حماد پر تجریح کی ہے، پھر تضاد بیانی کر کے موصوف نے اپنی تکذیب بھی کر لی ہے۔ (کمامر)

مجلس تدوین اور اس کے چہل ارکان سے متعلق مصنف انوار کی تحریر کردہ باتوں پر ہمارا تبصرہ ختم ہوا، فیصلہ ناظرین کرام کے ہاتھ میں ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

ناظرین کرام پانچویں جلد کے منتظر رہیں جو اِن شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد شائع ہوگی۔